قرآنی علوم و معارف کا بے بہا خزینہ

الاتقان

فی علوم القرآن

(اردو)

قرآن فہمی کیلئے بنیادی کتاب

جس کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے صدہا کتب کے علمی جواہرات اور مفید و نادر معلومات سے مرتب کیا، اس میں قرآن مجید کے اسی انواع علوم کا تذکرہ ہے، یہ کتاب اپنی افادیت اور جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

نور محمد، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

پاکستان میں اس کتاب کے ملنے کا پتہ
مسلم اتحاد زندہ باد
کتب خانہ قاسمیہ چوک فوارہ ملتان

إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

قرآنی علوم و معارف کا بے بہا خزینہ

الاتقان

فی علوم القرآن

(اردو)

صدہا کتب کے علمی جواہرات سے مزین

تالیف:
علامہ جلال الدین سیوطیؒ

ترجمہ:
مولانا محمد حلیم انصاری

تصحیح و تزئین:
مولانا محمد عبد الحلیم چشتی
و
معراج محمد بارق

:(حصہ اول):

ناشر
نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی

مکتبہ قاسمیہ ملتان
متصل جامع مسجد ... چوک فوارہ

Rs. 25.00

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 052739
★ MAILSI ★

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

فہرست مضامین "الاتقان" اردو

حصۂ اوّل

مضمون	صفحہ
علوم قرآن اور "الاتقان" از مولانا محمد عبدالحلیم چشتی	۵۴
دیباچہ	۱
علوم تفسیر پر علامہ کافیجی کی تصنیف کا ذکر	۲
جلال الدین بلقینی کی "مواقع العلوم" کا تعارف	۲
"مواقع العلوم" کے موضوعات کی فہرست	۳
علامہ سیوطی کی تصنیف "التحبیر فی علوم التفسیر" کا ذکر	۳
کتاب "التحبیر" کے موضوعات کی فہرست	۵
علامہ زرکشی کی "البرہان فی علوم القرآن"	۷
"البرہان" کے موضوعات کی فہرست	۷
"الاتقان" کا تعارف	۹
"الاتقان" کے موضوعات کی اجمالی فہرست	۹
اسی موضوع پر دیگر کتب کے اسماء	۱۲
اُن کتابوں کی فہرست جن سے "الاتقان" کی تالیف میں مدد لی گئی ہے	۱۲
نوع ۱ مکّی اور مدنی آیتوں کی شناخت کا بیان	۱۵
اس علم کی ضرورت و اہمیت	۱۵
مقامِ نزول کے لحاظ سے قرآن کی قسمیں	۱۵

مکی اور مدنی آیات کی تقسیم کے تین اصول	۱۶
مکی اور مدنی کی شناخت کا مدار صرف اقوالِ صحابہ و تابعین ہیں	۱۷
مدینہ میں صرف ۲۷ سورتیں نازل ہوئی ہیں	۱۷
مکی اور مدنی آیات کی تلخیص اور فہرست (بقولِ ابن عباسؓ)	۱۷
مکی اور مدنی سورتوں کی ترتیب (بقولِ عکرمہؒ)	۱۸
مکی اور مدنی سورتوں کی ترتیب (بقولِ ابن عباسؓ)	۲۰
مدنی سورتوں کی تفصیل (بقولِ علی بن ابی طلحہؒ)	۲۱
مدنی آیات کی فہرست (بقولِ قتادہؒ)	۲۱
بیس سورتیں متفقہ طور پر مدنی ہیں، بارہ مختلف فیہ ہیں اور باقی مکی ہیں	۲۱
مکی اور مدنی سورتوں کی تفصیل کے متعلق مختلف اقوال کا خلاصہ اشعار میں	۲۱
فصل۔ مختلف فیہ سورتوں کا بیان	۲۳
۱۔ سورۃ الفاتحہ	۲۳
۲۔ سورۃ النساء	۲۴
۳۔ سورۃ یونسؑ	۲۴
۴۔ سورۃ الرّعد	۲۵
۵۔ سورۃ الحج	۲۵
۶۔ سورۃ الفرقان	۲۶
۷۔ سورۃ یٰسٓ	۲۶
۸۔ سورۃ ص	۲۶
۹۔ سورۃ محمدؐ	۲۶
۱۰۔ سورۃ الحجرات	۲۶
۱۱۔ سورۃ الرحمٰن	۲۶
۱۲۔ سورۃ الحدید	۲۷
۱۳۔ سورۃ الصّف	۲۷
۱۴۔ سورۃ الجمعہ	۲۷
۱۵۔ سورۃ التغابن	۲۸
۱۶۔ سورۃ الملک	۲۸
۱۷۔ سورۃ الانسان (الدہر)	۲۸
۱۸۔ سورۃ المطففین	۲۸
۱۹۔ سورۃ الاعلیٰ	۲۸
۲۰۔ سورۃ الفجر	۲۸
۲۱۔ سورۃ البلد	۲۹
۲۲۔ سورۃ اللیل	۲۹
۲۳۔ سورۃ القدر	۲۹
۲۴۔ سورۃ لم یکنْ (البیّنہ)	۲۹
۲۵۔ سورۃ زلزلۃ	۲۹
۲۶۔ سورۃ العادیات	۲۹
۲۷۔ سورۃ الہاکم التکاثر	۲۹
۲۸۔ سورۃ ارأیت (الماعون)	۳۰
۲۹۔ سورۃ الکوثر	۳۰
۳۰۔ سورۃ الاخلاص	۳۰

۳۱۔ معوذتین	۳۰
فصل: مکی سورتوں میں شامل مدنی آیات کا بیان	۳۰
۱۔ سورۃ الفاتحہ	۳۱
۲۔ سورۃ البقرہ	۳۱
۳۔ سورۃ الانعام	۳۱
۴۔ سورۃ الاعراف	۳۲
۵۔ سورۃ الانفال	۳۲
۶۔ سورۃ برارۃ (توبہ)	۳۲
۷۔ سورۃ یونسؑ	۳۲
۸۔ سورۃ ہودؑ	۳۲
۹۔ سورۃ یوسفؑ	۳۳
۱۰۔ سورۃ الرعد	۳۳
۱۱۔ سورۃ ابراہیمؑ	۳۳
۱۲۔ سورۃ الحجر	۳۳
۱۳۔ سورۃ النحل	۳۳
۱۴۔ سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)	۳۳
۱۵۔ سورۃ الکہف	۳۴
۱۶۔ سورۃ مریم	۳۴
۱۷۔ سورۃ طٰہٰ	۳۴
۱۸۔ سورۃ الانبیاء	۳۴
۱۹۔ سورۃ الحج	۳۴
۲۰۔ سورۃ المؤمنون	۳۴
۲۱۔ سورۃ الفرقان	۳۴
۲۲۔ سورۃ الشعراء	۳۴
۲۳۔ سورۃ القصص	۳۴
۲۴۔ سورۃ العنکبوت	۳۵
۲۵۔ سورۃ لقمان	۳۵
۲۶۔ سورۃ السجدہ	۳۵
۲۷۔ سورۃ سبا	۳۵
۲۸۔ سورۃ یٰسٓ	۳۵
۲۹۔ سورۃ الزمر	۳۶
۳۰۔ سورۃ غافر (مؤمن)	۳۶
۳۱۔ سورۃ شوریٰ	۳۶
۳۲۔ سورۃ الزخرف	۳۶
۳۳۔ سورۃ الجاثیہ	۳۶
۳۴۔ سورۃ الاحقاف	۳۶
۳۵۔ سورۃ قٓ	۳۷
۳۶۔ سورۃ النجم	۳۷
۳۷۔ سورۃ القمر	۳۷
۳۸۔ سورۃ الرحمٰن	۳۷
۳۹۔ سورۃ الواقعہ	۳۷
۴۰۔ سورۃ الحدید	۳۷
۴۱۔ سورۃ المجادلہ	۳۷
۴۲۔ سورۃ التغابن	۳۷
۴۳۔ سورۃ التحریم	۳۷
۴۴۔ سورۃ تبارک (الملک)	۳۸
۴۵۔ سورۃ نٓ (القلم)	۳۸
۴۶۔ سورۃ المزمل	۳۸

۴۷۔ سورۃ الانسان (الدہر) ۳۸
۴۸۔ سورۃ المرسلات ۳۸
۴۹۔ سورۃ المطففین ۳۸
۵۰۔ سورۃ البلد ۳۸
۵۱۔ سورۃ اللیل ۳۸
۵۲۔ سورۃ ارأیت (الماعون) ۳۸
ضابطے: مکّی اور مدنی سورتوں اور آیتوں کی شناخت کے قواعدِ کلّیہ ۳۸
مکّی اور مدنی کی شناخت کے دو طریقے ۳۹
تنبیہہ:
(۱) وہ آیتیں جو مکّہ میں نازل ہوئیں مگر ان کا حکم مدنی ہے ۴۰
(۲) وہ آیتیں جو مدینہ میں نازل ہوئیں مگر ان کا حکم مکّی ہے ۴۰
(۳) مکّی سورتوں میں مدنی آیت کی تنزیل کا نمونہ ۴۱
(۴) مدنی سورتوں میں مکّی آیت کی تنزیل کی مثال ۴۱
(۵) قرآن کا وہ حصّہ جو مکّہ سے مدینہ میں لایا گیا ۴۱
(۶) قرآن کا وہ حصّہ جو مدینہ سے مکّہ لایا گیا ۴۱
(۷) حبش کو جانے والا قرآن کا حصّہ ۴۱

نوع ۲

حضری اور سفری آیات کی شناخت ۴۱
حضری اور سفری آیات کی تعریف ۴۱
سفری آیات کی مثالیں: ۴۲
۱۔ سورۃ البقرۃ ۴۲
۲۔ سورۃ آل عمران ۴۲
۳۔ سورۃ النساء ۴۳
۴۔ سورۃ المائدہ کا آغاز اور آیتِ تیمّم ۴۳
۵۔ سورۃ الانفال کا آغاز ۴۴
۶۔ سورۃ التوبہ ۴۴
۷۔ سورۃ الانفال کا خاتمہ ۴۵
۸۔ سورۃ بنی اسرائیل ۴۵
۹۔ سورۃ الحج کا آغاز ۴۵
۱۰۔ سورۃ الفرقان ۴۵
۱۱۔ سورۃ القصص ۴۵
۱۲۔ سورۃ الرّوم کا آغاز ۴۵
۱۳۔ سورۃ الزّخرف ۴۶
۱۴۔ سورۃ محمدؐ ۴۶
۱۵۔ سورۃ الفتح ۴۶
۱۶۔ سورۃ الحجرات ۴۶
۱۷۔ سورۃ القمر ۴۶

۱۸۔ سورۃ الواقعہ ۴۶
۱۹۔ سورۃ الممتحنہ (آیتِ امتحان) ۴۷
۲۰۔ سورۃ المنافقین ۴۷
۲۱۔ سورۃ المرسلات ۴۷
۲۲۔ سورۃ المطففین ۴۷
۲۳۔ سورۃ اقرأ (علق) ۴۷
۲۴۔ سورۃ الکوثر ۴۷
۲۵۔ سورۃ النصر ۴۷

نوع ۳
نہاری اور لیلی آیات کی شناخت ۴۷

نہاری اور لیلی آیات کی تعریف ۴۷
لیلی آیات کی مثالیں: ۴۸
۱۔ سورۃ البقرۃ (تحویلِ قبلہ کی آیت) ۴۸
۲۔ سورۃ آلِ عمران کا آخری حصّہ ۴۹
۳۔ سورۃ المائدۃ ۴۹
۴۔ سورۃ الانعام ۴۹
۵۔ سورۃ التوبۃ ۴۹
۶۔ سورۃ مریم ۴۹
۷۔ سورۃ الحج کا آغاز ۴۹
۸۔ سورۃ الاحزاب ۵۰
۹۔ سورۃ الزخرف ۵۰
۱۰۔ سورۃ الفتح کا آغاز ۵۰
۱۱۔ سورۃ المنافقین ۵۰
۱۲۔ سورۃ المرسلات ۵۰
۱۳۔ معوذتین ۵۱
فصل: بعض وہ آیتیں جو دن اور رات کے مابین بوقتِ فجر نازل ہوئیں ۵۱
تنبیہ: صرف دن کے وقت وحی نازل ہونے کی تردید ۵۱

نوع ۴
صیفی اور شتائی آیات کا بیان ۵۱

موسمِ گرما میں نازل ہونے والی آیات کی مثالیں ۵۱
موسمِ سرما میں نازل ہونے والی آیات کی مثالیں ۵۲

نوع ۵
فراشی اور نومی آیات کا بیان ۵۳

فراشی اور نومی آیات کی تعریف ۵۳
فراشی آیات کی مثالیں ۵۳
نومی آیات کی مثال اور اس کی توجیہ ۵۳
تمام قرآن حالتِ بیداری میں اُترا ہے ۵۴

نوع ٦ ارضی اور سماوی آیات کا بیان	۵۴
چھ آیتیں جو نہ زمین پر نازل ہوئی ہیں نہ آسمان پر	۵۴
دیگر آیات جو زیرِ زمین نازل ہوئیں یا آسمان پر	۵۵
نوع ۷ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں	۵۵
سب سے پہلے "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الآیۃ" نازل ہوئی ہے	۵۵
سب سے پہلے سورۃ المدثر نازل ہوئی ہے	۵۶
اِن دونوں اقوال میں تطبیق	۵۷
سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا نزول ہوا ہے	۵۸
سب سے پہلے "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" کا نزول ہوا ہے	۵۸
سب سے پہلے مفصّل کی کوئی سُورت اُتری تھی	۵۹
فصل: مکّہ میں سب سے پہلے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت اور مدینہ میں سب سے پہلے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت کا بیان	۵۹
مکّی اور مدنی سورتوں کی ترتیبِ نزول (بروایتِ جابر بن زید)	٦۰
مکّی و مدنی سورتوں کی ترتیبِ نزول کا بیان اشعار میں	٦۱
فصل: اوائلِ مخصوصہ	٦۲
وہ آیتیں جو خاص خاص معاملات کی بابت سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں:	٦۲
۱۔ جنگ کی اجازت کے بارے میں	٦۲
۲۔ قتل کے بارے میں	٦۳
۳۔ شراب کے بارے میں	٦۳
۴۔ کھانوں کی بابت	٦۳
۵۔ آیتِ سجدہ والی سب سے پہلی سورت	٦۳
٦۔ سورۃ براءۃ میں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کونسی ہے	٦۳
۷۔ سورۃ آلِ عمران میں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت	٦۴

نوع ۸ سب سے آخر میں نازل ہونے والا حصۂ قرآن — ۶۴

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ہے — ۶۴

سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے — ۶۴

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ہے — ۶۴

سب سے آخر میں آیت دین نازل ہوئی — ۶۵

ان مذکورہ بالا اقوال میں تطبیق — ۶۵

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ الآیۃ ہے — ۶۵

قرآن کا آخری نازل ہونے والا حصہ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ آیت ہے — ۶۶

سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ نصر ہے — ۶۶

سب سے آخر میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی ہے — ۶۶

سب سے آخر میں سورۃ البراءۃ نازل ہوئی ہے — ۶۶

مذکورہ بالا اختلافات میں تطبیق — ۶۶

اس باب نزول کے متعلق بعض عجیب و غریب روایات: — ۶۷

(۱) فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ آخری آیت ہے — ۶۷

(۲) وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا آخری آیت ہے — ۶۷

(۳) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ الخ آخری آیت ہے — ۶۷

(۴) [illegible] آخری آیت ہے — ۶۷

تنبیہ: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آیت کے نزول کی بابت اشکال — ۶۸

نوع ۹ سبب نزول — ۶۸

اس موضوع پر کتابوں کے نام — ۶۸

نزول قرآن کی دو قسمیں — ۶۹

اس نوع کے مسائل: — ۶۹

۱- اسباب نزول کے فوائد — ۶۹

۲- نصّ میں لفظ کے عموم کا اعتبار کرنا چاہئے یا سبب نزول کے خصوص کا: — ۷۱

تنبیہ: جب آیت کے نزول کا سبب

شان نزول کے سبب ... یہ کہ اس سبب کوئی حکم نہیں ہوتا ٧٣
کبھی کچھ آیتوں کا نزول خاص اسباب سے ہوتا ہے مگر وہ قرآن کی دیگر آیتوں کی مناسبت سے تمام آیتوں کے ساتھ رکھ دی جاتی ہیں ٧٤
اسباب نزول کے لئے جو حدیث وارد ہو اس کی شروط ٧٥
(ا) سبب نزول سے متعلق صحابی کی روایت پر منحصر کرنا چاہئے ٧٦
(ب) سبب نزول سے کوئی شخص آیت کی مراد ہوتا ہے ٧٦
(ج) سبب نزول ذکر ہوتا ہے جب کہ اس کے وقوع کے وقت آیت اتری ٧٦
تنبیہ: سبب نزول سے متعلق ... روایت کی ترجیح ... ٧٧
ایک آیت کے نزول کے متعدد سبب بیان کئے گئے ہوں تو کیا کیا جائے؟ ٨٠
تنبیہ: سبب نزول ... آیت ... ٨٢

نوع ١٠
قرآن کے ان حصوں کا بیان جو بعض صحابہ کی زبان پر جاری شدہ الفاظ کے مطابق نازل ہوئے ہیں ٨٥

حضرت عمرؓ کے موافقات ٨٥
حضرت سعد بن معاذ وغیرہ کے قول کے مطابق آیت کا نزول ٨٦
ایک عورت کے قول کے موافق آیت کا نزول ٨٦
حضرت مصعب بن عمیر کے قول کے موافق آیت کا نزول ٨٧
... اسی طرح قرآن کے وہ حصے جو غیر اللہ کی زبان پر نازل ہوئے ہیں ٨٧

نوع ١١
تکرار نزول کا بیان ٨٧

... تکرار نزول اور اس کی مثالیں ٨٧
شان بڑھانے اور توجہ دلانے کی غرض سے تکرار نزول ... کی مثالیں ٨٨

... آیتیں دو بار نازل ہوئی ہیں	۸۸
تنبیہ: ... [illegible] ... کی تعیین	۸۸
تنبیہ: بعض کہتے ہیں کہ قرآن کا کوئی حصہ دو بار نازل نہیں ہوا	۸۹

نوع ۱۲

وہ آیات جن کا حکم ان کے نزول سے پہلے اور جن کا نزول ان کے حکم سے پہلے ہوا ہے	۸۹
نزول سے ... ہونے والی ...	۸۹
[illegible]	۹۰
[illegible]	۹۰
بیت ...	۹۰
[illegible]	۹۱
[illegible]	۹۱

نوع ۱۳

قرآن کے وہ حصے جو ... نازل ہوئے اور ...	۹۲
[illegible]	
... کی مثالیں	۹۲
یکبارگی نازل ہونے والی سورتوں کی مثالیں	۹۲

نوع ۱۴

قرآن کی وہ سورتیں اور آیتیں جنکے ساتھ فرشتوں کا نزول ہوا یا جو تنہا صرف حامل وحی کی معرفت اتریں	۹۳
سورۂ انعام ... کے ہمراہ ... فرشتے نازل ہوئے تھے	۹۳
فرشتوں کے نزول والی روایت کی اسناد پر تبصرہ	۹۳
سورۂ فاتحہ کی ... آیت اور آیت الکرسی کے ساتھ بھی فرشتے نازل ہوئے	۹۳
سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیات کے ساتھ ... فرشتے اترے	۹۴
سورۂ ... کے ساتھ ... ہزار فرشتے اترے	۹۴

تنبیہ: "جبرئیلؑ کے ہمراہ ہمیشہ چار محافظ فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے تھے" اس روایت اور مذکورہ بالا اقوال میں تطبیق ۹۴

فائدہ: وہ آیتیں اور سورتیں جو عرش کے خزانہ سے نازل کی گئیں ۹۵

نوع ۱۵
قرآن کے وہ حصے جن کا نزول بعض سابق انبیاء پر بھی ہو چکا ہے، اور وہ حصے جن کا نزول محمد صلعم سے پہلے کسی نبی پر نہیں ہوا ہے ۹۶

وہ آیتیں اور سورتیں جو صرف حضرت محمد صلعم پر نازل ہوئیں ۹۶

قرآن کے وہ حصے جو انبیائے سابقین پر بھی نازل ہو چکے ہیں ۹۷

فائدہ: یوسفؑ کو دکھائی جانے والی برہان کلام اللہ کی تین آیتیں تھیں ۹۸

نوع ۱۶
قرآن اتارے جانے کی کیفیت ۹۹

مسئلہ اولیٰ: کلام اللہ کے لوح محفوظ سے اتارے جانے کی کیفیت میں تین مختلف قول: ۹۹

(۱) کلام اللہ شب قدر میں آسمان دنیا پر یکبارگی اترا ۹۹

(۲) قرآن کا نزول آسمان دنیا پر ہر سال کی شب قدر میں جستہ جستہ ہوتا تھا ۱۰۰

ان دونوں قول میں راجح کونسا قول ہے؟ ۱۰۰

(۳) قرآن کا نزول شب قدر سے شروع ہوا تھا ۱۰۱

تنبیہیں:

(۱) قرآن کے یکبارگی آسمان پر نازل کئے جانے کا راز اور حکمت ۱۰۱

(۲) آسمان دنیا پر نزول قرآن کا وقت بعثت نبوی سے قبل ہوا ۱۰۲

(۳) قرآن کے بالتفریق جستہ جستہ نازل ہونے کا راز ۱۰۳

تنبیہ: سابقہ آسمانی کتابیں یکبارگی نازل ہوئیں یا جستہ جستہ؟ ۱۰۴

فصل: قرآن بہ اندازہ کس قدر نازل ہوتا تھا؟ ۱۰۶

مسئلہ دوم: نزول قرآن اور وحی کی کیفیت کا بیان ۱۰۷

(۱) تنزیل کے دو طریقے	۱۰۷
(۲) نازل شدہ کتب کے بارے میں تین قول کہ آیا ان کے الفاظ نازل ہوئے یا صرف معنی؟	۱۰۸
(۳) کلام اللہ منزل کی دو قسمیں بالالفاظ و بالمعنی	۱۰۹
(۴) قرآن کا نزول بالالفاظ ہوا ہے	۱۱۰
(۵) وحی کی دو قسمیں	۱۱
فصل: نزول وحی کی حالت کیفیات	۱۱۱
فائدہ اولیٰ: [illegible]	۱۱۲
فائدہ دوم: [illegible] نازل ہوا ہے	۱۱۲
[illegible]	۱۱۳
فائدہ سوم: نزول وحی کے وقت رسول اللہ کی حالت	۱۱۳
مسئلہ: [illegible] سات [illegible] قرآن نازل ہوا ہے سات حروف کے معنی کی بحث	۱۱۳
[illegible]	۱۱۴
[illegible]	۱۱۴
اور آسانی مراد ہے	۱۱۴
۳۔ اس سے سات قرأتیں مراد ہیں	۱۱۴
۴۔ ایک کلمہ کو سات طرح پڑھنا مراد ہے	۱۱۵
۵۔ وہ وجوہ مراد ہیں جن سے قرأت میں تغیر واقع ہوتا ہے	۱۱۵
۶۔ اس سے [illegible] لغات کا اختلاف مراد ہے	۱۱۶
۷۔ کیفیات [illegible] کا اختلاف مراد ہے	۱۱۶
۸۔ [illegible]	۱۱۷
۹۔ [illegible] الفاظ کے اختلاف کے ساتھ پڑھنا مراد ہے	۱۱۷
۱۰۔ اس سے سات [illegible]	۱۱۰
۱۱۔ اس سے [illegible] کی سات [illegible]	

[illegible]	١١٩
١٢- اس سے [illegible] تشبیہ اور [illegible] وغیرہ	١٢٠
١٣- اس سے [illegible] استعارہ [illegible] اور مجاز وغیرہ	١٢٠
١٤- اس سے تذکیر و تانیث [illegible]	١٢٠
١٥- اس سے [illegible]	١٢٠
١٦- اس سے [illegible]	١٢٠
[illegible] فہرست	١٢١
[illegible]	١٢٢
[illegible]	١٢٣
[illegible]	١٢٤
[illegible] کی قراءت	١٢٤
[illegible]	١٢٥
قرآن [illegible]	١٢٨
[illegible]	١٢٩
[illegible]	١٣٠
فائدہ: قرآن [illegible]	
فصل [illegible]	١٣٠
سورۃ کی [illegible]	
فصل [illegible]	١٣١
[illegible]	١٣٢
١- [illegible]	١٣٣
٢- سورۃ [illegible]	١٣٤
٣- سورۃ [illegible]	١٣٥
٤- سورۃ [illegible]	[illegible]
٥- سورۃ [illegible]	١٣٦
٦- سورۃ [illegible]	١٣٧
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

ابوبکرؓ اور عثمانؓ کے جمع قرآن میں فرق	۱۵۰
فائدہ: حضرت عثمانؓ کے تیار کردہ مصاحف کی تعداد	۱۵۱
فصل: اس اجماع اور ان نصوص کا بیان جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب بلاشبہ توقیفی ہے	۱۵۱
فصل: اس امر میں [illegible] سورتوں کی ترتیب [illegible]	[illegible]
فائدہ: [illegible] سورتوں کے	۱۵۸
۱. السبع الطوال	۱۵۸
۲. المئین	۱۵۸
۳. المفصل	۱۵۸
فائدہ: مفصل میں [illegible] سورتیں [illegible]	۱۵۹
تنبیہ: [illegible] سورۂ خلع اور سورۂ حفد کی [illegible]	۱۵۹
فائدہ: ابی بن کعبؓ کے مصحف کی ترتیب	۱۵۹
عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف کی ترتیب	۱۶۰

نوع ۱۹

قرآن کی سورتوں، آیتوں، کلمات اور حروف کی تعداد

نوع ۱۹: قرآن کی سورتوں، آیتوں، کلمات اور حروف کی تعداد	۱۶۱
قرآن کی سورتوں کی تعداد	۱۶۱
سورۂ انفال اور براءت دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے؟	۱۶۱
[illegible]	[illegible]
[illegible] سورتوں کی تعداد	۱۶۲
سورۂ الحفد اور سورۂ الخلع کا ذکر	۱۶۲
تنبیہ: سورۂ [illegible] اور سورۂ [illegible] دونوں ایک سورتیں ہیں	۱۶۳
فائدہ: قرآن کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت اور فائدے	۱۶۳
فصل: آیتوں کی تعداد	۱۶۴
آیت کی تعریف	۱۶۵
آیت کو معلوم کرنے کا طریقہ صرف شارع کی توقیف ہے	۱۶۵
آیتوں کی تعداد میں اختلاف کا سبب	۱۶۶
قرآن کی جملہ آیات و حروف کی تعداد	۱۶۶
آیات کی تعداد میں شمار کا اختلاف	[illegible]

[illegible] قرآن	
[illegible]	۱۶۸
[illegible] تعداد	
آیات [illegible]	۱۶۹
[illegible]	
[illegible]	۱۶۹
[illegible] کی تعداد	
آیات میں [illegible]	۱۶۹
[illegible]	
[illegible]	۱۷۳
[illegible]	
[illegible]	۱۷۳
[illegible] اور اخوات	۱۷۴
فائدہ اول: آیتوں کی معرفت اور [illegible]	۱۷۴
[illegible]	
[illegible]	۱۷۵
فائدہ دوم: [illegible]	۱۷۵
[illegible] قرآن [illegible] کی تعداد	۱۷۵
[illegible]	۱۷۵
قرآن کے حروف کی تعداد	۱۷۶
قرآن کے حروف کی تعداد معلوم کرنے کا قاعدہ	۱۷۶
فائدہ: حروف، کلمات، آیات، سورتوں اور احزاب کی تعداد کے لحاظ سے قرآن کا نصف	۱۷۶
نوع ۲۰ **قرآن کے حفاظ اور راوی**	۱۷۷
رسول اللہ صلعم کے مقرر کردہ چار معلمین قرآن	۱۷۷
انس کی روایت کہ عہد رسالت میں صرف چار صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا	۱۷۸
اس روایت کی تشریح بقول مازری	۱۷۸
انس کی روایت پر قرطبی اور باقلانی کا تبصرہ	۱۷۹
اس روایت کی توجیہ از علامہ سیوطی	۱۸۰
مذکورہ روایت پر ابن حجر کا تبصرہ	۱۸۱
دیگر حفاظ اور [illegible] قرآن [illegible]	۱۸۱
[illegible]	۱۸۲
فائدہ: [illegible]	

[illegible]	۱۸۳
فصل	
[illegible]	۱۸۳
[illegible]	۱۸۴
[illegible]	۱۸۴
[illegible]	۱۸۴
[illegible]	۱۸۴
[illegible]	۱۸۵
راوی	۱۸۵
فن قرأت [illegible]	۱۸۶
فصل ۲۱ قرآن کی [illegible] اور [illegible]	۱۸۶
قسم اوّل	۱۸۶
قسم دوم	۱۸۷
قسم سوم	۱۸۷
[illegible]	۱۸۸
[illegible]	۱۸۷
[illegible]	۱۸۸
[illegible]	۱۸۸
[illegible]	۱۸۹
[illegible]	۱۸۹
[illegible]	۱۸۹
نزول [illegible]	۱۸۹
فصل ۲۲ [illegible]	۱۹۰
[illegible] قرآن	
[illegible]	۱۹۰
[illegible]	۱۹۰
[illegible]	۱۹۲
قبول قرأت [illegible]	۱۹۱
[illegible]	۱۹۳
[illegible] کے معنی	
قرأت کے [illegible]	

[illegible]

۶۔ وقف اور مد [illegible]

[illegible]

[illegible] ۲۳۶

[illegible] ۲۳۰

[illegible] ۲۳۶

نوع ۳

امالہ اور فتح

[illegible]

[illegible] ۲۳۶

[illegible] ۲۳۶

رسول اللہ صلعم کی قرأت امالہ کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۲۳۱

[illegible]

(ا) ہمزہ کا آنا	۲۶۰
اس کی وجہ سے مد آنے کی علت	۲۶۰
(ب) سکون کا آنا:	۲۶۰
۱۔ لازمی	۲۶۰
۲۔ عارضی	۲۶۰
اس کی وجہ سے مد آنے کی علت	۲۶۰
ان مدوں کی بعض اقسام میں قراء کا اختلاف و اتفاق	۲۶۰
مد ہمزۂ متصل کے دو مرتبے	۲۶
مد ساکن کی مقدار	۲۶۱
مد منفصل کے نام:	۲۶۱
(۱) مد الفصل	۲۶۱
(۲) مد البسط	۲۶۱
(۳) مد الاعتبار	۲۶۱
(۴) مد حرف بحرف	۲۶۱
(۵) مد جائز	۲۶۱
مد منفصل کے سات مرتبے	۲۶۱
مد کے مراتب کا اندازہ الفوں کی تعداد سے کرنا کوئی تحقیقی امر نہیں ہے	۲۶۲
مد سکون عارضی کی مقدار	۲۶۲
۲۔ معنوی سبب: نفی میں مبالغہ کا قصد:	۲۶۲
(ا) مد تعظیم یا مد مبالغہ	۲۶۲
(ب) لائے تبرئہ کا مد	۲۶۳

(ج) مبالغہ نفی کے مد کی مقدار	۲۶۳
فائدہ: جب مد کے سبب متغیر ہو جائیں تو کیا کیا جائے؟	۲۶۳
فائدہ: جب قوی اور ضعیف دو سبب یکجا ہو جائیں تو کیا کیا جائے؟	۲۶۳
فائدہ: قرآن کے مدات کی دس وجوہ	۲۶۳
۱۔ مد حجز	۲۶۴
۲۔ مد عدل	۲۶۴
۳۔ مد تمکین	۲۶۴
۴۔ مد البسط	۲۶۴
۵۔ مد الروم	۲۶۴
۶۔ مد الفرق	۲۶۵
۷۔ مد تنبیہ	۲۶۵
۸۔ مد المبالغہ	۲۶۵
۹۔ مد البدل من الہمزہ	۲۶۵
۱۰۔ مد الاصل	۲۶۵

نوع ۳۳

تخفیف ہمزہ

تخفیف ہمزہ کی وجہ	۲۶۶
تخفیف ہمزہ میں اہل حجاز کا خصوص	۲۶۶
...	۲۶۶

تجوید کی چار قسمیں:	۲۶۷
[illegible] کی حرکت منتقل کرکے حرف ساکن ماقبل کو دیدینا	۲۶۷
ابدال یعنی ہمزہ ساکن کو حرکت ماقبل کے جنس حرف مد کے ساتھ بدل دینا	۲۶۷
[illegible] اور [illegible] کی حرکت [illegible]	۲۶۸
[illegible]	۲۶۸
[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	۲۶۹
[illegible]	۲۷۰
[illegible]	۲۶۹
[illegible]	۲۷۰
[illegible]	۲۷۰
[illegible]	۲۷۰
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

فصل	۲۰۲
تجوید کی ضرورت واہمیت	۲۰۲
تجوید کی تعریف	۲۰۳
لحن کی تعریف	۲۰۳
تجوید سیکھنے کا بہترین طریقہ	۲۰۳
ترقیق کا بیان	۲۰۴
حروف مستعلیہ مرققہ اور حروف مستعلیہ مفخمہ ہوتے ہیں	۲۰۴
مخارج حروف کی تعداد	۲۰۴
کسی حرف کا مخرج معلوم کرنے کا طریقہ	۲۰۴
حروف کے مخارج کا بیان	۲۰۴
بعض قریب المخرج اور مشتبہ حروف کا ذکر اور ان کے باہمی فروق کا بیان	۲۰۶
تجوید کی تعریف میں تسمیہ	۲۰[illegible]
فائدہ: قرأت قرآن میں ہدایات [illegible] ترتیل [illegible] تدویر [illegible] وغیرہ	۲۰[illegible]
فصل	۲۰۸
قرآن کے [illegible]	۲۰۸
حرکات اور سکون کی کیفیت	
[illegible]	۲۰۸
تنوین [illegible]	
قرآن کو [illegible]	

... وضو کرنا [illegible] ۲۹۹
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

قرأت تو بند کر دینا ۳۰۳
مسئلہ: غیر عربی زبان میں قرآن یا اس کا ترجمہ پڑھنا ۳۰۳
مسئلہ: قرأت شاذہ کا پڑھنا ۳۰۳
مسئلہ: مصحف کی ترتیب [illegible] قرأت کرنا ۳۰۳
مسئلہ: قرأت کو چھوڑ دینا [illegible] ۳۰۶
مسئلہ: قرأت [illegible] خاموشی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
مسئلہ: ختم قرآن کے بعد دعا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مسئلہ: "میں فلاں آیت بھول گیا" کہنا	٣١٢
مسئلہ: میت کو قرأت کا ایصال ثواب	٣١٢
فصل	٣١٣
قرآن سے اقتباس کرنا	٣١٣
اقتباس کی تعریف	٣١٣
قرآن سے اقتباس کرنے کے بارے میں مالکیہ اور شوافع کا مسلک	٣١٣
اس مسئلہ میں [illegible]	٣١٣
نظم و نثر میں قرآن کی تضمین	٣١٤
اقتباس کی تین قسمیں ہیں:	٣١٤
١- مقبول	٣١٤
٢- مباح	٣١٤
٣- مردود	٣١٤
ابو منصور کے شعر میں قرآن کی تضمین اور اس پر تبصرہ	٣١٥
دیگر مشائخ کے اشعار میں قرآن کی تضمین کا وجود	[illegible]
قرآنی آیت کو ضرب المثل کے طور پر استعمال کرنا	٣١٧
[illegible]	٣١٨
تتمہ: قرآن کو [illegible] کرنا	٣١٨

نوع ٣٦: قرآن کے غریب (نادر) الفاظ کی معرفت ٣١٩

غرائب القرآن پر تصنیف	٣١٩
اس فن کی اہمیت	٣٢٠
غرائب القرآن [illegible]	٣٢٠
غرائب القرآن سے [illegible]	٣٢٠
[illegible]	٣٢١
[illegible]	٣٢١
غرائب القرآن کی تفسیر [illegible] کے طریق پر [illegible]	٣٢٢
[illegible]:	
سورۃ البقرہ	٣٢٢
سورۃ آل عمران	٣٢٣
سورۃ النساء	[illegible]
سورۃ المائدہ	[illegible]
سورۃ الانعام	[illegible]
سورۃ الاعراف	٣٢٨
سورۃ الانفال	[illegible]
سورۃ التوبہ	[illegible]
سورۃ یونس	٣٣٠
سورۃ ہود	٣٣٠
سورۃ یوسف	٣٣١

سورۃ الرعد	٣٣٠	سورۃ الزمر	٣٤١
سورۃ ابراہیم	٣٣١	سورۃ المؤمن	٣٤١
سورۃ الحجر	٣٣٢	سورۃ حٰم السجدہ	٣٤١
سورۃ النحل	٣٣٢	سورۃ الشوریٰ	٣٤١
سورۃ بنی اسرائیل	٣٣٣	سورۃ الزخرف	٣٤١
سورۃ الکہف	[illegible]	سورۃ الدخان	٣٤٢
سورۃ مریم	٣٣٣	سورۃ الجاثیہ	٣٤٢
سورۃ طٰہٰ	٣٣٤	سورۃ الاحقاف	٣٤٢
سورۃ الانبیاء	٣٣٥	سورۃ محمد	٣٤٢
سورۃ الحج	٣٣٥	سورۃ الحجرات	٣٤٢
سورۃ المؤمنون	٣٣٦	سورۃ ق	٣٤٢
سورۃ النور	[illegible]	سورۃ الذاریات	٣٤٣
سورۃ الفرقان	٣٣٧	سورۃ الطور	٣٤٣
سورۃ الشعراء	[illegible]	سورۃ النجم	٣٤٣
سورۃ النمل	[illegible]	سورۃ الرحمٰن	٣٤٣
سورۃ القصص	٣٣٨	سورۃ الواقعہ	٣٤٤
سورۃ العنکبوت	٣٣٨	سورۃ الحدید	٣٤٤
سورۃ الروم	٣٣٩	سورۃ المجادلہ	٣٤٤
سورۃ لقمان	٣٣٩	سورۃ المنافقون	٣٤٤
[illegible]	[illegible]	سورۃ الصف	٣٤٤
[illegible]	[illegible]	سورۃ الملک	٣٤٥
[illegible]	[illegible]	[illegible]	٣٤٥
[illegible]	[illegible]	[illegible]	٣٤٥
[illegible]	[illegible]	سورۃ نوح	٣٤٥
[illegible]	٣٤٠	سورۃ الجن	٣٤٥

[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
سورة النبا	[illegible]	[illegible]
سورة النازعات	[illegible]	[illegible]
سورة عبس	[illegible]	[illegible]
سورة التكوير	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
سورة الانشقاق	[illegible]	[illegible]
سورة البروج	[illegible]	[illegible]
سورة الطارق	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
سورة الغاشية	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
سورة الشمس	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

قرآن میں غیر زبان کے الفاظ [illegible]	۲۰۹	[illegible]	[illegible]
[illegible]		الذکر	[illegible]
قرآن میں غیر عربی الفاظ آنے کی تردید	۲۰۹	[illegible]	[illegible]
قرآن میں عجمی الفاظ آنے کے دلائل	۲۱۰	الروح	[illegible]
قرآن میں معرب الفاظ آنے کی حکمت اور فوائد	۲۱۰	السوء	[illegible]
		الصلوٰۃ	[illegible]
لفظ استبرق کے معرب ترین و فصیح ترین ہونے کی دلیل	۲۱۱	الرحمۃ	[illegible]
		الفتنہ	[illegible]
[illegible] الفاظ کے قرآن میں آنے کی بابت ابو عبید کی متوازن [illegible] رائے	۲۱۲	الہدیٰ	[illegible]
		فصل	[illegible]
قرآن میں آنے والے غیر زبان الفاظ کی فہرست ان کے معانی اور ماخذ	۲۱۳	چند کلمے جو قرآن میں مختلف معنی کے لئے آئے ہیں	[illegible]
قرآن مجید کے معرب الفاظ کی منظوم فہرست	۲۲۸	الاسف	[illegible]
		[illegible]	[illegible]
		[illegible]	[illegible]
		[illegible]	[illegible]
نوع ۳۹	۲۲۹	[illegible]	[illegible]
وجوہ اور نظائر کا بیان		[illegible]	[illegible]
وجوہ کی تعریف	۲۲۹	[illegible]	[illegible]
نظائر کی تعریف	۲۲۹	[illegible]	[illegible]
وجوہ اور نظائر میں فرق	۲۲۹	[illegible]	[illegible]
[illegible] وجوہ و نظائر کی [illegible]	۲۲۹	[illegible]	[illegible]
قرآن کی وجوہ پر کتب	۲۳۰	[illegible]	[illegible]
قرآن میں وجوہ [illegible]	۲۳۰	[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]
[illegible]	۲۳۰	[illegible]	[illegible]

[illegible]	۴۳۹	صبر	۴۴۲
[illegible]	۴۳۹	صلوٰۃ	۴۴۲
[illegible]	۴۳۹	[illegible]	۴۴۲
[illegible]	۴۳۹	[illegible]	۴۴۲
[illegible]	۴۴۰	طعام	۴۴۲
[illegible]	۴۴۰	[illegible]	۴۴۲
[illegible]	۴۴۰	[illegible]	۴۴۲
[illegible]	۴۴۰	عفو	۴۴۳
[illegible]	۴۴۰	فاسق	۴۴۳
[illegible]	۴۴۰	[illegible]	۴۴۳
[illegible]	۴۴۰	[illegible]	۴۴۳
[illegible]	۴۴۰	قتل و [illegible]	۴۴۳
[illegible]	[illegible]	قلب	۴۴۳
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۴۴۳
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۳
[illegible]	۴۴۱	کسف	۴۴۳
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۳
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	۴۴۰	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	۴۴۱	[illegible]	۴۴۴
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۴۴۵
[illegible]	۴۴۲	[illegible]	۴۴۵

ودود	۴۴۵
وَلِیّ ولا نصیر	۴۴۵
وما ادراک	۴۴۵
بأس	۴۴۵
یُحافظون	۴۴۶
یقدر	۴۴۶
یکلف	۴۴۶
نوع ۴۰ ان ادوات کے معانی جنکی ایک مفسر کو ضرورت ہوتی ہے	۴۴۷
ادوات سے مراد	۴۴۷
اس موضوع کی اہمیت	۴۴۷
ہمزہ:	۴۴۸
ہمزہ کا دو طرح استعمال:	۴۴۸
(ا) بطور استفہام اور اس کی خصوصیات	۴۴۸
فائدہ: ہمزۂ استفہام کے معنی میں تبدیلی کی صورتیں	۴۵۰
(ب) قریب کے لئے بطور ندا	۴۵۰
اَحَدٌ:	
"اَحَد" اور "واحِد" میں سات امتیازی فرق	۴۵۱
سورۂ اخلاص میں "اَحَدٌ" پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۵۲
"اَحَدٌ" کے استعمال کے دو طریقے:	۴۵۳
۱۔ محض نفی میں	۴۵۳
۲۔ اثبات میں	۴۵۳
اِذْ:	۴۵۳
"اِذ" کے استعمال کی چار صورتیں:	۴۵۳
(۱) زمانۂ ماضی کا اسم ہو کر	۴۵۳
فائدہ: "اِن" اور "اِذ" میں فرق	۴۵۵
(۲) تعلیلیہ (سببیہ) ہو کر	۴۵۵
(۳) تو کید کے لئے	۴۵۶
(۴) تحقیق کے معنی میں	۴۵۶
مسئلہ: "اِذ" کے لئے کسی جملہ کی طرف مضاف ہونا لازم ہے کہ جملۂ اسمیہ ہو	۴۵۶
اِذا:	۴۵۷
"اِذا" کے استعمال کے دو طریقے:	۴۵۷
(۱) مفاجات (اَمرِ ناگہانی) کے لئے	۴۵۷
(۲) "اِذا" غیر فجائیہ	۴۵۸
تنبیہیں:	
(۱) "اِذا" کا ناصب اور اس کا جواب	۴۶۰

(۲) "اِذَا" کا استعمال ماضی، حال اور مستقبل کے استمرار کے لئے ۔۔۔ ۴۶۰
(۳) "اِذْمَا" اور "اِذَامَا" کا ذکر ۔۔۔ ۴۶۰
(۴) "اِذَا" اور "اِنْ" شرطیہ میں فرق ۔۔۔ ۴۶۱
(۵) عموم کا فائدہ دینے میں "اِذَا" اور "اِنْ" کا فرق ۔۔۔ ۴۶۲
خاتمہ: "اِذَا" زائد بھی ہوتا ہے ۔۔۔ ۴۶۲
اِذَنْ: ۔۔۔ ۴۶۳
"اِذَنْ" کے معنی ۔۔۔ ۴۶۳
"اِذَنْ" کی دو۲ قسمیں ۔۔۔ ۴۶۳
تنبیہات:
(۱) "اِذَنْ" اور "اِذَا" میں فرق ۔۔۔ ۴۶۴
(۲) "اِذَنْ" پر نون سے تبدیل شدہ الف کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے (یعنی اِذًا کے ساتھ) ۔۔۔ ۴۶۶
اُفٍّ: ۔۔۔ ۴۶۶
اس کے معنی ۔۔۔ ۴۶۶
"فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ" کی بابت تین قول ۔۔۔ ۴۶۷
اُفٍّ کے مختلف معانی ۔۔۔ ۴۶۷
"اُفٍّ" کی مختلف قراءتیں ۔۔۔ ۴۶۷

اَلْ: ۔۔۔ ۴۶۸
"اَلْ" کے استعمال کے تین۳ طریقے: ۔۔۔ ۴۶۸
(۱) اَلَّذِیْ وغیرہ کے معنی میں اسم موصول ۔۔۔ ۴۶۸
(۲) الف لام حرفِ تعریف: ۔۔۔ ۴۶۸
(ا) عہد کا الف لام ۔۔۔ ۴۶۸
(ب) جنس کا الف لام ۔۔۔ ۴۶۹
(۳) الف لام زائد: ۔۔۔ ۴۶۹
(ا) لازم ۔۔۔ ۴۶۹
(ب) غیر لازم ۔۔۔ ۴۷۰
مسئلہ: اسم "اَللّٰہُ" کے الف لام کی بحث ۔۔۔ ۴۷۰
خاتمہ: الف لام کا ضمیر مضاف الیہ کے قائم مقام ہونا ۔۔۔ ۴۷۱
اَلَا: ۔۔۔ ۴۷۱
اس کے استعمال کی صورتیں: ۔۔۔ ۴۷۱
(۱) بطور تنبیہ ۔۔۔ ۴۷۱
(۲) بطور تحضیض ۔۔۔ ۴۷۲
(۳) بطور عرض ۔۔۔ ۴۷۲
اَلَّا: ۔۔۔ ۴۷۲
تحضیض کے معنی میں استعمال ۔۔۔ ۴۷۲
"اَنْ" اور "لَا" کا مرکب "اَلَّا" ۔۔۔ ۴۷۲
اِلَّا: ۔۔۔ ۴۷۲
اس کے استعمال کی صورتیں: ۔۔۔ ۴۷۲
(۱) استثناء کے لئے ۔۔۔ ۴۷۲

(۲) تغییر کے معنی میں ۴۷۲
(۳) ترسیل میں واو عطف کی جگہ ۴۷۲
(۴) بَل کے معنی میں ۴۷۳
(۵) بَدل کے معنی میں ۴۷۳
فائدہ: "إلّا" کے لازم معنی ۴۷۴
آلآن: ۴۷۴
زمانۂ حاضر کا اسم ۴۷۴
"آلآن" کا الف لام ۴۷۴
إلیٰ: ۴۷۴
اس کے مشہور معنی: انتہائے غایت ۴۷۴
اس کے دیگر معانی: ۴۷۵
(۱) معیت ۴۷۵
(۲) ظرفیت ۴۷۵
(۳) لام کے مترادف ہونا ۴۷۵
(۴) تبیین ۴۷۶
(۵) تاکید ۴۷۶
تنبیہ: "إلیٰ" کا استعمال بطور اسم ۴۷۶
اَللّٰھُمَّ: ۴۷۶
اس کی اصل ۴۷۶
یہی اسم اعظم ہے ۴۷۷
أم: ۴۷۷
اس کی دو قسمیں: ۴۷۷
۱. متصل اور اس کی دو قسمیں اور اُن میں چار طرح کے فرق ۴۷۷
۲. منقطع اور اس کی تین قسمیں ۴۷۸
تنبیہ اوّل: "أم" جو متصلہ بھی ہے اور منقطعہ بھی ۴۷۸
تنبیہ دوم: "أم" زائدہ ۴۷۹
أمّا: ۴۷۹
اس کے حرفِ شرط ہونے کی دلیل ۴۷۹
اس کے حرفِ تفصیل قرار پانے کی وجہ ۴۷۹
اس کی تکرار ترک کرنے کی وجہ ۴۷۹
اس کا تاکید کے لئے آنا ۴۸۰
"أمّا" اور "ف" کے بین فاصل کا ذکر ۴۸۰
تنبیہ: "أمّا" جو "أم" اور "ما" سے مرکب ہے ۴۸۰
إمّا: ۴۸۰
اس کے متعدد معانی: ۴۸۰
۱. ابہام ۴۸۰
۲. تخییر ۴۸۰
۳. تفصیل ۴۸۰
تنبیہات:
(۱) "إمّا" عاطفہ اور غیر عاطفہ ۴۸۱
(۲) "إمّا" اور "أو" کے مابین فرق ۴۸۱

(۳) وہ "اِمّا" جو "اِنْ" اور "مَا" سے مُرکب ہے	۴۸۱
اِنْ:	۴۸۱
اس کے استعمال کی وجوہ:	۴۸۱
۱۔ "اِنْ" شرطیہ	۴۸۲
۲۔ "اِنْ" نافیہ	۴۸۲
فائدہ: قرآن میں "اِنْ" نافیہ ہی آیا ہے	۴۸۳
۳۔ "اِنَّ" ثقیلہ کا مخفف "اِنْ"	۴۸۳
۴۔ "اِنْ" زائدہ	۴۸۴
۵۔ "اِنْ" تعلیلیہ	۴۸۴
۶۔ "قَدْ" کے معنی میں	۴۸۴
فائدہ: قرآن میں وہ چھ مقامات جہاں "اِنْ" بصورتِ شرط آیا ہے مگر وہاں شرط مُراد نہیں	۴۸۵
اَنْ:	۴۸۵
اس کے استعمال کی وجوہ:	۴۸۵
۱۔ بطور حرفِ مصدری	۴۸۵
۲۔ "اَنَّ" ثقیلہ کا مخفف "اَنْ"	۴۸۶
۳۔ "اَنْ" مفسّرہ اور اس کی شروط	۴۸۶
۴۔ "اَنْ" زائدہ	۴۸۸
۵۔ "اَنْ" شرطیہ	۴۸۸
۶۔ "اَنْ" نافیہ	۴۸۸
۷۔ "اَنْ" تعلیلیہ	۴۸۹
۸۔ "لِئَلَّا" کے معنی میں	۴۸۹
اِنَّ:	۴۸۹
اس کے استعمال کے طریقے:	۴۸۹
۱۔ تاکید اور تحقیق کے معنی میں	۴۸۹
۲۔ تعلیل	۴۸۹
۳۔ "نَعَمْ" کے معنی میں	۴۸۹
اَنَّ:	۴۸۹
اس کے استعمال کے طریقے:	۴۹۰
۱۔ حرفِ تاکید کے طور پر	۴۹۰
۲۔ "لَعَلَّ" کے معنی میں	۴۹۰
اَنّٰی:	۴۹۰
"کَیْفَ" کے معنی میں	۴۹۰
"مِنْ اَیْنَ" کے معنی میں	۴۹۰
"مَتٰی" کے معنی میں	۴۹۱
"اَنّٰی" شرطیہ	۴۹۱
اَوْ:	۴۹۱
اس کے مختلف معانی:	۴۹۱
۱۔ شک کے لئے	۴۹۱
۲۔ ابہام کے معنی میں	۴۹۱
۳۔ دو میں سے ایک بات اختیار کرنے (تخییر) کے لئے	۴۹۱
۴۔ دونوں معطوف باتوں کے جواز کے لئے	۴۹۲
۵۔ اجمال کے بعد تفصیل کے لئے	۴۹۲

۶. "بَل" کی طرح اضراب کے معنی میں	۴۹۲
۷. مطلق جمع مابین المعطوفین کے لئے	۴۹۳
۸. تقریب کے معنی میں	۴۹۳
۹. استثناء کے لئے بمعنی "اِلّا"	۴۹۳
۱۰. "اِلیٰ" ظرفیہ کے معنی میں	۴۹۳
تنبیہات:	
(۱) متقدمین کے نزدیک "اَو" کئی باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے (تخییر) ہی کے لئے آتا ہے	۴۹۴
(۲) "نہی" میں آنے والا "اَو"	۴۹۴
(۳) "اَو" کے عدم تشریک پر مبنی ہونے کی صورت میں ضمیر بالافراد کا رجوع	۴۹۵
فائدہ: قرآن میں "اَو" صرف تخییر ہی کے لئے آیا ہے	۴۹۶
اَولیٰ:	۴۹۶
اس کے معنی اور اُس کی اصل کے متعلق اہلِ لغت کے اقوال	۴۹۶
اِیْ	۴۹۷
اَیّ:	۴۹۷
اس کے استعمال کے طریقے:	۴۹۷
۱. شرطیہ	۴۹۷
۲. استفہامیہ	۴۹۸
۳. موصولہ	۴۹۸
۴. اسم معرف باللام کی ندا سے ملنے والا کلمہ	۴۹۸
اِیّا:	۴۹۹
اس کے ضمیر ہونے میں علماء کا اختلاف	۴۹۹
اِس کی سات لُغتیں	۴۹۹
اَیّانَ:	۴۹۹
یہ مستقبل کے استفہام کے لئے آتا ہے	۴۹۹
یہ تفخیم کے لئے آتا ہے	۴۹۹
اس کی اصل	۵۰۰
اَینَ	۵۰۰
ب:	۵۰۰
اس کے متعدد معانی:	۵۰۰
۱. اِلصاق	۵۰۰
۲. تعدیہ	۵۰۱
۳. استعانت	۵۰۱
۴. سببیّت	۵۰۱
۵. مصاحبت	۵۰۱
۶. ظرفیت	۵۰۱
۷. استعلاء	۵۰۱
۸. مجاوزت	۵۰۱
۹. تبعیض	۵۰۲

۱۰۔ نسبت	۵۰۲
۱۱۔ مقابلہ	۵۰۲
۱۲۔ تاکید (ب زائدہ)	۵۰۲
فائدہ: قولہ "وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ" کی "ب" پر بحث	۵۰۳
بَلْ:	۵۰۴
بطور حرفِ اضراب	۵۰۴
بطور حرفِ عطف	۵۰۴
بَلیٰ:	۵۰۴
اس کی اصل	۵۰۴
"بلیٰ" کے استعمال کے ۲ موقعے:	۵۰۵
۱۔ نفیِ ماقبل کی تردید کے لئے	۵۰۵
۲۔ نفیِ استفہام کے جواب میں ابطال کے لئے	۵۰۵
بِئْسَ	۵۰۶
بَیْنَ	۵۰۶
ت	۵۰۷
تَبَارَکَ	۵۰۷
ثُمَّ:	۵۰۷
یہ حرف تین امور کا مقتضی ہے:	۵۰۷
(۱) تشریک فی الحکم، (۲) ترتیب (۳) مہلت	۵۰۷
"تشریک فی الحکم" پر اعتراض اور اُس کا جواب	۵۰۸
"ترتیب" اور "مہلت" پر اعتراض اور اُس کا جواب	۵۰۸
فائدہ: نحویانِ کوفہ کے نزدیک "ثُمَّ" واو اور "فا" کا قائم مقام ہے	۵۰۹
ثَمَّ	۵۰۹
جَعَلَ:	۵۰۹
اس کے استعمال کے پانچ طریقے:	۵۰۹
۱۔ صَارَ اور طَفِقَ کا قائم مقام	۵۱۰
۲۔ "اَوْجَدَ" کے بجائے	۵۱۰
۳۔ ایک چیز سے دوسری چیز کو پیدا کرنے کے معنی میں	۵۱۰
۴۔ ایک شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں کر دینے کے معنی میں	۵۱۰
۵۔ ایک شے سے اسی شے پر حکم لگانے میں	۵۱۰
حَاشَا:	۵۱۰
یہ تنزیہ کے معنی میں آتا ہے	۵۱۰
اس کے حرف جر نہ ہونے کی دلیل	۵۱۰
اس کو تنوین نہ دینے کی وجہ	۵۱۱
بعض نحوی اس کو اسم فعل بتاتے ہیں	۵۱۱
حَتّٰی:	۵۱۱
حتّٰی اور "اِلیٰ" کے مابین فرق	۵۱۱
بعض حالت میں حتّٰی کے تین معانی:	۵۱۱

۱- "اِلیٰ" کا مترادف	۵۱۱
۲- "کَیْ" تعلیلیہ کا مترادف	۵۱۲
۳- استثناء میں "اِلّا" کا مترادف	۵۱۲
مسئلہ: جب کوئی ایسی دلیل پائی جائے جس کے باعث "حتّیٰ" اور "اِلیٰ" کے بعد آنے والی غایت ان کے ماقبل کے حکم میں داخل ہو سکے یا نہ ہو سکے تو کیا کیا جائے	۵۱۲
جب غایت کے مغیّا میں داخل یا اس سے خارج ہونے کی صورت میں ایک پر بھی دلیل قائم نہ ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۱۲
تنبیہہ: "حتّیٰ" ابتدائیہ بھی ہوتا ہے	۵۱۳
"حتّیٰ" عاطفہ بھی ہوتا ہے	۵۱۳
فائدہ: "حتّیٰ" کو "عتّیٰ" پڑھنا	۵۱۳
حَیْثُ:	۵۱۳
یہ ظرفِ مکان ہے اور ظرفِ زمان بھی	۵۱۳
یہ مُعرب ہے یا مبنی؟	۵۱۴
اس کے ظرف ہونے کی تردید	۵۱۴
دُوْنَ	۵۱۵
ذُوْ:	۵۱۵
ذُوْ صرف اضافت کے ساتھ مستعمل ہے	۵۱۵
"صَاحِب" کی بہ نسبت "ذُوْ" کے ساتھ وصف کرنا زیادہ بلیغ ہے	۵۱۶
"وَذَا النُّوْنِ" اور "کَصَاحِبِ الْحُوْتِ" میں فرق	۵۱۶
رُوَیْدَ	۵۱۶
رُبَّ:	۵۱۶
اس کے معنیٰ کی بابت آٹھ اقوال	۵۱۶
س:	۵۱۷
اس کے معنی	۵۱۸
"س" اور "سَوْفَ" میں فرق	۵۱۸
یہ استمرار کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ مستقبل کا	۵۱۸
یہ فعل حاصل ہونے کے وعدہ کا فائدہ دیتا ہے	۵۱۸
سَوْفَ:	۵۱۹
اس کا استعمال مستقبل بعید کے لئے	۵۱۹
"س" کے برعکس اس پر "لام" داخل ہوتا ہے	۵۱۹
سَوْفَ کا استعمال وعید اور تہدید کے لئے	۵۱۹
سَوَاءٌ:	۵۱۹

اس کے مختلف معانی :	۵۱۹
۱. مستوی	۵۱۹
۲. وَسط	۵۱۹
۳. تام	۵۱۹
۴. غَیر	۵۲۰
سَآءَ	۵۲۰
سُبْحَانَ	۵۲۰
ظَنَّ :	۵۲۱
اس کے دو معانی : خیالِ غالب اور یقین	۵۲۱
قرآن میں اس لفظ کے ان میں سے کوئی ایک معنی متعین کرنے کے دو قاعدے	۵۲۱
اس کے تیسرے معنی جھوٹ بولنا	۵۲۲
عَلٰی :	۵۲۲
اس کے مختلف معانی :	۵۲۲
۱. استعلاء	۵۲۲
۲. مصاحبت	۵۲۳
۳. ابتداء	۵۲۳
۴. تعلیل	۵۲۳
۵. ظرفیت	۵۲۳
۶. حرفِ "با" کے معنی میں	۵۲۳
فائدہ : "علٰی" کے بعض مخصوص معانی :	۵۲۳
(ا) فوقیت و اسناد	۵۲۳
(ب) استعانت	۵۲۴
(ج) تاکید	۵۲۴
(د) اظہارِ نعمت	۵۲۴
تنبیہ : "علٰی" اسم بھی ہوتا ہے	۵۲۴
عَنْ :	۵۲۴
اس کے مختلف معانی :	۵۲۴
۱. مجاوزت	۵۲۴
۲. بدل	۵۲۴
۳. تعلیل	۵۲۵
۴. بمعنی "علٰی"	۵۲۵
۵. بمعنی "بَعْد"	۵۲۵
۶. بمعنی "مِنْ"	۵۲۵
تنبیہ : عَنْ سے پہلے مِنْ آئے تو عَنْ اسم ہو جاتا ہے	۵۲۵
عَسٰی :	۵۲۵
اس کے معنی ترجی اور اشفاق	۵۲۵
یہ قریب کے معنی میں آتا ہے	۵۲۵
"عَسٰی" بطور خبر صیغۂ واحد کے ساتھ آتا ہے	۵۲۶
"عَسٰی" استفہام میں صیغۂ جمع کے ساتھ آتا ہے	۵۲۶
قرآن میں "عَسٰی" ہر جگہ واجب ہی کے معنی میں آیا ہے	۵۲۶
"عَسٰی" کا استعمال ترغیب و ترہیب کے لئے	۵۲۷

"عسیٰ" کا استعمال اللہ تعالیٰ نے قطع و یقین کے لئے کیا ہے اور بندے شک و ظن کے لئے کرتے ہیں	۵۲۷
"عسیٰ" فعلِ ماضی ہے یا فعلِ مستقبل؟	۵۲۸
تنبیہہ: "عسیٰ" کا قرآن میں دو وجہوں پر آنا:	۵۲۸
(۱) فعلِ ماضی ناقص یا متعدی	۵۲۸
(۲) فعلِ تام	۵۲۸
عِنْدَ:	۵۲۹
موجودگی اور قرب کے موقعوں پر اس کا استعمال	۵۲۹
اس کا صرف دو طرح استعمال: بطورِ ظرف یا مِنْ کا مجرور	۵۲۹
عِنْدَ کے مقام استعمال میں لَدَیٰ اور لَدُنْ بھی آتے ہیں	۵۲۹
عِنْدَ اور لَدُنْ کا ایک ساتھ استعمال	۵۲۹
"عِنْدَ"، "لَدَیٰ" اور "لَدُنْ" میں چھ فرق	۵۲۹
غَیْر:	۵۳۰
اس کے معرفہ آنے کی شرط	۵۳۰
یہ بطور "لا" نافیہ کے آتے تو حال واقع ہوتا ہے	۵۳۰
اگر اس کی جگہ "إِلَّا" آسکے تو یہ حرفِ استثناء بن جاتا ہے	۵۳۱
اس کے اعراب	۵۳۱
اس کے استعمال کے طریق:	۵۳۱
۱۔ مجرد نفی کے لئے	۵۳۱
۲۔ بمعنی إِلَّا	۵۳۱
۳۔ مادہ کی نہیں بلکہ صرف اس کی صورت کی نفی کے لئے	۵۳۱
۴۔ کسی ذات کو شامل ہو	۵۳۱
فَ:	
اس کے استعمال کے طریق و وجوہ:	۵۳۱
۱۔ عاطفہ:	۵۳۱
(ا) ترتیب کے لئے	۵۳۲
(ب) تعقیب کے لئے	۵۳۲
(ج) سببیت کے لئے	۵۳۲
۲۔ بلا عطف محض سببیہ	۵۳۲
۳۔ شرط کی غیر موجودگی میں بطور رابطہ	۵۳۳
۴۔ زائدہ	۵۳۳
۵۔ استینافیہ	۵۳۳
فِيْ:	۵۳۴
اس کے مختلف معانی:	۵۳۴
۱۔ ظرفیت	۵۳۴

۲. مصاحبت	۵۳۴
۳. تعلیل	۵۳۴
۴. استعلاء	۵۳۴
۵. بمعنی حرفِ "با" (ب)	۵۳۴
۶. بمعنی "اِلیٰ"	۵۳۴
۷. بمعنی "مِنْ"	۵۳۴
۸. بمعنی "عَنْ"	۵۳۴
۹. مقایست (اندازہ)	۵۳۴
۱۰. تاکید	۵۳۵
قَدْ:	۵۳۵
اس کے مختلف معانی:	۵۳۵
۱. تحقیق	۵۳۵
۲. تقریب	۵۳۵
۳. تقلیل	۵۳۶
۴. تکثیر	۵۳۷
۵. توقع	۵۳۷
ك:	۵۳۷
اس کے مختلف معانی:	۵۳۷
۱. تشبیہ	۵۳۷
۲. تعلیل	۵۳۷
۳. تاکید	۵۳۷
"كَ" اور "مِثْل" کو یکجا کرنے کی وجہ	۵۳۸
تنبیہ: كَ کا استعمال مِثْل کے معنی میں بطور اسم	۵۳۹
مسئلہ: "ذٰلِكَ"، "اِيَّاكَ" اور "اَرَاَيْتَكَ" وغیرہ میں کاف کی حیثیت	۵۳۹
كَادَ:	۵۳۹
اس کے معنی	۵۳۹
اس کی نفی اور اثبات	۵۳۹
"اس کی نفی اثبات کے معنی میں اور اثبات نفی کے معنی میں آتا ہے"	۵۳۹
"اس کی ماضی کی نفی بمعنی اثبات اور مضارع کی نفی بمعنی نفی آتی ہے"	۵۴۰
"اس کی نفی بھی نفی اور اس کا اثبات بھی اثبات ہی کے معنی میں آیا ہے"	۵۴۰
فائدہ: کَادَ بمعنی اَرَادَ کے بھی آتا ہے	۵۴۱
كَانَ:	۵۴۱
اس کے معنی انقطاع (گزرنا)	۵۴۱
یہ دوام و استمرار کے معنی میں بھی آتا ہے	۵۴۱
قرآن میں کَانَ پانچ طریقے سے آیا ہے:	۵۴۱
۱. بمعنی ازل و ابد	۵۴۱
۲. بمعنی ماضی منقطع	۵۴۱

۳. بمعنیٰ حال	۵۴۲
۴. بمعنیٰ مستقبل	۵۴۲
۵. بمعنیٰ صَارَ (ہوگیا)	۵۴۲
"اَنْتُمْ" اور "کُنْتُمْ" میں فرق	۵۴۲
"کَانَ"، "یَنْبَغِیْ" کے معنی میں بھی آتا ہے	۵۴۲
یہ حَضَرَ اور وَجَدَ کے معنی میں بھی آتا ہے	۵۴۲
یہ تاکید کے لئے بھی آتا ہے	۵۴۲
کَاَنَّ:	۵۴۲
اس کی اصل: کافِ تشبیہ اور اِنَّ کا مرکب	۵۴۲
یہ بحیثیت قوی مشابہت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے	۵۴۳
یہ ظن اور شک کے لئے آتا ہے	۵۴۳
کَاَیِّنْ:	۵۴۳
اس کی اصل: کافِ تشبیہ اور اَیِّ کا مرکب	۵۴۳
اس کی کئی لغتیں اور تلفظ	۵۴۳
کُلّ:	۵۴۴
یہ استغراق کے لئے آتا ہے	۵۴۴
اپنے ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے اس کا تین طرح استعمال:	۵۴۴
۱. کسی اسم نکرہ یا معرفہ کی صفت ہو	۵۴۴
۲. معرفہ کی تاکید کے لئے	۵۴۴
۳. تابع نہ ہو بلکہ عوامل کے بعد آئے	۵۴۴
اس کے مقامِ نفی میں واقع ہونے کی صورت	۵۴۵
مسئلہ: کُلَّمَا کی بحث	۵۴۵
کِلَا اور کِلْتَا:	۵۴۶
لفظاً مفرد، معنیً تثنیہ	۵۴۶
تثنیہ میں ان کی خصوصیت	۵۴۶
کَلَّا:	۵۴۶
اس کی اصل اور اس کا مقصود	۵۴۶
"یہ حرفِ ردع و ذم ہے"	۵۴۶
اس قول پر ابن ہشام کا اعتراض	۵۴۶
اس کے معنی کی بابت علماء کا اختلاف	۵۴۷
کَلًّا (بہ تنوین) کی توجیہات	۵۴۸
کَمْ:	۵۴۸
یہ قرآن میں استفہامیہ نہیں آیا	۵۴۸
کَمْ خبریہ کثیر کے معنی میں آتا ہے	۵۴۸
کَمْ کی اصل	۵۴۸
کَیْ:	۵۴۹
اس کے دو معنی:	۵۴۹
۱. تعلیل	۵۴۹
۲. اَنْ مصدریہ کے معنی میں	۵۴۹
کَیْفَ:	۵۴۹

اس کے استعمال کے دو طریقے:	۵۴۹
۱۔ شرط کے طور پر	۵۴۹
۲۔ استفہامیہ	۵۴۹
اللہ تعالیٰ کے لئے کَیفَ کا استعمال	۵۴۹
لِ:	۵۴۹
اس کی چار قسمیں	۵۴۹
(ا) لامِ جارہ اور اس کے معانی:	۵۵۰
۱۔ استحقاق	۵۵۰
۲۔ اختصاص	۵۵۰
۳۔ مِلک	۵۵۰
۴۔ تعلیل	۵۵۰
۵۔ اِلیٰ کی موافقت کے لئے	۵۵۰
۶۔ عَلیٰ کی موافقت کے لئے	۵۵۰
۷۔ فِی کی موافقت کے لئے	۵۵۰
۸۔ بمعنی عِندَ	۵۵۱
۹۔ بمعنی بَعدَ	۵۵۱
۱۰۔ مِن کی موافقت کے لئے	۵۵۱
۱۱۔ تبلیغ کے لئے	۵۵۱
۱۲۔ برائے صیرورت	۵۵۱
۱۳۔ برائے تاکید	۵۵۲
(ب) لامِ ناصبہ	۵۵۲
(ج) لامِ جازمہ	۵۵۲
(د) لامِ غیر عاملہ (تتمہ):	۵۵۳
۱۔ لامِ ابتداء	۵۵۳
۲۔ لامِ زائدہ	۵۵۳
۳۔ لام برائے جوابِ قسم وغیرہ	۵۵۳
۴۔ لامِ موطئہ	۵۵۳
لَا:	۵۵۳
اس کے استعمال کی وجوہ:	۵۵۴
۱۔ لا نافیہ	۵۵۴
۲۔ لا طلبِ ترک کے لئے	۵۵۵
۳۔ لا تاکید کے لئے	۵۵۵
لَا اُقسِمُ وغیرہ کے لا کی توجیہات	۵۵۵
اَنْ لَا تُشرِکُوا کے لا کی توجیہات	۵۵۶
اَنَّهُم لَا يَرجِعُونَ کے لا کی توجیہات	۵۵۶
تنبیہ: "لا" بمعنی "غیر" بطورِ اسم	۵۵۶
فائدہ: کبھی "لا" کا لفظ حذف بھی کر دیا جاتا ہے	۵۵۶
لَاتَ:	۵۵۶
اس کی اصل کی بابت اختلاف	۵۵۶
اس کے عمل کے بارے میں اختلاف	۵۵۷
لَا جَرَمَ	۵۵۷
لٰکِنَّ:	۵۵۸
اس کے معانی:	۵۵۸
۱۔ استدراک	۵۵۸

۲. تاکید	۵۵۸
۳. استدراک وتاکید	۵۵۸
لٰکِنْ:	۵۵۸
اس کے استعمال کی دو وجوہ:	۵۵۹
۱. "لٰکِنَّ" ثقیلہ کا مخفف	۵۵۹
۲. عاطفہ	۵۵۹
لَدیٰ اور لَدُنْ	۵۵۹
لَعَلَّ:	۵۵۹
اس کے معانی:	۵۵۹
۱. توقع	۵۵۹
۲. تعلیل	۵۵۹
۳. استفہام	۵۵۹
۴. تشبیہ	۵۵۹
۵. رجاءِ محض	۵۶۰
۶. بمعنی "کَیْ"	۵۶۰
لَمْ	۵۶۰
لَمَّا:	۵۶۰
اس کے استعمال کی وجوہ:	۵۶۰
۱. بطور حرفِ جزم	۵۶۰
۲. ظرف بمعنی "حِیْنَ"	۵۶۱
۳. بطور حرفِ استثناء	۵۶۲
لَنْ:	۵۶۲
لَا اور لَنْ کے ساتھ نفی کرنے میں فرق	۵۶۲
لَنْ کا استعمال دعا میں	۵۶۳
لَوْ:	۵۶۳
اس کی کیفیتِ فائدہ میں چار اقوال	۵۶۴
فوائد:	
(۱) قرآن میں "لَو" کبھی نہ ہونے کے معنی میں آیا ہے	۵۶۵
(۲) مذکورہ "لَو" فعل کے ساتھ خاص ہوتا ہے	۵۶۵
(۳) "لَو" والے جملہ میں تقدیم وتاخیر سے معنی کی تبدیلی	۵۶۶
تنبیہ: "لَو" زمانۂ مستقبل میں شرطیہ، مصدریہ اور تمنائی بھی آتا ہے	۵۶۷
لَوْلَا:	۵۶۸
اس کے استعمال کی وجوہ:	۵۶۸
۱. حرفِ امتناعِ وجود	۵۶۸
۲. بمعنی "هَلَّا"	۵۶۸
۳. بطور استفہام	۵۶۸
۴. بطور نفی	۵۶۸
فائدہ: بجز ایک جگہ کے قرآن میں "لَوْلَا" ہر جگہ بمعنی "هَلَّا" آیا ہے	۵۶۹
لَوْمَا	۵۷۰
لَیْتَ	۵۷۰
لَیْسَ	۵۷۰

مَا:	۵۷۰
اس کی دو قسمیں:	۵۷۰
۱۔ اسمیہ:	۵۷۰
(ا) موصولہ (بمعنی الَّذِی)	۵۷۰
(ب) استفہامیہ	۵۷۱
(ج) شرطیہ	۵۷۱
(د) تعجبیہ	۵۷۱
(ہ) نکرۂ تامہ اور نکرۂ موصوفہ وغیر موصوفہ	۵۷۱
۲۔ مصدریہ:	۵۷۲
(ا) مصدریہ زمانیہ و غیر زمانیہ	۵۷۲
(ب) مصدریہ نافیہ	۵۷۲
"مَا" زائدہ تاکید کے واسطے	۵۷۲
فائدہ: "مَا" موصولہ، "مَا" مصدریہ، "مَا" استفہامیہ اور مَا نافیہ کی پہچان	۵۷۳
مَاذَا:	۵۷۴
اس کے استعمال کے طریقے:	۵۷۴
۱۔ "مَا" استفہامیہ اور "ذَا" موصولہ	۵۷۴
۲۔ "مَا" استفہامیہ اور "ذَا" اسم اشارہ	۵۷۴
۳۔ "مَاذَا" ایک لفظ بطور استفہام	۵۷۴
۴۔ اسم جنس بمعنی "شئے" یا "الَّذِی"	۵۷۴
۵۔ "مَا" زائدہ اور "ذَا" اشارہ کے لئے	۵۷۴
۶۔ "مَا" استفہامیہ اور "ذَا" زائدہ	۵۷۴
مَتٰی	۵۷۵
مَعَ	۵۷۵
مِنْ:	۵۷۵
اس کے مختلف معانی:	۵۷۵
۱۔ ابتدائے غایت	۵۷۵
۲۔ تبعیض	۵۷۵
۳۔ تبیین	۵۷۵
۴۔ تعلیل	۵۷۶
۵۔ فصل بالمہملہ کے لئے	۵۷۶
۶۔ بدل کے واسطے	۵۷۶
۷۔ عموم کی تصریح اور تخصیص کے واسطے	۵۷۶
۸۔ حرف "بَا" کے معنی میں	۵۷۶
۹۔ بمعنی "عَلٰی"	۵۷۶
۱۰۔ بمعنی "فِی"	۵۷۶
۱۱۔ بمعنی "عَنْ"	۵۷۶
۱۲۔ بمعنی "عِنْدَ"	۵۷۶
۱۳۔ تاکید کے لئے	۵۷۶

فائدہ: قولہ "اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ" اور "اَفْئِدَۃَ النَّاسِ" میں فرق	۵۷۷
قولہ "یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ" اور قولہ "یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ" میں فرق	۵۷۷
مَنْ:	۵۷۷
اس کے وجوہ استعمال:	۵۷۷
۱۔ موصولہ	۵۷۷
۲۔ شرطیہ	۵۷۸
۳۔ استفہامیہ	۵۷۸
۴۔ نکرہ موصوفہ	۵۷۸
مَنْ اور مَا میں فرق	۵۷۸
مَہْمَا	۵۷۸
ن:	۵۷۸
ن کے استعمال کے وجوہ:	۵۷۸
۱۔ بطور اسم	۵۷۸
۲۔ بطور حرف:	۵۷۸
(ا) نونِ تاکید	۵۷۹
(ب) نون وقایہ	۵۷۹
تنوین:	۵۷۹
اس کی اقسام:	۵۷۹
۱۔ تنوین تمکین	۵۷۹
۲۔ تنوین تنکیر	۵۷۹
۳۔ تنوینِ مقابلہ	۵۷۹
۴۔ تنوینِ عوض	۵۸۰
۵۔ تنوین المفاصل	۵۸۰
نَعَمْ	۵۸۰
نِعْمَ	۵۸۰
لا	۵۸۰
هَا	۵۸۱
هَاتِ	۵۸۱
هَلْ	۵۸۱
هَلُمَّ	۵۸۲
هُنَا	۵۸۲
هَيْتَ	۵۸۳
هَيْهَاتَ	۵۸۳
واؤ:	۵۸۳
اس کی دو قسمیں:	۵۸۳
(ا) عاملہ	۵۸۳
۱۔ جارہ	۵۸۳
۲۔ ناصبہ	۵۸۳
(ب) غیر عاملہ	۵۸۴
۱۔ واوِ عطف	۵۸۴
۲۔ واوِ استیناف	۵۸۵
۳۔ واوِ حال	۵۸۵
۴۔ واوِ ثمانیہ	۵۸۵
۵۔ واو زائدہ	۵۸۶
۶۔ اسم یا فعل میں ضمیر مذکر کا واو	۵۸۶

۷. جمع مذکر کی صورت ہوا و — ۵۸۶
۸. وہ دو ہمزہ استفہام مختلفہ ماقبل سے بدل کر آیا ہو — ۵۸۶
وَیْ کَاَنَّ — ۵۸۶
وَیْل: — ۵۸۷
یہ تقبیح کے لئے آتا ہے — ۵۸۷
حسرت اور گھبراہٹ کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے — ۵۸۷
قرآنی قراءت اور قیاس میں فرق — ۵۸۷
یَا: — ۵۸۷
یہ ندا کے لئے آتا ہے — ۵۸۷
یہ تنبیہ کے لئے بھی ہوتا ہے — ۵۸۷
تنبیہ: ان حروف کی بحث کے اختصار برتنے کی وجہ — ۵۸۸

نوع ۴۱

اعراب قرآن — ۵۸۹

اس موضوع پر کتابوں کے نام — ۵۸۹
اس نوع کی اہمیت اور فوائد — ۵۸۹
وہ امور جن کو اعراب دیتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیئے: — ۵۹۰
۱. پہلے اس کلمہ کے معنی سمجھ لینا — ۵۹۰
۲. صنعت کی رعایت رکھنا — ۵۹۱
۳. عربی محاورہ و قواعد کی پابندی کرنا — ۵۹۲
۴. دور از کار باتوں، کمزور پہلوؤں اور شاذ لغتوں سے احتراز کرنا — ۵۹۳
۵. ان تمام ظاہری وجوہ کو استعمال کرنا جن کا احتمال ہو سکتا ہو — ۵۹۴
۶. ابواب کے لحاظ سے مختلف شرطوں کا خیال رکھنا — ۵۹۵
۷. مشکل ترکیب (عبارت) کا خیال رکھنا — ۵۹۶
تنبیہ اول: وہ اعراب اختیار کرنا جس کی تائید میں قراءت موجود ہو — ۵۹۷
تنبیہ دوم: اعراب کے متعدد احتمالوں میں سے ہر ایک کو ترجیح کی دلیل سے قوی کیا جائے — ۵۹۷
۸. رسم الخط کی رعایت کرنا — ۵۹۸
۹. مشتبہ امور آئیں تو غور و تامل سے کام لینا — ۵۹۸
۱۰. کوئی اعراب بغیر کسی مقتضی کے اصل یا ظاہر کے خلاف روایت نہ کرنا — ۵۹۹
۱۱. اصلی اور زائد حروف کی تحقیق کرنا — ۵۹۹

۱۲۔ لفظ زائدہ کے اطلاق سے پرہیز کرنا	۵۹۹
تنبیہات:	
(۱) جب معنی اور اعراب میں کشمکش ہو جائے تو کیا کیا جائے؟	۶۰۰
(۲) معنی کی تفسیر اور اعراب کی تفسیر	۶۰۱
(۳) بعض وہ روایات جن میں کاتبین قرآن کی غلطیاں بتائی گئی ہیں اور اُن کے جوابات	۶۰۱
مصحف عثمانی کی صحت پر ابن الانباری کا مدلل بیان	۶۰۳
ابن الانباری کے بیان پر مصنف کا تبصرہ	۶۰۵
مذکورہ روایات پر مزید بحث اور ان کی توجیہات	۶۰۶
قولہ تعالیٰ "اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" کے اعراب کی توجیہات	۶۰۷
قولہ تعالیٰ "وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ" کے اعراب کی توجیہات	۶۰۸
قولہ تعالیٰ "وَالصّٰبِئُوْنَ" کے اعراب کی توجیہات	۶۰۸
تذنیب: کتابتِ قرآن کی اغلاط کے متعلق دیگر روایات اور ان کے جوابات	۶۰۹
فائدہ: اُن حروف کا بیان جو کہ تین وجوہ سے قرأت کئے گئے ہیں	۶۱۲
فائدہ: قرآن میں "مفعول معہ" کا وجود	۶۱۵
نوع ۴۲ — مفسر کے لئے ضروری اور اہم قواعد	۶۱۷
قاعدہ: ضمائر کا بیان	۶۱۷
قاعدہ: ضمیر کا مرجع	۶۱۷
قاعدہ: ضمیر کے رجوع کرنے کا اصول	۶۲۰
قاعدہ: ضمائر میں تنافر (پراگندگی) سے بچنے کے لئے ان میں توافق پیدا کرنا	۶۲۱
ضمیر الفصل:	۶۲۲
(ا) ضمیر الفصل کے قواعد	۶۲۲
(ب) ضمیر الفصل کے فوائد	۶۲۲
ضمیر شان وقصہ:	۶۲۳
(ا) اس کے خلافِ قیاس ہونے کی پانچ وجوہ	۶۲۳
(ب) اس کا فائدہ	۶۲۳
تنبیہ: کسی ضمیر کو حتی الامکان ضمیرِ شان قرار نہ دیا جائے	۶۲۳
قاعدہ: ذوی العقول کی جمع پر ضمیر بھی اکثر و بیشتر صیغۂ جمع ہی کی آتی ہے	۶۲۴
قاعدہ: ضمیروں میں لفظی اور معنوی	

مراعات جمع ہو جائیں تو لفظی مراعات سے ابتدا کرنی چاہئے	۶۲۴
قاعدۂ تذکیر و تانیث	۶۲۶
قاعدۂ تعریف و تنکیر: (معرفہ اور نکرہ کے ضوابط):	۶۲۸
(ا) تنکیر کے سبب	۶۲۸
(ب) تعریف (معرفہ) کے اسباب	۶۳۰
فائدہ: سورۂ اخلاص میں "اَحَدٌ" کے نکرہ اور "اَلصَّمَدُ" کے معرفہ لانے کی حکمت	۶۳۲
قاعدۂ دیگر: متعلق از تعریف و تنکیر	۶۳۳
جب کسی اسم کا ذکر دو بار ہو تو اس کے چار احوال ہوتے ہیں	۶۳۳
تنبیہ: مذکورۂ بالا فائدہ سے چند استثناء اور ان کے جوابات	۶۳۵
قاعدہ: افراد (واحد) اور جمع:	۶۳۷
اَلسَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ	۶۳۷
اَلرِّیْحُ اور اَلرِّیَاحُ	۶۳۸
نُوْرٌ اور ظُلُمٰتٌ	۶۳۹
نَارٌ اور جَنَّۃٌ	۶۳۹
سَمْعٌ اور بَصَرٌ	۶۳۹
اَلصَّدِیْقُ اور اَلشَّافِعِیْنَ	۶۴۰
اُولُو الْاَلْبَابِ	۶۴۰
مَشْرِقٌ اور مَغْرِبٌ	۶۴۰
فائدہ: "اَلْاَبْرَارُ" اور "اَلْبَرَرَۃُ" نیز "اِخْوَۃٌ" اور "اِخْوَانٌ" میں فرق	۶۴۱
فائدہ: قرآن کے بعض اُن الفاظ کی جمع اور مفرد کی فہرست جن میں دقت پیش آسکتی ہے	۶۴۱
فائدہ: قرآن میں معدولہ الفاظ	۶۴۳
قاعدہ: ایک جمع کا مقابلہ دوسری جمع سے یا جمع کا مقابلہ لفظِ مفرد سے	۶۴۴
قاعدہ: ایسے الفاظ کا بیان جن کو مترادف گمان کیا جاتا ہے حالانکہ وہ مترادف کی قسم سے نہیں ہوتے	۶۴۵
خَوْف اور خَشْیَۃ میں فرق	۶۴۵
اَلشُّحّ، اَلْبُخْل اور اَلضَّنّ میں فرق	۶۴۶
سَبِیْل اور طَرِیْق میں فرق	۶۴۶
جَآءَ اور اَتٰی میں فرق	۶۴۶
مَدَّ اور اَمَدَّ میں فرق	۶۴۷
سَقٰی اور اَسْقٰی میں فرق	۶۴۷
عَمَل اور فِعْل میں فرق	۶۴۷
قُعُوْد اور جُلُوْس میں فرق	۶۴۸
تَمَام اور کَمَال میں فرق	۶۴۹
اِعْطَآء اور اِیْتَآء میں فرق	۶۴۹
فائدہ: صدقہ کے لئے اِیْتَآء کا خصوص اور "اُوْتُوْا" اور "اٰتَیْنٰهُمْ" میں فرق	۶۵۱

اَلسَّنَۃ اور اَلعَام میں فرق	۶۵۱
قاعدہ: سوال جواب کا بیان	۶۵۱
جواب کو سوال کے مطابق ہونا چاہئے	۶۵۱
جواب میں سوال کے اقتضاء سے عدول کرنا	۶۵۲
جواب میں سوال سے زیادتی کرنا	۶۵۴
جواب میں سوال کی نسبت سے کمی کرنا	۶۵۵
تنبیہ: سوال کے جواب سے بالکل ہی عدول کرنا	۶۵۵
قاعدہ: جواب میں نفس سوال کا اعادہ کرنا چاہئے	۶۵۵
قاعدہ: جواب کو سوال کا ہمشکل ہونا چاہئے	۶۵۶
فائدہ: صحابہؓ نے رسول اللہ صلعم سے کتنے سوالات کئے تھے جو قرآن میں مذکور ہیں؟	۶۵۸
فائدہ: تعریف کے لئے سوال اور استدعاء و طلب کے لئے سوال کے الفاظ میں فرق	۶۶۰
قاعدہ: اسم اور فعل کے ساتھ خطاب کرنا اور سبب	۶۶۰
تنبیہات:	
تنبیہ اوّل: زمانہ ماضی اور	
مضارع میں تجدد سے مراد	۶۶۱
تنبیہ دوم: فعلِ مضمر کی حالت بھی فعلِ مظہر کی طرح ہوتی ہے	۶۶۲
تنبیہ سوم: اسم کی دلالت ثبوت پر اور فعل کی دلالت حدوث و تجدد ہونے کی بابت ابن الزملکانی کا اختلاف	۶۶۲
قاعدہ: مصدر کا بیان	۶۶۳
امورِ واجبہ اور مندوب (مستحب) کے بیان کرنے کا طریقہ	۶۶۳
قاعدہ: عطف کا بیان	۶۶۴
عطف کی تین قسمیں:	۶۶۴
۱- عطف علی اللفظ	۶۶۴
۲- عطف علی المحل اور اس کی تین شرطیں	۶۶۴
۳- عطف علی التوہم	۶۶۵
تنبیہ: توہم سے غلطی کرنا مراد نہیں ہے	۶۶۶
مسئلہ: خبر کا انشاء پر یا انشاء کو خبر پر عطف ہونا چاہئے یا نہیں؟	۶۶۶
مسئلہ: جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ پر عطف ہونے یا اس	۶۶۷

کے برعکس صورت کے جواز میں اختلاف ۶۶۷
مسئلہ: دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف کرنے کے جواز میں اختلاف ۶۶۹
مسئلہ: بغیر اعادۂ جار کے ضمیرِ مجرور پر عطف جائز ہے یا نہیں؟ ۶۶۸

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۲	وَ تَخُذُوْا	وَ تَتَّخِذُوْا
[illegible]	۱۲	اِثْنَتَيْنِ	[illegible]
۵۲	۳	نعت ہوئے	نعت نہیں ہوئے
۹۱	۲۲	ہونے سے قبل	[illegible]
[illegible]	۱۸	ہوئی	ہُوئی
۱۰۵	۶	آیتوں کا ذکر	آیتوں کی تعداد کا ذکر
۲۱۵	۸	اس کے بعد	جبکہ اس کے بعد
۲۵۶	۶	صورت میں جبکہ	صورت میں ہے جبکہ
۲۸۰	۲۳ و ۲۴	وہ بحیثیت حروف میں موصول	وہ حروف میں بحیثیت موصول
۲۸۲	۱۰	موصول	موضوع
۲۸۳	۱۳	کہہ رہتے	کہہ رہے
۳۵۶		(اس کو صفحہ ۳۹۶ [illegible])	
۴۰۳	کالم ۲ سطر ۱۱	بنو سعد کی	بنو سعد العشیرہ کی
	کالم ۲ سطر ۱۲	عَشِيْرَة یعنی حَفَدَة	حَفَدَة یعنی
۴۰۵	کالم ۲ سطر ۷	اَلْبُنُوَّة	[illegible]
	کالم ۲ سطر ۹	رہتے ہوتے ہیں)	(ہوتے ہیں)
[illegible]	۲۰	يَشْرِقُ ...... تَرَدَّدَ	يُشْرِقُ ...... يَتَرَدَّدُ
[illegible]	۱۵	اَكْفَرْتُمْ	اَكَفَرْتُمْ
[illegible]		(اس کو سطر [illegible])	
[illegible]	۱۰	فراغ دستی	فراخ دستی
[illegible]	۲۵	اِنْشَرَحَ ...... نَفْسٍ	اِنْشَرَحَ ...... نَفْسُهٗ
[illegible]	۲۰	کی شان	کی شان پر

علومِ قرآن اور الاتقان

از مولانا محمد عبد الحلیم چشتی، فاضل دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین:

شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی[1] اپنے عہد (۸۴۹-۹۱۱ھ) کے نہایت باکمال ہمہ فن میں سے تھے۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء اور قضاء، رشد و ہدایت میں انھیں کمال حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسّر، محدّث، فقیہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اس عصر کے مجدد بھی تھے۔ اُن کے تجدیدی کارناموں کا تعارف ملا علی قاریؒ المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1] موصوف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

الضوء اللامع لاہل القرن التاسع: شمس الدین محمد سخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ ج ۴، ص ۶۵ تا ۷۰، مکتبۃ القدسی قاہرہ

حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ: جلال الدین سیوطی ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۰، طبع دارۃ الوطن مصر سنہ ۱۲۹۹ھ۔

الکواکب السائرہ باعیان المئۃ العاشرہ: شیخ نجم الدین غزی متوفی سنہ ۱۰۶۱ھ ج ۱ ص ۲۲۶ تا ۲۳۱ طبع بیروت سنہ ۱۹۴۵ء

النور السافر عن اخبار القرن العاشر: عبد القادر عیدروسی ص ۵۴ تا ۵۸ طبع بغداد سنہ ۱۳۵۳ھ۔

شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: عبد الحی بن العماد الحنبلی متوفی سنہ ۱۰۸۹ھ ج ۸ ص ۵۱ تا ۵۵، مکتبۃ القدسی قاہرہ سنہ ۱۳۵۱ھ

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: محمد بن علی شوکانی متوفی سنہ ۱۲۵۰ھ ج ۱ ص ۳۲۸ تا ۳۳۲ طبع ... سعادۃ

مقدمہ طبقات الحفاظ سیوطی: محمد زاہد کوثری ص ۶ تا ۱۰، مکتبۃ القدسی دمشق سنہ ۱۳۴۷ھ۔

مقدمہ نظم العقیان فی اعیان الاعیان: فلپ ہٹی۔

ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین: اسماعیل پاشا بغدادی متوفی سنہ ۱۳۳۹ھ ج ۱ ص ۵۳۴ تا ۵۴۴ طبع استنبول سنہ ۱۹۵۱ء -

شیخ مشائخنا السیوطی هو الذی احیا علم التفسیر المأثور فی الدر المنثور وجمع جمیع الاحادیث المتفرقة فی جامعه المشهور وما ترک فنا الا وله فیه متن او شرح مسطور بل وله زیادات ومخترعات یستحق ان یکون هو المجدد فی القرن المذکور کما ادعاه وهو فی دعواه مقبول ومشکور۔

ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطیؒ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے تفسیرِ ماثور کو کتاب درمنثور میں زندہ کیا اور تمام منتشر حدیثوں کو اپنی مشہور کتاب جمع الجوامع میں جمع کر دیا اور کوئی فن نہیں چھوڑا ہے جس میں کوئی کتاب نہ لکھی ہو یا کسی کتاب کی شرح نہ کی ہو (یہی نہیں) بلکہ اس پر اضافے کئے ہیں، اور نئی نئی تحقیقات کی ہیں جن کی وجہ سے وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ مذکورہ بالا صدی کے مجدد قرار پائیں، جیسا کہ انھوں نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے اور وہ اپنے دعوے میں مقبول اور کامیاب ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کے علمی کارنامے نہایت وسیع اور گوناگوں ہیں جو ہر فن میں اُن کی مجتہدانہ بصیرت، وسعتِ نظر اور کثرتِ معلومات کے شاہدِ عدل ہیں۔ علومِ قرآن پر اُن کی تصنیفات میں سے "الاتقان فی علوم القرآن" نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے جو سیوطیؒ نے سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد کم و بیش چار سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچائی ہے۔ ہم نے اسی کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ کتاب ناظرین کے سامنے ہے تفصیلی تبصرہ کی چنداں حاجت نہیں۔

تعارفِ کتاب سے قبل ہمیں اس امر پر روشنی ڈالنی ہے کہ علومِ قرآن پر کام کا آغاز کب سے ہوا، تفسیر کا فن کیونکر مدوّن ہوا اور اس کو کتابی شکل میں سب سے پہلے کس نے مرتب کیا، انواعِ علومِ قرآن پر مستقل تصانیف کا سلسلہ کب سے شروع ہوا، اور کن کن ائمۂ فن نے اُن پر جداگانہ اور مستقل کتابیں لکھیں، انواعِ علوم پر بحیثیتِ مجموعی بحث کا آغاز کس عہد میں ہوا، اور پھر عہد بعہد اس پر جن علماء نے قلم اٹھایا ان کو نام بنام گنایا، اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ فن متاخرین کے زمانہ میں کس طرح عروج کو پہنچا، ہندوستان میں کن کن علماء نے اس فن پر طبع آزمائی کی اور اُن کے کام کی نوعیت کیا ہے۔

یہاں پر عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہیں کہ جن کتابوں کے مصنفین کا عہد معلوم

؎ مرقاۃ المفاتیح لمشکوٰۃ المصابیح، مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۰۹ھ ج ۱ ص ۲۴۸۔

نہ ہو سکا اُن کتابوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے صرف انہی کتابوں کو نام بنام گنایا ہے جو اس فن پر مستقل تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علوم قرآن کے ساتھ اور علوم پر بھی جن کتابوں میں بحث ہوئی ہے جیسے محدث ابن جوزی کی کتاب المدہش، کتاب المجتنی ہیں، یا حسین بن علی کاشفی المتوفی سنہ ۹۰۶ھ کی جواہر التفسیر تحفۃ الامیر جو زہراوین کی تفسیر ہے، جس کے شروع میں موصوف نے تفسیر سے متعلق ۲۲ فنون پر چار فصلوں میں بحث کی ہے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

عرب جن کو اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان پر ناز تھا قرآن مجید انہی کی زبان میں اُترا اور انہی کے اسلوب اور طرز ادا کو اس نے اختیار کیا۔ انھوں نے اس کو سمجھا، اور اس کی سحر طرازیوں نے اپنا اثر دکھایا۔ اہل زبان میں سے جس نے اس کو سنا وہ اس کی عظمت و برتری کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان میں سے جن پاکیزہ نفوس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا انہی کو اس سے پورا پورا فائدہ پہنچا۔

قرآن مجید اصول و کلیات کا جامع ہے

قرآن مجید جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اُتارا گیا ہے وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نہایت جامع قانونِ ہدایت ہے۔ وہ اصول و کلیات کا جامع ہے، اور اس کے جزئیات کی تفصیل و تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے عبارت ہے۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی المتوفی سنہ ۷۹۰ھ کتاب الموافقات میں رقمطراز ہیں:

القرآن على اختصاره جامع ولا يكون جامعاً إلا والمجموع فيه أمور كليات لأن الشريعة تمت بتمام نزوله لقوله تعالى اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآية وأنت تعلم أن الصلوٰة والزكوٰة والجهاد وأشباه ذلك لم يتبين جميع أحكامها في القرآن إنما بينتها السنة وكذلك العاديات من الأنكحة والعقود والقصاص والحدود وغيرها۔

قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے، اور جامع کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کلیات مذکور ہیں کیونکہ شریعت اس کے پورے نازل ہو جانے پر مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم جانتے ہو کہ نماز، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح کی دوسری عبادات ہیں جن کے تمام احکام قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے ان کو صرف سنت نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح سے عادی امور نکاح، معاملات، قصاص اور حدود وغیرہ ہیں،

۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، حاجی خلیفہ طبع استنبول سنہ ۱۳۱۰ھ ج ۱ ص ۲۰۳۔

۲ یہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شاطبی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دین کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا بھی عجیب و غریب انتظام فرمایا۔ قرآن مجید کو تحریف لفظی سے محفوظ رکھنے کے لئے مومنین کے سینوں کو اس کا محافظ بنا دیا، اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کو حجت بنا کر معانیِ قرآن میں تحریف کا ہمیشہ کے لئے سدِ باب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں قرآن پاک کے نت نئے معانی گھڑنے والوں کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

اس قانونِ ہدایت کے مقننِ اعظم نے محض الفاظ تعلیم فرما کر معانی کو آزاد نہیں چھوڑا تھا بلکہ اس کی تعبیر و تفسیر کا حق اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا تھا، اور آپ کے قول و فعل کو حجت بنا دیا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیین و بیان کا حق ادا کر دیا۔ آیات سے مراد کی تعیین اور احکام کی وضاحت کی، الفاظ کی تفسیر، ادوات کی تعیین فرمائی، منشاءِ خداوندی کو بتایا، غرض و غایت کو کھولا، کلام الٰہی کے مرادی معنی کو بیان فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا، اور ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں سارے جزیرۃ العرب کو بقعۂ نور بنا دیا۔

جب خلفاء راشدین کی فتوحات نے اقوامِ عالم کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا اور غیر قوموں میں کثرت سے اسلام پھیلنا شروع ہوا، تو ان کے دلوں میں قرآن کی عظمت جاگزیں کرنے کے لئے فنونِ قرآن کی تدوین عمل میں آئی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مصحف پر نقطے لگانے کا آغاز ہوا اور قرأت میں لحن و غلطی سے بچنے کے لئے قرآن مجید پر اعراب لگانے کا رواج ہوا اور عجم کو اصولِ مذہب سے آگاہ کرنے اور قرآن مجید کے علوم و معارف سے روشناس کرانے کے لئے علم تفسیر کی تدوین عمل میں آئی۔ جیسے جیسے ضرورت اور اسباب پیدا ہوتے گئے علوم قرآن پر کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) ۲ کتاب الموافقات فی اصول الشریعۃ: الشاطبی طبع مصر ج ۳ ص ۳۶۔

۳ کتاب اصول الدین: امام ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ۔

۴ کتاب الاموال: ابو عبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ ص ۳۲۳۔

۵ تاج العروس شرح قاموس: حافظ سید مرتضیٰ زبیدی طبع قاہرہ ۱۳۰۶ھ ج ۷ ص ۵۲۸۔

۶ کتاب المحکم فی نقط المصاحف: حافظ ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی المتوفی ۴۴۴ھ ص ۸ مطبعۃ الترقی دمشق ۱۳۷۹ھ – ۱۹۶۰ء۔ البرہان فی مباحث متعلقہ بالقرآن ص ۲۶ طبع بغداد ۱۳۷۰ھ۔

عہدِ صحابہ میں قرآن کی سب سے پہلی تفسیر

پہلی صدی ہجری میں قرآن کی تفسیر سب سے پہلے سید المسلمین حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ موصوف کا انتقال عہدِ فاروقی میں ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہدِ فاروقی یا عہدِ صدیقی کی تالیفات میں سے ہے۔ مشہور مفسر محمد بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ اور ابن ابی حاتم المتوفی سنہ ۳۲۷ھ نے اپنی تفسیروں میں اس سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ اسی طرح ابو عبد اللہ الحاکم المتوفی سنہ ۴۰۵ھ اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ احمد طاش کبری زادہ المتوفی سنہ ۹۶۸ھ مفتاح السعادہ میں رقمطراز ہیں:

اما ابی بن کعب فعنہ نسخۃ کبیرۃ یرویہا ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ عنہ وھٰذا اسناد صحیح وقد اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وکذا الحاکم فی مستدرکہ واحمد فی مسندہ[1]

لیکن حضرت ابی بن کعبؓ تو ان کی تفسیر کا نسخہ بڑا ہے جس کو ابو جعفر رازی بواسطہ ربیع بن انس از ابو العالیہ از ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں۔ اور یہ سند صحیح ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور اسی طرح حاکم اپنی مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اس سے روایت کرتے ہیں۔

موصوف کے بعد حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر لکھی، جس کا نسخہ امام احمد بن حنبلؒ کے زمانہ میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بواسطہ مجاہد و سعید بن جبیرؒ اسی سے روایتیں کی ہیں۔ چنانچہ ابو الخیر طاش کبری زادہ کا بیان ہے:

قال احمد بن حنبل "بمصر صحیفۃ فی التفسیر رواہا علی بن ابی طلحۃ لو رحل رجل فیہا الی مصر قاصداً ماکان کثیراً" واعتمد علی ھٰذہ النسخۃ البخاری فی صحیحہ فیما نقلہ عن ابن عباس وبینہ وبین

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تفسیر میں ایک صحیفہ مصر کے اندر موجود ہے جس کو علی بن ابی طلحہ روایت کرتے ہیں، اگر کوئی اس کی طلب میں مصر کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس پر امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایتوں

---

[1] مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ - ج ۱ ص ۴۰۳ طبع اول مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۹ھ

واضح رہے کہ ہم نے یہ بیان کردہ کتب کے متعلق جو لفظِ اول اور پہلی کا لفظ استعمال کیا ہے وہ اس موضوع پر اپنے تتبع اور تلاش کے بعد کیا ہے۔ ممکن ہے مزید جستجو کے بعد کچھ اور کتابوں کا بھی سراغ لگ سکے۔

ابن عباس واسطة وهي مجاهد او سعيد بن جبير قال ابن حجر بعد ان عرفت الواسطة وهي ثقة فلا ضير في ذلك[1]۔

پر جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کی ہیں اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور علی بن ابی طلحہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ اور وہ مجاہد یا سعید بن جبیر کا ہے۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ واسطہ معروف اور ثقہ ہے تو پھر روایت کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔

عہدِ تابعین میں پہلی تفسیر

پہلی صدی ہجری کے وسط میں کبار تابعین میں سے غالباً سب سے پہلے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت سعید بن جبیر[2] المتوفی ۹۳ھ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے موسوم ہے۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کو اسی نام سے ذکر کیا ہے[3]۔ موصوف نے یہ تفسیر خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کی درخواست پر لکھی جو شاہی کتب خانہ کی زینت بنی۔ مورخِ اسلام حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں:

كان عبد الملك بن مروان كتب يسأل سعيد بن جبير ان يكتب اليه تفسير القرآن فكتب اليه[4]

عبدالملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر کو لکھا اور درخواست کی کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر بھیج دیں۔ اس کی فرمائش پر موصوف نے یہ تفسیر لکھی۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کے بعد کبار تابعین میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ خاص

---

[1] ص ج سعد وقت ص ۲۰۰۔ واضح رہے کہ ابو عبیدہ کی بیان کردہ کی یہ معلومات حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب لباب النقول سے ماخوذ ہیں جن کو سیوطی نے تفسیر در المنثور کی چھٹی جلد کے آخر میں نقل کیا ہے۔

[2] حضرت سعید بن جبیرؒ کا سن وفات سنۃ الفقہاء کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ فقہاء مدینہ کا انتقال اسی سال ہوا تھا۔ چنانچہ اسی سال میں حضرت علی بن حسین بن زین العابدینؒ کا وصال ہوا۔ پھر حضرت عروۃ ابن الزبیرؒ نے وفات پائی۔ پھر حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت ابو بکر عبدالرحمٰن بن الحارثؒ اور اہل مکہ میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ کا انتقال ہوا۔ البدایہ والنہایہ حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ ج ۹ ص ۹۷ مطبعۃ السعادۃ مصر

[3] کتاب الفہرست ص ۵۱۔

[4] میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ ج ۲ ص ۱۹۷۔ طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ۔

ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری المتوفی ۹۳ھ نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ ان کا رتبہ تفسیر میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی بلند تر ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

قال ابوبکر بن ابی داؤد لیس احد اعلم بالقرآن بعد الصحابة من ابی العالیة ثم سعید بن جبیر[1]

ابوبکر بن ابی داؤد کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ابو العالیہؒ اور پھر سعید بن جبیرؓ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی عالم نہیں۔

موصوف سے اس تفسیر کے راوی ربیع ابن انس المتوفی ۱۳۶ھ ہیں۔ ابو اسحاق احمد بن محمد نیشاپوری ثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے کتاب الکشف والبیان عن تفسیر القرآن[3] میں لکھا ہے کہ محمد بن کعب قرظی المتوفی ۱۰۸ھ اور عطاء بن ابی رباح المتوفی ۱۱۴ھ نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں۔ یہ بھی بلند رتبہ تابعین میں سے ہیں۔

پھر قرآن مجید کی تفسیروں کا سلسلہ شروع ہوا اور اس فن نے ایسی ترقی کی کہ بڑے بڑے نامور مفسر پیدا ہوئے اور انھوں نے نہایت ضخیم کتابیں لکھیں اور دو چار صدی میں ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔

فضائل قرآن

اسلام میں جس طرح قرآن مجید سب سے پہلے کتابی صورت میں مرتب ہوا اسی طرح اس کے علوم پر بھی کام کا آغاز سب سے پہلے ہوا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے اوائل میں علوم قرآن میں سے فضائل قرآن پر کام ہوا۔ یہ موضوع جتنا اہم ہے قدرت نے اس کے لئے اتنی ہی اہم شخصیت کا انتخاب بھی کیا۔ اور یہ کام سید القراء صحابی رسول حضرت ابو المنذر اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۹ھ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب فضائل القرآن لکھی۔ ...... ان کی یہ تصنیف علوم قرآن پر عہد اسلامی کی غالباً سب سے پہلی تصنیف ہے[4]۔ موصوف کے بعد اس موضوع پر بہت سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۶۲۔ طبع سوم حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ۔

[2] کشف الظنون۔ ج ۱۔ کالم نمبر ۴۴۱۔

[3] الکشف والبیان عن تفسیر القرآن بحوالہ کشف الظنون۔ ج ۱ کالم نمبر ۴۵۳ و نمبر ۴۷۵۔

[4] الفہرست ابو الفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم، ص ۵۵ مطبعہ رحمانیہ مصر ۱۳۴۸ھ۔ حاجی خلیفہ نے اس عنوان کے تحت اس مبحث کو فن من صنف فیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے جو صحیح نہیں۔

علماء نے کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں کیا ہے۔

نقطِ مصاحف پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری میں نقطِ مصاحف پر سب سے پہلے کتاب [illegible] میں سے قاضی [illegible] ابو الاسود دؤلی المتوفی ۶۹ھ نے جن سے روایت کی ہے ایک مختصر رسالہ تھا جس کا تذکرہ مشہور قاری امام ابو عمرو دانی المتوفی ۴۴۴ھ نے کتاب المحکم میں کیا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں اس موضوع پر امام لغت خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۰ھ نے قلم اٹھایا، اور سب سے پہلے اس کے اسباب و علل سے بحث کی، اور انھیں کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کیا، اسی وجہ سے صاحب کتاب الفہرست میں ابن الندیم نے نقطِ مصاحف پر لکھنے والے مصنفین کے نام گناتے ہوئے موصوف کا نام سرِ فہرست ذکر کیا ہے۔ اور ابو عمرو دانی نے جن کا شمار فنِ حدیث کے ائمہ میں ہے موصوف کو کتاب المحکم میں ابو الاسود دؤلی کے بعد "اوّل من صنّف" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، فرماتے ہیں:

قال: من صنّف النقط ورسمه في كتاب وذكر علله الخليل بن احمد ثم صنف ذلك بعده جماعة من النحويين والمقرئين وسلكوا طريقه واتبعوا سنته واقتدوا بمذهبه

سب سے پہلے جس نے نقط پر کتاب تصنیف کی اور اس کی [illegible] وہ صاحب کتاب العین خلیل بن احمد ہیں۔ ان کے بعد [illegible] اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں [illegible] ان کے طریقہ کو اپنایا اور ان کی روش کی اتباع کی، اور ان کے مسلک کی انھوں نے پیروی کی۔ اس کے بعد ابو عمرو دانی نے [illegible] ان مصنفین کو جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں نام بنام گنایا ہے۔

دوسری صدی ہجری سے [illegible] میں قرآن مجید کے خاص خاص موضوع و مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہر موضوع پر بلند پایہ ائمہ فن نے قلم اٹھایا اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جداگانہ ہے۔

۱؎ [illegible] نقطِ مصاحف [illegible]

۲؎ کتاب الفہرست ص [illegible] [illegible] المتوفی [illegible] [illegible]

[illegible] ۳؎ کتاب المحکم ص ۹

اسبابِ نزول پر پہلی تصنیف

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر یا دوسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے اسبابِ نزول پر سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد حضرت عکرمہ مدنی مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما المتوفی سنہ ۱۰۵ھ نے جن سے بخاری اور دیگر اربابِ صحاح نے روایت کی ہے، کتاب لکھی جس میں وہ تمام معلومات جمع کیں جو موصوف نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی تھیں[1]۔ سیوطیؒ نے امام بخاری کے استاد حافظ ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینی المتوفی سنہ ۲۳۴ھ کو "الاتقان" میں اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں "اول من صنف" کے الفاظ سے جو یاد کیا ہے وہ بظاہر جامعیت کے اعتبار سے ہے[2]۔

مقطوع و موصولِ قرآن پر پہلی کتاب

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں کبارِ تابعین اور قراءِ سبعہ میں سے قاضیِ دمشق عبداللہ ابن عامر یحصبی[3] المتوفی سنہ ۱۱۸ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے مقطوع اور موصول پر کتاب تصنیف کی۔

لہ کتاب الفہرست، ص ۵۷۔ ؎۲ کشف الظنون ج ۱، کالم نمبر ۲۰۔

؎۳ عبداللہ بن عامر دمشقی قراءِ سبعہ میں تیسرے امام اور ابوعمرو بن العلاء چوتھے امام ہیں جن کا ذکر آئے گا، قراءِ سبعہ میں ان دونوں کے سوا کوئی عرب نہیں سب عجمی ہیں۔ بصری ابوعمرو بن العلاء بصری نحو و لغت کے بھی متفق علیہ امام ہیں۔ محمود بن عمر زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ جو بلند پایہ ادیب اور ماہرِ فن لغوی ہیں وہ اپنے اعتزال کی وجہ سے ایسی قراءت پر جو اصولِ نحو کے خلاف نظر آتی ہیں، اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے، اور ائمہ فن پر بھی حرف گیری کے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ موصوف نے ان دونوں ائمۂ فن کی قراءت پر سخت اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ آیت شریفہ۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝

اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں اُن کی اولاد کے قتل کو اُن کے شریکوں نے تاکہ اُن کو ہلاک کریں اور رَلا ملا دیں اُن پر اُن کے دین کو اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

میں ابن عامر کی قراءت قتلُ اولادَہم شرکائِہم ہے جس میں لفظ قتل مرفوع اور لفظ اولادہم منصوب (باقی برصفحہ)

جو مقطوع القرآن وموصولہ کے نام سے موسوم ہے[1] اسی طرح مصاحف کی تاریخ تدوین اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) اور شرکائهم اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا گیا ہے جس کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ میں فصل واقع ہو جاتا ہے جو اصولِ نحو کے خلاف ہے۔ اس پر زمخشری لکھتے ہیں:

والفصل بينهما بغير الظرف فشيء لو كان في مكان الضرورات وهو الشعر لكان سمجا مردودا كما سمج ورد ؎
زج القلوص ابی مزاده
فكيف به في الكلام المنثور فكيف به في القرآن المعجز بحسن نظمه وجزالته والذي حمله على ذلك ان رأى في بعض المصاحف شركائهم مكتوبا بالياء۔

مضاف اور مضاف الیہ میں بغیر ظرف کے فصل واقع ہونا بھی ایک ... اگر ضرورت کے مواقع پر ہوتا اور وہ شعر ہے تو بھی یہ ناقابلِ قبول اور قبیح تھا جس طرح کہ یہ مصرع قبیح اور مردود ہے ؎
زج القلوص ابی مزاده
پھر یہ نثر میں کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے، اور وہ بھی قرآن میں جو اپنی جزالت اور حسنِ نظم کے لحاظ سے کلام معجز نظام ہے جس بات نے ابن عامر کو اس قرأت پر آمادہ کیا وہ ان کا کسی مصحف میں شرکائهم حرف یاء سے لکھا ہوا دیکھنا ہے۔
(الکشاف مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ ۱۳۶۵ھ ج ۲، ص ۷۰)

اور آیت ذیل:

فيغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء والله على كل شيء قدير۔

پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

میں ابو عمرو بن العلاء کی قرأت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومدغم الراء في اللام لاحن مخطئ خطأ فاحشا وراويه عن ابي عمرو مخطئ مرتين لانه يلحن وينسب الى اعلم الناس بالعربية ما يؤذن بجهل عظيم والسبب في نحو هذه الروايات قلة ضبط الرواة والسبب في قلة الضبط قلة الدراية۔
(الکشاف ج ۱ ص ۳۳۰)

را کو لام میں ادغام کرنے والا نہایت فحش غلطی کا مرتکب ہے اور اس کا ابو عمرو سے راوی دو غلطیوں کا مرتکب ہے کیونکہ وہ غلطی کرتا ہے اور عربیت کے سب سے بڑے عالم کی طرف نسبت کرتا ہے ایسی بات کی جو اس کے جہل عظیم پر دلالت کرتی ہے اور اس قسم کی روایات میں غلطی کا سبب راویوں کے ضبط کی کمی ہے اور ضبط کی کمی کا سبب

[1] کتاب الفہرست ص ۵۵۔

(باقی بر صفحہ ۶۴)

اختلافِ مصاحف کے موضوع پر سب سے پہلے موصوف ہی نے قلم اٹھایا اور اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق کے نام سے کتاب مرتب کی۔ ان کے بعد امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی المتوفی ۱۸۹ھ نے کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینۃ واہل الکوفۃ والبصرۃ لکھی۔ ورکب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) بیضاوی وغیرہ جن کی تفسیریں کشاف سے ماخوذ ہیں اس قرأت کو غلط قرار دیا ہے، و تعجب احمد بن منیر اسکندری المتوفی ۶۸۳ھ پر ہے جس نے الانتصاف میں اس مقام پر ایک حرف نہیں لکھا گو اور مواقع پر خوب کلام کیا ہے۔ لیکن ابو حیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ نے اپنی تفسیر بحر محیط میں اس مقام پر خوب لکھا ہے اور زمخشری کی غلطی پر تنبیہ کی ہے۔

ابن عامر اور ابو عمرو دونوں امام فن ہیں ان کی قرأت سبعہ متواترہ ثابت ہیں۔ قرآن مجید نحو یا لغت کے قواعد کا پابند نہیں، جیسا کہ تمام محققین نے لکھا ہے وہ سند سے ثابت ہیں ہر قاری نے جیسا پڑھا ویسا پڑھایا۔ کسی نے اپنی قرأت نہیں کی اور نہ جائز قرار دی جو اصول نحو کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ یہ تو شدت ضبط کی نہایت قوی دلیل ہے۔ چنانچہ امام لغت حسین بن احمد معروف با بن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ جو قرأت میں ابن مجاہد کے شاگرد ہیں اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن میں لکھتے ہیں:

یجوز فی النحو ملک یوم الدین بالرفع ولکن لا یجوز فی القرآن لان القراءۃ سنۃ ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔
(اعراب ثلاثین سورۃ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۶۰ھ ص۲۴)

نحو کے اعتبار سے ملک یوم الدین میں ملک کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے نحویوں کے نزدیک درست ہے لیکن اس طرح سے پڑھنا نہیں چاہئے کیونکہ قرأت سنت ہے اس کو عربیت پر نہیں پرکھا جا سکتا۔

نیز وہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

والقراءۃ سنۃ یأخذہا آخر من اول ولا تحمل علی قیاس العربیۃ۔
ص۲۲

اور قرأت سنت ہے اس کو خلف نے سلف سے حاصل کیا ہے اس کو عربیت کے اعتبار سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر نے مذاہب التفسیر الاسلامی (طبع قاہرہ ۱۳۷۳ھ) میں انہی باتوں کو ذکر کر کے اختلاف مذاہب کی نشان دہی کی ہے۔

زمخشری کا اس کو قلت ضبط اور قلت درایۃ قرار دینا صحیح نہیں۔ ابو عمرو بن العلاء جیسے امام فن جن کا مرتبہ لغت و نحو میں سیبویہ اور خلیل سے بھی بلند تر ہے اور جن کی ثقاہت کا متفق علیہ ہے (باقی)

امام لغت فرّاء المتوفی ۲۰۷ھ نے اختلاف اھل الکوفۃ والبصرۃ والشام فی المصاحف ترتیب دی اور اس کے بعد بہت سے اہل قلم نے اس موضوع پر تصانیف کیں۔ محدّث ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد السجستانی المتوفی ۳۲۷ھ کی کتاب المصاحف، مستشرق آرثر جفری کے مقدمہ کے ساتھ ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

غریب القرآن پر سب سے پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ابان بن تغلب بکری الکوفی المتوفی ۱۴۱ھ نے جن سے امام مسلم اور ارباب سنن نے روایت کی ہے سب سے پہلے قرآن مجید کے غریب الفاظ کو جمع کیا، اور غریب القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی[۲] موصوف کے بعد غریب القرآن کے موضوع پر بہت سے ائمۂ لغت نے کتابیں تصنیف کیں لیکن اس موضوع پر فرّاء کے شاگرد ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ الیزیدی المتوفی ۲۳۶ھ جن کو حسب تصریح حافظ عبدالکریم سمعانی، قرآن اور مسائل قرآن میں امتیاز خاص حاصل تھا نہایت جامع کتاب تصنیف کی[۳] جس میں قرآن مجید کے تمام غریب الفاظ کو مع شواہد بیان کیا ہے یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے۔ اس کا نسخہ وزیر جمال الدین القفطی المتوفی ۶۴۶ھ کی نظر سے گذر چکا ہے۔ موصوف اس کے متعلق انباہ الرواۃ میں رقمطراز ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) جن کا مسلک آخر متحرک اور رسم متحرک میں اظہار کرنا ہے وہ بھی خلاف مسلک روایت کرے۔ یہ ضبط صحیح کی دلیل ہے اور اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں تنگ نظر نہ تھے۔ وہ نحویین کوفہ کے مسلک کو بھی حق سمجھتے تھے اور ادغام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ نیز قراۃ میں سماع کو حجت اور قرأت کو اصولِ نحو کا پابند نہیں سمجھتے تھے اس اختلاف سے اس حقیقت کا بھی سراغ لگتا ہے کہ ائمۂ فن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے وجوہ و طرز ادا کی حفاظت میں کس احتیاط و ضبط اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر سے تاریخ عالم قاصر ہے۔

[۱] کتاب الفہرست ص ۵۷۔

[۲] کتاب الفہرست ص ۳۰۸ و معجم الادباء یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ ج ۱ ص ۲۵، طبع دوم مطبعہ ہندیہ قاہرہ ۱۹۲۳ء

[۳] کتاب الانساب: حافظ ابو سعد عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ۔ نسبت یزیدی۔

عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک ابو عبدالرحمٰن صنّف کتاباً فی غریب القرآن حسنًا فی بابہ ورأیتہ فی ستۃ مجلّدات یستشہد علی کل کلمۃ من القرآن بابیات من الشعر[۱]	ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ بن المبارک نے غریب القرآن کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی جو اپنے موضوع پر عمدہ کتاب ہے اور میں نے اس کو دیکھا ہے وہ چھ جلدوں میں ہے قرآن کے ہر کلمہ پر اشعار کو بطور سند پیش کیا ہے۔

اسی موضوع پر ابن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۷۶ھ کی غریب القرآن سید احمد صقر کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اس سے پیشتر موصوف کی کتاب غریب القرآن اور مشکل القرآن دونوں ۱۳۵۵ھ میں قاہرہ سے کتاب القرطین کے نام سے چھپ چکی ہیں۔

غریب القرآن پر سب سے مختصر کتاب

غریب القرآن کے موضوع پر علامہ محمد بن عزیز السجستانی المتوفی ۳۳۰ھ کی کتاب غریب القرآن سب سے مختصر تالیف ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ کہنے کو یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن پندرہ سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا اس سے ناظرین کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک زمانہ تھا کہ ائمۂ فن قرآن کی لغت کی ترتیب و تدوین میں کیسی محنت کرتے تھے، اور انھیں ایک رسالہ کی تیاری میں کتنا زمانہ لگتا تھا۔[۲]

ہندوستان میں اِس موضوع پر سب سے پہلی کتاب

ہندوستان میں لغات القرآن پر سب سے پہلے بارھویں صدی ہجری میں کام ہوا۔ اور شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام جامع المفردات ہے۔ موصوف کو عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ انھوں نے جامع المفردات میں ہر لفظ کے معنی عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں لکھے ہیں۔ پہلی ترتیب سورتوں پر ہے اور دوسری ترتیب حروف تہجی پر ہے۔ یعنی پہلے سورۂ بقرہ کے الفاظ کو بیان کیا اور اس میں بھی حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے۔ موصوف نے اس کی تالیف سے ۱۱۳۱ھ میں فراغت پائی تھی ـــ

[۱] کتاب انباہ الرواۃ۔ ج ۲، ص ۱۵۱،

[۲] نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء تالیف ابو البرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، متوفی ۵۷۷ھ ص ۳۸۶ طبع مصر ۱۲۹۴ھ

۔۔۔ ہندوستان میں مفردات القرآن کے موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہو جس میں الفاظ قرآن کے معانی تینوں زبانوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب گیارہ سو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ جو فارسی رسم الخط میں ہے، اور ١٢٠٥ھ کا لکھا ہوا ہے۔ جامع ازہر کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[1]

پھر اس موضوع پر مولانا حمید الدین فراہی نے عربی زبان میں مفردات القرآن لکھی جو شائع ہو چکی ہے۔

———— اردو زبان میں وقت کے نامور فاضل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی نے اس موضوع پر کم و بیش دس بارہ برس کی محنت کے بعد لغات القرآن حرف عین تک چار جلدوں میں مکمل کی تھیں جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ پاکستان میں عصر حاضر کے نامور متجدد غلام احمد پرویز نے بادنی تصرف اس سرمایہ کو اپنی کتاب لغات القرآن میں منتقل کر لیا ہے اور مولانا کے گرانقدر ماخذوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے یہاں لین (Lane) کی ڈکشنری مدّ القاموس (An Arabic English Lexicon) کا اضافہ کر دیا جس کی علمی دیانت اور وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ مقدمہ کتاب میں اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ اس بات کو نہ کسی محقق نے تسلیم کیا ہے اور نہ خود میں اس پر یقین رکھتا ہوں یہ بے سروپا الزام نقل کر ہی دیا ہے کہ تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کی تالیف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مغربی عالم کی تصنیف ہے جس کا نام معلوم نہیں وہ حج کے لئے جاتے ہوئے قاہرہ میں اترا اور صحرائے عرب میں کتاب کے ضائع ہونے کے خیال سے تاج العروس سید مرتضیٰ زبیدی کے حوالہ کر گیا حجاز میں اس کا انتقال ہو گیا اور سید مرتضیٰ زبیدی نے اس کو اپنے نام سے شائع کر دیا۔

لین (Lane) نے سید مرتضیٰ زبیدی کی تاج العروس سے جس طرح استفادہ کیا ہو اسی طرح مقدمہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے آغاز کتاب ہی میں اس مغربی عالم کا نام بھی ذکر کیا ہے جو اُن کے شیوخ میں سے تھے اور ان کے اس علمی کارنامہ کو سراہا بھی ہے نیز اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اُن کی شرح میرے پاس موجود ہے، اور اکثر جگہ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ موصوف کے الفاظ ہیں:

---

[1] فہرس مکتبۃ الازہریۃ ج۱۔ ص ۱۷۲ طبع دوم مطبعۃ الازہر ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء۔

ومن اجمع ما کتب علیہ مما سمعت و رأیت شرح شیخنا الامام اللغوی ابی عبداللہ محمد بن الطیب بن محمد الفاسی المتولد سنہ ۱۱۱۰ھ والمتوفی بالمدینۃ المنورۃ سنہ ۱۱۷۰ھ وہو عمدتی فی ہذا الفن والمقلد جیدی العاطل بحلی تقریرہ المستحسن وشرحہ ہذا عندی فی مجلدین ضخمین (تاج العروس، ص ۳)	اور قاموس کی جو سب سے زیادہ جامع شرح لکھی گئی ہے جس کا سماع مجھے بھی حاصل ہے اور میں نے اس کو دیکھا بھی ہے وہ ہمارے شیخ امام لغوی ابو عبداللہ محمد بن طیب بن محمد کی ہے جن کی ولادت فاس میں سنہ ۱۱۱۰ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۱۱۷۰ھ کے اندر مدینہ میں ہوئی وہی شرح اس فن میں میری اساس ہے اور وہی میری برہنہ گردن کو اپنی پسندیدہ تقریروں کے زیور سے آراستہ کرنے والی ہے اُن کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں میرے پاس موجود ہے۔

اس تصریح کے بعد یہ الزام نقل کرنا اور یہ کہہ کر کہ اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوا در پردہ اس الزام کی تائید کرتا ہے۔ اور یہ مستشرقین کا عام شیوہ ہے ... اسی طرح سے بطرس بستانی کی محیط المحیط کے حوالے سے بھی کتاب مذکور کو زینت بخشی ہے۔ بستانی وہی لغوی ہے جس نے لفظ مسیح کے معنی یہ بھی کئے ہیں:

والمسیح ایضاً لقب الرب یسوع	اور مسیح یسوع (عیسیٰ) رب کا لقب بھی ہے۔

لفظ مسیح کے یہ معنی کسی عرب لغت نویس سے منقول نہیں۔

عبرت کا مقام ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو اہلِ زبان اور قرآن کے مخاطب اوّل ہی نہ تھے بلکہ انہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ قرآن نے اُن کے لئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے الفاظ استعمال کئے۔ انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے الفاظ قرآن کے جو معانی اور مطالب سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معانی بتائے انھیں نقل کرنا جناب پرویز کی نظر میں موجبِ ندامت اور باعثِ ننگ ہے۔ لین (Lane) اور لپطرس بستانی جو اہلِ زبان بھی نہیں مسلمان بھی نہیں اور اہل لغت کی نظر میں قابلِ استناد بھی نہیں ان سے الفاظ قرآن کے معانی نقل کرنا اُن کے لئے قابلِ فخر و ناز ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ کبھی مسلمانوں کا وہ زمانہ بھی تھا جب یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کے معانی مسلمان علماء سے پوچھنا فخر سمجھتے تھے، اور آج پاکستان کے متجدّدِ عصر جناب پرویز قرآن کے معانی کی وضاحت کے لئے مستشرقین (جن کی علمی عظمت کا بیان اوپر گذر چکا)

کی دریوزہ گری کو کارنامۂ فخر سمجھتے ہیں۔ اقبال نے سچ فرمایا ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ یقین ہے کہ معانیٔ قرآن پر جب تک لین (Lane) اور بُستانی جیسے مستشرقین کی مہرِ استناد ثبت نہ ہو جائے الفاظِ قرآن کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی۔ جناب پرویز کا اشہبِ قلم جہاں مولانا نعمانی کی تحقیقات سے آگے بڑھا ہے وہی موصوف کی تحقیقات کا وہ میدان ہے جہاں اسلام کے بلند سے بلند مفسّر اور عرب کے بڑے سے بڑے لغوی کا طائرِ خیال بھی پرواز سے عاجز ہے۔

ناسخ و منسوخ پر پہلی تصانیف

دوسری صدی ہجری میں مشہور مفسّر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمان المتوفی ۱۵۰ھ اور عرمہ حسین بن واقد المروزی المتوفی ۱۵۷ھ نے قرآن مجید کے ناسخ و منسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب الناسخ والمنسوخ لکھیں[1]۔ اس موضوع پر قدما کی کتابوں میں سے امام نسائی کے

[1] کتاب الفہرست ص ۵۱ و ۲۵۴۔ واضح رہے تذکرہ نگاروں کا یہ بیان ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کے موجدِ اوّل امام شافعیؒ ہیں۔ حافظ عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ کا بھی یہی خیال ہے کہ علم ناسخ و منسوخ کی طرف سب سے پہلے امام شافعیؒ نے رہبری کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

یقول الناس ان الشافعی لہ فضل علیٰ کل احدٍ والبیہقی فضلہ علی الشافعی فواللہ ما قال ھٰذا من شم توجہ الشافعی وعظمتہ ولسانہ فی العلوم لقد اخرج الشافعی باباً من العلم ما اہتدیٰ الیہ الناس من قبلہ وھو علم الناسخ والمنسوخ (الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۴۳۲ طبع اوّل حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ)

لوگ کہتے ہیں امام شافعی کا احسان ہر ایک پر ہے۔ بخدا یہ اس کا قول نہیں جس نے امام شافعی کی توجہ کی بُو بھی سونگھ لی اور امام شافعی کی عظمت اور علوم میں اُن کی مہارت کو سمجھا۔ خدا کی قسم امام شافعی نے علم کا ایک ایسا باب نکالا ہے جس کی طرف اُن سے پہلے کسی کو راہ یابی نہیں ہوئی۔ اور وہ ناسخ و منسوخ کا علم ہے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مناقب نگاروں کا یہ خیال قرینِ صحت نہیں اس موضوع پر امام شافعی کی پیدائش سے پہلے ہی [illegible]

شاگرد ابو جعفر نحاس احمد بن محمد مصری نحوی المتوفی ۳۳۸ھ کی کتاب الناسخ والمنسوخ مطبعۃ السعادۃ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

وجوہ و نظائر قرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے وجوہ و نظائر پر کام ہوا اور مقاتل بن سلیمان اور قاضی مرد حسین بن واقد مروزی المتوفی ۱۵۱ھ نے جن سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اسی موضوع پر کتاب وجوہ القرآن تصنیف کی[1]

متشابہ القرآن پر پہلی کتاب

متشابہ القرآن پر بھی غالباً سب سے پہلے مقاتل بن سلیمان نے کتاب لکھی[2]

حروف قرآن پر پہلی کتاب

اسی زمانہ میں قرآن مجید کے حروف پر سب سے پہلے امام ابو عمرو بن العلاء البصری متوفی ۱۵۴ھ نے جن کا شمار قراء سبعہ میں ہے اور بخاری و مسلم نے ان سے روایت کی ہے حروف القرآن کے نام سے کتاب تصنیف کی جس کو ایک زمانہ تک بسند روایت کیا جاتا تھا چنانچہ وزیر جمال الدین القفطی، عبداللہ بن محمد یزیدی متوفی ۲۸۲ھ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

عبید اللہ بن محمد الیزیدی سمع عبد الرحمن بن اخی الاصمعی وروی عن عمہ ابراہیم بن یحییٰ واخیہ احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد الیزیدی عن ابی عمرو بن العلاء حروفہ فی القرآن[3]

عبیداللہ بن محمد یزیدی نے اصمعی کے بھتیجے عبدالرحمن سے سماع کیا اور اپنے چچا ابراہیم بن یحییٰ اور اپنے بھائی احمد بن محمد عن جدہ ابی محمد یزیدی کے واسطہ سے ابو عمرو بن العلاء سے اُن کی تالیف حروف القرآن کے راوی ہیں

قراءت پر پہلی تصانیف

اسی طرح قراءت کے موضوع پر بھی غالباً سب سے پہلے ابو عمرو بن العلاء نے کتاب القراءات تصنیف کی۔[4] ان کے ہمعصر ابان بن تغلب[5] اور مقاتل بن سلیمان[6] نے بھی کتاب القراءات لکھی تھیں۔

---

[1] کتاب الفہرست ص ۲۵۷ و ص ۳۱۹۔
[2] کتاب الفہرست ص ۱۸۲ و ۵۵۔
[3] کتاب الانساب ورق ۶۰۰۔
[4] انباہ الرواۃ ج ۲ ص ۱۵۳۔
[5] کتاب الفہرست ص ۳۰۸۔
[6] کتاب الفہرست ص ۲۵۷۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ میں ہارون بن موسیٰ الاعور کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ موصوف نے سب سے پہلے قراآت پر کتاب تصانیف کی۔ لکھتے ہیں:

وہو اول من تتبع وجوہ القراآت وألفہا وتتبع الشاذ منہا وبحث عن اسنادہ[1]	اور آپ نے سب سے پہلے وجوہ قراآت کو تلاش کیا اور شواذ کی جستجو کی اور اس کی سندوں سے بحث کی ہے۔

ہارون بن موسیٰ چونکہ نسلاً یہودی تھے اس لئے مشہور مستشرق گولڈزیہر نے اپنی کتاب "مذاہب التفسیر الاسلامی" میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے کہ اس فن پر سب سے پہلے ایک یہودی النسل مسلمان نے قلم اٹھایا اور کتاب لکھی، بڑا فخر محسوس کیا ہے[2]۔ جلال الدین سیوطیؒ کو ہارون بن موسیٰ سے پہلے کے مصنفین معلوم نہ ہوسکے، اور انھوں نے ان کو پہلا مصنف قرار دیدیا، مستشرق موصوف نے اسی کو منتہائے تحقیق سمجھ لیا، موصوف اگر کتابوں کی طرف مراجعت کرلیتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی کہ ہارون بن موسیٰ کو اس باب میں اوّلیت کا شرف حاصل نہیں۔ ان کے استاذ ابوعمرو بن العلاء جن سے ہارون بن موسیٰ نے فنِ قراآت کی تحصیل کی تھی[3] اور ان کے شیخ ابان بن تغلب[4] (جیسا کہ ذکر گزر چکا) اس فن پر ان سے پہلے کتابیں لکھ چکے تھے، مقاتل بن سلیمان کی کتاب بھی ان سے پیشتر مرتب ہوگئی تھی، سیوطیؒ کو ان کی کتابوں کا علم نہیں تھا، اسی وجہ سے انھوں نے موصوف کو وجوہِ قراآت پر پہلا مصنف قرار دیا۔ ہر مؤرخ اور تذکرہ نگار اپنے علم کے مطابق لکھتا ہے، چنانچہ علامہ ابوالخیر محمد بن محمد الجزری المتوفی ۸۳۳ھ نے کتاب النشر فی القراآت العشر میں اس موضوع پر پہلا اور قابلِ اعتبار مصنف ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کو قرار دیا ہے[5]، حالانکہ ان سے پیشتر امام کسائی نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی[6] جن کے ثقہ اور قابلِ وثوق ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے، قراء سبعہ میں ساتویں امام ہیں۔ اور اسی طرح سے غایۃ النہایۃ

---

[1] بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۴۰۶ طبع اول مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ۔

[2] تہذیب التہذیب: حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔ ج ۱، ص ۱۴ طبع اوّل حیدرآباد دکن ۱۳۲۷ھ۔

[3] مذاہب التفسیر الاسلامی: ترجمہ عبدالحلیم نجار، ص ۵۶، طبع قاہرہ ۱۳۷۳ھ۔

[4] تاریخ بغداد از ابوبکر خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ۔ ج ۱۴ ص ۲۔ طبع قاہرہ۔

[5] کتاب النشر۔ [6] کتاب الفہرست ص ۹۸۔

میں ابو بکر [illegible] المتوفی [illegible] لکھتے ہیں:

اول من صنف احکام القرآن [illegible]

یعنی [illegible]

احکام القرآن پر پہلی تصنیف

اسی زمانہ میں [illegible] المتوفی [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] احکام القرآن پر پہلی تصنیف

[illegible] المتوفی [illegible] نے تفسیر [illegible] التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ [illegible]

[illegible]

معانی قرآن کا لفظ قدماء کی اصطلاح میں اعراب، مجاز، اصطلاحی تاویل، لفظ غریب کی تشریح اور تفسیر سب کو شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ المتوفی ۲۰۹ھ کی کتاب مجاز القرآن کے متعلق سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ[۱] میں تصریح کی ہے کہ وہ غریب القرآن پر ہے۔ زجاج نحوی علامہ ابواسحٰق ابراہیم سری المتوفی ۳۱۱ھ کی تفسیر قرآن، معانی القرآن سے بھی موسوم ہے۔ ابوعبیدہ کی کتاب مجاز القرآن کی جلد اول ۱۳۷۴ھ میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اور امام لغت فراء کی کتاب معانی القرآن کی پہلی جلد دارالکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۳۷۴ھ میں شائع ہو گئی ہے۔

اسی موضوع پر علامہ حسین بن احمد المعروف بابن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ کی کتاب اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم بھی دارالکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۳۶۰ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

مصادر القرآن پر پہلی تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اختتام پر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل میں قرآن مجید کے مصادر، جمع و تثنیہ پر کام کا آغاز ہوا۔ اور سب سے پہلے اس موضوع پر امیر المومنین فی النحو یحییٰ بن زیاد فراء المتوفی ۲۰۷ھ نے کتاب الجمع والتثنیۃ فی القرآن اور کتاب مصادر فی القرآن[۲] کے نام سے دو جداگانہ کتابیں تصنیف کیں۔

لغات القرآن پر پہلی تصانیف

اسی زمانہ میں علامہ ہیثم بن عدی طائی کوفی متوفی ۲۰۷ھ اور استاذ سیبویہ ابوزید سعید بن اوس انصاری المتوفی ۲۱۵ھ نے لغات القرآن لکھیں۔ لغات لغت کی جمع ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں ڈکشنری کے معنی میں نہیں آتا بلکہ بولی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قدماء کے یہاں جو کتابیں اس نام سے موسوم ہیں ان کا موضوع قبائل عرب کے ان الفاظ سے بحث کرنا ہے جنہیں قرآن مجید نے استعمال کیا ہے۔ معنی الفاظ کے لئے عربی میں مفردات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اسماء منافقین پر پہلی تصنیف

تیسری صدی ہجری میں ابوالحسن علی بن محمد مدائنی متوفی ۲۲۴ھ نے ایک نئے موضوع پر کام کیا اور منافقین

۱؎ بغیۃ الوعاۃ ص ۳۹۵۔
۲؎ کتاب الفہرست ص ۱۰۰۔
۳؎ کشف الظنون ج ۲، کالم نمبر ۱۴۲۸۔
۴؎ ایضاً ص ۳۳۔

اور آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والوں کے ناموں پر کتابیں لکھیں جو کتاب تسمیۃ المنافقین ومن نزل القرآن فیہم ومن غیرہم اور کتاب تسمیۃ الذین یؤذون النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتسمیۃ المستہزئین الذین جعلوا القرآن عضین ہے۔[1]

اقسام القرآن پر پہلی تصنیف اسی تیسری صدی ہجری میں امام کسائی کے مشہور شاگرد عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن ذکوان المتوفی ۲۴۲ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی قسموں اور ان کے جوابات پر کتاب تصنیف کی جس کا نام اقسام القرآن وجوابہا ہے۔[2]

ہندوستان میں اس موضوع پر پہلی تصنیف ہندوستان میں اس موضوع پر مولانا حمیدالدین فراہی نے امعان فی اقسام القرآن لکھی تھی جو عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔

دیگر علوم قرآنی پر پہلی تصانیف امام قراءت ابو عمر حفص بن عمر الدوری المتوفی ۲۴۶ھ نے سب سے پہلے "ما اتفقت الفاظہ ومعانیہ من القرآن" لکھی۔[3]

ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے قرآن مجید کے نظم و ترتیب و اعجاز پر کتاب نظم القرآن تصنیف کی اور دوسری کتاب مسائل القرآن لکھی۔[4]

امام ابن ماجہ کے شیخ اور راوی حدیث ابو زید عمر بن شبہ نمیری المتوفی ۲۶۲ھ نے کتاب ما یستعجم الناس فیہ من القرآن تصنیف کی۔[5]

علامہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۷۶ھ نے آداب القراءۃ تصنیف کی۔[6]

امام لغت ابو العباس محمد بن یزید المبرد المتوفی ۲۸۵ھ نے "ما اتفقت الفاظہ واختلفت معانیہ من القرآن" لکھی۔[7]

مجاز القرآن پر پہلی تصنیف مشہور حافظ حدیث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الحربی المتوفی ۲۸۵ھ نے غالباً سب سے پہلے قرآن مجید کے

---

۱ کتاب الفہرست ص ۱۲۷۔
۲ غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۴۰۵۔
۳ کتاب الفہرست ص ۵۵۔
۴ ایضاً ص ۵۷۔
۵ کتاب الفہرست ص ۵۵۔
۶ کشف الظنون ج ۱ کالم نمبر ۴۳۔
۷ کتاب الفہرست ص ۵۵۔

تجوید پر کتاب تصنیف کی جس کا نام تجوید القرآن ہے[1]

ضمائر القرآن پر پہلی تصنیف امام لغت ابو علی محمد بن جعفر دینوری متوفی ۲۸۹ھ نے سب سے پہلے ضمائر القرآن پر کتاب لکھی جو کتاب فراء کی معانی القرآن سے ماخوذ ہے۔ شیخ ابو بکر محمد بن الحسن زبیدی متوفی ۳۷۹ھ کتاب طبقات النحویین واللغویین میں رقمطراز ہیں:

له کتاب مختصر فی ضمائر القرآن استخرجه من کتاب المعانی للفراء۔	موصوف کا ضمائر القرآن میں ایک مختصر رسالہ ہے جو فراء کی کتاب المعانی سے ماخوذ ہے۔

اعجاز القرآن پر پہلی تصنیف تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر مشہور نحوی ابو عبد اللہ محمد بن یزید الواسطی المتوفی ۳۰۶ھ نے سب سے پہلے قرآن مجید کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو اعجاز القرآن فی نظمه کے نام سے مشہور ہے[3]

علوم قرآن

غرض تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کے مختلف علوم و فنون پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور پھر عہد بعہد اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ قدماء کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن وہ کتابیں جو ان کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھی گئیں ان تصانیف کا بہت بڑا سرمایہ ان میں موجود ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کی بعض کتابوں کے ناموں اور تذکرہ نگاروں کی اس تصریح سے کہ یہ علوم قرآن پر ہیں اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ علوم قرآن کا کلیاتی بحث کا آغاز اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ گو وہ اتنے وسیع پیمانے پر نہ ہوا ہو جیسا کہ زرکشی کی کتاب البرہان اور سیوطی کی کتاب الاتقان میں ہمیں نظر آتا ہے۔ لیکن علوم قرآن کے موضوع اور مباحث پر کلی بحث کے آغاز کی داغ بیل اسی زمانے میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے علامہ ابو بکر محمد بن خلف المحوّلی المتوفی ۳۰۵ھ نے علوم قرآن پر ۲۷ جزو کی

---

[1] کشف الظنون ج ۲ کالم ۳۴۲۔ [3] کتاب الفہرست ص ۵۵

[2] کتاب طبقات النحویین واللغویین ص ۲۳۳ طبع قاہرہ ۱۹۵۴ء۔ [4] معجم الادباء ج ۷ ص ۵۰

کتاب بھی جمال الہادی فی علوم القرآن کے نام سے موسوم ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں مشہور حافظ حدیث محمد بن اسحاق صاغانی کے شاگرد اور محمد بن فارس لغوی کے استاد حافظ احمد بن جعفر المعروف بابن المنادی المتوفی ۳۳۶ھ نے علوم قرآن پر قلم اٹھایا اور قرآن مجید کے گوناگوں علوم پر کم و بیش چار سو مستقل کتابیں لکھیں اور ان میں ایسی نادر اور مفید معلومات جمع کیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ مشہور مؤرخ عبدالرحمن ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کتاب المنتظم فی تاریخ الامم میں رقمطراز ہیں:

نقلت من خط ابی یوسف القزوینی قال ابو الحسین ابن المنادی من القراء المجودین واصحاب الحدیث الاکابر وله فی علوم القرآن اربع مائة کتاب ونیف واربعون کتاباً اعرف منها احد وعشرین کتاباً اوردوها وسمعت بالباقی ...... قال یوسف الکتاب وقفت (؟) علی مصنفاته قطعة کثیرة وفیها من الفوائد ما لا یوجد فی کتاب۔	میں نے ابو یوسف قزوینی کے نوشتہ سے نقل کیا کہ ان کا بیان ہے کہ ابو الحسین ابن منادی بڑے زبردست مجود قاریوں اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے علوم قرآن پر چار سو چھیالیس سے اوپر کتابیں لکھیں جن میں سے اکیس کتابوں سے تو میں واقف ہوں، باقی کے متعلق میں نے سنا ہے ...... یوسف کا بیان ہے کہ ابن منادی کی تصانیف میں سے ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند کتابیں میری نظر سے گذریں ان میں ایسے فوائد ملے جو عام طور پر بڑی کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

کاش ابن الجوزی موصوف کی کتابیں مل جاتیں تو علوم قرآن پر کام کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی۔ اور علامہ زرکشی کے قلم سے یہ الفاظ نہ نکلتے:

ولما کانت علوم القرآن لا تنحصر ومعانیه لا تستقصی وجبت العنایة بالقدر الممکن ومما فات المتقدمین وضع کتاب یشتمل علی انواع علومه الخ	چونکہ علوم قرآن غیر محدود ہیں اور اس کے معانی بھی غیر محدود ہیں اس لئے ان میں سے جتنا ہو سکے اس پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ متقدمین سے جو کام نہ ہو سکا وہ یہ ہے کہ

۱؎ المنتظم ج ۶ ص ۱۱۴ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ

ذلک بالنسبۃ الی علم الحدیث۔

منجملہ اُن کے ایک یہ امر بھی ہے کہ انھوں نے انواعِ علومِ قرآن پر کوئی کتاب تالیف نہیں کی جس طرح علماء نے فنِ حدیث کے متعلق کی ہیں۔

اور سیوطیؒ بھی یہ ہی لکھتے ہیں:

ولقد کنت فی زمان الطلب اتعجب من المتقدمین اذ لم یدوّنوا کتاباً فی انواع علوم القرآن کما وضعوا ذلک بالنسبۃ الی علم الحدیث۔

میں زمانۂ طالب علمی سے متقدمین کی اس بات پر بڑا تعجب کرتا تھا کہ انھوں نے علومِ قرآن پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی جس طرح سے کہ انھوں نے علمِ حدیث کے متعلق کتابیں لکھیں۔[1]

ابن المنادی نے قرآن کے علوم پر جتنی کتابیں لکھی ہیں اگر علومِ قرآن کی ہر نوع پر چار کتابیں بھی فرض کر لی جائیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چوتھی صدی ہجری میں علومِ قرآن کی کم از کم سو اصناف پر تنہا ابن المنادی نے وہ کام کر دیا جو کثیر نہ ہو سکا۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصولِ حدیث کا فن زیادہ وسیع نہیں ایک مختصر فن ہے۔ قرآن مجید مخزنِ علوم و معارف ہے۔ اس کے علوم بھی بے پایاں ہیں، اس کے اہم علوم کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، پھر اُن کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہے۔ ان علوم میں ایسا اختصار جیسا علومِ حدیث میں ممکن ہے اگر ناممکن نہیں تو دشوار تر ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متأخرین میں سے زرکشی اور سیوطی نے علومِ قرآن کو سمیٹنے کی بڑی سعی کی ہے تاہم وہ بھی ان علوم کو دو جلدوں سے کم میں نہیں سمیٹ سکے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو نصر محمد بن احمد بن علی المروزی الحنفی المتوفی ۴۸۹ھ نے اس موضوع پر دو کتابیں التذکرہ لاہل البصرہ اور المعوّل لکھیں۔ ان دونوں کتابوں کے متعلق حافظ عبد الکریم سمعانی نے کتاب المذیل میں تصریح کی ہے کہ یہ علومِ قرآن میں ہیں۔[2] آج یہ نہیں ملتیں اس لئے نہیں بتایا جا سکتا کہ ان کتابوں میں کون کون سے اہم مباحث و علوم سے بحث کی گئی ہے۔

انہی ایام میں امامِ لغت راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے اپنی تفسیر کا ایک مقدمہ لکھا اس میں بھی علومِ قرآن سے بحث کی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید معلومات پر

---

[1] برہان ج ۱ ص ۹۔ [2] کتاب المذیل بحوالہ معجم الادباء ج ۲ ص ۳۳۶۔

مشتمل ہے۔ [illegible] سے مفردات القرآن [illegible] کے ساتھ اردو میں شائع ہو چکا ہے
اور اب کراچی سے مفردات القرآن مع راغب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

چھٹی صدی ہجری میں مشہور مفسر علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے علوم قرآن پر فنون الافنان فی علوم القرآن تصنیف کی اس کتاب کا فوٹو سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی میں موجود ہے اور ہماری نظر سے گذر چکا ہے (۱) ہر چند یہ فوٹو کامل نہیں معلوم ہوتا لیکن جتنا یہاں موجود ہے وہ بھی دو سو صفحات سے کم نہیں ہے۔

اس کتاب میں وہ [illegible] اور تنوع اور جامعیت نہیں ہے جو علامہ زرکشی کی کتاب البرہان اور شیخ جلال الدین سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن میں ہے لیکن اس کی خوبی کیا کم ہے کہ اس میں اختصار کے باوجود بعض اہم مباحث کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کتاب الافنان کی تالیف کے زمانہ میں علامہ ابن جوزی کے پیش نظر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کوئی کتاب نہ تھی۔

جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ انہوں نے قدماء کی اس موضوع پر مذکورہ بالا کتابوں میں سے کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ ابن جوزی نے اس مقام پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ علوم قرآن پر یہ پہلی کتاب ہے [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قدماء کے اس موضوع پر تصنیفات کا علم تھا مگر ان کی کتابیں نظر سے نہیں گذری تھیں لہٰذا ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

علوم قرآن پر قدماء کے کارناموں سے اگر صرف نظر کر لی جائے تو بلاشبہ ابن الجوزی ؒ کو اس فن کا صاحب اول کہا جا سکتا ہے کیونکہ فنون الافنان میں کسی اور فن سے بحث نہیں ہے بلکہ صرف علوم قرآن ہیں۔ اور یہ کتاب اسلامی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ چھٹی صدی ہجری تک اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی۔ اس کے وجوہ و اسباب میں سے دو نہایت اہم سبب حسب ذیل ہیں:

(۱) قدماء کے دور میں علوم قرآن کی ہر نوع پر جداگانہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اس لئے مباحث قرآنی کے [illegible] شکل کو پہنچے لیکن ہر بحث کے متعلق [illegible] کیوں کہ قدماء نے جب ہر بحث کا آغاز کیا تو [illegible] تفصیل سے کر دیا۔

[illegible] قرآن پر بحث کی اور مباحث کو ایک جگہ کیا [illegible]
[illegible] علم کی غلطی کا تحقیق [illegible]
[illegible] قرآن پر [illegible] تصنیف [illegible] تھا۔

[illegible] پانچویں صدی کی [illegible] مستقل تصانیف [illegible]
[illegible]
[illegible]
کے ذریعہ [illegible] ہے۔

[illegible] قرآن [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] شیخ عبدالرحمن [illegible]
[illegible] علوم قرآن پر [illegible] کتاب تالیف کی [illegible] المرشد الوجیز فی علوم القرآن [illegible]
[illegible] کتب خانہ
میں بھی موجود ہے۔

کتاب البرہان کی تصنیف کے زمانہ میں [illegible] کی کتاب
الفنون اور حافظ ابوشامہ کی کتاب المرشد الوجیز [illegible] لیکن [illegible] مصنف نے ان پر
کوئی [illegible] نہیں [illegible]

آٹھویں صدی [illegible] البرہان فی
علوم القرآن [illegible] کتاب لکھی اور [illegible] علوم قرآن [illegible] یہ کتاب
[illegible] کتاب الاتقان فی علوم القرآن کی
[illegible] جلدوں [illegible] شائع ہوئی ہے۔

[illegible] الاتقان [illegible] نے
قرآن [illegible]

[illegible]

سیوطی نے زرکشی کی کتاب البرہان کو بنیاد بنا کر اپنی کتاب الاتقان تصنیف کیا ہے۔
حاجی خلیفہ کا بیان ہے:

والسیوطی درجہ فی نقایہ۔	اور سیوطی نے اس کو اتقان میں درج کر دیا ہے

سیوطی کا یہ نیا احسان ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس نے زرکشی کی گمنام کتاب کو ... اپنی کتاب الاتقان میں ذکر کر کے اس کو دنیا کے سامنے روشناس کرایا اور ... زندہ جاوید بنا دیا۔ اس حقیقت کا اعتراف کتاب البرہان کے مرتب محمد ابو الفضل ابراہیم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

هذا كتاب لم يكن معروفا عند الباحثين
ولا متداولا بين طلاب والدارسين،
علاقة من المشتغلين بمعرفة النوادر
ورواد المكتبات .... حتى
جاء جلال الدين السيوطي ووضع
كتاب الاتقان ونال الناس في مقدمة
عليه واشاد به وجعله اصلا من الاصول
التي بنى عليها كتابه وناسى طريقته
وتقيل مذهبه وسار في الدرب الذي
رسمه ونقل كثيرا من فصوله مرة معزوة
اليه ومرة بدون عزو، وان كان فيما
نقل عنه تصرف الكلام اقتضابا
واختصارا وبعد ان كتب كتاب
الاتقان ... [illegible]

[illegible]

(مقدمہ تحقیق ص ۸۳)

---

۱ [illegible]

۲ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ج ۱ کالم نمبر ۸۔

[illegible] من زمان [illegible] كتاب البرهان [illegible] [illegible]	گر اس سے جو کہ ہم نقل کیا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نقل کیا اور مختصر کر کے لکھا ہے۔ اس وجہ سے کتاب الاتقان کو بہت مقبولیت نصیب ہوئی۔ وہ

علما کی [illegible] اور ایک زمانہ تک تحقیق کا مرجع بنی رہی۔ اور کتاب البرہان [illegible] گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی۔

سیوطی نے کتاب الاتقان میں زرکشی کی کتاب پر ۳۳ انواع علوم کا اضافہ کیا۔ اور اس طرح قرآن [illegible] بحث کی۔ اور [illegible] انواع علوم کو بعض [illegible] بحث [illegible] فرماتے ہیں:

[illegible]	[illegible] کہا جاتا ہے [illegible] [illegible] [illegible] ان سے زیادہ انواع بن جاتیں۔

[illegible] علوم قرآن سے نہیں ہیں سیوطی [illegible] ہیں

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سیوطی فی الاتقان من الانواع [illegible]	[illegible] تفسیر کے فروع میں ذکر کیا ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مباحث علم بلاغت میں سے ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کو علم تفسیر کے فروع میں سے قرار دیا جائے مگر سیوطی نے اس امر کو نظر انداز

[illegible] کیا جا سکتا کہ سیوطی کی [illegible] کتاب بھی

[illegible] الاتقان [illegible]

نہیں ہے بلکہ وہ قرآن کا دائرۂ معرفت ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] فرماتے ہیں :

فلما وقفت على هذا الكتاب ازددت به سرورا وحمدت الله كثيرا وقوي العزم على ابراز ما اضمرته وشددت الحزم في انشاء التصنيف الذي قصدته فوضعت هذا الكتاب العلي الشان الجلي البرهان الكثير الفوائد والاتقان ورتبت انواعه ترتيبا انسب من ترتيب البرهان وادمجت بعض الانواع في بعض وفصلت ما حقه ان يبان وزدته على ما فيه من الفوائد والفرائد والقواعد والشوارد ما يشنف الآذان وسميته بالاتقان في علوم القرآن ۔

جب میں نے اس کتاب کو دیکھا تو مجھ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور میرے ان خیالات کے اظہار کا ارادہ پختہ ہوگیا جو میرے دل و دماغ میں [illegible] اور جس [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہم نے سیوطی کی تاریخی اور علمی اغلاط سے بحث نہیں کی، گو کرنے کا اصل کام یہی تھا مگر یہ فرصت کا کام تھا، اور اس کا لطف بھی اسی وقت تھا جب کتاب عربی میں چھپتی اس لئے ہم نے ان چیزوں سے تعرض نہیں کیا۔

یہ شہرۂ آفاق کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں مولوی بشیر الدین و نور الحق کی تصحیح کے ساتھ کلکتہ سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) میں شائع ہوئی تھی۔ پھر ۱۲۷۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ اور شوال ۱۲۸۰ھ میں محمد حسین خاں مہتمم مطبع مصطفائی دہلی نے مولوی محمد اسد علی اسلام آبادی کی تصحیح کے ساتھ مطبع احمدی انور جان دہلی سے چھپوائی۔ اس نے خاتمۃ الطبع میں کلکتہ سے شائع شدہ نسخہ کے متعلق اعلان کیا ہے کہ اس میں بہت سے اغلاط ہیں۔ یہ نسخہ متوسط تقطیع کے پانچ سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر یہ کتاب مصر سے بکثرت چھپی۔

یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح الاتقان سب سے پہلے ہندوستان کے اندر چھپی، اسی طرح اس کتاب کا غالباً سب سے پہلے ترجمہ بھی اردو زبان میں ہوا۔ مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی مرحوم نے اس کا ترجمہ نہایت محنت اور جانفشانی سے کیا جو ۱۹۰۸ء میں فیض بخش اسٹیم پریس فیروزپور شہر سے دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اب نہیں ملتا۔

الاتقان کی افادیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ اردو میں شائع کرنے کی تجویز زیر غور آئی، اردو میں اس کا ترجمہ پہلے سے موجود تھا۔ اس ترجمہ کو جب اصل سے ملا کر دیکھا تو ترجمہ اور حاصلِ متن ترجمہ میں زیادہ بُعد نہیں پایا۔ اس لئے اس کتاب کے از سر نو ترجمہ کی احتیاج نہیں سمجھی لیکن ان کے ترجمہ میں جو بعض خامیاں رہ گئی تھیں ان سے صرف نظر کرنا بھی کتاب کی افادیت کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔ لہٰذا ہم نے محمد حلیم انصاری کے ترجمہ کو برقرار رکھا، اور ترجمہ میں جہاں ضرورت سمجھی وہاں تغیر و تبدل سے گریز نہیں کیا۔ اس تغیر و تبدل اور اصلاح کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ جہاں ترجمہ غلط تھا اس کو صحیح کر دیا۔

۲۔ ترجمہ جہاں کہیں خلاف محاورہ نظر آیا اسے بامحاورہ کر دیا۔

۳۔ مترجم نے جہاں [illegible]
نام [illegible] کو درست کر دیا۔

۱۔ جن آیات کی معنوی [illegible] کی وجہ سے ترجمانی غلطیاں رہ گئی تھیں ان کی اصلاح کر دی۔

۔ جہاں جہاں پیراگراف کے ترجمے میں غلطی رہ گئی تھی اب [illegible] اس کا ازسرنو ترجمہ کر دیا۔

تاریخی واقعات کے لئے کتب میں جن الفاظ کو [illegible]

۔ ترجمہ کے [illegible] فقروں کو قوسین [illegible] لکھ دیا ہے۔

۲۔ مسلسل عبارت میں پیراگراف بنائے ہیں۔

۳۔ جن مقامات پر اصطلاحات کی تشریح اور وضاحت ضروری تھی وہاں ان کی وضاحت کر دی ہے۔

۴۔ کتابوں اور مصنفین کے ناموں کی صحت کا خاص خیال رکھا ہے۔

۵۔ عنوانات میں اختصار سے کام لیا ہے۔

[illegible] علوم قرآن پر کام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] علوم قرآن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

[illegible]

[illegible]

زیادۃ الاحسان فی علوم القرآن نقل کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ الاتقان کی تلخیص ہے۔ اور اس پر بقدر نصف علوم یعنی چھپن علوم کا اضافہ بھی ہے۔ اس کا مخطوطہ مدینہ میں عارف الحکیم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔[1]

اسی زمانہ میں شیخ محمد آفندی زہری المتوفی سنہ ۱۱٦٠ھ نے اس موضوع پر ہدایۃ الحیران فی علوم القرآن لکھی۔[2]

ہندوستان میں اس موضوع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷٦ھ نے فارسی میں الفوز الکبیر فی علوم التفسیر لکھی جس کا عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ قرآن فہمی کے اصول پر نہایت مختصر مفید و اہم کتاب ہے۔

چودھویں صدی ہجری میں مولانا معین الدین کاظمی کروی المتوفی سنہ ۱۳۰۲ھ نے سنہ ۱۲۸۲ھ میں جسطار الاذہان فی علوم القرآن فارسی زبان میں لکھی جو تمام تر فوز الکبیر اور الاتقان سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک جدت و خوبی یہ ہے کہ موصوف نے آخر میں ہر سورۃ کا نام، مکی مدنی کی تفصیل، کلمات کا شمار، حروف کی تعداد، رکوع کا شمار، نقشہ و جدول میں سمجھایا ہے۔ یہ کتاب متوسط تقطیع کے ایک سو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے سنہ ۱۲۹۲ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

اسی زمانہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں نواب صدیق حسن خاں نے اپنی عربی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن کا مقدمہ فارسی میں لکھا، یہ مقدمہ بھی فوز الکبیر اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے، اور بڑی تقطیع کے ۱۲٦ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] مقدمہ احکام القرآن، ص ۲۔

[2] ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: اسمعیل پاشا۔ ج ۱، کالم نمبر ۷۰، طبع استنبول سنہ ۱۳٦۴ھ۔

الاتقان

فی

علوم القرآن

[illegible] وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا [illegible]

کتاب (قرآن مجید) تمام علوم کا سرچشمہ اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

آغاز کتاب

الی مدینہ کی طرف ہے۔ اس معلومات کی بنیاد حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول پر ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ قاضی ابوبکر اپنی کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں "مکی اور مدنی کی شناخت میں صرف صحابہ اور تابعین کے بیانات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی قول وارد نہیں ہوا ہے کیونکہ آپ اس جانب اللہ اس پر مامور نہ تھے۔ اور نہ خدا نے اس بات کا علم امت کے فرائض میں داخل کیا تھا۔ اور اگر قرآن کے بعض حصوں کے متعلق اہل علم کو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان میں ناسخ کون ہے اور منسوخ کون، تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے علاوہ اور ذرائع بھی کار آمد ہو سکتے ہیں۔"

امام بخاری نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں، کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کی نسبت میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارہ میں اور کہاں نازل ہوئی ہے۔" ایوب کا قول ہے کہ کسی شخص نے عکرمہؓ سے ایک آیت قرآن کی بابت سوال کیا تو عکرمہ نے کہا "یہ آیت اس پہاڑ کے دامن میں نازل ہوئی تھی" اور کوہ سلع کی جانب اشارہ کیا۔ ابونعیم نے اس حدیث کی تخریج اپنی کتاب حلیہ میں کی ہے۔ اور ابن عباسؓ [illegible] سے بھی کی اور مدنی کا تذکرہ منقول ہے۔ اور میں ان تمام باتوں کو بیان کروں گا جو اس کے متعلق مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ پھر اس کے بعد مختلف حصوں کی تفصیل بھی دوں گا۔ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں لکھا ہے "ہم کو واقدی نے خبر دی، ان سے قدامہ بن موسیٰ نے بواسطہ ابی سلمہ حضرمی یہ روایت کی کہ ابی سلمہ نے ابن عباسؓ کو یوں کہتے سنا "ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے ابی بن کعبؓ سے اس حصہ قرآن کی بابت سوال کیا جس کا نزول مدینہ میں ہوا تھا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ مدینہ میں صرف ستائیس سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ اور باقی تمام قرآن مکہ میں اترا ہے۔"

ابو جعفر نحاس اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں تحریر کرتے ہیں "مجھ سے یموت بن المزرع نے اور اس سے ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی نے بیان کیا، ان سے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ اور ابو عبیدہ نے یہ حدیث یونس بن حبیب سے بیان کی ہے کہ یونس نے کہا "میں نے ابو عمرو بن العلاء کو بیان کرتے سنا کہ انھوں نے مجاہد سے قرآن کی مکی اور مدنی آیتوں کی تفصیل کی درخواست کی تو مجاہد نے فرمایا "میں نے اس بات کو ابن عباسؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا۔ سورۃ الانعام مکہ میں ایک ہی بار مکمل نازل ہوئی۔ اس سے وہ مکیہ ہے مگر اس کی تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ) سے ختم تین آیتوں تک، ان کے ماسوا اور سورۃ انعام [illegible]

[illegible] المؤمنون [illegible] [illegible] آخری [illegible]
اتری تھیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس آرہے تھے۔ بنی اسرائیل۔ الکہف۔ مریم۔
طٰہٰ۔ الانبیاء۔ الحج [illegible] ھٰذانِ خَصْمانِ [illegible] آیتوں [illegible]
المؤمنون۔ الفرقان۔ الشعراء [illegible]
[illegible] الّا [illegible] آیتوں تک۔ النمل۔ القصص۔ العنکبوت۔ الروم۔ لقمان [illegible]
آیتیں [illegible] مدینہ میں نازل ہوئی تھیں [illegible]
[illegible] سبا۔ فاطر۔ یٰسٓ۔ الصّٰفّٰت۔ ص۔ الزمر [illegible] آیتوں کے [illegible]
مدینہ میں نازل ہوئیں [illegible] الذین اسرفوا [illegible] آیات [illegible]
الذاریات۔ الطور۔ النجم۔ القمر۔ الرحمٰن۔ الواقعہ۔ الصف۔ التغابن [illegible]
کے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ المُلک۔ ن۔ الحاقۃ۔ سَاَلَ سَآئِلٌ۔ المعارج۔ نوح۔ الجن [illegible]
[illegible] روایات [illegible] اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ [illegible] المدثر [illegible]
باستثنائے سورتہائے اِذَا زُلْزِلَتْ (الزلزال)۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ [illegible]
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے [illegible]
[illegible] اور مدینہ میں ذیل کی سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ الانفال۔ براءۃ۔ النور۔ الاحزاب۔ [illegible]
الحجرات۔ الحدید۔ اور اس کے بعد کی سورتیں [illegible]
[illegible] اس کے اسناد صحیح ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں [illegible]
بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ [illegible]
ابو محمد زیاد [illegible] بروایت محمد بن اسحاق [illegible]
احمد بن نصر بن مالک [illegible] نے بواسطہ علی بن الحسین بن واقد بیان کیا ہے [illegible]
[illegible] یزید نحوی [illegible] عکرمہ اور [illegible] الحسن [illegible]
[illegible] حسب ذیل [illegible] ہے۔
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ۔ سورۃ ن۔ [illegible] المزمل۔ [illegible] تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔ وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی۔ والفجر۔ والضحٰی۔ الم نشرح۔ والعصر۔ العادیات۔ [illegible]
[illegible] الکوثر [illegible]
[illegible] والشمس وضحٰہا [illegible]

التين والزيتون، لإيلاف قريش، القارعة، لا اقسم بيوم القيامة، الهمزة، المرسلات، ق، البلد، [illegible] السماء والطارق، اقتربت الساعة، ص، الاعراف، الجن، يٰس، الفرقان، الملائكة، [illegible] مريم، طٰه، الواقعة، الشعراء، النمل، القصص، بني اسرائيل، يونس، هود، يوسف، الحجر، الانعام، الصافات، لقمان، سبا، الزمر، المؤمن، حم السجدة، حمعسق الشوریٰ، حم الزخرف، الجاثية، الاحقاف، الذاريات، الغاشية، الكهف، النحل، نوح، ابراهيم، الانبياء، المؤمنون، الم السجدة، الطور، تبارك الملك، الحاقة، سأل المعارج، عم يتساءلون، النازعات، [illegible] الانشقاق، [illegible] الروم، العنكبوت، [illegible]

[illegible] مدینہ میں [illegible] نازل ہوئیں:

[illegible] البقرہ، آل عمران، الانفال، الاحزاب، المائدة، الممتحنة، النساء، اذا زلزلت، [illegible] الحديد، محمد، الرعد، الرحمن، هل اتى على الانسان، [illegible] الطلاق، لم يكن، الحشر، اذا جاء [illegible] النور، الحج، المنافقون، المجادلة، الحجرات، [illegible] التحريم، الصف، الجمعة، التغابن، الفتح، براءة (التوبة) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صورت یہ تھی کہ جس وقت مکہ میں کسی سورۃ کا آغاز نزول ہوتا تھا تو وہ مکہ ہی میں لکھی جاتی تھی اور پھر خداوند کریم کو اس سورت میں جس قدر زیادتی کرنی منظور ہوتی اسے بڑھاتا جاتا۔ اور سب سے پہلے قرآن کا جو حصہ نازل ہوا وہ اقرأ باسم ربک تھا۔ اس کے بعد سورۃ ن۔ بعد ازاں یا ایہا المزمل اور پھر یا ایہا المدثر۔ پھر تبت یدا ابی لہب۔ بعدہ اذا الشمس کورت۔ اس کے بعد سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ بعدہ واللیل اذا یغشیٰ۔ پھر والفجر۔ پھر والضحیٰ۔ بعد ازاں الم نشرح۔ پھر والعصر۔ بعدہ والعادیات۔ پھر انا اعطینٰک الکوثر۔ اس کے بعد الہٰکم التکاثر۔ پھر ارایت الذی (الماعون)۔ بعدہ قل یا ایہا الکافرون۔ الم تر کیف فعل ربک (الفیل)۔ اور اسی طرح بہ ترتیب یکے بعد دیگرے قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس۔ قل ھو اللہ احد۔ والنجم۔ عبس۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ والشمس وضحٰہا۔ والسماء ذات البروج۔ والتین والزیتون۔ لایلف قریش۔ القارعۃ۔ لا اقسم بیوم القیامۃ۔ ویل لکل ھمزۃ۔ والمرسلات۔ ق۔ لا اقسم بہذا البلد۔ والسماء والطارق۔ اقتربت الساعۃ (القمر)۔ ص۔ الاعراف۔ قل اوحی (الجن)۔ یس۔ الفرقان۔ الملائکۃ (الفاطر)۔ کہیعص (مریم)۔ طہٰ۔ الواقعۃ۔ طسم۔ الشعراء۔ طس (النمل)۔ القصص۔ بنی اسرائیل۔ یونس۔ ہود۔ یوسف۔ الحجر۔ الانعام۔ الصافات۔ لقمان۔ سبا۔ الزمر۔ حم المومن۔ حم السجدۃ۔ حم عسق۔ حم الزخرف۔ الدخان۔ الجاثیۃ۔ الاحقاف۔ الذاریات۔ الغاشیۃ۔ الکہف۔ النحل۔ انا ارسلنا نوح (سورۃ نوح)۔ سورۃ ابراہیم۔ الانبیاء۔ المومنین (المؤمنون)۔ تنزیل السجدۃ۔ الطور۔ تبارک الملک۔ الحاقۃ۔ سال (المعارج)۔ عم یتساءلون (النبا)۔ النازعات۔ اذا السماء انفطرت۔ اذا السماء انشقت۔ الروم۔ العنکبوت اور ویل للمطففین۔ یہ سورتیں نازل ہوئیں اور یہ وہ ہیں جنہیں خداوند کریم نے مکہ میں نازل فرمایا۔ پھر مدنی سورتوں کا نزول اس ترتیب سے شروع ہوا: سورۃ البقرۃ۔ الانفال۔ آل عمران۔ الاحزاب۔ الممتحنۃ۔ النساء۔ اذا زلزلت (الزلزال)۔ الحدید۔ القتال (محمد)۔ الرعد۔ الرحمن۔ الانسان (الدہر)۔ الطلاق۔ لم یکن (البینۃ)۔ الحشر۔ اذا جاء نصر اللہ۔ النور۔ الحج۔ المنافقون۔ المجادلۃ۔ الحجرات۔ التحریم۔ الجمعۃ۔ التغابن۔ الصف۔ الفتح۔ المائدۃ۔ اور سب سے آخر میں سورۃ براءۃ (التوبۃ)۔ مذکورہ سورتیں یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں۔

ابو عبید نے کتاب فضائل القرآن میں ...

[illegible] سورۃ البقرۃ، آل عمران، النسآء، المآئدۃ، الانفال، التوبۃ، [illegible] النور، الاحزاب، الذین کفروا (محمد)، الفتح، الحدید، المجادلۃ، الحشر، الممتحنۃ، الحواریین (اس سے سورۂ "الصف" مراد ہے)، التغابن، یاایہا النبی اذا طلقتم النسآء (الطلاق)، یاایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (التحریم)، الفجر، اللیل، [illegible] القدر، لم یکن (البینۃ)، اذا زلزلت (الزلزال)، اذا جاء نصر اللہ [illegible] باقی تمام سورتوں کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔

[illegible] حجاج بن منہال [illegible] البقرۃ، آل عمران، النسآء، المآئدۃ، برآءۃ (التوبۃ)، الرعد، النحل، الحج، النور، الاحزاب، محمد، الفتح، الحجرات، الرحمن، الحدید، المجادلۃ، الحشر، الممتحنۃ، الصف، الجمعۃ، المنافقون، التغابن، الطلاق، یاایہا النبی لم تحرم (التحریم) [illegible] اذا زلزلت الزلزال، اذا جاء نصر اللہ [illegible] باقی تمام قرآن مکہ میں نازل ہوا تھا۔

ابو الحسن [illegible] اپنی کتاب [illegible] الناسخ والمنسوخ [illegible] میں [illegible]

ترجمہ	شعر
[illegible]	۱. یاسائلی عن کتاب اللہ [illegible] وعن ترتیب ما [illegible] من الشور
[illegible]	۲. وکیف جاءت [illegible] مضر [illegible] صلی اللہ علی [illegible] مضر
[illegible]	۳. [illegible]
[illegible]	۴. [illegible]
[illegible]	۵. [illegible]

	ثم والت الحجر تنبيها للمعتبر	اور اس کے بعد سورۃ الحجر ... اعتبار ...
۶	ام الفرقان وفی ام القریٰ نزلت	سورۃ الفاتحہ ام القریٰ (مکہ) میں نازل ہوئی ...
	ما كان للناس قبل الحمد من اثر	قبل از الحمد کوئی نشان نہیں ملتا۔
۷	وبعد هجرة خير الناس قد نزلت	اور خیر الناس کی ہجرت کے بعد بیس سورتیں قرآن کی ...
	عشرون من سور القرآن في عشر	برس میں۔
۸	فاذكر من طوال السبع اولها	[illegible]
	[illegible]	
۹	وتوبة الله ان عدت فثالثة	[illegible]
	وسورة النور والاحزاب في [illegible]	
۱۰	وسورة للنبي المصطفى محمد	سورۃ ... سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات۔
	[illegible]	
۱۱	ثم الحديد وتلو ما تجادلة	بعد اس کے سورۃ الحدید ... سورۃ المجادلہ ...
	واحذر من الممتحنة [illegible]	الحشر و سورۃ الممتحنہ۔
۱۲	وسورة فضح الله النفاق بها	سورۃ المنافقون ... سورۃ الجمعہ ...
	وسورة الجمعة تذكار للمذكر	
۱۳	للطلاق وللتحريم حكمهما	طلاق و تحریم کا حکم، اور نصر و فتح ...
	والنصر والفتح تنبيها على العمر	
۱۴	هذا الذي اتفقت فيه الرواة له	یہ وہ سورتیں ہیں جن کے ...
	وقد تعارضت الاخبار في اخر	ان کے ... میں ...
۱۵	فالرعد مختلف فيها متى نزلت	سورۃ الرعد ...
	واكثر الناس قالوا الرعد كالقمر	کہ اس کی ... سورۃ القمر ...
۱۶	ومثلها سورة الرحمن شاهدة	... سورۃ الرحمن ...
	مما تضمن قول الجن في الخبر	جن کے ... آیت ہے۔
۱۷	وسورة للحواريين قد علمت	سورۃ الحواریین (الصف) ... التغابن اور التطفیف
	ثم التغابن والتطفيف ذو النذر	

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

فوائد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شرف و عظمت کا تذکرہ

[illegible] کسی کا اختلاف نہیں کہ نماز [illegible]

[illegible]

فریابی نے اپنی تفسیر میں اور ابو عبید نے کتاب فضائل میں مجاہد سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حسین ابن الفضل کہتے ہیں کہ مجاہد کا یہ قول اس کی لغزشوں میں سے ایک لغزش ہے۔ کیونکہ اور تمام علماء اس کے قول کے خلاف ہیں۔ علاوہ اس کے ابن عطیہ نے زہری، عطاء، سوادة بن زیاد اور عبداللہ بن عبید بن عمیر سے بھی ایسا ہی قول نقل کیا ہے۔ ابوہریرہ رضی سے جید اسناد کے ساتھ اس بارہ میں حدیث روایت کی ہے۔ طبرانی کتاب اوسط میں لکھتے ہیں "مجھ سے عبید بن غنام نے ان سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بواسطہ ابوالاحوص از منصور از مجاہد از ابوہریرہ رض روایت کی ہے کہ "جس وقت فاتحۃ الکتاب کا نزول ہوا تھا اس وقت شیطان صدمہ و رنج کے باعث چیخ اٹھا تھا۔ اور اس سورة کا نزول مدینہ میں ہوا تھا" مگر اس میں احتمال ہے کہ حدیث کا آخری جملہ مجاہد کے قول سے لے کر یہاں درج کر دیا گیا ہو۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورة الفاتحہ کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ پہلی بار مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ اور اس تکرار نزول سے اس کی عظمت و بزرگی میں مبالغہ کرنا مقصود تھا۔ سورة فاتحہ کے بارہ میں ایک چوتھا قول بھی آیا اور وہ یہ ہے کہ اس کا نزول نصف نصف دو مرتبہ میں ہوا تھا۔ نصف اول مکہ میں اور نصف آخر مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس قول کو ابواللیث سمرقندی نے بیان کیا ہے۔

سورة النساء | نحاس نے کہا ہے کہ یہ سورة مکیہ ہے۔ نحاس اپنے اس قول کی سند میں آیت "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ۔ الآية" کو پیش کرتا ہے جو باتفاق سب کے نزدیک فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی کنجی کی بابت نازل ہوئی تھی۔ مگر نحاس کی یہ دلیل نہایت بودی اور کمزور سی ہے۔ کیونکہ کسی ایک یا چند آیتوں کے مکہ میں نازل ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ایک بہت بڑی سورة جس کا بڑا بلکہ بیشتر حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہے مکیہ بن جائے۔ اور خصوصاً اس صورت میں جب کہ قول راجح سے ہجرت کے بعد نازل ہونے والے حصہ قرآن کا مدنی ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے۔ غرضیکہ جو شخص سورة النساء کی آیتوں کے اسباب نزول پر نظر ڈالے گا اسے خود بخود اس کے قول کی تردید معلوم ہو جائے گی۔ اور علاوہ ازیں اس کی تردید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ فرماتی ہیں "سورة البقرہ اور سورة النساء اس وقت نازل ہوئیں جب کہ میں رسول اللہ صلعم کے پاس تھی" اور یہ بات باتفاق ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رسول پاک کے گھر ہجرت کے بعد آئی تھیں۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ سورة النساء کا نزول ہجرت کے قریب یا بوقت ہجرت ہوا تھا۔

سورة یونس | مشہور قول تو یہ ہے کہ وہ مکی ہے۔ اور ابن عباس رضی سے اس کے بارہ میں دو روایتیں آئی ہیں۔ اس سے اس کی نسبت اختلاف ہے اور مدنی ہونے والے آثار سے اس کے مکی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس اثر کو ابن مردویہ نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور بطریق ابن جریج بواسطہ عطاء

ابن عباس رضی اللہ عنہ ... شریف کے طریق پر ... قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اور عثمان بن عطا کے طریق پر بواسطہ عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ "سورۂ یونس مدنی ہے۔" یعنی مشہور قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریقہ پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس وقت اللہ تعالیٰ نے محمد صلعم کو رسول بنا کر ہدایت خلق کا حکم دیا۔ اور اہل عرب نے اس بات کو ناپسند سمجھا یا جن لوگوں نے اہل عرب میں سے اس بات کو نہیں مانا تھا۔ انہوں نے کہا "اللہ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ اس کا رسول ایک انسان ہو" تو اس وقت خدا نے یہ آیت "أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا" الآیہ نازل فرمائی۔"

سورۃ الرعد | پہلے مجاہد کے طریق سے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور پھر روایت علی بن ابی طلحہ بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے مگر بعض لوگ اس کے مدنی ہونے پر اتفاق کرتے ہیں۔ ابن مردویہ دوسرے طریق سے اس کے مدنی ہونے کو عوفی کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، ابن جریج کے طریق پر عثمان بن عطاء سے بواسطہ عطاء ابن عباس سے اور مجاہد کے طریق پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اور ابو الشیخ بن ... مردویہ بطریق قتادہ ... سے اس کی روایت کرتا ہے کہ یہ مدنی ہے۔ اور یہی ... یعنی اس سورۃ کا مکی ہونا سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ اور سعید بن منصور اپنی سنن میں کہتے ہیں ہم سے ابو عوانہ نے بواسطہ ابی بشر روایت کی ہے۔ ابی بشر نے سعید بن جبیر سے دریافت کیا کہ قول "وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ" کی نسبت دریافت کیا گیا کہ آیا اس سے عبداللہ بن سلام مراد ہے؟ تو ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ سورۃ مکیہ ہے" اب رہی اس قول کی تائید کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے تو اس کے بارے میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جسے طبرانی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا قول "اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى تا وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ" اربد بن قیس اور عامر بن طفیل کے قصہ میں اس وقت نازل ہوا تھا جب کہ وہ دونوں مدینہ میں رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہوئے تھے" اور جس قول سے یہ اختلاف دور ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سورۃ مکیہ ہے مگر اس کی چند آیتوں کے بارے میں ... ہے

سورۃ الحج | پہلے مجاہد کے طریق سے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے مگر اس کی چند آیتیں جن کو اسی روایت میں راوی نے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اور اس حدیث کے علاوہ دوسری آثار اس کو مدنی بتاتے ہیں۔ ابن مردویہ بطریق عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور نیز ابن جریج و عثمان بواسطہ عطاء ابن عباس سے۔ اور بطریق مجاہد ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ ابن الفرس نے کتاب احکام القرآن میں بیان کیا ہے "ایک ضعیف قول یہ ہے کہ سورۃ حج مکی ہے مگر "هٰذَانِ خَصْمَانِ" سے آخیر

[illegible]

سورۃ الفرقان | [illegible] جمہور [illegible] قائل ہیں [illegible]
[illegible] ہے۔

سورۃ یٰس | ابو سلیمان الدمشقی نے ایک قوم سے نقل کیا ہے [illegible]
[illegible] لیکن وہ قول مشہور نہیں ہے۔

سورۃ ص | جعبری نے ایک [illegible] بیان کیا ہے [illegible] سورۃ [illegible]
[illegible] کیونکہ ان کے نزدیک اس سورۃ کا مکی ہونا [illegible] ہے۔

سورۃ محمد | [illegible]
ہے۔

سورۃ الحجرات | [illegible]

سورۃ الرحمٰن | جمہور کی رائے میں یہ سورۃ مکی ہے اور یہی بات ٹھیک ہے [illegible]
ترمذی اور حاکم نے [illegible] جابر [illegible] روایت کی ہے [illegible] جس وقت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے سورۃ رحمٰن کی تلاوت فرمائی [illegible]
[illegible]
[illegible] فبای آلاء ربکما تکذبان [illegible]
[illegible] یہ حدیث صحیح ہے شیخین کی شرط [illegible]
[illegible]
اسماء بنت ابی بکر [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible]

[illegible]

صاف مدنی ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

سورۃ التغابن اس کے بارہ میں دو قول ہیں۔ ایک مدنی ہونے کا اور دوسرا مکی ہونے کا مگر اس کا پچھلا حصہ مکی ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ اور بالاتفاق مدنی ہے۔

سورۃ الملک اس کے بارہ میں ایک بالکل انوکھا قول مدنی ہونے کا بھی وارد ہے۔

سورۃ الانسان ایک قول میں مدنی اور دوسرے قول کے اعتبار سے مکی ہے۔ مگر ایک آیت اس میں سے مستثنیٰ کی جاتی ہے۔ یعنی "وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا" اس کو سورۃ الدہر بھی کہتے ہیں۔

سورۃ المطففین ابن الغرس کہتا ہے "ایک قول یہ ہے کہ سورۃ مطففین مکی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس سورۃ میں اساطیر کا ذکر آیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مدنی ہے۔ کیونکہ مدینہ والے سب سے بڑھ کر تول ناپ میں کمی کیا کرتے تھے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ بجز قصۃ المطففین کے باقی سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ چوتھا قول ایک جماعت کا یوں ہے کہ یہ سورۃ مکہ اور مدینہ کے مابین نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک نسائی وغیرہ کی وہ حدیث جسے انہوں نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباس رضہ سے روایت کیا ہے۔ اس بات کی زبردست دلیل ہو سکتی ہے کہ سورۃ المطففین کا نزول مدینہ ہی میں ہوا۔ وہ حدیث حسب ذیل ہے ابن عباس رضہ کہتا ہے "جس وقت نبی صلعم مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے رہنے والے لوگ ناپ کے بارہ میں بڑے برے لوگ تھے۔ اس لئے اللہ پاک نے "وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ" نازل فرمائی اور اس سے مدینہ والوں کی وہ بُری عادت جاتی رہی۔"

سورۃ الاعلیٰ جمہور اس کو مکی مانتے ہیں۔ اور ابن الغرس کہتا ہے کہ "اس میں نماز عید اور صدقہ فطر کا ذکر آنے کے باعث ایک قول اس کے مدنی ہونے کا آیا ہے مگر اس کی تردید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے بخاری رحمہ نے براء بن عازب رضہ سے روایت کیا ہے۔ کہ براء رضہ نے کہا "سب سے پہلے ہمارے پاس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ آئے اور ہم کو قرآن پڑھانے لگے پھر ان کے بعد عمار رضہ اور بلال رضہ اور سعد رضہ آئے۔ بعد ازاں عمر بن الخطاب رضہ بیس ساتھیوں سمیت آئے اور ان کے بعد خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر ہمیں عزت بخشی۔ میں نے کبھی اہل مدینہ کو ایسی خوشی مناتے نہیں دیکھا جیسی خوشی انہوں نے رسول اللہ صلعم کی آمد کے وقت ظاہر کی۔ اور رسول اللہ صلعم کے آنے سے پہلے سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ میں نے دیگر چند سورتوں کے ساتھ پڑھی تھی۔

سورۃ الفجر اس کے بارہ میں دو قول ہیں جن کو ابن الغرس نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابو حیان نے جمہور سے اس کو مکی بتایا ہے۔

سُورۃ البلد — ابن الفرس اس کی بابت بھی دو قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کا لفظ اس سورت کے مدنی ہونے کی تردید کرتا ہے۔

سُورۃ اللیل — اشہر قول اس کے مکی ہونے پر دلالت کرتا ہے مگر اس کے سبب نزول میں نخلہ کے قصہ سے جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ قصہ نخلہ کا ذکر جو سبب نزول کی بحث میں کر چکے۔ اور ایک قول اس کا بھی ہے کہ اس میں مکی و مدنی دونوں قسم کی آیتیں شامل ہیں۔

سُورۃ القدر — اس کی بابت بھی دو قول آئے ہیں مگر اکثر علماء اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے مدنی ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ترمذی اور حاکم نے حسن بن علی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے بنی امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا تو آپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کی سورتیں نازل ہوئیں تا آخر حدیث۔ المزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

سُورۃ لم یکن — ابن الفرس کہتا ہے مشہور یہی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جس قول کے اس قول کا مقابلہ امام احمد کی اس روایت سے ہوتا ہے جسے انہوں نے ابو حبہ البدری سے روایت کیا ہے اور اس کا مدنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس وقت سورۃ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا آخر تک نازل ہوئی تو جبریل نے مجھ سے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کا پروردگار آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہ سورۃ ابی کو پڑھائیں۔ آخر حدیث تک۔ اور ابن کثیر نے اس بات کو قطعی قرار دیا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ اور انہوں نے مذکورہ بالا حدیث ہی سے اس پر استدلال کیا ہے۔

سُورۃ اِذَا زُلْزِلَتْ — اس کے بارہ میں دو قول آئے ہیں۔ اور اس کے مدنی ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جس کو ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری رضی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "جس وقت آیت فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ الآیہ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں اپنے عمل کو دیکھنے والا ہوں گا۔ آخر حدیث تک۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ابو سعید خدری مدینہ ہی میں تھے۔ اور وہ جنگ احد کے بعد سن بلوغ کو پہنچے تھے۔

سُورۃ وَالْعٰدِیٰت — اس کے بارہ میں دو قول ہیں اور اس کے مدنی ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جو حاکم وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "رسول اللہ صلعم نے ایک فوج جہاد کے لیے روانہ کی اور ایک مہینہ تک اس کی کوئی خبر نہیں آئی۔ اس وقت وَالْعٰدِیٰت نازل ہوئی۔ آخر حدیث تک۔

سُورۃ الہٰکم — اشہر بات یہی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے۔ اور اس کے مدنی ہونے پر اس حدیث

[illegible]

فصل

[illegible]

کی آیت یہ دونوں مدنی ہیں۔

سُورَۃُ الاَعرَاف | ابو الشیخ اور ابن حبان حضرت قتادہ رضہ سے راوی ہیں کہ سورۂ اعراف مکی ہے مگر اس کی ایک آیت "وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الآية" مدنی ہے۔ اور دیگر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ الآية" تک مدنی ہے۔

سُورَۃُ الاَنفَال | اس میں صرف ایک آیت "وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الآية" مستثنیٰ ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی:

میں کہتا ہوں مقاتل کے اس قول کی تردید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضہ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ یہی آیت بعینہ مدینہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم نے اسباب النزول میں بیان کیا ہے اور بعض علماء نے آیت کریمہ "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ الآية" کو مستثنیٰ کیا ہے۔ اور ابن العربی وغیرہ نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بزار نے حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت عمر رضہ اسلام لائے تھے۔

سُورَۃُ بَرَاءَۃ | ابن الفرس نے کہا ہے یہ سورۃ مدنی ہے مگر دو آیتیں "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ" سورت کے آخر تک اس سے مستثنیٰ ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ قول بھی عجیب و غریب ہے جب کہ خود اس سورۃ کا سب سے آخر میں نازل ہونا ثابت ہو چکا ہے تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی دو آیتیں مکی ہوں؟ بعض لوگوں نے "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ" الآية کو اس میں سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ اس کے شان نزول کی بابت وارد ہوا ہے کہ یہ آیت نبی صلعم کے اس قول پر نازل ہوئی تھی جو آپ نے ابو طالب کی نسبت فرمایا تھا کہ "جب تک مجھ کو منع نہ کیا جائے اس وقت تک تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا"

سُورَۃُ یُونُس | اس میں سے "فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ" دو آیتوں تک مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ آیت "وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ" آیت کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سورۃ ابتداء سے لے کر چالیس آیتوں کے آغاز تک مکی ہے اور باقی مدنی۔ اس قول کو ابن الفرس اور سخاوی نے کتاب جمال القراء میں نقل کیا ہے۔

سُورَۃُ ہُود | اس میں سے تین آیتیں (۱) "فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ" (۲) "أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ" (۳) "أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ" مستثنیٰ کی گئی ہیں۔ میں کہتا ہوں تیسری آیت کے مدنی ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو متعدد طرقوں سے مروی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں ابوالیسر کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

[illegible] سے [illegible] انہوں نے [illegible] کا خیال ظاہر کیا۔ اور بعض دیگر حضرات نے آیۂ کریمہ [illegible]
[illegible] یہ آیہ مستثنیٰ قرار دی [illegible] لیکن [illegible] سبب [illegible]

سورۃ الزمر یہ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیۂ "قُلْ یٰعِبَادِیَ" [illegible] تین آیتوں کے [illegible]
مستثنیٰ ہونے کی [illegible] طبرانی نے حضرت ابن عباس سے [illegible] روایت [illegible]
ان آیتوں کا نزول [illegible] حضرت وحشی [illegible] اور بعض [illegible] "قُلْ یٰعِبَادِیَ
الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا" [illegible] آیۂ [illegible] مستثنیٰ کیا ہے۔ اس قول کو [illegible] نے [illegible]
جمال القراء میں نقل کیا ہے۔ [illegible] دوسرے [illegible] "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ" آیۂ [illegible]
کے مستثنیٰ ہونے [illegible] اور اس قول کو ابن الجوزی نے بیان کیا ہے۔

سورۃ غافر [illegible] "اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ" [illegible] کو مستثنیٰ کیا
گیا ہے [illegible] ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ وغیرہ سے [illegible] یہ آیت [illegible]
میں اس وقت [illegible] جب انہوں نے [illegible] کا ذکر کیا تھا [illegible]

سورۃ الشوریٰ اس میں سے آیۂ کریمہ "اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی" [illegible]
[illegible] مستثنیٰ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس [illegible] حدیث [illegible]
کے سبب نزول میں بیان کیا ہے۔ اور وہ حدیث [illegible] آیت [illegible]
ہوئی ہے۔ اور بعض [illegible] "وَلَوْ بَسَطَ" آیۂ [illegible] نازل ہوئی ہے۔ اور [illegible]
نے "وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ" سے [illegible] "مِنْ سَبِیْلٍ" تک مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ [illegible]
الفرس نے بیان کیا ہے۔

سورۃ الزخرف اس میں سے آیۂ کریمہ "وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا" آیۂ مستثنیٰ ہے۔ [illegible]
[illegible] دونوں [illegible] ایک [illegible] نازل ہوئے [illegible]

سورۃ الجاثیۃ اس میں سے "قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا" آیۂ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] روایت [illegible]

سورۃ الاحقاف اس میں سے "قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" آیۂ مستثنیٰ ہے۔ [illegible]
کی دلیل وہ حدیث ہے جو [illegible] سے حضرت عوف بن مالک [illegible]
آیت مدینہ میں حضرت عبد اللہ بن سلام کے اسلام لانے کے بارے میں نازل ہوئی [illegible]
[illegible] سے منقول ہے [illegible] حضرت مسروق سے روایت کیا ہے [illegible] آیت کا نزول

[illegible] اقرأ باسم ربک [illegible]

[illegible] اور رسول اللہ [illegible]

[illegible] واپس آئے [illegible]

[illegible] بیہقی نے الدلائل میں بھی حضرت [illegible] سے [illegible] روایت کی ہے [illegible] قرآن کی سب

سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ "اقرأ باسم ربک" [illegible]

[illegible] نقل کیا ہے کہ حضرت [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] صاف سفید کپڑے پہن کر [illegible] میں بیٹھے اور جس وقت [illegible] سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق

[illegible] فرمایا" پہلی سورۃ ہے جو [illegible] پر نازل ہوئی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] "اقرأ باسم ربک الذی خلق" [illegible]

ہوئی" اور ابو عبید نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں بیان کیا ہے کہ ہم سے [illegible]

نے بواسطہ ابن ابی نجیح مجاہد سے روایت کی ہے کہ مجاہد نے کہا "قرآن [illegible]

"اقرأ باسم ربک" اور "ن والقلم" [illegible]

[illegible] جبریل [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خلق [illegible] تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے آخر میں وارد ہوتا ہے۔ اور نسفی نے اپنی تفسیر میں واقدی کے قول سے حکایت کی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوا۔

ابوبکر محمد بن حارث بن ابیض نے جزء مشہور میں بیان کیا ہے کہ ہم سے ابو العباس عبید اللہ ابن محمد بن اعین بغدادی نے اور ان سے حسان بن ابراہیم کرمانی نے روایت کی ہے [illegible] سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں جس قدر قرآن کا نازل کیا ہے اس میں سب سے پہلے اقرأ باسم ربک کا نزول ہوا پھر ن والقلم اس کے بعد یا ایہا المزمل پھر یا ایہا المدثر۔ اس کے بعد فاتحۃ الکتاب پھر تبت یدا ابی لہب۔ اسی طرح بہ ترتیب ذیل سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ اذا الشمس کورت، سبح اسم ربک الاعلیٰ، واللیل اذا یغشیٰ، والفجر، والضحیٰ، الم نشرح، والعصر، والعادیات، الکوثر، الہاکم، ارأیت الذی، الکافرون، الم تر کیف، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، قل ہو اللہ، والنجم، عبس، انا انزلناہ، والشمس، والسماء ذات البروج، والتین، لایلف، القارعۃ، القیامۃ، ویل لکل ہمزۃ، والمرسلات، ق، البلد، الطارق، اقتربت الساعۃ، ص، الاعراف، الجن، یس، الفرقان، الملائکۃ، کہیعص، طہ، الواقعۃ، الشعراء، طس سلیمان، طسم القصص، بنی اسرائیل، یونس، ہود، یوسف، الحجر، الانعام، الصافات، لقمان، سبا، الزمر، حم المؤمن، حم السجدۃ، حم عسق، الزخرف، حم الدخان، حم الجاثیۃ، حم الاحقاف، الذاریات، الغاشیۃ، الکہف، [illegible] الانبیاء، النحل [illegible] انا ارسلنا نوحا، الطور، المؤمنون، تبارک، الحاقۃ، سأل سائل، عم یتساءلون، والنازعات، اذا السماء انفطرت، اذا السماء انشقت، الروم، العنکبوت اور ویل للمطففین۔ یہ وہ سورتیں ہیں جن کا نزول مکہ میں ہوا۔

اور جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان کی ترتیب یہ ہے۔

سورۃ البقرۃ، آل عمران، الانفال، الاحزاب، الممتحنۃ [illegible]

[illegible]

[illegible] التوبۃ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ "جو آیت تمام قرآن کے آخر میں [illegible] و[illegible] اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے [illegible] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد [illegible] راتیں [illegible] ربیع الاول کی [illegible] راتیں گزر چکی تھیں آپ کا وصال ہو گیا۔ [illegible] ابن جریر نے [illegible] ابن جریج سے روایت کی ہے کہ انہوں نے [illegible] روایت کی ہے کہ "سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت واتقوا یوما [illegible] ہے۔ اور ابو [illegible] ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ "عرش سے قرآن کا آخری نازل ہونے [illegible] ابن شہاب [illegible] سعید بن المسیب سے روایت کی [illegible] قرآن [illegible] روایۃ [illegible]

[illegible] آیۃ الربوٰ [illegible] واتقوا یوما [illegible] ان [illegible] آخر میں نازل [illegible] میری رائے میں ان کے [illegible] اور یہ سب ایک ہی قصہ [illegible] آخر میں نازل ہونے والی [illegible] سب سے آخر میں [illegible] آیت واتقوا [illegible] سورۃ [illegible] درست [illegible] آخری نازل ہونے والی آیت ہے [illegible] طرف [illegible]

[illegible] سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت لقد [illegible] آخر سورۃ تک ہے۔ [illegible] اور عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں ابی

ابن مردویہ نے ابیؓ سے روایت کی ہے کہ وہ [illegible] حضرت ابوبکرؓ کی خلافت [illegible]
[illegible] آدمی لکھتے تھے جس وقت وہ سورۂ براءت کی اس آیت تک پہنچے ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ تو انہیں خیال ہوا کہ یہی آیت قرآن کا سب سے آخر [illegible]
اس وقت ابی بن کعبؓ نے ان سے کہا: بیشک رسول اللہ صلعم نے اس کے بعد [illegible]
دو آیتیں پڑھوائی ہیں۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ تا وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ [illegible]
کہا یہ قرآن کا آخری نازل ہونے والا حصہ ہے [illegible]
[illegible] وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا
فَاعْبُدُونِ۔ ابن مردویہ نے ابیؓ سے روایت کی ہے [illegible]
آخر میں نازل ہوئی۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ [illegible]
نے بھی اقرب القرآن بالسماء عهدا کے لفظ سے یہ روایت کیا ہے [illegible]
[illegible] پر یوسف [illegible] ابن عباسؓ سے روایت [illegible]
آیت نازل ہوئی وہ لقد جاءکم [illegible]
[illegible] نازل ہونے والی سورۃ [illegible] المائدہ [illegible]
روایت کی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ المائدہ ہے [illegible]
[illegible] آخر [illegible]
جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ [illegible]
[illegible] مراد ہے۔ [illegible]
آخر میں نازل ہوئی ہے۔ بیہقی کا بیان ہے کہ [illegible]
نے اپنے [illegible] اتقان [illegible]
[illegible] مرفوع نہیں ہے [illegible] نے جو بات کہی ہے [illegible]
غالب ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ [illegible]
[illegible] مبارک سے جو چیز سب سے آخر میں [illegible]
شخص نے حضور سے [illegible] شخص نے [illegible]
جس کو سب سے آخر میں رسول اللہ صلعم [illegible]
نے [illegible] نازل شدہ [illegible]

اس پر یہ شبہ جو وارد ہوتا ہے کہ بالاتفاق یہ سورۃ مکیّہ ہے اور کوئی اثر اور حدیث ایسی وارد نہیں ہوئی ہے کہ آیت مذکورہ سورۃ کے ساتھ ساتھ نازل نہ ہوئی ثابت ہو سکے۔ مگر یہ آیت تو مشرکین کے مقابلہ میں بدر کے دن ... کے قتل ہونے کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم ...

تنبیہ:۔ مذکورہ بالا بیان سے مشکل پیش آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" آیۃ حجۃ الوداع کے سال میں عرفہ کے دن نازل ہوا تھا اور اس آیت کا ظاہر مطلب بھی یہی ہے کہ اس کے نزول سے پہلے ہی تمام فرائض اور احکام مکمل کر دیئے گئے تھے۔ پھر علماء کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کر دی ہے جس میں سے السدی جیسے مفسر بھی ہیں کہ آیت مذکورہ بالا کے بعد کوئی حلال یا حرام کا حکم نازل نہیں ہوا۔ مگر آیت ربوا اور آیت دین اور آیت کلالہ کے بارہ میں وارد ہے کہ ان کا نزول اس آیت کے بعد ہوا ہے۔ یہ اشکال ابن جریر نے پیش کیا ہے۔ اور پھر اس کو یہ کہہ کر رفع کیا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ مسلمانوں کا دین ان کے لئے اس طرح کامل ہوا کہ بلد حرام میں ان کو داخل کیا اور مشرکین کو وہاں سے جلاوطن بنا دینے کے ساتھ ... کی ... مسلمانوں نے بغیر اس کے کہ مشرکین ان کے ساتھ مخلوط ہوں تنہا حج ادا کیا ... ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی کی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے ... کی ہے کہ ابن عباس نے کہا پہلے مشرک اور مسلمان سب ایک ساتھ مل کر حج کیا کرتے تھے پھر جس وقت سورۃ براءۃ کا نزول ہوا اس وقت مشرکین بیت اللہ الحرام سے باہر نکال دیئے گئے اور مسلمانوں نے اس حج کے ارکان ادا کئے کہ بیت اللہ میں کوئی مشرک ان کے ساتھ شریک نہ تھا اور یہ بات نعمت کو پورا کرنے والی تھی۔ چنانچہ پروردگار عالم نے "وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" ارشاد فرما کر اس کا اظہار فرما دیا۔

نویں نوع سببِ نزول

علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں قدامت کا شرف امام بخاری کے استاد علی بن مدینی کو حاصل ہے۔ مگر ان کتابوں میں واحدی کی تصنیف زیادہ مشہور ہے کیونکہ وہ ان معلومات پر مشتمل ہے جس کی مفسرین کو بڑی ضرورت رہتی ہے۔ جعبری نے اس کتاب سے سندیں حذف کر کے اس کا اختصار کیا۔ مگر معلومات کا کوئی اضافہ نہیں کیا۔

شیخ الاسلام ابو الفضل بن حجر نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب تالیف کی تھی مگر مسودہ کتاب ... ان کا انتقال ہو گیا۔ اور افسوس ہے کہ اس وجہ سے وہ کتاب مکمل ہو کر ہم تک نہیں پہنچی۔ اور خود میں نے بھی اس فن میں ایک اعلیٰ درجہ کی مختصر و جامع کتاب تالیف کی ہے ...

... لباب النقول فی اسباب نزول ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حق میں تھا۔ مگر بعد میں یہ احکام دوسروں کی طرف بھی متعدی ہو گئے۔ لیکن جن لوگوں نے [illegible] نہیں کیا ہے وہ ان آیتوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ ان آیتوں [illegible] دلیل کی وجہ سے آیا ہے۔ جس طرح [illegible] بہت سی آیتیں اپنے اسباب نزول کے ساتھ مخصوص [illegible] ہیں کیونکہ وہاں [illegible] کوئی دلیل [illegible]

زمخشری نے سورۃ الہمزۃ کے بارہ میں لکھا ہے: اس جگہ پر [illegible] سبب تو خاص [illegible] وعید [illegible] شامل ہو [illegible] اس بدی کے مرتکب [illegible] ہو سکے۔

میں کہتا ہوں [illegible] آیتیں [illegible] صورت [illegible] جن کے نزول کے اسباب خاص تھے۔ [illegible] جریر کا قول ہے: [illegible] محمد بن ابی معشر [illegible] روایت کی ہے [illegible] سعید [illegible] قرظی سے [illegible] گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے [illegible] کہ خدا کے بعض بندے اس قسم کے ہیں جن کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی [illegible] ہیں۔ انہوں نے [illegible] محمد بن کعب نے سعید کی یہ بات سن کر [illegible] یہ مضمون تو قرآن کریم میں موجود ہے [illegible] قولہ فی الحیوۃ الدنیا [illegible] نے جواب دیا [illegible] کبھی ایک آیت کسی خاص شخص کے بارہ میں نازل ہوتی [illegible]

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابن عباس نے [illegible] عموم پر [illegible] نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے [illegible] یہ آیت نازل ہوئی تھی [illegible] ابن عباس [illegible] سبب نزول کی نسبت زیادہ [illegible] [illegible]

[illegible] آخر حدیث تک۔ ابن زبیر کہتے ہیں میں نہیں [illegible] کہ یہ آیت [illegible]
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ آیت۔ حاکم نے کتاب [illegible]
میں بیان کیا ہے کہ جس وقت وہ صحابی جن کے سامنے کسی آیت کا نزول ہو وہ یہ کہے کہ فلاں آیت اس بارہ
میں اتری ہے تو ان کا یہ قول ایک مسند حدیث تصور کیا جاتا ہے۔ اور ابن الصلاح اور دیگر لوگوں نے بھی
[illegible] مسلم کی [illegible]
کیا ہے [illegible] جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ [illegible]
[illegible]
نازل کی۔"

[illegible] کہ اس آیت کا نزول [illegible]
کے نزول کا [illegible] سبب تھا اور کبھی [illegible] سبب نزول [illegible]
[illegible]
کہ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا صحابی کا قول نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي كَذَا [illegible]
[illegible] سبب نزول بیان کیا [illegible] مسند کے قائم مقام [illegible]
[illegible] بخاری [illegible]
[illegible]
[illegible] امام احمد وغیرہ محدثین کی مسندوں [illegible]
[illegible] آیت کا نزول [illegible]
[illegible]
[illegible] نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي كَذَا [illegible]
[illegible] سبب نزول [illegible]
[illegible]

[illegible] سبب نزول کے متعلق [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] سبب نزول کی تعریف سے خارج [illegible] سبب نزول

بھی ٹھیک ہیں۔ اور ان میں سے ایک شاید ان الفاظ کے ساتھ ابو سعید کی روایت سے جو ہے، جس سے یہ جمع کرنے والا یہ نکتہ بھی واضح ہے۔ اس لئے یہی قول درست ہے۔

یہاں تک تین حالتوں اور ان کے احکام کا ذکر ہوا ہے۔ اب چوتھی حالت ... کی بات ... دونوں مختلف روایتوں کے اسناد صحت میں برابر ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کا راوی معاملہ میں حاضر رہا ہوگا یا اور کوئی ترجیح کی وجہ اس کے ساتھ پائی جائے گی اسی کی روایت مرجح قرار دی جائے گی۔ اس کی مثال بخاری کی وہ روایت ہے جس میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ "ابن مسعودؓ نے بیان کیا کہ میں مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا۔ اور آنحضرت کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ کی ایک چھڑی تھی۔ آپ کا گزر چند یہودیوں پر ہوا اور ان میں سے کسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم اس وقت ان سے کچھ سوال کرتے ... ایسا ہو کہ پھر ان سب نے حضور صلعم سے روح کی حقیقت دریافت کی۔ رسول اللہ صلعم ان کا سوال سن کر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگئے اور اپنا سر اوپر کو اٹھا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" اور ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دے کر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "قریش والوں نے یہودیوں سے خواہش کی کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جس کو ہم اس شخص (رسول اللہ صلعم) سے دریافت کریں۔ یہودیوں نے ان کو بتایا کہ تم سوال کرو اور روح کی حقیقت دریافت کرو۔ اور قریش نے آپ سے یہی سوال کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ"۔ یہ ترمذی والی روایت بتاتی ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا اور پہلی روایت اس کے بالکل برعکس یہ بتاتی ہے کہ آیت کا نزول مدینہ میں واقع ہوا ہے۔ اب یہ بات کہ ترجیح کس روایت کو دی جائے گی تو اس کی نسبت کہنا یہ ہے کہ بخاری کی روایت دوسرے راویوں کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ اور ابن مسعودؓ خود بھی واقعہ کے وقت موجود تھے۔ لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

پانچویں حالت یہ ہوگی کہ کسی آیت کے نزول کے چند سبب ... ذکر کئے گئے ہوں اس طرح کہ ان میں سے ایک کا دوسرے سے مقدم یا مؤخر ہونا معلوم نہیں ہو سکتا جیسا کہ گزشتہ آیتوں میں بیان ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں آیت کا نزول ہر ایک سبب پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بخاری نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شریک بن سحماء کے ساتھ زنا ... کی تہمت لگائی ...

مذکورہ بالا صورت کے برعکس یہ بات بھی ہوتی ہے کہ متفرق آیتوں کے نزول کا ایک ہی سبب ہوا کرتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ کبھی ایک ہی واقعہ کے متعلق کئی آیتوں کا بھی متفرق سورتوں میں نزول ہوا ہے۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جس کو ترمذی اور حاکم نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ "ام المومنین ام سلمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نہیں سنتی کہ ہجرت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا کچھ ذکر کیا ہو" اسی وقت خدا نے "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ ..." [illegible] اور [illegible] نے حضرت ام سلمہؓ ہی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "میں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ [illegible] مردوں کا ذکر کرتا ہے مگر عورتوں کا ذکر نہیں کرتا۔ اس وقت یہ آیت اتری "إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ" [illegible] اور یہ آیت "أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى" [illegible] اور [illegible] ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "[illegible]" صرف آدھی میراث ملتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ" اور نیز نازل فرمایا "إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ" اور اس قسم کی دوسری مثال [illegible] بخاری نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلعم [illegible] کے [illegible] آیۃ کریمہ "لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" [illegible] ابن ام مکتومؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ [illegible] اور وہ نابینا تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے "غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ" نازل فرمایا [illegible] بات ثابت ہوتی ہے [illegible] کہ [illegible] جس وقت میں قرآن پڑھتے ہوئے تھے [illegible] آپ کو جنگ کا حکم دیا گیا۔ پھر رسول اللہ صلعم [illegible] نازل [illegible] فرماتے۔ اسی [illegible] اس وقت [illegible] کی وہ روایت ہے جسے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم ایک [illegible] میں بیٹھے ہوئے تھے [illegible] فرمایا "[illegible] ایک ایسا آدمی [illegible] شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہوگا [illegible] ہوا اور رسول اللہ صلعم نے اس کو اپنے حضور میں بلا کر فرمایا "تو اور تیرے ساتھی [illegible]" وہ آدمی اس بات کو سن کر واپس گیا [illegible]

تذکرہ میں ان چیزوں کی بابت لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ آیت روح بھی اسی قسم میں شامل کی گئی ہے۔ اور بہت سے لوگ سورۂ فاتحہ کو اور بعض قول بار بار ہے کہ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا" یہ آیت بھی اسی قبیل سے قرار دیتے ہیں زرکشی نے اپنی کتاب برہان میں لکھا ہے۔ کبھی ایک چیز کا نزول اس کی شان بڑھانے اور اس کے وجود سبب کی صورت میں اس پر متوجہ کرنے کی غرض سے بھی دو مرتبہ ہوتا ہے۔ کہ اس خوف سے کہ وہ بھول نہ جائیں سورۂ نحل کی آخری آیت اور سورۂ روم کے آغاز کو مثال میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سورۂ الاخلاص اور معوذتین مدنی سورتیں ہیں۔ اور ان کا سبب نزول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ ان کی بابت بحث میں پڑ گئے ہیں مگر درحقیقت کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔ کیونکہ ان سورتوں کا نزول دوبار ہوا ہے اور اسی طرح سورۂ الاخلاص کے بارہ میں بھی آیا ہے کہ وہ مشرکین مکہ کے جواب اور اہل کتاب کے جواب میں مدینہ میں دوبارہ نازل ہوئی۔ نیز یہی بات ثابت ہوتی ہے "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا" آیت کی بابت بھی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس وقت کوئی حادثہ یا سوال واقع ہوتا ہے اور آیت کا نزول پہلے ہو چکا ہوتا ہے تو ایسی آیت جس میں اس حادثہ یا سوال کے حکم کا بیان ہے اس وقت بھی وہی آیت بجنسہ رسول اللہ صلعم پر نازل ہو جاتی تھی جس سے مقصد ان لوگوں کو اس آیت کی یاد دلانا اور ان پر یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ جس حکم کے وہ لوگ طالب ہیں وہ اس آیت میں موجود ہے۔

تنبیہ۔ (۱) بعض وہ حروف و کلمات جو کئی طرح سے پڑھے جاتے ہیں اسی قبیل (تکرار نزول) سے قرار دئے جاتے ہیں۔ اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو مسلم نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا (میرے پروردگار نے مجھ کو حکم بھیجا کہ میں قرآن کو ایک ہی حرف (لغت) پر پڑھوں پھر میں نے خدا کی جناب میں عرض کی کہ بار الٰہی میری امت پر آسانی فرما۔ اس پر دوسری مرتبہ حکم آیا کہ دو حرفوں پر قرأت کرو۔ میں نے دوسری مرتبہ بھی اپنی امت کے واسطے آسانی کی استدعا کی۔ اور اب یہ حکم ہوا کہ قرآن کی قرأت سات حرفوں پر کرو۔ اس لئے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کا نزول ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ یکے بعد دیگرے کئی بار نازل ہوتا ہے۔ اور سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں سورۂ فاتحہ کے دو مرتبہ نازل ہونے کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اگر کوئی اس کے دو بارہ نازل ہونے پر یہ اعتراض کرے کہ اس کا فائدہ کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ پہلی بار اس کا نزول ایک ہی حرف پر ہوا اور دوسری مرتبہ اپنے باقی وجوہ کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ جیسے مَلِكِ اور مَالِكِ اور السِّرَاط اور الصِّرَاط یا سین اور صاد کی قرأتیں۔

کہ مجھے یہ آیت زیر عرش کے خزانہ کا ایک تحفہ ہے۔ اور [illegible] روایت کی ہے کہ علی نے فرمایا آیۃ الکرسی تمہارے نبی کو عرش کے نیچے ایک خزانہ سے عطا کی گئی ہے۔ [illegible] سے پہلے کسی نبی کو یہ آیت نہیں دی گئی۔ مگر سورۃ الکوثر کے متعلق [illegible] حدیث مرفوع نہیں [illegible] قول [illegible] مرفوع حدیث [illegible] [illegible] [illegible] بیان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آیۃ الکرسی [illegible] سورۃ [illegible]

[illegible]

[illegible] وسلم [illegible] فرمایا ہے۔

[illegible]

کے ادا کرنے میں کمی کرنے کا مرتکب ٹھیرایا جاسکتا ہے۔

دوسری قسم نزول کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبریل سے فرمایا تم یہ کتاب نبی کو پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ جبریل [illegible] کلام لے کر اترے [illegible] جیسے کوئی بادشاہ ایک تحریر لکھ کر کسی امین کے سپرد کرے اور کہہ دے کہ اسے فلاں شخص کو پڑھ کر سنانا۔ تو جب وہ قاصد اس پیام کا کوئی لفظ اور کوئی حرف بھی بدل نہیں سکتا۔

میں کہتا ہوں قرآن اسی دوسری قسم کے تحت میں داخل ہے۔ اور پہلی قسم میں سنت و شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ جبریل سنت کو بھی قرآن ہی کی طرح نازل کیا کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حدیث کی روایت بالمعنی درست ہوئی کیونکہ جبریل نے اسے معنے کے ساتھ ادا کیا تھا اور قرآن کی قراءت بالمعنی [illegible] اس لئے کہ جبریل نے اسے لفظ کے ساتھ [illegible] اور ان کے لئے معنی کے ساتھ اس کا وحی کرنا مباح نہیں کیا گیا۔ اور اس بات میں راز یہ ہے کہ قرآن کا مقصود ہی اس کے لفظ کے ساتھ [illegible] اس سے کوئی انسان یہ قدرت ہرگز نہیں رکھتا کہ کلام اللہ سے ملتی ہوئی تھوڑی سی عبارت بھی بنا دے۔ اور نیز یہ تمام [illegible] کے ہر ایک حرف کے تحت میں اس قدر کثیر معنی ثبت ہیں کہ احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی میں اتنی قدرت نہیں جو اس جگہ ویسے ہی الفاظ [illegible] دوسرا لفظ پیش کر سکے۔ اور پھر کہتا ہوں یہ [illegible] امت [illegible] کی ہے کہ نازل کی گئی کتاب اور وحی کو دو قسموں پر تقسیم کر دیا۔ ایک قسم وہ ہے جس کو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں جن میں وہ وحی کے ذریعہ اتری ہے۔ اور دوسری قسم کی روایت بالمعنی کرسکتے ہیں۔ اور اگر تمام وحی منزل صرف لفظ روایت کرنے کی [illegible] دشوار بات ہو جاتی [illegible] تبدیل اور تحریف کی جانب سے امن نہیں ہو سکتا۔ فتأمل۔

پھر میں نے سلف سے بعض ایسے آثار بھی دیکھے جن سے جوینی کی بات کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے بطریق عقیل زہری سے روایت کی ہے کہ ان سے وحی کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو زہری نے جواب دیا "وحی وہ ہے جو اللہ پاک انبیاء میں سے کسی نبی کی طرف بھیجتا ہے اور اس کے دل میں ثابت کر دیتا ہے پھر وہ نبی اسی کو زبان سے ادا کرتا اور لکھ دیتا ہے اسی کو کلام اللہ کہتے ہیں۔ اور [illegible] ایک قسم [illegible] نبی کسی سے نہیں کہتا [illegible] اس کے لکھنے کا حکم دیتا ہے [illegible] بیان [illegible] بتا دیا جاتا ہے"۔

ادغام، مد کا اختلاف مثلاً تفخیم، ترقیق، تسہیل، اشمام اور اظہار وغیرہ۔ ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے اور
بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس سے اداء مراد ہے، جیسے تفخیم، ترقیق، امالہ، اشباع، مد، قصر، تشدید، تخفیف، ہمز
اور تحقیق کے ساتھ تلاوت کرنے میں کیفیت نطق مراد لی گئی ہے۔ یعنی اس طرح پڑھنا جس طرح عرب اپنی زبان سے کلمات
ادا کرتے ہیں اس سے حروف کا اختلاف مراد ہے اور اس قول کو اس قول پر ترجیح ہے۔

ابن جزری کا بیان ہے کہ میں نے صحیح، شاذ، ضعیف اور منکر تمام قراءتوں کی چھان بین کی ہے تو میں نے
ان سب کا اختلاف سات وجوہ کی حد سے آگے نہیں پایا۔ وہ وجوہ اختلاف یہ ہیں: حرکات میں بغیر کسی تغیر کے
صورت کے اور معنی کے، جیسے "یَحْسِبُ" چاروں وجوہ پر، صرف حرکت میں تغیر ہو اور معنی میں بھی تغیر ہو
اور صورت وہی رہے جیسے پڑھا جاتا ہے۔ حروف میں تغیر ہو اور معنی بدل جائے، مثلاً "فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ" کو
"فَتَلَقّٰی اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٌ" پڑھتے ہیں۔ اور حروف میں تغیر ہو مگر صورت میں تغیر نہ ہو لیکن معنی
بالکل بدل جاتے ہیں۔ یا اختلاف حروف میں ہوگا مگر اس طرح کہ معنی بدل جائیں اور صورت نہ بدلے
جیسے "تَبْلُوْا" اور "تَتْلُوْا" یا اس کے برعکس کہ معنی نہ بدلیں اور صورت بدل جائے جیسے "بَصْطَةً" اور
"بَسْطَةً" یا دونوں کی صورت اور معنی دونوں بدل جائیں جیسے "فَامْضُوْا" اور "فَاسْعَوْا" یا تقدیم و تاخیر کا
اختلاف ہو جیسے "فَیَقْتُلُوْنَ" اور "یُقْتَلُوْنَ" اور یا حذف کے حروف کی زیادتی و کمی کا اختلاف ہو مثلاً
"اَوْصٰی" اور "وَصّٰی"۔ غرض کہ یہ سات صورتیں ہیں کہ اختلاف قراءت ان کے دائرے سے باہر نہیں جاتا۔ ابن
جزری کا قول ہے "لیکن اظہار، ادغام، روم، اشمام، تخفیف، تسہیل، نقل اور ابدال وغیرہ کے اختلاف
ان اختلافات میں داخل نہیں ہو سکتے جو لفظ و معنی کا تنوع بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں ایک لفظ کے
ادا کرنے کی نوعیت بدل دیتی ہیں مگر اس کو ایک لفظ ہونے کے دائرے سے باہر نہیں نکالتیں" ابن جزری
کا یہ قول اچھا اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تقدیم و تاخیر کی مثال میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے جو مشہور قراءت ہے "وَکَذٰلِکَ یَطْبَعُ
اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ" ہے مگر ابن مسعودؓ نے اس کو یوں پڑھا ہے "عَلٰی قَلْبِ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ"۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مقصود معانی کا سات جداگانہ نوعیتوں کے ساتھ ادا کرنا ہے،
مثلاً اَقْبِلْ، تَعَالَ، هَلُمَّ، عَجِّلْ اور اَسْرِعْ۔ اسی قول کو سفیان بن عیینہ، ابن جریر، ابن وہب
وغیرہ کا ہے۔ اور ابن عبد البر نے اس قول کی نسبت اکثر علماء کی طرف کی ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت بھی
ہو سکتی ہے جس کو احمد اور طبرانی نے ابوبکرہؓ کی حدیث سے بیان کیا ہے کہ جبرئیل نے فرمایا، یا محمد! قرآن کو
ایک حرف پر پڑھئے۔ میکائیل نے کہا آپ اس میں زیادتی طلب کیجئے۔ آپ نے زیادتی طلب کی تو جبرئیل

ان سات حروف میں سے ہر ایک حرف کے ساتھ قرأت جائز ہے اور ان میں سے ایک حرف کو دوسرے کے ساتھ بدل دینا بھی جائز ہے لیکن اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ [illegible] کا [illegible] کے ساتھ بدل دینا قطعی حرام ہے۔

ابو علی اہوازی اور ابو العلاء ہمدانی کا بیان ہے کہ حدیث میں رسول اللہ کا [illegible] "زاجر و آمر" [illegible] دوسرے [illegible] ہے [illegible] "هو زاجر" یعنی قرآن زاجر [illegible] [illegible] سات حروف [illegible] [illegible] حدیث کی بابت [illegible] وہ [illegible] ہونے کے سبب سے [illegible] [illegible] [illegible] حدیث کے بعض [illegible] "زاجراً و آمراً" نصب کے ساتھ ہے جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ قرآن سات [illegible] میں [illegible] ابو شامہ کہتے ہیں [illegible] [illegible] قرآن کی [illegible] کے حروف [illegible] [illegible] سات ابواب [illegible] ہیں [illegible] ایک ہی صنف [illegible] [illegible] کا بیان ہے۔

کہا گیا ہے کہ ان سے مطلق، مقید، عام، خاص، نص، مؤول، ناسخ، منسوخ، مجمل، مفسر، مستثنیٰ اور اس کے اقسام مراد ہیں [illegible] قول [illegible] ہے۔

کہا گیا ہے کہ ان سے حذف، صلہ، تقدیم، تاخیر [illegible] حقیقت، مجاز [illegible] [illegible] [illegible] قول [illegible] ہے۔ [illegible] عرب [illegible] [illegible] اختلاف اوقات [illegible] حروف مراد ہیں [illegible] قول ہے۔

بعض [illegible] کہتے ہیں [illegible] سات [illegible] [illegible] [illegible] استغفار [illegible] [illegible] قول ہے۔

[illegible] [illegible]

[illegible] الاحرف السبعۃ [illegible]

[illegible] ابن حبان کا بیان ہے [illegible]

[illegible] کہ ان سات حروف کے معنوں میں پینتیس مختلف قول ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

---

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

(۸) [illegible]

(۹) [illegible]

(۱۰) [illegible]

(۱۱) [illegible]

(۱۲) [illegible]

(۱۳) [illegible]

(۱۴) [illegible]

(۱۵) [illegible]

(۱۶) [illegible]

[illegible]

(۳۱) سات متفرق جنسیں مثلاً امر ... [illegible]
ہر ایک حرف کی ایک شعبہ قبیلہ کا ہے۔

(۳۲) سات زبانیں ... [illegible]
... [illegible] ... کی۔

(۳۳) سات زبانیں۔ ایک زبان قریش کی، ایک
زبان ہذیل کی، ایک زبان ہوازن کی، ایک زبان
یمن کی، ایک زبان ثقیف کی، ایک زبان
تمیم کی، اور ایک زبان ... کی۔

(۳۴) ایک زبان قبیلے یعنی کعب بن عمرو اور کعب بن
لؤی ... دونوں کے حروف کی سات زبانیں ہیں۔

(۳۵) عرب قبائل کی مختلف لغتیں جو ایک ہی معنی کی
ہیں مثلاً ھلم، تعال، اقبل

(۳۶) سات ... [illegible]
... [illegible]

(۳۷) [illegible]

(۳۸) [illegible]
... [illegible]

(۳۹) [illegible]
... [illegible]

(۴۰) [illegible]
... [illegible]

[illegible]

(۴۱) [illegible]
... [illegible]

(۴۲) سات حروف سے ... [illegible]
... [illegible]

(۴۳) ایک آیت ... [illegible]
... [illegible]

(۴۴) [illegible]

(۴۵) [illegible]
... [illegible]

قرآن کی قرأت میں صرف ایک ہی حرف پر اتفاق کرنے کی وجہ حضرت عثمانؓ کے پیش نظر یہ تھی کہ اس سے
عام لوگ شبہ میں نہ پڑیں۔ حضرت عثمانؓ پر اتفاق کر لیا اور یہ بات نہ ہوئی کہ صحابہ کرام میں سے بعض لوگ اس
میں کوئی اکراہ یا اعتراض رکھتے تھے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آخری دور میں قرآن کے بعض حصے منسوخ
کر دیے گئے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام اس امر پر متفق ہو گئے کہ جس قدر حصوں کا آخر کے دور میں قرآن ہونا
ثابت ہو اسے لکھ لیا جائے۔ اور اس سے ما سوا کو چھوڑ دیا جائے۔

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں اور ابن ابی شیبہ نے کتاب فضائل میں بطریق ابن سیرین
عبیدۃ السلمانی سے روایت کی ہے کہ قرآن کی وہ قرأت جو رسول اللہ صلعم کے سال وفات میں ان پر پیش کی گئی تھی
قرأت ہے جس کو آج سب لوگ پڑھتے ہیں۔ اور ابن اشتہ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا
جبریلؑ ہر سال ماہ رمضان میں رسول اللہ صلعم سے ایک مرتبہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ مگر جب وہ سال آیا جس میں
حضور سرور عالم صلعم کی رحلت ہوئی تھی تو جبریلؑ نے آپ سے دو مرتبہ قرآن کا دور کیا۔ اس لئے علماء کا خیال ہے کہ ہماری
یہ قرأت آخری دور کے مطابق ہے۔ بغوی اپنی کتاب شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے زید بن ثابتؓ
قرآن کے آخری دور میں حاضر رہے تھے جس کے اندر یہ بیان کیا گیا تھا کہ قرآن کا منسوخ کیا ہے اور کس قدر
باقی رہ گیا۔ زید بن ثابتؓ نے اس کو رسول اللہ صلعم کے لئے لکھ کر پھر آپ کو سنا دیا تھا۔ اور زید
بن ثابت اسی قرآن کو تا وفات لوگوں کو پڑھاتے رہے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے اس قرآن
کو جمع کرنے کے واسطے ان پر اعتماد کیا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو مصاحف لکھنے کی خدمت دی۔

سترھویں نوع

قرآن اور اس کی سورتوں کے نام

جاحظ کا قول ہے کہ اہل عرب نے اپنے کلام کے جو نام رکھے تھے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب
کے نام ان کے خلاف ایک دوسری طرح پر رکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے پوری کتاب کا نام قرآن رکھا جس طرح عرب اپنی پوری
کتاب کو دیوان کہتے تھے۔ اور خدا نے اپنی کتاب کے حصہ کا نام سورۃ مقرر فرمایا جیسے کہ عرب قصیدہ نام
رکھتے تھے۔ اور چھوٹے جملہ کا نام آیۃ جیسے وہ بیت کہتے تھے اور آیت کے آخری حصہ کا نام
قافیہ کے بجائے رکھا۔

ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک نے اپنی کتاب البرہان میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے

[illegible]

نمبر	نام	قرآن کی وہ آیۃ جس میں وہ نام آیا ہے
۱و۲	کتاب و مبین۔	حٰمۤ ۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○
۳و۴	قرآن و کریم۔	اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○
۵	کلام۔	حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ
۶	نور۔	وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○
۷و۸	ہدی اور رحمۃ۔	وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○
۹	فرقان۔	نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ
۱۰	شفاء۔	وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ
۱۱	موعظۃ۔	قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
۱۲	شفاء لما فی الصدور۔	وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ○
۱۳و۱۴	ذکر و مبارک۔	وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ
۱۵	علی۔	وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○
۱۶	حکمۃ۔	حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ
۱۷	حکیم۔	تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○
۱۸	مہیمن۔	مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ
۱۹	حبل۔	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا
۲۰	صراط مستقیم۔	وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
۲۱	قیم۔	قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ
۲۲و۲۳	قول و فصل۔	اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○
۲۴و۲۵	نبأ عظیم۔	عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○
۲۶و۲۷	احسن الحدیث و مثانی۔	اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ
۲۸	و متشابہ۔	
۲۹	تنزیل۔	وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

کی وجہ اس کا تمام قسم کے علوم کو اپنے اندر جمع کر لینا ہے۔ اور قسم ہے یہ قول کیا گیا ہے کہ "قرآن" کا نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ پڑھنے والا اس کو اپنے منہ سے ظاہر اور روشن کرتا ہے۔ اور قرآن کے معنی اس سبب سے قول خدا "فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ" سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جو کہ سب چیزیں ظاہر کرتا ہے نہیں ہوتا ہے۔ اور قرآن پڑھنے والا اس کے الفاظ کو اپنے منہ سے نکال کر ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی سبب سے قرآن رکھا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں میرے نزدیک پسندیدہ قول وہی ہے جو امام شافعی نے بیان کیا ہے۔

کلام الٰہی سے ماخوذ ہے جس کے معنی [illegible] ہیں۔ اس سے کہ قرآن سننے والے کے دل پر ایک ایسا اثر پیدا کرتا ہے جو اسے پہلے سے حاصل نہ تھا۔

نور اس سے نام رکھا گیا کہ اس کے ذریعہ سے حلال و حرام کے امور معلوم ہوتے ہیں۔

ہدیٰ نام رکھنے کی وجہ اس کا حق پر دلالت کرنا ہے اور یہ نام رکھنا اس قبیل سے ہے جیسا کہ عرب لوگ اسم فاعل کی جگہ پر مصدر بول دیتے ہیں۔

فرقان اس لئے نام رکھا گیا کہ قرآن نے حق و باطل کے مابین تفریق کر دی ہے۔ یہ توجیہ مجاہد نے بیان کی ہے اور ابن جریر نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

شفا نام رکھنے کا موجب اس کا دلی بیماریوں کو دور کرنا ہے جیسے کفر اور جہل یا وہ جسمانی بیماریوں کو بھی دور کرتا ہے۔

ذکر یوں نام دیا گیا کہ اس میں نصیحتیں اور گزشتہ قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اس کے سوا ذکر عزت کو بھی کہا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ" یعنی وہ تیرے اور تیری قوم کے لئے موجب عزت ہے۔ کیونکہ یہ انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

حکمت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن ہر شئے کو اس کے موقع اور ٹھکانے پر رکھنے کے طریقوں سے نازل ہوا ہے یا اس لئے کہ وہ حکمت پر مشتمل ہے۔

حکیم یوں نام پایا کہ اس کی آیتیں عجیب نوع کی ترتیب اور نادر معنی کے ساتھ محکم بنائی گئی ہیں۔ وہ تبدیل، تحریف، اختلاف اور تباین کے سبب سے محفوظ ہے۔

مہیمن کی وجہ تسمیہ اس کا تمام سابقہ قوموں اور کتابوں پر شاہد ہونا ہے۔

حبل نام رکھنے کا باعث یہ ہے کہ جو شخص قرآن سے تمسک کرے گا وہ جنت یا ہدایت تک پہنچ جائے گا اور حبل کے معنی سبب اور تعلق کے ہیں۔

صراط مستقیم اس لئے نام پایا کہ وہ سیدھی راہ کی جانب لے جانے والا ہے۔

[illegible]

کو صرف اسی امت کے لئے مستثنیٰ کیا ہو [illegible]

برکت میں دہرائی جاتی ہے۔ اور اس قول کی تقویت اس روایت سے ہوتی ہے [illegible]

[illegible] نقل کیا ہے کہ انہوں نے [illegible] الثانی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

المائدۃ اس کے نام العقود اور المنقذۃ بھی ہیں۔ ابن الفرس کہتا ہے کہ یہ سورۃ اپنے
پڑھنے والے کو عذاب کے فرشتوں سے نجات دلاتی ہے۔

الانفال ابو الشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ سعید نے [illegible]
کہا سورۃ الانفال؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ سورۃ بدر ہے۔

براءۃ اس کا نام التوبۃ بھی ہے کیونکہ اس میں اللہ پاک کا قول لقد تاب اللہ علی النبی آیا ہے
اور الفاضحۃ بھی اس کا نام ہے۔ بخاری نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا میں نے
ابن عباس سے دریافت کیا سورۃ توبہ؟ انہوں نے فرمایا توبہ نہیں بلکہ وہ فاضحہ ہے [illegible]
[illegible] یہاں تک کہ [illegible]
ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس کا ذکر اس میں نہ ہو۔ اور ابو الشیخ نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ
حضرت عمر نے کہا [illegible] ہم نے یہاں تک خیال
کر لیا کہ اب ہم میں سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس کی بابت اس سورۃ میں کوئی آیت نازل نہ ہو اور اس
کا نام سورۃ الفاضحۃ اور سورۃ العذاب بھی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حذیفہ سے روایت
کی ہے کہ "تم جس سورۃ کا نام التوبۃ رکھتے ہو وہی سورۃ العذاب ہے"۔ اور ابو الشیخ نے سعید بن جبیر
سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے جس وقت سورۃ براءۃ کا ذکر ہوتا اور ان سے کہا جاتا سورۃ
التوبۃ ہے؟ تو وہ کہتے "یہ عذاب سے زیادہ قریب ہے [illegible]
[illegible] اس وقت تک اس سورۃ کا نزول بند نہیں ہوا" اور اس کا نام
المقشقشۃ بھی ہے۔ ابو الشیخ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے ابن عمر سے کہا سورۃ
التوبۃ؟ تو انہوں نے کہا "قرآن کی کونسی سورت سورۃ توبہ ہے؟" کسی شخص نے کہا
براءۃ [illegible]
المقشقشۃ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سورۂ طٰہٰ کا نام سورۃ الکلیم بھی ہے۔ اور سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں بیان کیا ہے کہ اس کا نام سورۂ موسیٰ بھی ہے۔ اور سورۂ ص کا نام سورۂ داؤد بھی آیا ہے۔ اور جعبری نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ الصّافّات کا نام سورۃ الذبیح بھی ہے۔ مگر یہ بات [illegible] کی محتاج ہے

فصل

جس طرح پر ایک ہی سورت کے کئی نام رکھے گئے ہیں اسی طرح بہت سی سورتوں کے ایک ہی نام آئے ہیں جیسا کہ بہت سی سورتوں کے آغاز ان کے نام بھی بن گئے ہیں مثلاً الٓمّٓ و الٓرٰ سے شروع ہونے والی سورتیں۔

فائدہ: سورتوں کے ناموں کا اعراب۔ [illegible]

[illegible]

اٹھارھویں نوع قرآن کی جمع اور ترتیب

[illegible]

[illegible] چنانچہ [illegible] قرآن کو جمع کر لیا۔ ابن حجر کا قول ہے کہ یہ اثر [illegible] ہونے کی وجہ سے [illegible]
اس [illegible] قرآن کو جمع کرنے سے [illegible]
یعنی حفظ کر لیا تھا۔ اور عبد خیر کی [illegible]
[illegible] ایک دوسرے طریق سے جس کو ابن اشتہ [illegible] روایت [illegible]
[illegible]
[illegible] ابوبکر [illegible] بیعت ہو جانے کے بعد [illegible] ابوبکر نے [illegible]
[illegible] ابوبکر نے [illegible]
[illegible]
[illegible] کتاب اللہ [illegible]
[illegible]
[illegible] قرآن کی ترتیب [illegible]
[illegible]
[illegible] ابن اشتہ نے کتاب المصاحف [illegible]
[illegible] ابن سیرین [illegible]
ابن سیرین [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] قرآن کو مصحف [illegible]
[illegible] قرآن کو جمع [illegible] قرآن [illegible]
[illegible] ابن اشتہ [illegible]
[illegible] قرآن [illegible] مصحف [illegible]
[illegible] قرآن [illegible]
[illegible] قرآن کو جمع [illegible]
[illegible]
[illegible]

سورۃ براءۃ میں اس بات کا حکم نہیں دیا تھا [illegible] بسم اللہ الرحمن الرحیم کے چھوڑ دینے [illegible]

[illegible] الاتقان میں ہے "سورتوں کی ترتیب [illegible]

فلاں آیت فلاں سورۃ میں رکھو [illegible] کا قول ہے [illegible] قرآن [illegible]

[illegible] کے جانے کا [illegible] نزول کے بعد [illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

[illegible] ترتیب اسی طرح [illegible] کی ترتیب فرمائی [illegible]

[illegible] ترتیب [illegible] آیت [illegible]

سورتوں کی ترتیب ان کی [illegible]

قرآن [illegible] قرآن کی سورتوں کی ترتیب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] البغوی اپنی کتاب [illegible]

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

[illegible]

[illegible] ترتیب [illegible]

[illegible] ترتیب [illegible]

[illegible] آیت [illegible] سورۃ فلاں آیت [illegible]

[illegible] قرآن [illegible] ترتیب [illegible]

[illegible] ترتیب [illegible]

[illegible] ترتیب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فصل

[illegible]

کی قرأت [illegible] قل ہو اللہ احد [illegible]
[illegible]

انیسویں نوع۔ قرآن کی سورتوں، آیتوں، کلمات اور حروف کی تعداد

سورتوں کی تعداد [illegible] تمام معتبر لوگوں کے نزدیک قرآن کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں۔ ایک قول ہے کہ [illegible] انفال اور براءۃ کو ایک ہی سورۃ ماننے کے باعث ایک سو تیرہ ہی سورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ابو الشیخ نے ابی روق سے روایت کی ہے کہ انفال اور براءۃ دونوں ایک ہی سورۃ ہیں اور [illegible] سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حسن سے انفال اور براءۃ کی نسبت دریافت کیا کہ آیا یہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورۃ ہے؟ تو انہوں نے کہا "دو سورتیں ہیں" [illegible] ابی روق کا بھی یہ قول [illegible] الانفال کا [illegible] بسم اللہ الرحمن الرحیم کی وجہ سے نہیں لکھی گئی کہ وہ [illegible] بسم اللہ الرحمن الرحیم [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کتاب اقناع سے [illegible] بسم اللہ ثابت [illegible] بسم اللہ [illegible] نازل نہیں کیا [illegible] مستدرک [illegible] سورۃ براءۃ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم [illegible] تو انہوں نے جواب دیا [illegible]

معوذتین کو نہیں لکھا ہے اس لئے اس میں صرف ایک سو بارہ سورتیں ہیں اور اُبی کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں اس لئے کہ اُنھوں نے آخر میں الحفد اور الخلع دو سورتیں بڑھا دی ہیں۔

ابوعبید نے ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہ اُبی ابن کعبؓ نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب معوذتین۔ اللّٰھم انا نستعینک[1] اور اللّٰھم ایاک نعبد کو تحریر کیا ہے مگر ابن مسعودؓ نے ان کو چھوڑ دیا ہے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان تمام سورتوں میں سے فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو مصحف میں لکھا ہے۔

طبرانیؒ نے کتاب الدعا میں عباد بن یعقوب اسدی کے طریق پر یحییٰ بن یعلیٰ اسلمی کے واسطہ سے از ابن لہیعہ از ابوہبیرہ عبداللہ بن زریر غافقی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھ سے عبدالملک بن مروان نے یہ بات کہی کہ مجھ کو معلوم ہے کہ تو کس وجہ سے ابوترابؓ کے ساتھ محبت رکھتا ہے مگر یہ کہ تو ایک خشک دماغ دیہاتی شخص ہے۔ میں نے جواب دیا "واللہ میں نے اس وقت قرآن پاک کو جمع کیا ہے جب کہ تیرے ماں باپ باہم ملے بھی نہ تھے اور قرآن میں سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دو سورتیں مجھ کو سکھائی تھیں جو اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی تھیں اور وہ سورتیں ایسی ہیں جن کو نہ تو نے سیکھا ہے اور نہ تیرے باپ نے ان کی تعلیم پائی تھی۔ وہ یہ ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔" بیہقیؒ نے ابن [illegible] کے طریق پر ابن جریج سے بواسطہ عطاء عبید بن عمیرؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی اور کہا "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی نِقْمَتَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکٰفِرِیْنَ مُلْحِقٌ۔" ابن جریج [illegible] بسم اللہ کے لکھنے کی حکمت [illegible] عمرؓ کے مصحف میں ان دونوں کو دو سورتیں قرار دیا ہے۔ محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں اُبی ابن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ [illegible] ان دونوں سورتوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُبیؓ ان کو اپنے مصحف میں لکھا کرتا تھا۔ ابن الضریس کا قول ہے "ہم کو احمد بن جمیل مروزی نے عبداللہ بن المبارک سے خبر دی کہ اجلح نے عبداللہ بن عبد [illegible]

[1] اس سے دو [illegible] دعائے قنوت [illegible]

ابن ... نے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ کے مصحف میں اُبیؓ اور ابوموسیٰؓ کی قرات یوں آئی ہے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم انا نستعینک و نستغفرک و نثنی علیک الخیر و لا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک“ اور اسی میں آیا ہے ”اللھم ایاک نعبد ولک نصلی و نسجد والیک نسعی و نحفد نخشی عذابک و نرجو رحمتک ان عذابک بالکفار ملحق“۔

ابن ابی شیبہ ... نے ابواسحٰقؒ سے روایت کی ہے کہ ”خراسان میں اُمیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید نے ہمیں نماز پڑھائی تو اس میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں، انا نستعینک و نستغفرک“۔

بیہقی اور ابوداؤد نے المراسیل میں خالد بن ابی عمران سے روایت کی ہے کہ ”جس وقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم مُضر کے لئے قنوت پڑھ کر بددعا کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت جبریلؑ نے یہ سورت اور آیت کریمہ ”لیس لک من الامر شیء“ الآیۃ، آپ پر نازل کی“۔

تنبیہ: ایک جماعت نے اُبیؓ کے مصحف کی نسبت یہ روایت کیا ہے کہ اس میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں ایک سو پندرہ سورتیں ہیں کیونکہ اُس میں سورۃ الفیل اور سورۃ لایلاف دونوں ایک ہی سورۃ ہیں۔ اس بات کو سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں جعفر الصادقؓ سے نقل کیا ہے اور ابونہیک سے ... کی روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تردید اُم ہانیؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ پاک نے قریش کو سات خصلتوں کے ساتھ فضیلت دی ہے“ تا آخر حدیث۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے قریش کے بارے میں قرآن کی ایک خاص سورۃ نازل فرمائی جس میں ان کے ساتھ کسی دوسرے کا ذکر نہیں کیا ہے یعنی لایلاف قریش“۔ ھذلی کی کتاب الکامل میں ... سے منقول ہے کہ جعفر صادقؓ نے والضحیٰ اور الم نشرح کو ایک ہی سورۃ قرار دیا ہے۔ اور امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں طاؤس اور دیگر مفسرین سے نقل کیا ہے۔

فائدہ: قرآن کو سورتوں میں منقسم کرنے کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے ہر ایک سورۃ کا معجزہ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ثابت کرنا مقصود ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر سورۃ ایک مستقل طریقہ ہے۔ چنانچہ سورۃ یوسف حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کرتی ہے۔ سورۃ براءۃ منافقین کے حالات اور اُن کے مخفی رازوں وغیرہ کا پردہ فاش کرتی ہے [illegible] اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ [illegible] سورۃ الکوثر تین آیتوں کی سورۃ ہے مگر وہ بھی

ویسی ہی جزو ہے جیسی کہ سورۃ البقرہ جزو ہے۔ پھر اس کی وجہ سے تعلیم میں بھی بڑی سہولت پیدا ہوئی کہ بچوں کو چھوٹی سورتیں پڑھا کر بتدریج بڑی سورتیں پڑھائی جا سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کتاب اللہ کے حفظ کرنے کے لئے یہ آسانی عطا کی ہے۔

زرکشی نے کتاب البرہان میں کہا ہے "اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن سے کیوں وہ امتیاز [illegible] صورت کیوں نہیں ہوئی؟ تو میں اسے جواب دیتا ہوں کہ وہ دو وجہوں سے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کتب سابقہ نظم و ترتیب کے پہلو سے معجز نہیں تھیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ حفظ کرنے کے واسطے نہیں بنائی گئیں تھیں" مگر زمخشری نے جو بات بیان کی ہے وہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس نے کشاف میں بیان کیا ہے "قرآن کو قسموں کے اندر تقسیم کرنے اور اس کے بہت سی سورتیں بنا دینے کے بے شمار فوائد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ تمام کتابیں بھی جنہیں اس نے بذریعہ وحی اپنے انبیاء پر نازل فرمایا تھا اسی طرح سورتوں پر تقسیم کیا اور مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں ابواب مقرر کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے جن کے عنوان بھی رکھے جاتے ہیں۔ اس بات کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس وقت جنس کے تحت کئی نوعیں اور صنفیں آ جاتی ہیں تو اس وقت بہ نسبت ایک ہی باب ہونے کے کہیں زیادہ بہتر اور شاندار ہو جائے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا کتاب کے ایک باب یا سورۃ کو ختم کرنے کے بعد دوسرا باب شروع کرنے کے لئے اپنے میں تازہ جوش محسوس کرتا ہے اور زیادہ مستعدی کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہوتا ہے ورنہ اگر ساری کتاب یکساں ہو تو اس کی طبیعت پراگندہ ہو جائے اور یہ طوالت اس کو دق کر ڈالے۔ جس طرح کہ راستہ میں میلوں اور فرسخوں کے نشان ملنے سے ایک طرح کی تسکین رہتی ہے کہ اب اتنا سفر ہو چکا ہے اور آگے چلنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے کئی حصے کر دئے گئے ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ حافظ کسی ایک سورۃ کو پختہ طور سے یاد کر لینے کے بعد یقین کرتا ہے کہ اس نے قرآن کا ایک مستقل حصہ محفوظ کر لیا ہے جو بجائے خود اسی قبیل سے [illegible] کہ وہ حدیث [illegible] جب ہم میں سے کوئی آدمی سورۃ البقرہ اور آل عمران کو پڑھ لیتا تھا تو وہ ہم میں بڑا [illegible] سمجھا جاتا اور نماز میں پوری سورۃ کا پڑھنا بھی اسی وجہ سے افضل [illegible] ہے۔ پھر یہ فائدہ بھی [illegible] باعث اشکال و تشابہ [illegible] بہتر ہوتا اور [illegible] ساتھ [illegible] ان میں [illegible] بلحاظ معانی اور نظم وغیرہ [illegible]" [illegible] زمخشری نے تمام [illegible] سورتوں میں منقسم ہونے [illegible]

[illegible] روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا [illegible]
[illegible] جو سب کی سب [illegible] اور [illegible]
[illegible] کہیں ذکر ہی نہیں [illegible] بیان کیا ہے کہ
[illegible]

فصل

آیتوں کی تعداد

[illegible] کی ایک جماعت نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جعبری کا قول ہے کہ آیت کی جامع و مانع تعریف یہ ہے کہ قرآن [illegible] چند جملوں سے مرکب ہو اگرچہ تقدیراً ہی [illegible] کسی سورۃ میں بھی مندرج و داخل ہو [illegible] کیونکہ آیت [illegible] اور جماعت کی علامت ہے [illegible] کہ قول ہے کہ آیت قرآن کا وہ حصہ ہے جو اپنے ماقبل [illegible] کہ آیت سورتوں میں شمار کردہ چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور اس کا یہ [illegible] اپنے [illegible] کے صدق اور اس کے تحدی کے عجز کی علامت [illegible] نام رکھنے کی وجہ اس کا اپنے ماقبل کے کلام کو منقطع کرنا اور خود [illegible] زمخشری کا [illegible] کسی کا قول ہے [illegible] ہوتی تو مذکورہ بالا قول کے اعتبار پر آیت سے کم ٹکڑے کا نام بھی آیت قرار [illegible] کا قول ہے کہ میں بجز ایک کلمہ [illegible] قول باری تعالیٰ مدھامتان کے [illegible] کوئی آیت نہیں معلوم کر سکتا ہوں" کسی اور شخص کا قول ہے کہ نہیں قرآن [illegible] کلمات [illegible] آیتیں [illegible] مثلاً والفجر [illegible] سورتوں کے فواتح [illegible] لوگوں کے نزدیک [illegible] کو آیتیں شمار [illegible]

[illegible] آیت کے معلوم کرنے کا طریقہ صرف شارع [illegible] آیتوں کی شناخت [illegible] آیت حروف قرآن [illegible]

اُس جماعت کو کہتے ہیں جس کا قرآن کے اوّل میں اپنے بعد کے کلام سے اور اُس کے آخر میں قبل کے کلام سے اور وسط میں قبل و بعد کے کلاموں سے منقطع ہونا توقیف کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہو اور وہ کوئی جملہ اُس کے مثل پر شامل نہ ہو۔" قائل کہتا ہے "اِس قید کا فائدہ یہ ہے کہ سورۃ آیت کی تعریف سے خارج ہوگئی کیونکہ اُس میں ماقبل و مابعد کی سورتوں کے مضامین بھی شامل ہوتے ہیں۔" زمخشری کا قول ہے کہ آیات کا معلوم کرنا ایک توقیفی (روایتی) علم ہے جس میں قیاس کو کچھ دخل ہی نہیں اور اسی وجہ سے الٓمٓ کو جہاں کہیں بھی وہ آئے ایک آیت شمار کیا ہے اور الٓمٓصٓ کو بھی مگر الٓمٓرٰ اور الٓرٰ کو آیت نہیں گنا گیا ہے۔ حٰمٓ اپنی سورتوں میں آیت شمار ہوتی ہے اور ایسے ہی طٰہٰ اور یٰسٓ بھی لیکن طٰسٓ کو آیت نہیں قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں "آیت کا علم توقیفی ہونا اُس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کو احمد نے اپنے مسند میں عاصم بن ابی النجود کے طریق پر بواسطہ زر حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ "مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سورۃ تیس آیتوں کی آل حٰمٓ میں سے پڑھائی۔ یعنی الاحقاف۔" اور ابن مسعودؓ نے کہا کہ تیس آیتوں سے زائد سورۃ کو ثلاثین کہا جاتا تھا۔ تا آخر حدیث۔" ابن العربی کا قول ہے "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحۃ کی سات آیتیں ہیں اور سورۃ الملک کی تیس آیتیں۔ اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی دس آیتیں پڑھیں۔"

ابن العربی کا قول ہے "اِن آیتوں کا شمار قرآن کی پیچیدہ اور دشوار باتوں میں سے ہے کہ اُس کی آیتوں میں بڑی چھوٹی، منقطع ہو جانے والی۔ آخر کلام تک منتہی ہونے والی۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں جو اثنائے کلام ہی میں ختم ہو جاتی ہیں۔" کسی اور عالم کا قول ہے کہ سلف کے آیتوں کی تعداد میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم توقیف کے لئے آیتوں کے سروں پر ٹھیر جایا کرتے تھے اور جب اُن کا محل معلوم ہو جاتا تھا تو اُس کو تمام کرنے کے واسطے اگلی آیت سے ملا بھی دیا کرتے۔ اِس بات سے سننے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ وقف (ٹھیراؤ کی جگہ) فاصلہ (آیت) نہ تھا حالانکہ وہ فاصلہ یعنی آیت ہی ہوتا تھا)۔

ابن الضریس نے عثمان بن عطاء کے طریق پر بواسطہ عطاء حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قرآن کی جملہ آیتیں چھ ہزار چھ سو سولہ ہیں اور قرآن کے تمام حروف کی تعداد تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر حرف ہیں۔" الدانی کا قول ہے "تمام علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی تعداد چھ ہزار ہے مگر پھر اس تعداد پر اضافہ کے متعلق اُن میں باہم اختلاف ہے۔ بعض نے اس

مذکورہ پر اللہ عز کے نقل نہیں اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دو سو چار آیتیں زیادہ ہیں اور دو سو سے چودہ ان آیتوں کی نسبت زیادہ انیس اور چھتیس کے اقوال موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں دیلمی نے کتاب مسند الفردوس میں سند ضعیف کے طریق پر بروایت فرات بن سلمان، میمون بن مہران سے اور میمون نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جنت کے درجے قرآن کی آیتوں کے برابر ہیں اور قرآن کل چھ ہزار دو سو سولہ آیتیں ہیں پھر جنت کے ہر دو درجوں کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے مابین۔" اس شخص کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا ہے کہ وہ سخت جھوٹا اور خبیث ہے۔ بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ "جنت کے درجوں کی تعداد قرآن کی آیتوں کی تعداد کے برابر ہے۔ پس جو اہل قرآن میں سے جو شخص جنت میں داخل ہوگا اس سے اوپر کوئی درجہ باقی نہ ہوگا۔" حاکم کا قول ہے کہ اس حدیث کے اسناد تو صحیح ہیں لیکن یہ شاذ ہے۔ اور یہی حدیث ایک اور سند سے آجری نے حضرت عائشہؓ سے موقوفاً بھی حملۃ القرآن میں نقل کی ہے۔

ابو عبداللہ موصلی نے اپنے قصیدہ ذات الرشد فی العدد کی شرح میں بیان کیا ہے کہ آیتوں کے شمار میں اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل شام، اہل بصرہ اور اہل کوفہ سب ہی کا اختلاف ہے۔ اہل مدینہ آیات قرآن کی دو تعداد مانتے ہیں پہلی تعداد وہ ہے جو ابو جعفر یزید بن قعقاع اور شیبہ بن نصاح سے منقول ہے۔ اور دوسری تعداد وہ ہے جسے اسمٰعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری نے معتبر کیا ہے۔ اہل مکہ جس شمار کو صحیح مانتے ہیں وہ عبداللہ بن کثیر سے بواسطہ مجاہد از ابن عباسؓ مروی ہے اور ابن عباسؓ نے اس کو ابی بن کعبؓ سے اخذ کیا ہے۔ اہل شام کی تعداد آیات کو ہارون بن موسیٰ اخفش وغیرہ نے عبداللہ بن ذکوان سے اور احمد بن یزید حلوانی وغیرہ نے ہشام بن عمار سے نقل کیا ہے۔ اور ابن ذکوان اور ہشام نے یہ تعداد بواسطہ ایوب بن تمیم ذماری یحییٰ ابن الحارث ذماری سے سنی تھی کہ یہی وہ تعداد ہے جس کو ہم اہل شام کی تعداد آیات مانتے ہیں اور اسی کو مشائخ نے صحابہ کی روایت سے ہم تک پہنچایا ہے اور اس کو عبداللہ بن عامر یحصبی وغیرہ نے ہمارے لئے ابو الدرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ اہل بصرہ کی تعداد آیت کا مدار عاصم بن العجاج الجحدری کی روایت پر ہے۔ اور اہل کوفہ جس تعداد کو مانتے ہیں اس کی نسبت حمزہ بن حبیب الزیات، ابو الحسن کسائی اور خلف بن ہشام کی جانب ہے۔ حمزہ کا قول ہے کہ یہ تعداد ابن ابی لیلیٰ نے بواسطہ ابو عبدالرحمٰن سلمی از علی بن ابی طالبؓ ہم کو بتائی ہے۔

الموصلی ہی کا قول ہے کہ قرآن کی سورتیں تین قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں کوئی اختلاف ہی نہیں پایا جاتا نہ اجمالی اور نہ تفصیلی۔ دوسری قسم میں وہ سورتیں شامل ہیں جن کی آیتوں کے شمار میں محض ازروئے تفصیل اختلاف ہے ازروئے اجمال نہیں۔ اور تیسری قسم اُن سورتوں کی ہے جن کی آیتوں کی تعداد میں اجمالاً اور تفصیلاً دونوں طرح اختلاف ہے۔

قسم اوّل میں چالیس سورتیں ہیں۔ (۱) یوسف۔ ایک سو گیارہ آیتیں۔ (۲) الحجر۔ ننانوے آیتیں۔ (۳) النحل۔ ایک سو اٹھائیس آیتیں۔ (۴) الفرقان۔ ستتر آیتیں۔ (۵) الاحزاب۔ تہتر آیتیں۔ (۶) الفتح۔ انتیس آیتیں۔ (۷ و ۸) الحجرات اور التغابن۔ اٹھارہ آیتیں۔ (۹) قٓ۔ پینتالیس آیتیں۔ (۱۰) الذاریات۔ ساٹھ آیتیں۔ (۱۱) القمر۔ پچپن آیتیں۔ (۱۲) الحشر۔ چوبیس آیتیں۔ (۱۳) الممتحنۃ۔ تیرہ آیتیں۔ (۱۴) الصف۔ چودہ آیتیں۔ (۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸) الجمعۃ۔ المنافقون۔ الضحیٰ اور العٰدیات۔ گیارہ آیتیں۔ (۱۹) التحریم۔ بارہ آیتیں۔ (۲۰) نٓ۔ باون آیتیں۔ (۲۱) الانسان۔ اکتیس آیتیں۔ (۲۲) المرسلٰت۔ پچاس آیتیں۔ (۲۳) التکویر۔ انتیس آیتیں۔ (۲۴ و ۲۵) الانفطار اور سبّح۔ انیس آیتیں۔ (۲۶) التطفیف۔ چھتیس آیتیں۔ (۲۷) البروج۔ بائیس آیتیں۔ (۲۸) الغاشیۃ۔ چھبیس آیتیں۔ (۲۹) البلد۔ بیس آیتیں۔ (۳۰) اللیل۔ اکیس آیتیں۔ (۳۱ و ۳۲ و ۳۳) الم نشرح۔ التین اور الہٰکم۔ آٹھ آیتیں۔ (۳۴) الہمزۃ۔ نو آیتیں۔ (۳۵ و ۳۶ و ۳۷) الفیل۔ الفلق اور تبّت۔ پانچ آیتیں۔ (۳۸) الکافرون۔ چھ آیتیں۔ (۳۹ و ۴۰) الکوثر اور النصر۔ تین آیتیں۔

دوسری قسم کی چار سورتیں ہیں۔ (۱) القصص۔ اٹھاسی آیتیں۔ اہل کوفہ نے طٰسٓمٓ کو ایک آیت شمار کیا ہے۔ اور باقی تمام قاریوں کے نزدیک اس کی بجائے "اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ" آیت گنا ہے۔ (۲) العنکبوت۔ انہتر آیتیں۔ اہل کوفہ نے "الٓمّٓ" کو ایک آیت قرار دیا ہے۔ اور بصرہ والوں نے اس کے بجائے "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" کو اور اہل شام نے "وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ" کو آیت شمار کیا ہے۔ (۳) الجنّ۔ اٹھائیس آیتیں۔ مکی نے "لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ" کو اور باقی لوگوں نے اس کی جگہ پر "وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا" کو آیت شمار کیا ہے۔ (۴) والعصر۔ تین آیتیں۔ مدنی کے شمار میں آخری آیت "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" تیسری آیت ہے اور "وَالْعَصْرِ" آیت نہیں ہے اور باقی قاریوں کا شمار اس کے برعکس ہے۔

یہ ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۱) سورۃ الفاتحۃ۔ جمہور نے اس کی آیتیں سات شمار کی ہیں۔ مگر اول ہی "انعمت علیہم" کو آیت نہیں شمار کرتے اور اس کی جگہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ایک آیت گنتے ہیں۔ اور باقی شمار ان کے برعکس شمار کرتے ہیں۔ حسنؒ نے کہا ہے کہ اس کی آٹھ آیتیں ہیں چنانچہ انہوں نے بسم اللہ اور انعمت علیہم دونوں کو شمار کیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے صرف چھ آیتیں مانی ہیں جنہوں نے ان دونوں کو شمار سے خارج کر دیا۔ کچھ لوگ نو آیتیں بتاتے ہیں اور ان دونوں آیتوں کے علاوہ "ایاک نعبد" کو بھی ایک آیت ٹھہراتے ہیں۔ پہلے قول کی تائید اور تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن خزیمہ۔ حاکم اور دارقطنی وغیرہ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ الحمد للہ رب العالمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اهدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝ اور آنحضرتؐ نے اس کی ایک ایک آیت جدا کر کے پڑھی اور اس کو اعراب کے طور پر شمار کیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ایک آیت گنا مگر علیہم کو آیت شمار نہیں کیا۔ دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ سے السبع المثانی کی نسبت سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ الحمد للہ رب العالمین ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ یہ تو صرف چھ آیتیں ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی ایک آیت ہے۔"

(۲) البقرۃ۔ اس کی دو سو چھیاسی آیتیں ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک دو سو ستاسی اور بعض کے نزدیک دو سو پچاسی آیتیں ہیں۔

(۳) آل عمران۔ اس کی دو سو آیتیں ہیں مگر ایک قول کی بنا پر ایک آیت کم بھی بتائی جاتی ہے۔ (۴) النساء۔ اس کی ایک سو پچھتر اور بقول بعض ایک سو چھہتر اور بعضوں کے نزدیک ایک سو ستتر آیتیں ہیں۔

(۵) المائدۃ۔ اس کی ایک سو بیس آیتیں ہیں مگر دو قول اور بھی آئے ہیں جن میں سے ایک قول ۱۲۲ اور دوسرا ۱۲۳ آیتیں ہونے کا ہے۔

(۶) الانعام۔ ایک سو پینسٹھ۔ اور کہا گیا ہے۔ ایک سو چھیاسٹھ اور ایک قول میں ہے کہ ایک سو ستتر آیتیں ہیں۔

(۷) الاعراف۔ دوسو پانچ اور ایک قول کے لحاظ سے دوسو چھ آیتیں ہیں۔

(۸) الانفال۔ ستّر سے پانچ آیتیں زائد اور بعض لوگوں کے نزدیک چھ اور بعض کے نزدیک سات آیتیں زائد ہیں (یعنی پچھتر، چھہتر یا ستتر آیتیں ہیں)۔

(۹) براءة۔ ایک سو تیس آیتیں۔ مگر کہا گیا ہے کہ ایک آیت کم بھی ہے (یعنی ۱۲۹)

(۱۰) یونس۔ ایک سو دس اور بقول بعض ایک سو نو آیتیں۔

(۱۱) ہود۔ ایک سو اکیس، بقول بعض ایک سو بائیس اور بقول بعض ایک سو تئیس آیتیں۔

(۱۲) الرعد۔ چالیس سے تین اور بقول بعض چار اور بعض لوگوں کے نزدیک سات آیتیں زائد ہیں۔

(۱۳) ابراہیم۔ اکیاون اور کہا گیا ہے باون اور بعض کا قول ہے کہ چون ہیں اور بعض کہتے ہیں پچپن۔

(۱۴) الاسراء۔ ایک سو دس اور بعض علماء کے نزدیک ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

(۱۵) الکہف۔ ایک سو پانچ، بقول بعض ایک سو چھ، بعض کے نزدیک ایک سو دس اور بعض قائل ہیں کہ ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

(۱۶) مریم۔ ننانوے اور بقول بعض صرف اٹھانوے آیتیں ہیں۔

(۱۷) طٰہٰ۔ ایک سو بتیس، بقول بعض ایک سو چونتیس، بعض کے قول کے مطابق ایک سو پینتیس اور بعض کے نزدیک ایک سو چالیس آیتیں ہیں۔

(۱۸) الانبیاء۔ ایک سو گیارہ آیتیں اور بعض کے نزدیک ایک سو بارہ آیتیں ہیں۔

(۱۹) الحج۔ چوہتر، بقول بعض چھہتر، بعض کے نزدیک ستتر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اٹھتر۔

(۲۰) قد افلح۔ ایک سو اٹھارہ، اور بقول بعض ایک سو انیس آیتیں ہیں۔

(۲۱) النور۔ باسٹھ اور بقول بعض چونسٹھ آیتیں ہیں۔

(۲۲) الشعراء۔ دوسو چھبیس اور بقول بعض دوسو ستائیس آیتیں ہیں۔

(۲۳) النمل۔ نوّے اور دو۔ اور بقول بعض چار۔ اور بقول بعض پانچ آیتیں زائد ہیں (یعنی ۹۲، ۹۴، ۹۵)۔

(۲۴) الروم۔ ساٹھ آیتیں ہیں مگر ایک قول کی رو سے محض انسٹھ آیتیں آئی ہیں۔

(۲۵) لقمان۔ تینتیس اور بقول بعض چونتیس آیتیں ہیں۔

(۲۶) السجدة۔ تیس آیتیں ہیں اور بقول بعض اس سے ایک آیت کم ہے (یعنی انتیس)۔

(۲۷) سبا۔ چون اور کہا گیا ہے کہ پچپن آیتیں ہیں۔

(۲۸) فاطر۔ چھیالیس اور بعض کا قول ہے کہ پینتالیس آیتیں ہیں۔

(۲۹) یٰسٓ۔ تراسی اور بعض کے قول پر بیاسی آیتیں ہیں۔

(۳۰) صافات۔ ایک سو اکیاسی اور کہا گیا ہے کہ ایک سو بیاسی آیتیں ہیں۔

(۳۱) صٓ۔ چھیاسی۔ بقول بعض پچاسی آیتیں ہیں اور بعض اٹھاسی آیتوں کے قائل ہیں۔

(۳۲) الزمر۔ بہتر آیتیں ہیں اور بقول بعض تہتر اور بعض کے نزدیک پانچ آیتیں زائد ہیں۔

(۳۳) غافر۔ بیاسی آیتیں ہیں اور بعض کا قول ہے کہ چوراسی ہیں۔ بقول بعض پچاسی اور بعض کے نزدیک چھیاسی آیتیں ہیں۔

(۳۴) فصلت۔ باون آیتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ ترپن اور چون آیتیں ہیں۔

(۳۵) شوریٰ۔ پچاس آیتیں ہیں اور بقول بعض ترپن آیتیں ہیں۔

(۳۶) زخرف۔ نواسی آیتیں ہیں اور بقول بعض اٹھاسی آیتیں ہیں۔

(۳۷) الدخان۔ چھپن آیتیں ہیں اور بقول بعض ستاون اور انسٹھ آیتیں ہیں۔

(۳۸) الجاثیہ۔ چھتیس آیتیں ہیں اور بقول بعض سینتیس آیتیں ہیں۔

(۳۹) احقاف۔ چونتیس آیتیں ہیں اور بقول بعض پینتیس آیتیں ہیں۔

(۴۰) القتال۔ چالیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک ایک یا دو آیتیں کم ہیں۔

(۴۱) الطور۔ سینتالیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک اڑتالیس اور بقول بعض انچاس آیتیں ہیں۔

(۴۲) النجم۔ اکسٹھ آیتیں ہیں اور بقول بعض باسٹھ آیتیں ہیں۔

(۴۳) الرحمٰن۔ ستتر آیتیں ہیں اور بقول بعض چھہتر اور بعضوں کے نزدیک اٹھتر آیتیں ہیں۔

(۴۴) الواقعہ۔ ننانوے آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک ستانوے اور بقول بعض چھیانوے آیتیں ہیں۔

(۴۵) الحدید۔ انتیس آیتیں ہیں اور بقول بعض اٹھائیس آیتیں ہیں۔

(۴۶) قد سمع اللہ۔ بائیس اور بقول بعض اکیس آیتیں ہیں۔

(۴۷) الطلاق۔ گیارہ اور بقول بعض بارہ آیتیں ہیں۔

(۴۸) تبارک۔ تیس آیتیں ہیں اور بقول بعض اکتیس آیتیں ہیں۔ [illegible] کا قول ہے کہ [illegible] ابن شنبوذ کا قول ہے کہ [illegible] اور [illegible] ان کی وجہ سے کسی [illegible] مختلف نہیں ہے [illegible] روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن بتایا ہے کہ رسول اللہ

[illegible] ۲۱ اور ۲۸ سے ۲۸ اور ۲۹ آیتیں بیان کی گئی ہیں ۱۲ (مترجم)۔

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن میں ایک سورۃ تیس آیتوں کی ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی یہاں تک شفاعت کی کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورۃ تبارک ہے"۔ اور طبرانی نے سند صحیح انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں ایک سورۃ ہے جو فقط تیس آیتوں کی ہے وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے اس قدر جھگڑی کہ آخر اُسے جنت میں داخل کر دیا اور وہ سورۃ تبارک ہے"۔

(۴۹) الحاقہ۔ اکاون آیتیں ہیں اور بقول بعض باون آیتیں ہیں۔

(۵۰) المعارج۔ چوالیس اور بقول بعض تینتالیس آیتیں ہیں۔

(۵۱) نوح۔ تیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک ایک اور بقول بعض دو آیتیں کم ہیں۔

(۵۲) المزمل۔ بیس آیتیں ہیں اور بقول بعض ایک اور بعض کے نزدیک دو آیتیں کم ہیں۔

(۵۳) المدثر۔ چھپن اور بقول بعض پچپن آیتیں ہیں۔

(۵۴) القیمہ۔ چالیس آیتیں اور بعض کے نزدیک ایک آیت کم ہے۔

(۵۵) عمّ۔ چالیس اور بقول بعض اکتالیس آیتیں ہیں۔

(۵۶) النازعات۔ چھیالیس اور بقول بعض پینتالیس آیتیں ہیں۔

(۵۷) عبس۔ بیالیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک اکتالیس اور بقول بعض چالیس آیتیں ہیں۔

(۵۸) الانشقاق۔ تیئیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک چوبیس اور بقول بعض پچیس آیتیں ہیں۔

(۵۹) الطارق۔ سترہ اور بقول بعض سولہ آیتیں ہیں۔

(۶۰) الفجر۔ تیس آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک ایک آیت کم ہے اور بعض نے دو آیتیں زیادہ بتائی ہیں۔

(۶۱) الشمس۔ پندرہ اور بقول بعض سولہ آیتیں ہیں۔

(۶۲) اقرأ۔ بیس آیتیں ہیں اور بقول بعض ایک آیت کم ہے۔

(۶۳) القدر۔ پانچ اور بقول بعض چھ آیتیں ہیں۔

(۶۴) لم یکن۔ آٹھ اور بقول بعض نو آیتیں ہیں۔

(۶۵) الزلزلۃ۔ نو اور بقول بعض آٹھ آیتیں ہیں۔

(۶۶) القارعۃ۔ آٹھ آیتیں ہیں اور بعض کے نزدیک دس اور بقول بعض گیارہ آیتیں ہیں۔

(۶۷) قریش۔ چار اور بقول بعض پانچ آیتیں ہیں۔

(۶۸) ارأیت۔ سات اور بقول بعض چھ آیتیں ہیں۔

(۴۹) الم نشرح آٹھ اور بقول بعض پانچ آیتیں ہیں۔
(۵۰) التکاثر آٹھ اور بقول بعض نو آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے کلیہ قواعد اور ضابطے

بسم اللہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ ان سات حروف میں سے کسی حرف کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے ایسی قرأت اس حرف کے ساتھ کی ہے جس کے ساتھ یہ نازل ہوئی تھی تو اُس نے اُس کو بھی آیت شمار کر لیا ہے۔ اور جس نے دیگر حروف پر قرأت کی ہے وہ اس کو آیت شمار نہیں کرتا۔ اہل کوفہ نے الٓمٓ کو جہاں کہیں بھی وہ واقع ہوا آیت شمار کیا ہے۔ اور اسی انداز پر الٓمٓصٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ طٰسٓمٓ۔ یٰسٓ اور حٰمٓ کو بھی آیت گنا ہے اور حٰمٓ عٓسٓقٓ کو دو آیتیں شمار کیا ہے۔ مگر کوفیوں کے سوا دوسرے لوگوں نے ان میں سے کسی لفظ کو بھی آیت نہیں گنا ہے۔ اور تمام اہل عدد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ الٓرٰ جہاں کہیں بھی واقع ہو آیت نہ شمار ہوگی اور یہی حالت الٓمٓرٰ۔ طٰسٓ۔ صٓ۔ قٓ اور نٓ کی بھی ہے۔ پھر بعض لوگوں نے اس بات کی علت کو اقوال سلف اور آثار سے تلاش کر کے ثابت کیا ہے کہ اس امر میں قیاس کو کوئی دخل نہیں اور کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صٓ۔ نٓ اور قٓ کو اس لئے آیت نہیں شمار کیا کہ یہ ایک ہی ایک حرف ہیں۔ اور طٰسٓ کے آیت نہ شمار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ضعف ہونے کے ساتھ اس کا اپنی دوسری بہنوں یعنی طٰسٓمٓ سے مخالف ہونا بھی بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس طرح پر وہ قبیل اور یٰسٓ کی طرح مفرد کی مشابہ ہوتی ہے۔ اور اگرچہ وہ آیت اسی وزن پر ہو لیکن اُس کے شروع میں یا ہی ہو تو اس سے تعلق مشابہت پائی جاتی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی ایسا مفرد لفظ نہیں جس کے اوّل میں یا ہو۔ اور الٓرٰ کو آیت نہیں گنا ہے مگر اس کے برعکس الٓمٓ کو آیت شمار کر لیا ہے جس کی علت اس کا بہ نسبت الٓرٰ کے فواصل سے زیادہ مشابہ ہونا ہے اور اسی وجہ سے انھوں نے یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کو آیت شمار کرنے پر اجماع کیا ہے کیونکہ وہ اپنے بعد کے فواصل کے ساتھ مشابہ ہے۔ اور یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کے آیت ہونے میں اختلاف ہے۔ موصلی کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے قول باری تعالیٰ ثُمَّ نَظَرَ کو آیت مانا ہے اور قرآن میں اس سے کوئی چھوٹی آیت نہیں پائی جاتی اس کی مثل مُدْهَامَّتَانِ اور [illegible] ہے۔

۱؎ [illegible]

تذنیب - علی بن محمد بن الفضل نے قرآن و قراءات کے بارے میں ایک قصیدہ نظم بحر رجز میں کہی ہے جس میں اُس نے اُن سورتوں کو بھی شامل کر دیا ہے جن کی آیتوں کی تعداد پر سب کا اتفاق ہے مثلاً الفاتحۃ - الماعون - الرحمٰن - الانفال، مثلاً یوسف - الکہف - الانبیاء - وغیرہ اور یہ بات پہلے کے بیان سے صاف ہو چکی ہے ۔

فائدہ :- آیتوں کی معرفت اور اُن کی تعداد اور فواصل کی شناخت پر بہت سے فقہی احکام بھی مترتب ہوتے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جس شخص کو سورۃ الفاتحۃ نہ معلوم ہو اُس پر واجب ہے کہ وہ بجائے فاتحہ کے کوئی سی سات آیتیں پڑھے اور اسی بنا پر آیتوں کا اعتبار کیا ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ایک پوری آیت پڑھنی لازم ہے پھر اگر وہ لمبی آیت ہو تو اُس کا ایک حصہ یا نصف بھی کافی ہوگا ورنہ چھوٹی آیت کامل ہی پڑھی جائے گی اور جمہور کے بیان کے مطابق بڑی آیت بھی کامل پڑھنی واجب ہے اور اس امر میں بھی آیت کا ظاہر کام دیتا ہے۔ مگر اس مقام پر ایک بحث پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس حصہ کے آیت کا آخر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہو آیا اُسے خطبہ میں پڑھ دینا کافی ہوگا یا نہیں؟ یہ قابل غور امر ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہو۔ پھر جو سورۃ یا بجائے سورۃ قرآن کا کوئی حصہ نماز کے اندر پڑھا جاتا ہے اُس میں بھی تعداد آیات کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ساٹھ سے لے کر ایک سو آیتوں تک پڑھا کرتے تھے۔ نیز تہجد کی نماز میں تعداد آیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ "جو شخص تہجد کی نماز دس آیتوں کے ساتھ پڑھے گا وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔ پچاس آیتیں ایک رات میں پڑھنے والا حافظوں میں لکھا جائے گا۔ سو آیتیں پڑھنے والا قانتین میں شمار ہوگا۔ دو سو آیتوں کا قاری فائزین میں مکتوب ہوگا۔ جو شخص تین سو آیتیں پڑھے گا اس کو ایک قنطار (کثیر) اجر ملے گا۔ اور جو شخص پانچ سو، سات سو اور ہزار آیتیں پڑھے گا اس کے لئے بہت زیادہ اجر ہے"۔ اس حدیث کو دارمی نے اپنی مسند میں متفرق طور پر روایت کیا ہے۔ اور ہر آیت پر ٹھہرنے کے لئے بھی اس کا مسئلہ آئندہ وقف کے بیان میں آگے چل کر بیان ہوگا۔ ہذلی نے اپنی کتاب الکامل میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ شمار آیات کی طرف مائل ہیں اور ان لوگوں نے اس کے فوائد نہیں سمجھے یہاں تک کہ زعفرانی نے کہہ دیا کہ شمار آیات کوئی مستقل علم نہیں ہے اور بعض لوگوں نے اس کے ساتھ ... چپکنے کے لئے ... ہذلی کہتا ہے، مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس فن میں بہت فائدے ہیں۔

ان کے پاس وقف (ٹھیرنا) کا معلوم کرنا ہے اور چونکہ اجماع اس بات پر ہوگیا ہے کہ نماز نصف آیت کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔ اور علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ایک آیت سے نماز ہوجاتی ہے۔ دیگر علماء تین آیتوں کی قید لگاتے ہیں اور بعض سات آیتوں کا پڑھنا بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ علاوہ بریں اعجاز کا ظہور بھی بغیر ایک پوری آیت کے نہیں ہوتا ان اسباب سے تعداد آیات کا جاننا بہت مفید اور ان امور میں بہت کار آمد ہے۔

فائدہ دوم: سلف صالحین کے قول اور حدیثوں میں آیتوں کا ذکر شمار سے ہوا ہے۔ مثلاً وہ حدیثیں جو سورۃ الفاتحۃ، سورۃ البقرۃ کی پہلی چار آیتوں، آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کے خاتمہ کی دو آیتوں کے بارے میں آئی ہیں یا جیسے یہ حدیث کہ "اللہ پاک کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے "وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" اور "الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"۔ بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے "اگر تجھ کو اہل عرب کی جہالت کا معلوم کرنا مطلوب ہو تو سورۃ الانعام کی وہ آیت پڑھ جو ایک سو تیس آیتوں کے بعد ہے "قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا" تا قولہ تعالیٰ "مُهْتَدِيْنَ"" اور ابویعلیٰ کی مسند میں مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے دریافت کیا "اے ماموں مجھ کو آپ اپنا معرکۂ احد کے دن کا قصہ سنائیے" انہوں نے جواب دیا "آل عمران کی ایک سو بیس آیتوں کے بعد پڑھو تم ہمارا قصہ پا جاؤ گے "وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ" — آیۃ"

فصل

بعض علماء نے قرآن کے کلمات کا شمار ستتر ہزار نو سو چونتیس کیا ہے اور بعض علماء نے ستتر ہزار چار سو سینتیس بیان کئے ہیں۔ اور کچھ علماء نے ستتر ہزار دو سو ستتر کلمات بیان کئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور بھی کئی قول آئے ہیں۔ کلمات کی تعداد میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کلمہ کی ایک حقیقت ہوتی ہے پھر اس کا مجاز بھی ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کے لفظ اور رسم کی روایت بھی مختلف ہے اور ان سب باتوں کا اعتبار کرنا جائز ہے چنانچہ ان علماء میں سے ہر ایک نے ان میں سے کسی ایک بات کا اعتبار کیا ہے۔

... المترجم

فصل

قرآن کے حروف کی تعداد پہلے ابن عباسؓ کے قول سے بیان ہو چکی ہے اور اس بارے میں بعض دوسرے اقوال بھی آئے ہیں لیکن ان کا با استیعاب بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب فنون الافنان میں اس بات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج کیا ہے اور قرآن کے حصوں کو نصف اور ثلث اور دسویں حصہ تک گنا دیا ہے اور بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ لہٰذا جسے دیکھنا ہو اُس میں دیکھ لے۔ ہماری یہ کتاب ضروری مباحث پر مشتمل ہے اور اس میں ہم نے اس بات کو تفصیل سے نقل نہیں کیا ہے۔ سخاوی کا قول ہے "مجھ کو قرآن کے کلمات اور حروف کی تعداد معلوم کرنے کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اگر اس بات سے کوئی فائدہ ہوتا تو ان کتابوں میں ہوتا جن کے اندر کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہو اور قرآن کریم میں یہ ممکن نہیں"۔

حروف کا اعتبار کرنے کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں منجملہ ان کے ایک وہ حدیث ہے جس کو ترمذی نے ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کو ایک نیکی ملتی ہے اور وہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔" اور طبرانی نے عمرؓ بن الخطاب سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "قرآن کے دس لاکھ ستائیس ہزار حروف ہیں، جو شخص اس کو صبر کے ساتھ ثواب کی نیت سے پڑھے گا اس کو قرآن کے ہر ایک حرف کے عوض میں ایک بیوی حور عین میں سے ملے گی"۔ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں مگر طبرانی کے شیخ محمد بن عبید بن آدم بن ابی ایاس کے بارے میں اسی حدیث کی وجہ سے ذہبی نے کلام کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو ان باتوں سے قرار دیا گیا ہے جن کی کتابت قرآن سے منسوخ کر دی گئی ہے کیونکہ جس قدر قرآن اس وقت موجود ہے وہ اس تعداد تک نہیں پہنچتا۔

فائدہ: قاریوں میں سے کسی قاری کا بیان ہے کہ قرآن کے نصف حصے کی اعتبارات ہیں۔ تعداد حروف کے اعتبار سے اس کا نصف سورۃ الکہف کے لفظ "نُکْرًا" کا نون پر ہے اور کاف دوسرے نصف کا آغاز ہے۔ تعداد کلمات کے لحاظ سے نصف قرآن قولہ تعالیٰ "وَالْجُلُوْدُ" پر پہلا نصف ختم ہوتا ہے اور قولہ تعالیٰ "وَلَهُمْ مَّقَامِعُ" دوسرے نصف کی ابتدا ہے

تو پہلا نصف ختم ہو جاتا ہے سورۃ الشعراء [illegible] تعالیٰ کے [illegible] پر نصف
تمام ہوتا ہے [illegible] سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔ اور سورتوں کی تعداد کے لحاظ سے
سورۃ الحدید کے ختم پر پہلی آدھی سورتیں تمام ہوتی ہیں۔ اور سورۃ المجادلۃ باقی نصف
[illegible] ہے۔ اور یہ [illegible] جو سورۃ المجادلۃ کے بعد باقی رہتا ہے
[illegible] کے [illegible] ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ تعداد حروف کے
[illegible] نصف [illegible] کے کاف پر ہوتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قولہٗ وَلْیَتَلَطَّفْ
[illegible] پر قرآن کا نصف ہوتا ہے:

بیسویں نوع: قرآن کے حفاظ اور راوی

بخاری نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ [illegible] نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو [illegible] فرماتے [illegible] قرآن کو چار شخصوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب سے [illegible] ان لوگوں سے حاصل کرو ان چاروں مذکورہ [illegible] میں سے پہلے دو [illegible] اور باقی دو انصاری ہیں۔ اور سالم بن معقل ابو حذیفہ کے [illegible] ہیں۔ اور معاذ سے معاذ بن جبل مراد ہیں۔ کرمانی نے کہا ہے کہ اس روایت سے [illegible] ہوتا ہے کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] واقع ہونے والی حالت کی [illegible] مقصود ہو کہ [illegible] آپ کے بعد باقی رہیں گے اور تعلیم قرآن [illegible] حاشیہ [illegible] کہ صحابہ میں صرف [illegible] قرآن کی تعلیم [illegible] زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جو علماء قرأت قرآن [illegible] سے بہت زیادہ ہیں [illegible] سالم ابو حذیفہ [illegible] یمامہ [illegible] اور معاذ [illegible] حضرت عمر کے عہد خلافت میں [illegible] اور ابی [illegible] حضرت عثمان کے زمانہ میں وفات پائی [illegible] حضرت زید بن ثابت باقی رہ [illegible] قرأت کا [illegible] نبی صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] کی ترغیب دیتا تھا اس سے یہ [illegible]

بھی یہ بات یونہی تھی اور اسے بھی تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے تو یہ کب لازم آتا ہے کہ ایک جماعت کثیر کے حفظ قرآن نہ ہونے کے ساتھ ویسا ہی ایک گروہ کثیر کل قرآن کا حافظ بھی نہ رہا ہو اور تواتر کی یہ شرط نہیں کہ تمام صحابہؓ مکمل قرآن کے حافظ رہے ہوں بلکہ ان سب نے مل کر متفرق طور پر کل قرآن کو حفظ کیا ہو تو اتنا بھی تواتر کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

ثالثاً یہ قول ہے کہ یمامہ کے معرکہ میں ستر قاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد [illegible] جنگ بئر معونہ کے موقعہ پر بھی اتنے ہی حفاظ [illegible] شہید ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسؓ نے ان چار شخصوں کا خاص طور پر ذکر کیا وہ ان سے اپنے تعلق کی بنا پر کیا ہے اور ان کا دوسروں سے تو تعلق نہ تھا اس لئے ان کو نظر انداز کر دیا۔ یا یہ بات تھی کہ انسؓ کے ذہن میں اتنے ہی لوگ تھے اور دوسرے نہ آسکے۔

قاضی ابوبکر باقلانی کا قول ہے انسؓ کی حدیث کا جواب کئی طرح پر دیا جا سکتا ہے:

اوّل: اس قول کا کوئی مفہوم ہی نہیں تھا اس وجہ سے یہ لازم تو نہیں پایا جاتا کہ ان [illegible] کے علاوہ کسی نے قرآن کو جمع ہی نہ کیا ہو۔

دوم: [illegible] مراد یہ ہے کہ قرآن کو [illegible] وجوہ اور قراءتوں پر جن پر اس کا نزول ہوا [illegible] انہی چار نے اخذ کیا۔

سوم: [illegible] کہ تلاوت کے بعد منسوخ شدہ اور غیر منسوخ حصوں کی [illegible] ان چار کے علاوہ دوسروں کے پاس نہ تھی۔

چہارم: [illegible] کہ ان کو بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] ہے کہ دوسروں نے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] کے ساتھ پڑھا ہو۔

پنجم: ان لوگوں نے قرآن [illegible] اور [illegible] پر اپنا اوقات صرف کئے [illegible] یہ مشہور ہو گئے اور دوسروں کو یہ شہرت حاصل نہ ہو سکی لہٰذا جو لوگ [illegible] صحابہؓ کا حال معلوم [illegible] کہ [illegible] حفظ قرآن کا انحصار انہی چار پر ہے [illegible] واقع [illegible] بات [illegible] تھی۔

ششم: [illegible] اس بات کے منافی نہیں کہ [illegible]
[illegible] رسول [illegible]

کے تمام و کمال جمع کر لیا تھا۔

[illegible] یہ کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان چار کے علاوہ کسی نے بھی پورا قرآن [illegible] ہو اور [illegible] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں [illegible] قرآن جمع کر لیا ہو [illegible] بعض نے قرآن کے حفظ کی تکمیل وفات رسالت مآب کے بعد یا قریب زمانہ میں [illegible] کہ آخری آیت نازل ہوئی تھی [illegible] اس آخری آیت [illegible] حاضر و موجود [illegible] کل قرآن کے حافظ ہوں۔

[illegible] جمع کرنے سے اس کی [illegible] [illegible] قرآن [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] خواہ [illegible]

[illegible]

[illegible] انس [illegible] قبیلہ اوس کی قبیلہ خزرج کے مقابلہ پر برتری [illegible] ان دونوں قبیلوں کے [illegible] اوس اور خزرج کے [illegible] ایک دوسرے پر فخر [illegible] حضرت انس سے روایت [illegible] اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں نے [illegible] [illegible] غسیل [illegible] اور وہ سعد بن معاذ [illegible] شہادت [illegible] اور وہ خزیمہ بن ثابت [illegible] فرشتوں نے غسل [illegible] اور چوتھا وہ شخص جس کی [illegible] مشرکین کے ہاتھوں میں [illegible] عاصم بن ثابت بن ابی الافلح [illegible] [illegible] شخص ہوئے ہیں جنھوں نے قرآن کو جمع کیا اور ان کے سوا کوئی شخص [illegible]

پر انحصار ... صرف حفظ کا کام لیا۔ ابن حجر کا بیان ہے کہ بخاری شریف ... سے ... بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآن ... تھے کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنا لی تھی ... جہاں وہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس قدر قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا تھا اسے پڑھتے تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ بات کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رکھتی کہ حضرت ابوبکر قرآن کو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے بڑے دلدادہ تھے ... [illegible] ... موقعہ اور وقت کی تلاش ... [illegible] ... آپ اکثر ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے اور ... [illegible] ... حضرت عائشہ ... کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... روزانہ صبح و شام دونوں وقت تشریف لے جاتے تھے اور ... صحیح حدیث ہے ... [illegible]

[illegible]

... اس کے بعد ... کا بیان ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ... کہ تمام قرآن حفظ کرنے ... گیا تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ... ابن حجر کا قول ہے کہ ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا ... [illegible]

[illegible]

الصامتؓ۔ اُبی بن کعبؓ۔ ابوالدرداءؓ اور ابوایوب انصاریؓ۔ بیہقی نے کتاب المدخل میں ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار صحابہؓ نے بلا کسی اختلاف کے قرآن کو جمع کیا تھا: مُعاذ بن جبلؓ۔ اُبی بن کعبؓ اور ابوزیدؓ۔ اور تین صحابیوں سے دو صحابیوں کی بابت اختلاف کیا گیا ہے یعنے ابوالدرداءؓ اور عثمانؓ۔ یا بعض کے قول میں عثمانؓ اور تمیم الداریؓ۔ بیہقی اور ابن ابی داؤد دونوں نے شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ شخصوں نے قرآن کو جمع کیا تھا: اُبیؓ، زیدؓ، معاذؓ، ابوالدرداءؓ، سعید بن عبیدؓ، ابوزیدؓ اور مجمع بن جاریہ۔ مگر آخر الذکر نے دو یا تین سورتیں یاد نہیں کی تھیں۔ ــــ ابوعبید ہی نے کتاب القراءت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو حضرات قاریِ قرآن تھے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ مہاجرین میں سے چاروں خلفاءؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالمؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن السائبؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور انصار میں سے عبادہ بن الصامتؓ، مُعاذؓ جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی، مجمع بن جاریہ، فضالہ بن عبیدؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ۔ انھوں نے قرآن کو پورا یاد کیا تھا اور اس کی قراءت سے واقف تھے نیز ابوعبیدؓ نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ ان میں سے بعض صحابہؓ نے قرآن کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی ہے اسی لئے یہ قول اس حصر کو رد نہیں کرتا جو انسؓ کی حدیث میں مذکور ہے۔ ابن ابی داؤد نے انہی صحابہؓ میں سے جو قاری تھے تمیم الداریؓ اور عقبہ بن عامرؓ کو بھی شمار کیا ہے۔ اور ابوموسیٰ اشعریؓ نے بھی قرآن کو جمع کیا تھا جس بات کو ابوعمرو الدانیؒ نے بیان کیا ہے۔

تنبیہ:۔ انسؓ کی حدیث میں جن ابوزیدؓ کا ذکر آیا ہے ان کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ سعد بن عبید بن النعمان ہیں جو بنی عمرو بن عوف کے قبیلہ سے تھے۔ مگر اس قول کی تردید اس طرح پر ہوتی ہے کہ یہ قبیلہ اوس میں شامل ہے حالانکہ انسؓ قبیلہ خزرج سے تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں ابوزیدؓ انسؓ کے چچا زاد بھائی تھے ... انسؓ نے ابوزیدؓ وغیرہ سب کو قرآن کے جمع کرنے والوں میں شامل کیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا چنانچہ ابوزیدؓ سعد بن عبید نہیں بلکہ وہ دوسرے ہیں۔ ابواحمد عسکری کا قول ہے کہ قبیلہ اوس میں سے سعد بن عبیدؓ کے علاوہ کسی اور شخص نے قرآن کو جمع ہی نہیں کیا تھا۔ محمد بن حبیب نے کتاب المحبر میں ذکر کیا ہے کہ سعد

ابن [illegible] ہے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کو
جمع کیا تھا۔ ابن حجر کا قول ہے کہ ابن ابی داؤد نے قرآن کو جمع کرنے والوں میں [illegible]
[illegible] کی کنیت بھی ابو زید تھی اس لئے شاید یہ وہ
[illegible] سعد بن المنذر بن اوس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی قبیلہ خزرج ہی کے ایک
[illegible] اس بات کی [illegible] نہیں دیکھی [illegible] کی کنیت ابو زید [illegible]
[illegible] ابن ابی داؤد کے یہاں [illegible]
[illegible] ابن ابی داؤد نے [illegible]
[illegible] روایت کی ہے کہ ابو زید جنہوں نے قرآن کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ابی داؤد [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] قرآن کا ذکر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] قرآن کو [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible]

حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کریں۔ اُمِّ ورقہؓ کا ایک موذن بھی تھا۔ پھر یہ صورت پیش آئی کہ اُمِّ ورقہؓ نے اپنے ایک غلام اور ایک باندی کو مدبّر (مرنے کے بعد آزادی پا جانے والا) بنا دیا تھا۔ اتفاق سے اُن کو اُن کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی اور وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ انھیں اُنھوں نے کیوں مدبّر بنایا چنانچہ غلام اور باندی دونوں نے مل کر اُن کو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ خبر سُنکر فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچ فرماتے تھے وہ ہمیں حکم دیا کرتے کہ چلو ہمارے ساتھ چل کر شہیدہ کو دیکھو"۔

فصل

صحابہؓ میں سے قرآن پڑھانے والے سات صحابی مشہور ہیں۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ اُبیؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابو الدرداءؓ اور ابو موسیٰ الاشعریؓ۔ علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب طبقات القرّاء میں ایسا ہی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُبیؓ سے صحابہؓ کی ایک جماعت نے قرآن پڑھا تھا منجملہ اُن کے ابوہریرہؓ۔ ابن عباسؓ۔ اور عبداللہ بن السائبؓ ہیں۔ ابن عباسؓ نے زید بن ثابتؓ سے بھی قرأت سیکھی ہے۔ اور پھر اِن صحابہؓ سے بکثرت تابعینؒ نے بھی قرأت کی تعلیم پائی۔ منجملہ قرّاء تابعین کے مدینہ میں جلیل القدر علماء رکھتے۔ ابن المسیّبؒ۔ عروہؒ۔ سالمؒ۔ عمر بن العزیزؒ۔ سلیمانؒ اور عطاءؒ جو دونوں یسار کے فرزند تھے۔ معاذ بن الحارث المعروف بہ معاذ القاری۔ عبدالرحمٰنؒ بن ہرمز الاعرج۔ ابن شہاب الزہریؒ۔ مسلم بن جندبؒ اور زید بن اسلمؒ۔ مکہ میں عبید بن عمیرؒ۔ عطاء بن ابی رباحؒ۔ طاؤسؒ۔ مجاہدؒ۔ عکرمہؒ اور ابن ابی ملیکہؒ۔ کوفہ میں علقمہؒ۔ الاسودؒ۔ مسروقؒ۔ عبیدہؒ۔ عمرو بن شرحبیلؒ۔ حارث بن قیسؒ۔ ربیع بن خیثمؒ۔ عمرو بن میمونؒ۔ ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ۔ زر بن حبیشؒ۔ عبید بن نضیلہؒ۔ سعید بن جبیرؒ۔ نخعیؒ اور شعبیؒ۔ بصرہ میں ابو العالیہؒ۔ ابو رجاءؒ۔ نصر بن عاصمؒ۔ یحییٰ بن یعمرؒ۔ حسنؒ۔ ابن سیرینؒ اور قتادہؒ۔ شام (دمشق) میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی جو عثمانؓ کے شاگرد تھے اور خلیفہ بن سعد جو ابی الدرداءؓ کے شاگرد تھے۔ پھر ایک گروہ نے صرف قرأت ہی پر زیادہ زور دیا اور اس کی طرف اتنی توجہ کی کہ اپنے وقت کے امام قرأت خیال کئے جانے لگے اور جن کی طرف لوگ سفر کر کے آنے لگے۔ چنانچہ قرأت کے امام مدینہ میں ابو جعفر یزید بن القعقاعؒ ان کے بعد شیبہ بن نصاحؒ اور پھر نافع بن ابی نعیمؒ

[illegible] عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج اور محمد بن ابی محیصن مشہور قاری اور اپنے وقت کے امام فن مشہور تھے۔ کوفہ میں یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود اور سلیمان الاعمش۔ یہ تینوں مشہور تھے۔ ان کے بعد حمزہ اور پھر کسائی کا دور دورہ رہا۔ بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، ابو عمرو بن العلاء اور عاصم الجحدری، یہ چاروں مشہور تھے، اور ان کے بعد یعقوب الحضرمی کا نمبر رہا۔ شام (دمشق) میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس الکلابی اور اسمٰعیل بن عبداللہ بن المہاجر اور یحییٰ بن حارث الذماری اور اس کے بعد شریح بن یزید الحضرمی نامور قاری رہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں [illegible] ائمہ فن قرأت کے تمام دنیا میں مشہور ہوئے ہیں:

(۱) نافع۔ انھوں نے ستر تابعین سے قرأت اخذ کی، ان میں ابو جعفر بھی ہیں۔ (۲) ابن کثیر۔ انھوں نے عبداللہ بن سائب صحابی سے [illegible] کی تھی۔ (۳) ابو عمرو۔ انھوں نے [illegible] سے قرأت کو اخذ کیا۔ (۴) ابن عامر۔ انھوں نے ابو الدرداء سے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور تلامذہ سے قرأت حاصل کی۔ (۵) عاصم۔ انھوں نے [illegible] سے قرأت کی تعلیم پائی ہے۔ (۶) حمزہ۔ انھوں نے عاصم، اعمش، [illegible] اور [illegible] وغیرہ سے قرأت سیکھی تھی۔ (۷) کسائی۔ انھوں نے حمزہ اور [illegible] سے قرأت سیکھی تھی۔ ان سات قاریوں کی قرأتیں تمام دنیا میں پھیل گئیں [illegible] ان میں سے ہر ایک کے [illegible] اور دو دو راوی ہوتے رہے ہیں۔

ساتوں مذکورہ بالا قرأت کے طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہوئے اور باقی کو شہرت دوام حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ نافع رحمۃ اللہ کے شاگردوں میں قالون اور ورش ممتاز ہوئے جو نافع سے روایت کرتے ہیں۔ ابن کثیر کے طریقہ میں قنبل اور البزی زیادہ نامور ہوئے۔ یہ دونوں ابن کثیر رحمۃ اللہ کے اصحاب کے واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں۔ ابو عمرو سے بواسطہ یزیدی الدوری اور السوسی کی روایت مشہور ہے۔ ابن عامر سے بواسطہ [illegible] ہشام اور ابن ذکوان [illegible] دو راوی ہیں۔ عاصم کے [illegible] شعبہ [illegible] زیادہ مشہور راوی گزرے ہیں۔ حمزہ سے بواسطہ روایت [illegible] سلیم خلف اور خلاد دونوں [illegible] قرأت تھے۔ اور کسائی کے شاگردوں میں الدوری اور ابو الحارث [illegible]

[illegible]

پڑھنے کے باعث اور حق میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا تو اُس وقت ثقہ [illegible]
نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے [illegible] اور قرأت [illegible]
روایات و سندیں جمع کیں اور صحیح ، مشہور ، شاذ [illegible] اُن کے اصول [illegible]
کر کے اُن کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اور اُن کو [illegible] دیا۔

فن قرأت میں سب سے پہلے جس شخص نے تصنیف کی وہ ابو عبید قاسم بن سلام [illegible]
احمد بن جبیر کوفی ، پھر اسمٰعیل بن اسحٰق مالکی [illegible] شاگرد [illegible] ابو جعفر بن جریر
بعد ازاں ابوبکر محمد بن احمد بن عمر الداجونی اور پھر ابوبکر بن مجاہد [illegible] اُن کے
بھی کثرت علماء نے انواع قرأت میں جامع ، مفرد [illegible] اور [illegible]
کتابیں لکھیں ۔ فن قرأت کے اماموں کی [illegible] تعداد [illegible] حافظ ابو عمرو الدانی اور
ابو عبد اللہ الذہبی اور حافظ القراء ابو الخیر بن الجزری دونوں [illegible]

اکیسویں نوع - قرآن کی عالی اور نازل سندیں

سندوں کے علو کی جستجو سنت [illegible] سے [illegible]
ہے اہل حدیث نے علو اسناد کی پانچ قسمیں قرار دی ہیں جو حسب ذیل ہیں :

اوّل - پاکیزہ اور صحیح اسناد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
ہونا یہ علو نہایت اعلیٰ اور افضل قسم کا ہے [illegible] شیوخ کو اس طرح کے جو سند
ملتے ہیں اُن کے دو درجے [illegible] سند [illegible]
ابن ذکوان کی روایت سے [illegible] قرأت [illegible]
ہوتے راوی [illegible] کی روایت سے [illegible]
[illegible] کی روایت سے [illegible] قرأت [illegible]

دوم - محدثین کے نزدیک علو اسناد کی دوسری قسم [illegible]
میسر ہو [illegible] مثلاً [illegible] ابن [illegible]
قسم کے علو کی مثال [illegible] قرأت [illegible]
[illegible] قرأت [illegible] اور [illegible]

[illegible] مشتمل ہیں اور یہ سب اعلیٰ درجہ کا قرب ہے۔

سوم۔ محدثین کے نزدیک فنِ حدیث کی پانچ صحیح کتابوں کی جانب نسبت کرنے سے سند کو عالی اور نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً ایک حدیث جو کتبِ ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے طریق سے روایت کی جاتی ہے اگر وہی حدیث دوسری کتاب کے طریق سے روایت کی جائے تو وہ دوسری حدیث پہلی روایت کی بہ نسبت ایک درجہ سند سے عالی ہوگی اور پہلی روایت دوسرے طریق سے نازل (نیچے) ہوگی۔ اس قسم عالی کی مثال یہ ہے کہ تیسیر اور شاطبیہ وغیرہ فنِ قراءت کی مشہور کتابوں کی جانب اسناد کی حالت میں ایک کی سند کو دوسری کتاب کی سند سے برتری حاصل ہو۔ اس نوع کی چار قسمیں ہیں۔ موافقت، ابدال، مساوات اور مصافحت۔ پہلی قسم موافقت یہ ہے کہ روایت کرنے والا کسی صاحب کتاب کے ساتھ اُن کے شیخ تک درمیان میں جا کر مل جائے اور اس حالت میں کمی ہو تو وہ روایت بہ نسبت صاحب کتاب کے طریق سے بیان کئے جانے کے عالی ہوتی ہے اور کبھی عالی نہیں بھی ہوتی۔ اس بات کی مثال فنِ قراءت میں ابن کثیر کی وہ قراءت ہے جس کو الجزری نے ابن مجاہد کے طریق سے بواسطہ ابو ربیعہ [illegible] روایت کیا ہے [illegible] قراءت کو ابن الجزری نے ابو منصور محمد بن عبدالملک بن خیرون کی کتاب المفتاح اور ابو القاسم ہذلی کی کتاب المصباح سے روایت کیا ہے پھر ان دونوں نے اس قراءت کو عبداللہ [illegible] سے پڑھا [illegible] ابن کثیر کی اس قراءت کو ان دونوں میں سے کسی ایک طریق پر بھی روایت کریں [illegible] موافقت کہلائے گا۔

بدل یہ ہے کہ روایت کسی طریق کی [illegible] کسی صاحب کتاب کے اُستاد کے اُستاد یا اس سے بھی اوپر کے استاد [illegible] ہو جائے۔ یہ امر بھی کسی وقت علو کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نہیں [illegible] اس کی مثال ابو عمرو کی وہ قراءت ہے جس کو الدوری نے ابن مجاہد کے طریق [illegible] ابو الزعراء [illegible] الدوری ہی سے روایت کیا ہے۔ اسی قراءت کی روایت ابن الجزری نے کتاب [illegible] سے کی ہے جس کو الحمامی نے ابو القاسم عبدالعزیز بن جعفر البغدادی سے اور [illegible] ابن مجاہد کے [illegible] اور پھر ابن الجزری نے [illegible] قراءت کی [illegible] کتاب المصباح [illegible] ابو الکرم شہرزوری نے اس قراءت کو ابو القاسم [illegible] ابو الحسن [illegible] سے حاصل کیا تھا لہٰذا ابن الجزری کو کتاب المصباح [illegible] قراءت کی روایت کر [illegible] الحمامی [illegible] کے

اُستاد کے اُستادوں کے درجہ میں جا کر مل جاتا ہے جس سے وہ روایت کیا گیا ہے۔

مساوات یہ ہے کہ راوی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابی یا اُس سے نیچے کے صاحب کتاب کے شیخ تک کے مابین اتنے ہی واسطے ہوں جس قدر کہ اُس کے شیخ اور صاحب کتاب کے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابی یا اُس سے نیچے کے شیخ کے درمیان واقع ہوں۔

مصافحت یہ ہے کہ راوی کے واسطوں کی تعداد میں صرف ایک واسطہ کی زیادتی کر دی جاوے اُس صاحب کتاب سے اور اُس کے ساتھ یہ سمجھا جائے کہ اُس سے مصافحہ کیا ہے۔ اِس کی مثال نافعؒ کی قرات ہے کہ اُس کو شاطبی نے ابو عبد اللہ محمد بن الخلف سے بواسطہ ابو عبد اللہ بن غلام الفرس از ابو داؤد سلیمان بن نجاح از ابو عمرو الدانی از ابو الفتح فارس بن احمد از عبد الباقی از ابو الحسن یوسف بن الحسین از ابراہیم بن عمر المقری از ابو الحسن بن بویان از ابو بکر بن الاشعث از ابو جعفر الربعی مشہور بہ ابو نشیط از قالون از نافع روایت کیا ہے۔ اور ابن الجزری نے اِس کو بواسطہ ابو بکر خیاط از ابو محمد بغدادی وغیرہ از صائغ از کمال بن فارس از ابو الیمن کندی از ابو القاسم ہبۃ اللہ بن احمد حریری از ابو بکر خیاط از ابو الحسن حمامی از ابن بویان روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ صورت ابن جزری کی شاطبی کے ساتھ مساوات کی ہے کیونکہ جس طرح ابن جزری اور ابن بویان کے مابین سات واسطے واقع ہیں تو ان شاطبی اور ابن بویان کے مابین بھی سات ہی واسطے ہیں۔ اور جس شخص نے ابن جزری سے اخذ کیا ہے اُس نے گویا شاطبی سے مصافحت کی ہے۔ اہل حدیث کی اسی مذکورہ بالا تقسیم سے قاریوں کی تقسیم بھی ملتی جلتی ہے جیسے انہوں نے اسناد کے بیان میں مقرر کیا ہے مثلاً قرات روایت طریق اور وجہ کہ اگر ائمہ میں سے کسی ایک سے کوئی [illegible] کی گئی ہو اور اُس سے وہ اختلاف باتفاق تمام روایتوں اور طریقوں کے [illegible] گئے ہیں [illegible] سے روایت کرنے والے شخص کا اختلاف روایت کہلاتا ہے اور اُس سے روایت کرنے والے شخص کے بعد جس قدر نیچے کے راوی ہوں اُن کا اختلاف طریق کہلاتا ہے۔ یا اختلاف اس قسم کا ہے کہ قاری کو اُس کا اختیار دے دیا گیا ہے تو اُس کو وجہ کہتے ہیں۔

[illegible] کی [illegible] بھی ہے کہ کئی [illegible] [illegible]
[illegible] کا [illegible] اس کی اسناد کا درجہ [illegible] جائے گا۔
[illegible] ابو المعالی ابن اللباد اور برہان شامی تینوں صاحب فن قرأت میں
ایک ہی استاد [illegible] کے شاگرد اور باہم ایک دوسرے کے معاصر ہیں لیکن چونکہ تاج کا
انتقال [illegible] سے قبل اور ابو المعالی کا انتقال برہان شامی سے قبل ہوا ہے اس
[illegible] سے اخذ کرنے کا درجہ ابو المعالی سے اخذ کرنے کی بہ نسبت [illegible]
[illegible] ابو المعالی سے اخذ کرنے کا درجہ برہان شامی کی شاگردی پر فائق ہے۔

[illegible] کا [illegible] شیخ کی موت سے تعلق رکھتا ہے اس کے ساتھ کوئی [illegible] کسی
[illegible] کا مطلق خیال نہیں کیا [illegible] شیخ کی وفات جس زمانہ میں [illegible]
[illegible] بعض [illegible] کا بیان ہے کہ اسناد کو [illegible] کے ساتھ اس وقت کیا جاتا ہے جب
اس [illegible] کی وفات کو پچاس سال گزر چکے ہوں مگر ابن مندہ کا قول ہے کہ تیس سال ہی کافی
[illegible] کے شاگردوں سے [illegible]
[illegible] شخص [illegible]
[illegible] کی وفات کو [illegible] تیس سال ہو چکے۔

[illegible] قرأت کے [illegible] قواعد [illegible] کے قواعد سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] روایت خواہ کسی [illegible]
[illegible]

بائیسویں، تیئسویں، چوبیسویں، پچیسویں، چھبیسویں اور ستائیسویں نوعیں

متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج قرأتیں

قاضی جلال الدین بلقینی کا بیان ہے "قرأت کی تقسیم متواتر، آحاد اور شاذ کی تین قسموں میں ہوتی ہے۔ متواتر مشہور قرأتوں کو کہتے ہیں اور آحاد اُن تین قرأتوں کا نام ہے جن کو ملا کر دس قرأتیں پوری ہوتی ہیں اور صحابہ کی قرأتیں بھی انہی قسموں کے ساتھ ملحق ہیں اور شاذ تابعین کی قرأت کو کہا جاتا ہے مثلاً اعمش، یحییٰ بن وثاب اور ابن جبیر وغیرہ کی قرأتیں۔" اس بیان پر ایک قسم کا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی توضیح آگے بیان ہوگی۔ اس فن میں سب سے بہتر اپنے زمانہ کے امام اور ہمارے اساتذہ کے اُستاد ابوالخیر ابن الجزری نے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب النشر کے آغاز میں کہتے ہیں "ہر ایک قرأت جو کسی طرح سے بھی عربی قواعد کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ خواہ احتمالی طور پر ہی مطابق ہو پھر وہ سند کی رو سے صحیح بھی ہو تو ایسی قرأت صحیح اور قابل قبول ہے۔ اس کے ماننے سے انکار کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ان احرف سبعہ میں شامل ہوگی جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے اور لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ عام اس سے کہ وہ قرأت سات یا دس اماموں سے مروی ہے یا ان کے ماسوا دوسرے مقبول ائمہ سے اور جس وقت مذکورہ بالا ارکان میں سے کوئی رکن بھی مختل ہوگا تو اس قرأت کو شاذ، ضعیف یا باطل قرأت کہا جائے گا خواہ اس کے راوی سات ہوں یا ان کے سوا دوسرے ائمہ جو ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ سلف سے لے کر خلف تک جتنے محققین ائمہ گزرے ہیں انہوں نے اسی بات کو صحیح مانا ہے۔ الدانی، مکی، المہدوی اور ابو شامہ نے صراحت کے ساتھ یہی تحقیق کی ہے اور سلف کا یہی مذہب ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اس کے خلاف نہیں۔"

ابو شامہ اپنی کتاب المرشد الوجیز میں کہتے ہیں "تمام قرأتیں جو ائمہ سبعہ کی طرف منسوب ہوا

[illegible] کسی طور پر نازل ہونا بیان کیا جاتا ہو، مگر اس قسم کی کسی [illegible] ہرگز مناسب نہیں ہے۔ اور جب اس کو اس ضابطہ پر [illegible] اس قراءت [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] بات کی [illegible] رہ جاتی ہے [illegible] قراء سبعہ ہی سے منقول ہو مگر ان کے علاوہ دیگر قراء سے منقول ہو [illegible] ہوگی کیونکہ اعتماد ان ارکان [illegible] جس کی طرف وہ قراءت منسوب ہو، ورنہ یوں تو ہر ایک قراءت [illegible] ان کے سوا [illegible] کی طرف منسوب ہے اس کی تقسیم متفق علیہ اور [illegible] ہوتی ہے۔ البتہ چونکہ قراء سبعہ کی قراءتوں کو شہرت تامہ حاصل ہے [illegible] متفق علیہ [illegible] بکثرت ہیں اس لئے ان سے جو بات منقول ہو [illegible] قبول کر لیتا ہے اور دوسروں کی روایتوں کے ماننے میں تامل ہوتا ہے۔

[illegible] قراءت [illegible] اسناد کے ساتھ [illegible] قراءت کا سب سے [illegible] ہیں [illegible] مثلاً [illegible]

[illegible] قراءت کے [illegible] صحیح [illegible] قبول [illegible]

[illegible] قراءت

[illegible]

ایک پیروی کی جانے والی سُنّت ہے [illegible]
جو لوگ ہم سے پہلے گزر چکے ہیں حروف [illegible]
[illegible] سُنّت [illegible] اُن کی مخالفت [illegible]
زبان میں اُس کے سوا کوئی [illegible] ترکیب درست اور فصیح تر ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) الجعبری [illegible] کسی ایک مصحف کی [illegible]
[illegible] مثلاً ابن عامر کی قراءت [illegible]
[illegible] سورۂ بقرہ میں [illegible] اور [illegible] دونوں [illegible]
شامی مصحف میں موجود ہے [illegible] اسی طرح سورۂ [illegible] کے آخر میں ابن کثیر نے [illegible]
[illegible] حرف [illegible] ثابت ہے [illegible]
[illegible] کی قراءت حضرت عثمان [illegible]
[illegible] مصحف میں [illegible] تو ان کو شاذ تصور کرنا چاہئے کیونکہ وہ [illegible]
[illegible]
[illegible] مطابق ہوں [illegible] مخالفت تقدیراً [illegible] جیسے [illegible]
میں بغیر الف کے [illegible] اور [illegible] پڑھنے کی قراءت [illegible]
موافق ہے [illegible] الف کی قراءت [illegible]
اختصار کی غرض سے حذف کر دیا گیا ہے اور اس کی مثال [illegible] کی کتابت ہے [illegible]
قرأتوں کا اختلاف فی الواقع رسم سے مطابق ہوتا ہے [illegible]
دونوں حرفوں کے ساتھ پڑھنا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

قرّاء سبعہ سے ثابت ہیں خارج ہو جائیں گے۔

ابو شامہ کا بیان ہے "پچھلے زمانہ کے قاریوں کی ایک جماعت اور اُن کے مقلدوں کے ایک گروہ میں یہ بات عام طور پر مشہور رہی ہے کہ فن قرأت کی سات مشہور قرأتیں سب کی سب متواتر ہی ہیں یعنے ائمہ سبعہ سے جو قرأت مروی ہے اُن میں سے ہر ایک فرد متواتر ہی ہے۔ اُن کا قول ہے کہ" اِن قرأتوں کے منزل من عند اللہ ہونے کا یقین کرنا واجب ہے" ہم بھی اِسی بات کے قائل ہیں مگر صرف اُنہی قرأتوں کی بابت جن کو ائمہ قرأت سے تمام طریقوں اور فرقوں نے بالاتفاق اور بغیر کسی ناپسندیدگی کے نقل کیا ہے۔ لہذا جب کہ بعض روایتوں میں تواتر ثابت ہونے پر اتفاق نہ پایا جائے تو اِس سے کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ اُس میں صحتِ اسناد کی شرط لگائی جائے۔" علامہ مکی کا قول ہے کہ قرآن کی روایتیں تین قسم کی ہیں:

قسم اوّل وہ ہے جس کے ساتھ قرأت کی جاتی ہے اور اس کو جان بوجھ کر نہ ماننے والا کافر ہوتا ہے۔ اِس قسم کی روایتیں وہ ہیں جن کو ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے اور وہ عربیت اور رسم مصحف کے بھی موافق ہیں۔

دوسری قسم میں وہ روایت شامل ہے جس کی نقل آحاد کے طریقہ سے صحیح پائی گئی ہے اور عربیت کی رو سے بھی وہ صحیح ہے مگر مصحف کے رسم الخط سے اُس کا لفظ مخالف ہے۔ اِس طرح کی روایت دو وجہوں سے قرأت میں داخل نہ ہوگی پہلی وجہ اُس کا متفق علیہ رسم الخط سے مخالف ہونا اور دوسری وجہ اُس کا اجماع کو ترک کرکے آحاد کی خبر سے ماخوذ ہونا ہے۔ اِس روایت سے قرآن ہونا ثابت نہ ہوگا اور اُس کا دانستہ منکر کافر قرار نہ دیا جائے گا ہاں اُس کے منکر کو بدکار اور فاسق کہنا درست ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جس کو کسی معتبر راوی نے نقل کیا ہے لیکن عربیت سے اُس کی کوئی دلیل نہیں ملتی یا یہ کہ اُس کا راوی ہی غیر معتبر ہے۔ اِس طرح کی قرأت کو اگرچہ وہ مصحف کے رسم الخط سے موافق ہی کیوں نہ ہو قبول نہ کیا جائے گا۔" ابن الجزری کا بیان ہے پہلی قسم کی مثالیں بہت ہیں جیسے مَلِكِ اور عَبَدَ ۔ يَخْدَعُونَ اور يُخَادِعُونَ۔ اور دوسری قسم کی مثال حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ کی قرأت "وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى" اور ابن عباسؓ کی قرأت "وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا" اسی طرح کی اور قرأتیں ہیں۔ اور علماء کا اس پر قرأت کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء نے اس سے یوں منع کیا ہے کہ

سے خود غرضی سے [illegible] شدہ

گو نقل کے ذریعہ سے ان کا ثبوت بہم پہنچا ہے تاہم یہ متواتر نہیں ہیں اور اسی وجہ سے یہ قرأتیں قرآن کے آخری دَور میں یا صحابہؓ کے مصحفِ عثمانی پر اجماع کر لینے سے منسوخ ہو گئی ہیں۔ اور غیر معتبر راویوں کے نقل کی بہت سی مثالیں شواذ کی کتابوں میں مندرج ہیں جن میں سے اکثر بلکہ بیشتر روایتوں کے اسناد کمزور ہیں۔ مثلاً وہ قرأت جو امام ابو حنیفہؒ کی جانب منسوب ہے اور اُس کو ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی نے جمع کیا ہے پھر اُس سے ابو القاسم ہذلی نے اُس کی روایت کی ہے۔ منجملہ اِس قرأت کے ایک "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" ہے جس میں اللّٰہ کو پیش اور العلماء کو زبر دے کر پڑھتا ہے۔ دار قطنی اور علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ وہ کتاب موضوع اور بے اصل ہے۔ ایسی قرأتوں کی مثال بہت کم ہے جن کی روایت تو معتبر راوی نے کی ہے مگر عربیت میں اُس کی کوئی وجہ نہیں نکلتی بلکہ تقریباً ایک بھی ایسی نظیر نہیں ملتی۔ ہاں بعض علماء نے خارجہ کی اُس روایت کو جس میں وہ نافعؒ کا لفظ "مَعَائِشَ" کو ہمزہ کے ساتھ قرأت کرنا بیان کرتا ہے مذکورہ بالا قسم شاذ میں شمار کیا ہے۔ اب باقی رہی چوتھی قسم جو قابلِ رد ہوتی ہے یعنی وہ جو عربیت اور رسم کے موافق ہے لیکن کسی نے اُسے نقل نہیں کیا ہے تو اُس کا رد کرنا بالکل حق بجانب اور اُس سے باز رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جو شخص ایسی قرأت کا مرتکب ہوگا وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب شمار کیا جائے گا۔ ابوبکر بن مقسم نے ایسی قرأت کو جائز بتایا تھا تو اُس کے لئے ایک خاص جلسہ کیا گیا اور تمام علماء نے باتفاق رائے ایسی قرأت کو ناجائز قرار دیا چنانچہ اسی وجہ سے ایسے مطلق قیاس کے ساتھ قرأت کرنا ممنوع ہوئی جس کی کوئی اصل قابلِ رجوع اور اُس کے ادا کرنے کے بارے میں کوئی اعتماد کے لائق رکن دستیاب نہ ہو سکے۔ لیکن وہ قرأت جس کی کوئی ایسی اصل باقی ہو تو اُس کی طرف رجوع کرنا اور اُس اصل پر قیاس کرنا درست ہوگا جیسے "قَالَ رَبِّ" کے ادغام پر "قَالَ رَجُلَانِ" کے ادغام کو قیاس کر لینا یا قرأت کی دوسری مثالیں جو کسی نص کے مخالف اور اجماع سے قابلِ رد نہیں ہوتی ہیں۔ مگر ایسی نظیریں بھی بہت کم ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ امام ابن الجزری نے اس فصل کو خوب مفصل اور نہایت عمدہ طریقہ پر تحریر کیا ہے۔ اور مجھ کو امام ممدوح کے بیان سے اس بات کا پتہ ملا ہے کہ قرأتوں کی کئی قسمیں ہیں جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:-

اوّل۔ متواتر۔ یہ وہ قرأت ہے جس کو ایک جماعت کثیر نے نقل کیا ہے اور اُس جماعت کا

اوّل سے آخر تک [illegible] پر متفق کرلیا تھا [illegible] قرأتیں [illegible] قسم کی ہیں

دوم۔ مشہور۔ وہ قرأت جس کی سند صحیح ثابت ہوتی ہے اور وہ تواتر کے درجہ تک نہ پہنچنے کے باوجود عربیت کے موافق اور مصحف کے رسم خط کے مطابق ہو۔ پھر قاریوں میں مشہور ہونے کی وجہ سے غلط اور شاذ نہیں شمار ہوتی [illegible] کی قرأت بھی [illegible] جیسا کہ ابن الجزری نے کہا ہے اور ابو شامہ کے [illegible] سے بھی [illegible] ہے۔ اس قرأت کی مثالیں [illegible] کی کتابوں میں جہاں پر اختلاف حروف کی فہرستیں دی گئی ہیں کثرت سے ملتی ہیں اور ان ہر دو قسم کی مثالیں [illegible] مشہور ہے [illegible] قرأت کی مشہور کتابیں [illegible] تصنیف ہوئی ہیں [illegible] التیسیر [illegible] قصیدہ شاطبیہ اور [illegible] کی دو کتابیں النشر فی القراءات العشر اور تقریب النشر ۔

سوم۔ آحاد۔ ایسی قرأت جس کی سند تو صحیح ہے لیکن وہ عربیت یا رسم الخط سے [illegible] دونوں [illegible] اوّل کے [illegible] مشہور نہیں [illegible] ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں اور حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں [illegible] کرنے کے واسطے [illegible] ایک باب قائم کیا ہے [illegible] بہت سی صحیح سند [illegible] ہیں۔ منجملہ ان کے [illegible] حاکم کی [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] من انفسکم [illegible] قرأت [illegible] ابن عباس سے روایت [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا لقد جاءکم رسول من انفسکم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے ۔

چہارم۔ شاذ۔ وہ قرأت جس کی سند [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مثال [illegible] [illegible] کی قرأت ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

پنجم۔ موضوع۔ جیسے [illegible] کی قرأتیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

کی قراءت ہے جو بغرض تفسیر کے طور پر زیادہ کردی گئی ہے۔ مثلاً سعد بن ابی وقاص کی قراءت "وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِّنْ اُمٍّ" اس کی روایت سعید بن منصور نے کی ہے۔ اور ابن عباس کی قراءت "لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ فِیْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ" اس کی روایت بخاری نے کی ہے۔ اور ابن زبیر کی قراءت "وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیَسْتَعِیْنُوْنَ بِاللّٰهِ عَلٰی مَا اَصَابَهُمْ" عمرو کہتے ہیں کہ مجھ کو نہیں معلوم ہوسکا کہ آیا یہ ان کی قراءت ہے یا انہوں نے تفسیر کی ہے۔ اور اس کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ پھر ابن الانباری نے بھی اس کی روایت کرتے ہوئے اس بات پر یقین کا اظہار کیا ہے کہ یہ زیادتی تفسیر ہے۔ اور حسن سے مروی ہے کہ وہ پڑھا کرتے تھے "وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الْوُرُوْدُ الدُّخُوْلُ" ابن الانباری کہتے ہیں کہ حسن کا قول "الورود الدخول" خود ان کی طرف سے لفظ واردھا کی تفسیر ہے اور کسی راوی نے غلطی سے اسے داخل قرآن کردیا ہے۔

ابن الجزری اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ اس بات سے مطمئن تھے کہ انہوں نے قرآن کی قراءت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی تھی اور قرآن کی تعلیم آپ ہی سے پائی تھی اس لئے وہ کبھی تفسیر کو بھی بسا اوقات قراءت میں بغرض توضیح و تشریح شامل کر لیتے تھے۔ لیکن وہ مذکورہ بالا وجہ سے شبہ اور غلطی میں پڑ جانے سے مامون تھے۔ اور ان کا یہ گمان تھا کہ ہم جس وقت تفسیر کے ساتھ قرآن کی عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں لیکن جو شخص صحابہ کو قرآن کی قراءت کے ساتھ تفسیر ملا دینے کا الزام لگاتا ہے وہ سراسر غلطی کرتا ہے۔ ہم اس نوع کو چھیالیسویں نوع کے بیان میں پھر کسی قدر بیان کریں گے۔

تنبیہ اول: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو چیز قرآن ہے وہ اپنی اصل اور اجزاء دونوں کے ساتھ متواتر ہونا لازم ہے۔ اور اسی طرح اس کے محل وضع اور ترتیب کے بارے میں بھی محققین اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ قرآن اس لحاظ سے کہ اس کی تفصیلات کا متواتر ہونا یقینی امر ہے۔ اور اس عظیم الشان معجزہ کی تمام تفصیلات بالیقین نقل کئے جانے کے بڑے بڑے دواعی موجود تھے۔ لہذا یہ یقینی امر ہے کہ اس کے کسی قرآنی لفظ یا جملہ یا آیت کا ثبوت بغیر تواتر کے قرآن کے الفاظ کا بتدریج نقل ہونا ممکن نہیں۔

ذریعہ سے مروی ہے وہ متواتر نہیں اور یقیناً قرآن سے خارج ہے۔ اور علمائے اصولیین سے اکثر اصولیوں کی رائے یہ ہے کہ قرآن کے کسی حصّہ کی نسبت اس کی اصل کے لحاظ سے اس کا ثبوت بہم پہنچنے کے معاملہ میں تواتر کی شرط ضروری ہے لیکن اس کے محل، وضع اور ترتیب کے بارے میں تواتر کی شرط لازمی نہیں بلکہ ان امور میں آحاد اقوال ہی بکثرت موجود ہیں۔" کہا گیا ہے کہ امام شافعیؒ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو ہر ایک سورۃ کی آیت ثابت کرنے میں ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے اور یہ بات آپ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتی ہے۔" لیکن اس مذہب کی تردید اس سے کی گئی ہے کہ سابقہ دلیل قرآن کے ہر ایک حصہ کا تواتر کی خواہاں ہے اور اگر ہر امر میں تواتر مشروط نہ ہوتا تو قرآن کے بہت سے مکرر حصّہ کا ساقط اور بکثرت غیر قرآن کا اس میں شریک ہونا جائز ہوتا۔ قرآن مکرر کے سقوط کی یہ وجہ ہوتی کہ اگر محل کے بارے میں تواتر کو مشروط نہ بناتے تو جائز تھا کہ قرآن میں جو مکررات واقع ہیں ان میں سے اکثر متواتر نہ ہوں۔ مثلاً "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" اور دوسری شق یعنی اس چیز کا جو قرآن نہیں ہے قرآن بن جانا اس واسطے جائز ہوتا کہ اگر قرآن کا بعض حصّہ محل کے لحاظ سے متواتر نہ ہوتا تو اس کو آحاد روایتوں کی وجہ سے موضع میں نقل اور ثبت کرنا درست ہوتا۔

قاضی ابوبکرؒ نے اپنی کتاب الانتصار میں بیان کیا ہے کہ "فقہاء اور متکلمین کا ایک گروہ قرآن کا بغیر استفاضہ کے خبرِ واحد ہی کے ذریعہ سے ثابت ہونا حکمی ثبوت قرار دیتا ہے اور اس کو علمی ثبوت نہیں مانتا مگر اہلِ حق نے اس بات کو سخت ناپسند اور صحیح ماننے سے انکار کیا ہے۔ متکلمین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآت، وجوہ اور حروف کے اثبات میں اگر وہ وجہیں عربیت کے لحاظ سے ٹھیک ہوں تو اپنی رائے اور اجتہاد کا استعمال بھی جائز ہے، گو یہ امر کے باوجود یہ معلوم نہ ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طریقہ پر قرأت کی ہے مگر اہلِ حق اس بات کے ماننے سے بھی گریز کرتے اور اس کے کہنے والے کو غلطی میں مبتلا قرار دیتے ہیں۔ مالکی مذہب کے لوگ اور دیگر علماء جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے جزوِ قرآن ہونے کا انکار کرتے ہیں انھوں نے اپنے قول کی بنیاد اسی مذکورہ بالا اصل پر رکھی ہے اور اس کی تقریر یوں کی ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ تمام سورتوں کے اوائل میں تواتر کے ساتھ ثابت نہیں اور جو چیز متواتر نہیں اس کو قرآن کہنا درست نہیں۔" مگر ہم سے پہلے کے علمائے بسم اللہ کے

غیر متواتر ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ بہت سے متواتر اس قسم کے بھی ہیں جن کو ایک جماعت متواتر مانتی ہے اور دوسری نہیں مانتی یا وہ ایک وقت میں متواتر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں نہیں رہتے۔ بسم اللہ کا تواتر ثابت کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ صحابہؓ اور اُن کے بعد والے لوگوں کے مصحفوں میں مصحف ہی کے رسم الخط کے ساتھ لکھی ہوئی ہے اور اس بات کو سب جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے لوگوں کو کسی خارج از قرآن شے کو مصحف میں درج کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ روکا تھا۔ مثلاً سورتوں کے نام، آمین اور عُشر وغیرہ، اس لیے اگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن میں داخل نہ ہوتی تو اُس کو مصحف میں اُسی کے رسم الخط کے ساتھ بغیر کسی امتیازی علامت کے کبھی نہ لکھتے۔ کیونکہ اس طرح وہ بھی داخلِ قرآن سمجھی جا سکتی تھی صحابہؓ پیشتر اس سے واقف تھے کہ مسلمان لوگ اس کو داخل میں شامل کر دیتے تو وہ لوگ خارج از قرآن شے کو اس میں داخل مانیں حالانکہ صحابہؓ کی نسبت ایسا گمان کرنا باطل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاید بسم اللہ کو قرآن میں اس واسطے ثبت کر لیا گیا تاکہ اُس کے ذریعہ سے سورتوں کے مابین امتیاز اور فصل قائم رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی دھوکہ دہی کا خطرہ نہیں ہو سکتا اور محض سورتوں کے مابین جدائی کرنے کے لیے خارج از قرآن شے کو اس میں داخل کر دینا بھی روا نہیں ہو سکتا پھر اس کے علاوہ اگر فی الواقع بِسْمِ اللّٰهِ کو صرف فصل کی غرض سے لکھا گیا ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ سورۂ براءۃ اور سورۂ انفال کے مابین بھی لکھی جاتی۔

بسم اللہ کے قرآن منزل ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو احمد، ابوداؤد اور حاکم وغیرہ نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم یوں پڑھا کرتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔۔۔ تا آخر حدیث۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو آیت شمار کیا اور عَلَيْهِمْ کو آیت نہیں گنا۔ ابن خزیمہ اور بیہقی نے کتاب معرفت میں صحیح سند کے ساتھ سعید بن جبیرؓ کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "شیطان نے آدمیوں سے قرآن کی بہت بڑی آیت چرالی یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" بیہقی شعب الایمان میں اور ابن مردویہ سند حسن کے ساتھ مجاہد کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ کتاب اللہ کی ایک ایسی آیت کی طرف سے غافل ہو گئے ہیں جو بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے سوا کسی اور پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی تھی کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام پر جو نازل ہوئی
تھی یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" دارقطنی اور طبرانی نے کتاب الاوسط میں سند
ضعیف کے ساتھ بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں مسجد
تک تم سے باہر نہ جاؤں گا جب تک کہ تم کو ایک ایسی آیت نہ بتا دوں جو سلیمان علیہ السلام
کے بعد میرے سوا کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا "تم قرآن کا آغاز کرتے
وقت کس چیز کے ساتھ شروع کرتے ہو؟ میں نے کہا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے
آپ نے فرمایا" وہ یہی ہے۔" ابوداؤد، حاکم، بیہقی اور بزار نے سعید بن جبیر
کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا" جب تک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
کا نزول نہیں ہوتا تھا اس وقت تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سورۃ کا جدا ہونا معلوم
نہیں کر سکتے تھے" بزار نے اس پر اتنا اور بھی اضافہ کیا ہے کہ "پھر جب بسم اللہ
کا نزول ہو جاتا تو آپ سمجھ لیتے کہ ہاں اب سورۃ ختم ہوئی یا کوئی دوسری سورۃ نازل ہونے
لگی" حاکم نے ایک دوسری سند سے بواسطہ سعید بن جبیر ابن عباسؓ سے روایت کی "انہوں نے
کہا" مسلمانوں کو سورۃ کا ختم ہونا اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا تھا جب تک بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل نہیں ہوتی تھی اور جب اس کا نزول ہو جاتا تو سمجھ لیتے تھے کہ اب
سورۃ ختم ہو گئی۔" اس حدیث کے اسناد شیخین کی شرط پر قابل وثوق ہیں۔ پھر حاکم نے
دوسرے طریقہ سے یہ حدیث بھی نکالی ہے کہ سعید نے ابن عباسؓ سے روایت کی "جب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریلؑ آتے اور وہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے
تو آپ سمجھ جاتے تھے کہ یہ (نئی) سورۃ ہے۔" اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ بیہقی نے کتاب
شعب الایمان میں اور دوسرے راویوں نے بھی ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے
کہا" ہم لوگ دو سورتوں کے بیچ جدائی ہونے کا حال اس وقت تک معلوم نہیں کر سکتے تھے
جب تک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل نہیں ہوتی تھی" ابو شامہ کہتے ہیں اس سے ظاہر
یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اس وقت ہوتی ہو جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا
دور جبریلؑ کے ساتھ کیا ہو اور آپ ایک سورۃ کو برابر پڑھتے چلے گئے ہوں یہاں تک کہ جبریلؑ نے
آپ کو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کے لئے کہا ہو اور اس سے معلوم ہوا ہو کہ ہاں اب سورۃ تمام ہو گئی
اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کی تعبیر نزول کے ساتھ اس لئے فرمائی کہ یہ

اس کا تمام سورتوں کے آغاز میں قرآن کا جزو ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ الاویہ احتمال کہ یہ پہلی سورتوں کی تمام آیتیں … نازل ہوتی تھیں قبل ازیں تھیں پھر جب سورۃ پوری ہو جاتی تو … بسم اللہ نازل ہوتی … تب … سورۃ کا دور … اس طرح … سمجھا جاتا کہ وہ سورۃ ختم ہوئی اور اب اس کے بعد … ہوگا۔

ابو عبید اور بیہقی نے … ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا … لوگوں نے دریافت کیا پھر اس کی تعبیر … ابن عباس نے جواب دیا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ دارقطنی نے … حضرت علی سے روایت کی ہے کہ ان سے سبع مثانی کی نسبت سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لوگوں نے کہا … چھ آیتیں ہیں، حضرت علی نے فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی ایک آیت ہے۔ دارقطنی، ابو نعیم اور … نے اپنی تاریخ میں سند ضعیف کے ساتھ … سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت جبریل میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں تو سب سے پہلے مجھ پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا اتار … واحدی نے ایک دوسرے طریق پر نافع کے واسطے ابن عمر کی یہ حدیث بیان کی ہے … بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر ایک سورۃ میں نازل ہوئی ہے۔

بیہقی نے دوسری وجہ پر ابن عمر سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "وہ … بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا کرتے تھے اور سورۃ کو ختم کرنے کے بعد … کہتے تھے کہ بسم اللہ مصحف میں پڑھنے ہی کے لیے لکھی گئی ہے … دارقطنی نے سند … ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم الحمد پڑھو تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو … کیونکہ یہ ام القرآن، ام الکتاب اور سبع المثانی ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس کی آیت ہے۔ مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا"

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر … طاری ہوئی … پھر آپ نے … سر اٹھایا … فرمایا "مجھ پر ابھی ابھی ایک

نازل ہوئی ہے۔" پھر آپ نے پڑھا "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" تا آخر حدیث۔ غرضیکہ یہ تمام مذکورہ بالا حدیثیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی نسبت اُن کی سورتوں کے اوائل میں قرآن منزل ہونے پر حسنِ تواتر کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ کا قول کہ "بعض قدیم کتابوں میں ابن مسعودؓ کا سورۃ فاتحہ اور معوذتین کی نسبت اُن کے قرآن ہونے سے انکار کرنا پایا جاتا ہے۔ یہ مذکورہ بالا امر سخت اشکال وارد کرتا ہے۔ اس لئے اگر ہم متواتر نقلوں کا صحابہؓ کے زمانہ میں پایا جانا صحیح مانیں تو فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کے قرآن میں شامل ہونے سے انکار کرنا موجب کفر ہے، اور اگر ہم کہیں کہ تواتر کا وجود اس زمانہ میں نہیں تھا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ قرآن متواتر نہیں ہے۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ "ظن غالب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ سے اس طرح کا مذہب نقل کرنا ہی سرے سے باطل ہے اور اسی طرح پر اس پھندے سے رہائی مل جاتی ہے۔" قاضی ابوبکرؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ "ابن مسعودؓ کا فاتحہ اور معوذتین کو قرآن نہ ماننا صحیح طور پر ثابت نہیں ہے اور نہ اُن کا کوئی اس قسم کا قول یاد آتا ہے۔ ہاں انھوں نے ان سورتوں کو اپنے مصحف سے مٹا دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان سورتوں کا لکھنا درست نہیں سمجھتے تھے، نہ یہ کہ اُن کے قرآن ہونے کے منکر تھے۔ بات یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے خیال میں مصحف کے لکھنے میں سنت یہ تھی کہ جس چیز کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لکھنے کا حکم دیا ہے وہ تو اُس میں لکھی جائے اور اُس کے علاوہ کسی چیز کا لکھنا روا نہیں۔ چونکہ انھوں نے فاتحہ اور معوذتین کو نہ تو کہیں لکھا ہوا پایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لکھے جانے کا حکم دیتے سنا اس واسطے وہ اُن کو اپنے مصحف میں درج کرنے سے باز رہے۔"

نوویؒ کتاب تہذیب کی شرح میں لکھتے ہیں "تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معوذتین اور سورۃ الفاتحہ قرآن میں داخل ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی جو شخص انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور اس بارے میں ابن مسعودؓ کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ باطل اور کسی طرح صحیح نہیں ہے۔" ابن حزمؒ نے کتاب القدح المعلّیٰ تتمیم المحلّی میں بیان کیا ہے کہ "یہ ابن مسعودؓ پر اتہام اور بہتان ہے کیونکہ ابن مسعودؓ کی جو صحیح قرأت زر کے واسطے سے عاصم نے کی ہے اُس قرأت میں فاتحہ اور معوذتین شامل قرآن ہیں۔" ابن حجرؒ بخاری کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ "ابن مسعودؓ سے اس بات کا انکار صحیح ثابت ہوا ہے کیونکہ احمد اور

ابن حبان نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا کرتے تھے۔
عبداللہ بن احمد نے زیادات المسند میں، طبرانی اور ابن مردویہ نے اعمش کے طریق پر بواسطہ ابواسحاق، عبدالرحمن بن یزید نخعی سے روایت کی ہے کہ "عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کو اپنے مصحفوں میں سے مٹا دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ میں شامل نہیں ہیں۔" بزار اور طبرانی اسی راوی سے ایک دوسری سند سے یہی روایت کرتے ہیں کہ "ابن مسعودؓ معوذتین کو مصحف میں سے تراش دیا کرتے اور مٹا دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] ان دونوں کے ساتھ صرف تعوذ (پناہ مانگنے) کرنے کا حکم دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں کو پڑھا نہیں کرتے تھے اس روایت کے تمام اسناد صحیح ہیں۔ بزار کا قول ہے کہ اس بارے میں کسی صحابیؓ نے بھی ابن مسعودؓ کی پیروی نہیں کی ہے اور اس کے علاوہ صحیح اقوال سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کو نماز میں پڑھا تھا۔" ابن حجرؒ کا قول ہے "لہٰذا جو شخص کہتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ پر غلط بات منسوب کی گئی ہے اس کی بات قابل قبول نہیں کیونکہ بغیر کسی دلیل اور مستند [illegible] کے روایات پر طعن کرنا مقبول نہیں ہو سکتا بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ کے انکار کی نسبت جس قدر روایتیں آئی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ان سے تاویل کرنا ایک احتمالی امر ہے چنانچہ قاضی ابوبکر اور دیگر لوگوں نے اس کی تاویل یوں کی ہے کہ انہیں صرف ان سورتوں کی کتابت کا انکار تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ تاویل اچھی ہے لیکن ان میں سے جس طرح روایت کی گئی ہے وہ اس تاویل کو بھی رد کر دیتی ہے کیونکہ اس روایت میں آیا ہے کہ "ابن مسعودؓ ان سورتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں" ہاں یہ احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے ان کی مراد مصحف [illegible] ہو [illegible] اور ٹھیک ہو جائے گی لیکن ان روایتوں مذکورہ بالا طریقوں کے [illegible] اس کو بعید از صحت بتاتے ہیں [illegible] ابن مسعودؓ کے نزدیک اس بات کا قطعی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۱؎ [illegible]

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب مشکل القرآن میں بیان کیا ہے کہ ابن مسعودؓ نے یہ گمان کیا کہ معوذتین قرآن میں داخل نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں سورتوں کے ساتھ اپنے دونوں نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کے لئے تعویذ کرتے دیکھا تھا اسی واسطے وہ اپنے گمان پر جم گئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ابن مسعودؓ اس بات میں درستی پر تھے اور دوسرے تمام مہاجر اور انصار صحابہ غلطی پر۔ لیکن یہ بات کہ انہوں نے سورۃ الفاتحہ کو بھی اپنے مصحف سے کیوں نکال دیا تو ہم کہتے ہیں کہ معاذ اللہ انہوں نے اس کو خارج از قرآن نہیں سمجھا تھا بلکہ انہیں خیال تھا کہ قرآن کو مابین الدفتین جمع کرنے کی وجہ شک، بھول اور کمی یا زیادتی ہو جانے کا خوف تھا اور ان کی یہ بات ... سورۃ الحمد بہت مختصر ہے اور ہر شخص پر اس کا سیکھنا واجب ہے لہٰذا اس میں ان باتوں کا بالکل خطرہ نہیں ہے لہٰذا انہوں نے اس کے مصحف میں لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں کہتا ہوں کہ ابن مسعودؓ کا سورۂ فاتحہ کو اپنے مصحف سے نکال دینا ابو عبید نے صحیح سند سے روایت کیا ہے جیسا کہ انیسویں نوع کے اوائل میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

تنبیہ دوم۔ زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے کہ قرآن اور قراتیں دونوں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ حقیقتیں ہیں۔ قرآن اس وحی منزل کا نام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان (ہدایت واحکام) اور معجزہ قرار دینے کے لئے اتاری گئی اور قراتیں اسی مذکورہ بالا وحی کے الفاظ کے حروف اور کیفیت ادا (مثلاً تخفیف و تشدید وغیرہ) میں مختلف ہونے کا نام ہے۔ اور سات قراتیں جمہور کے نزدیک متواتر ہیں اور ایک قول میں ان کو صرف مشہور بتایا گیا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ ساتوں قراتیں ان ساتوں اماموں سے بطریق تواتر[1] پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں جن کو اس فن کے امام بتاتے ہیں ... لیکن یہ بات کہ ان کا تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی ثابت ہے تو اس میں کلام ہے کیونکہ ائمہ کی سندیں ان ہی ساتوں قراتوں کی نسبت فن قرات کی کتابوں میں موجود ہیں اور وہ سند اسی طرح کی ہیں کہ ایک شخص سے ایک ہی شخص نقل کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں "علامہ زرکشی کے اس قول پر آگے آنے والے اقوال سے کلام کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ابو شامہ نے ... الفاظ کو قرات سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ اور ابن الحاجب نے ... اور ...

[1] تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی۔

کہ ادا اور کی قسم سے ہیں قراءت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ۔ کسی اور شخص کا قول ہے کہ حق یہ ہے کہ مد اور امالہ کی اصل متواتر ہے لیکن مقدار متواتر نہیں جس کی وجہ اس کے ادا کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے ۔ زرکشی نے بھی یہی کہا ہے کہ تحقیق حمزہ کی تمام لغتیں متواتر ہیں اور ابن الجزری کا قول ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ اس بات کے کہنے میں کسی شخص نے ابن الحاجب پر سبقت کی ہو ورنہ یوں تو اُصول کے اماموں نے ان سب حروف اور کیفیتوں کے تواتر پر نص دیا ہے جن میں قصر و مد وغیرہ بھی شامل ہیں اور یہی بات درست بھی ہے اس کا سبب [illegible] لفظ کا تواتر ثابت ہو جائے گا تو اس کے ادا کرنے کی ہیئت کا تواتر بھی ضروری ثابت ہو کر رہے گا کیونکہ لفظ کا قیام بغیر اس کے ممکن نہیں اور جب تک ادا کرنے کی ہیئت کا تواتر نہ پایا جائے اس وقت تک لفظ کا تواتر بھی صحیح نہیں ہو سکتا ۔

تنبیہ مشہور المشاہیر کا قول ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کی تعداد میں سات [illegible] [illegible] [illegible] قراءت خود [illegible] زیادہ مشہور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

ہے کہ ابن مجاہد اور اُن کے شاگردوں کی کتاب میں بہت تھوڑی مشہور قراتیں بیان ہوئی ہیں مثلاً ابوعمرو بن العلاء سے سترہ مشہور راوی ہوئے ہیں (پھر ابوحیان نے اُن تمام راویوں کے نام گنائے ہیں) مگر ابن مجاہد نے اپنی کتاب میں صرف ایک راوی یزیدی کے ذکر پر اکتفا کر لیا۔ اور یزیدی کے شاگردوں میں دس شخص نامور ہوئے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے صرف السوسی اور الدوری ہی کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اپنے دوسرے ساتھیوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اور وہ سب کے سب یادداشت عمدہ طور سے پڑھنے اور ایک ہی اُستاد سے اخذ کرنے میں مساوی ہیں مجھے اس کا سبب بجز بیان کرنے والے کی کم علمی کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ مکی کا بیان ہے کہ جو شخص نافع اور عاصم وغیرہ قاریوں ہی کی قراتوں کو حدیث میں مذکورشدہ حروفِ سبعہ گمان کرتا ہے وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے۔ اور اس بات کے ماننے سے یہ دقت بھی لازم آتی ہے کہ جو قرات ان ساتوں اماموں کی قرات سے خارج مگر دوسرے ائمہ قرات سے ثابت اور رسم خطِ مصحف کے مطابق ہو اُسے قرآن نہ مانا جائے۔ اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے۔ متقدمین علماء مصنفین نے فنِ قرات پر کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً ابوعبید قاسم بن سلام، ابوحاتم سجستانی، ابوجعفر طبری اور اسمٰعیل قاضی وغیرہ اُنھوں نے قراء کی تعداد سبعہ سے دوچند ذکر کی ہے۔ اور دوسری صدی ہجری کے آخری زمانہ میں تمام لوگ بصرہ میں ابوعمرو اور یعقوب کی قرات، کوفہ میں حمزہ اور عاصم کی قرات، شام میں ابن عامر کی قرات، مکہ میں ابنِ کثیر کی قرات اور مدینہ میں نافع کی قرات کو رسم بناتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر ابنِ مجاہد نے یعقوب کے نام کی جگہ کسائی کا نام ثبت کر دیا تھا۔

باوجودیکہ فنِ قرات کے اماموں میں قراء سبعہ سے کہیں بڑھ کر صاحب رتبہ اور مستند یا انہی کے مانند بکثرت لوگ موجود تھے پھر بھی اتنے ہی لوگوں پر اکتفا کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ان اماموں سے روایت کرنے والے لوگوں کی بہت کثرت ہو گئی تھی چنانچہ یہ دیکھ کر کہ اب فن کی ہمتیں تمام راویوں سے قرات سننے میں پست ہوتی جاتی ہیں لوگوں نے محض انہی قراتوں پر کفایت کر لیا جو مصحف کے رسم خط سے موافق تھیں مگر ان کا یاد کرنا آسان ہو اور ان کی قرات کا ضبط بخوبی ہو سکے۔ پھر اُنھوں نے ایسے اماموں کی تفتیش کی جو ثقاہت و نیک نامی اور بڑی عمر تک قرات ہی میں اوقات صرف کرنے کی صفت سے متصف تھے اور ان سے قرات کا اخذ کرنے میں تمام لوگوں کا اتفاق بھی تھا۔ اس لئے ہر ایک (ممالک اسلامیہ کے) مشہور شہر سے ایک ایک

لازم چھوڑ دیا اور اسی کے ساتھ اُن قراءتوں کا نقل کرنا بھی ترک نہیں کیا جو اُن کے علاوہ دوسرے اماموں مثلاً ابوجعفر، یعقوب اور شیبہ وغیرہ سے منقول تھیں۔

ابن جبیر المکی نے بھی مجاہد کی طرح فنِ قرأت کی ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں اُس نے پانچ ہی اماموں پر اقتصار کیا ہے یعنی ہر ایک مشہور شہر سے یک ایک امام لے لیا ہے اور اُس کی یہ وجہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضہ نے جس قدر مصحف لکھوا کر مختلف مقامات میں بھیجے تھے اُن کی تعداد بھی پانچ ہی تھی اور وہ انہی شہروں میں آئے تھے۔ اور ایک قول میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضہ نے سات مصحف لکھوائے تھے جن میں سے پانچ تو ان شہروں میں بھیجے گئے اور دو یمن اور بحرین کے صوبوں میں ارسال ہوئے تھے لیکن ان دو مصحفوں کا چونکہ کوئی پتہ نہیں لگا اور ابن مجاہد وغیرہ نے تعدادِ مصاحف کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھا لہذا انھوں نے بحرین اور یمن کے دو مصحفوں کے عوض میں دو قاری اور بڑھا کر سات کی تعداد پوری کر دی اور اتفاق سے یہ تعداد اُس عدد کے بالکل مطابق ہوگئی جو حدیث مستطاب میں حروفِ قرآن کی بابت مذکور ہوئی ہے۔ اس بات سے جو لوگ مسئلہ کی اصلیت سے بے خبر تھے اُن کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ حروفِ سبعہ سے یہی ساتوں قراءتیں مراد ہیں۔ قرأت کی قابلِ اعتماد اصل یہ ہے کہ جس قدر اُس کی سند صحیح ہو اور عربیت کے لحاظ سے وہ درست ہو۔ اور وہ مصحف کے رسمِ خط سے مطابق ہو۔ سند کے لحاظ سے نافع اور عاصم کی قراءتیں زیادہ صحیح ہیں اور فصاحت کے اعتبار سے ابوعمرو اور کسائی کی قراءتوں کا درجہ بلند ہے۔ القراب نے اپنی کتاب الشافی میں بیان کیا ہے کہ دوسرے قاریوں کو چھوڑ کر محض انہی ساتوں قاریوں کی قرأت سے تمسک کرنا کسی اثر یا سنت کے ذریعہ سے ثابت شدہ نہیں بلکہ علمائے سلف کا اجماع ہے جو دھیرے دھیرے شائع ہوگیا اور اس سے یہ وہم بھی پیدا ہو گیا کہ ان قراءتوں سے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں۔ مگر یہ عدم جواز کسی عالم یا امام کا قول نہیں ہے۔

کواشی کا قول ہے کہ ہر ایک اس طرح کی قرأت جس کی سند صحیح ہو، عربیت کے لحاظ سے اُس کی وجہ درست ہو اور وہ مصحف امام کے رسم خط سے مطابق بھی ہو تو اُسے سات منصوص قراءتوں میں شمار کرنا چاہیئے۔ اور جب ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک بھی اس میں مفقود ہو تو ایسی قرأت شاذ تصور کی جائے گی۔ اور جس شخص نے شاطبیہ اور التیسیر کتابوں کے اندر بیان شدہ قراءتوں کو ہی سب مشہور قراءتوں کا منحصر سمجھا ہے اُس کو اس

بابت یہ ہے کہ جب یہ خبر ملی تھی کہ ان لوگوں نے قراءت ثلاثہ کے پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اور ایک بار جب میرے بھتیجے نے والد ماجد سے ساتوں قراءتیں پڑھنے کی اجازت مانگی تو انھوں نے کہا "میں تم کو دس قراءتیں پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں" اور ایک سوال کے جواب میں جو ان سے ابن [illegible] نے دریافت کیا تھا یہ کہا "جن سات قراءتوں پر شاطبی نے اقتصار کیا ہے اور ان کے سوا تین قراءتیں ابوجعفر، یعقوب اور خلف کی بھی متواتر ہیں اور ان کا دین میں سے ہونا بداہت کے ساتھ معلوم ہے وہ ہر ایک ایسا حرف جس کو ان فن قراءت کے دس اماموں میں سے کسی نے بھی منفرد روایت کیا ہے ازروئے دین کے بداہۃً معلوم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا ثابت ہے اور ان میں سے کسی امر کی بابت بجز ایک جاہل شخص کے دوسرے کا جھگڑا نہیں ہوسکتا۔"

تنبیہ ثانی:- قراءتوں کے مختلف ہونے سے احکام میں بھی اختلاف رونما ہوتا ہے جیسے قراءت "لَمَسْتُمْ" اور "لَامَسْتُمْ" کے اختلاف قراءت پر دو مسئلے وضو کے ہوتے ہیں کہ اگر "لَمَسْتُمْ" پڑھا جائے تو اس صورت میں محض چھونے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور "لَامَسْتُمْ" پڑھنے کی حالت میں مس کرنے والے اور چھونے والے دونوں کا وضو جاتا ہے۔ اور اسی طرح پر حائضہ عورت کے بارے میں "یَطْهُرْنَ" کا اختلاف قراءت خون کے بند ہونے اور غسل سے قبل اس سے وطی کو جائز قرار دیتا ہے اور ناجائز بھی۔ علماء نے ایک آیت کے دو طرح پر پڑھے جانے کے متعلق ایک عجیب و غریب اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے اور ابواللیث سمرقندی نے اپنی کتاب بستان میں دو قول نقل کئے ہیں۔ قول اول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح پر فرمایا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں پروردگار عالم نے اس کلام کو ایک ہی طرح پر ارشاد فرمایا لیکن اسی نے اس لفظ کے دو طرح پر پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک اوسط وجہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہر ایک مختلف قراءت کی ایک تفسیر دوسری قراءت کی تفسیر سے متغایر ہو تو کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی طرح پر ارشاد فرمایا ہے اور اس حالت میں ان دونوں قراءتوں کو بمنزلہ دو آیتوں کے قرار دیا جائے گا۔ اس کی مثال "حَتّٰی یَطْهُرْنَ" ہے۔ لیکن اگر ان دونوں مختلف قراءتوں کی تفسیر ایک ہی ہو مثلاً "البُیُوت" اور "البِیُوت" تو کہنا چاہئے کہ خدا نے ایک ہی طرح پر اسے ارشاد فرمایا ہے اور دونوں طرح پڑھنے کی اجازت دیدی ہے تاکہ ہر ایک قبیلہ اپنی بولی پر اسکے

مختلف بتا پڑھ سکے۔

اگر اس مقام پر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اللہ پاک نے دو قراءتوں میں سے ایک ہی قراءت کو اختیار فرمایا ہے تو وہ قراءت کونسی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جو قریش کے لغت (بول چال) کے مطابق قراءت ہے وہی وہ قراءت ہے۔ بعض متقدمین علماء کا قول ہے کہ قراءتوں کے مختلف ہونے اور ان کے متنوع ہونے میں بہت سے فوائد مضمر ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ فائدہ ہے کہ اس سے امت کے لئے آسانی، سہولت اور نرمی بہم پہنچانی مقصود ہے۔

دوم۔ یہ کہ اس امت کی عزت و بزرگی دیگر اقوام کے مقابلہ میں ظاہر کرنی تھی کیونکہ دوسری قوموں کی آسمانی کتابیں سب ایک ہی لغت اور ایک ہی طریقہ پر نازل ہوئی ہیں۔

سوم۔ یہ کہ امت مرحومہ کے لئے ثواب کا بڑھانا مد نظر تھا کیونکہ امت کے لوگ کہ ان کی قراءتوں کی تحقیق، اس کے ایک ایک لفظ کے ضبط میں لگے یہاں تک کہ مدوں کی مقداریں اور اِمالوں کا تفاوت معلوم کرنے میں بھی سعی کریں گے۔ پھر اُن کے معانی کی جستجو اور ہر ایک لفظ کی دلالت سے حکم و حکمت کے استنباط اور توجیہ، تعلیل اور ترجیح کو منکشف کرنے میں غور و خوض کرکے بے اندازہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

چہارم۔ یہ کہ خدا کو اپنی کتاب کے راز کا اظہار فرمانا اور یہ دکھانا مقصود تھا کہ اس میں باوجود اس قدر بے شمار وجوہ ہونے کے کس طرح اسے تبدیل اور اختلاف سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

پنجم۔ کتاب اللہ کے ایجاز کے ذریعہ سے اس کے اعجاز کا حد سے بڑھ کر ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ قراءتوں کا تنوع بمنزلہ آیتوں کے ہے اور اگر ہر ایک لفظ کی دلالت ایک علیحدہ آیت قرار دی جاتی تو اس میں جس قدر طوالت ہو سکتی تھی وہ مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے باری تعالیٰ کا قول وارجلکم پیروں کے دھونے اور موزوں پر مسح کرنے دونوں حکموں کے لئے نازل ہوا جس کا لفظ تو ایک ہی ہے مگر اعراب کے اختلاف سے دونوں معنے اسی ایک لفظ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ششم فائدہ یہ ہے کہ بعض قراءتیں اس قسم کی ہیں جو دوسری قراءتوں کے اجمال کی تفصیل کرتی ہیں اور اُسے واضح کر دیتی ہیں مثلاً "یطہرن" کی قراءت تشدید کے ساتھ اس کے بالتخفیف پڑھے جانے کے معنے کی وضاحت کرتی ہے۔ اور "فامضوا الی ذکر اللہ" کی قراءت اس بات کو صاف بتاتی ہے کہ "فاسعوا" کی قراءت سے صرف (تیزی رفتار کے ساتھ) چلنا مراد ہے نہ کہ تیزی کے ساتھ جانا۔ ابو عبید نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں بیان کیا ہے "شاذ قراءت سے مشہور

قرأت کی تفسیر اور اُس کے معانی کی توضیح مقصود ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی قرأت "وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ"۔ ابنِ مسعودؓ کی قرأت "فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَھُمَا" اور جابرؓ کی قرأت "فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْ بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ لَھُنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"۔ چنانچہ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حروف قرآن کی تفسیر کرنے میں مددگار ثابت ہوتے۔ اور تابعینؒ سے بھی اسی طرح کی زیادتی تفسیر کلام اللہ میں روایت کی جاتی اور مستحسن سمجھی جاتی ہے جب وہ بڑے بڑے صحابیوں سے منقول ہو تو اُس کا درجہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے بعد وہ زیادتی نفسِ قرأت میں داخل ہو گئی، اس لئے وہ تفسیر سے کہیں زیادہ بڑھ گئی اور قوی تر ہو گئی چنانچہ ان حروف سے کم از کم جو بات استنباط کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے تفسیر کی صحت معلوم ہو جاتی ہے"۔ اور خود میں نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں اس بات پر نہایت توجہ کی ہے کہ ہر ایک ایسی قرأت کو بیان کر دوں جو مشہور قرأت پر کسی زائد معنے کے بتانے کا فائدہ دیتی ہو ۔

تنبیہ پنجم۔ شاذ قرأت پر عمل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام الحرمین نے کتاب البرہان میں اس بات کو نقل کیا ہے کہ شافعی کے ظاہر مذہب کے لحاظ سے یہ بات جائز نہیں۔ ابو نصر قشیری نے بھی اسی قول کی پیروی کی ہے اور ابن حاجبؒ جو اس قول کو نقل کرتے ہیں انہوں نے بھی اس پر استناد اور وثوق کا اظہار کیا ہے کہ باوجود غیر متواتر ہونے کے وہ قرآن مشہور ہے مگر ثابت نہیں ہوا۔ قاضی ابو الطیب، قاضی حسینؒ، رویانی اور رافعی نے شاذ قرأت کو خبر آحاد کے درجہ میں مان کر اس پر عمل کرنا درست قرار دیا ہے۔ ابن السبکی نے اپنی کتاب جمع الجوامع اور شرح المختصر میں اس قول کے درست ہونے پر زور دیا ہے اور فقہا نے ابن مسعودؓ کی قرأت کی رو سے چور کا داہنا ہاتھ کاٹنے پر حجت قائم کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور کفارۃ الیمینؒ کے روزے پے درپے رکھنے کی نسبت بھی ابن مسعودؓ ہی کی قرأت کو حجت قرار دے کر اُن کا وجوب ثابت کیا ہے کیونکہ ابن مسعودؓ "مُتَتَابِعَاتٍ" پڑھا کرتے تھے۔ مگر ہمارے اصحاب (شافعی مذہب والوں) نے اس بات کو حجت نہیں مانا اس کی وجہ اس کے منسوخ ہو جانے کا ثبوت ہے جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

تنبیہ ششم۔ قرأتوں کی توجیہ معلوم کرنا ایک اہم اور ضروری امر ہے اور ائمہ فن نے اس پر علیحدہ اور مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ منجملہ ان کتابوں کے چند کتابیں یہ ہیں۔

الحجہ مصنفہ ابوعلی فارسی۔ الکشف مصنفہ مکی۔ الہدایہ مصنفہ المہدوی۔ اور المحتسب توجیہ الشواذ مصنفہ ابن جنی۔

الکواشی کا بیان ہے کہ قراءتوں کی توجیہ حسن کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مطابق حکم کی قدر و منزلت پر دلیل بن جائے یا اس کو ترجیح دیدے۔ مگر اس مقام پر اس امر سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ وہ قراءتوں میں سے کسی ایک کو دوسری قراءت پر اس طرح ترجیح دینا کہ وہ قریب ساقط کر دے پسندیدہ امر نہیں ہے اس لئے کہ ان قراءتوں میں سے ہر ایک قراءت تو کی ہوئی ثابت ہے لہٰذا کسی ایک کی تردید روا نہیں ہو سکتی۔ ابو شامہ کا بیان ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت کی یہ عادت ہے کہ جس وقت قراءتوں میں اختلاف ہو تو ایک اعراب کو دوسرے اعراب پر ترجیح دیا کرتے ہیں اور اگر ایسا اختلاف ہو تو دونوں میں سے قوی تر اعراب کو ترجیح دیتا ہوں۔ ابو جعفر النحاس کا قول ہے دیانت داری کے یہ معنے ہیں کہ جس وقت دو قراءتیں صحیح ثابت ہوں تو یہ بات نہ کہی جائے کہ یہ قراءت زیادہ اچھی ہے کیونکہ وہ سب قراءتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں لہٰذا جو شخص اس طرح کی بات کہے گا وہ گنہگار ہوگا۔ اور پہلے لوگ اس طرح کی بات کو برا سمجھتے تھے۔ ابو شامہ کا قول ہے کہ بہت سے مصنفین نے "ملک" اور "مالک" کی قراءت میں "مالک" کی قراءت کو "ملک" کی قراءت پر اس قدر ترجیح دی اور اتنا مبالغہ کیا ہے کہ قریب قریب بعض نے "ملک" کی دوسری قراءت کو ساقط ہی کر دیا ہے۔ اور دونوں قراءتوں کا متواتر ہونا ثابت ہے کے بعد یہ بات کبھی قابل تعریف نہیں کہی جا سکتی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ شاذ قراءتوں کی توجیہ کرنا مشہور قراءتوں کی توجیہ سے بدرجہا بہتر اور قوی تر ہے۔

فائدہ۔ ثعلبی کا بیان ہے کہ علماء کو اس طرح سے کہنا پسند نہ تھا کہ یہ عبداللہ کی قراءت ہے، یہ سالم کی قراءت ہے، یہ ابی کی قراءت ہے، اور یہ زید کی قراءت ہے۔ بلکہ یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں اس کو اس صورت سے پڑھتا تھا اور فلاں اس طریقہ سے پڑھا کرتا تھا۔ نخعی نے کہا مگر صحیح یہ ہے کہ ایسا کہنا بھی برا نہیں ہے۔

اٹھائیسویں نوع۔ وقف اور ابتداء کی معرفت

ابو جعفر النحاس۔ ابن الانباری۔ الزجاجی۔ الدانی۔ العمانی اور الحمادی

وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ فواصل جدا ہونے والی (آیتوں) کو نہ پہچانے۔ ابن الجزری نے اپنی کتاب النشر میں لکھا ہے " چونکہ قاری کے لئے یہ بات غیر ممکن ہے کہ وہ ایک سورۃ یا قصہ کو ایک ہی سانس میں پڑھ جائے اور دو کلموں کے مابین حالتِ وصل میں دم توڑنا اس وجہ سے جائز نہیں کہ یہ بات بمنزلہ ایک ہی کلمہ کے اثناء میں سانس توڑ دینے کے ہے لہٰذا واجب ہے کہ ایسی حالت میں آرام کی غرض سے سانس لینے کے لئے کسی مقام پر وقف (ٹھیراو) بھی مقرر کیا جائے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ابتدار کرنے کے لئے کوئی پسندیدہ مقام متعین کیا جائے۔ اور یہ بات اُسی صورت میں ٹھیک ہے جب کہ اس وقف سے معنوں میں کوئی خلل نہ پڑے اور مفہوم کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ کیونکہ اسی طریقہ سے اعجاز کا اظہار اور مقصد کا حصول ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ائمۂ سلف نے وقف و ابتدار کا علم حاصل کرنے اور اُس کی شناخت اور معرفت کی تاکید فرمائی " اس کلام میں اُس کے وجوب کی دلیل ہے اور ابن عمرؓ کے قول میں اس کی واضح دلیل موجود ہے کہ وقف کا علم حاصل کرنے پر صحابہؓ کا اجماع (اتفاق) ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی سلف صالح سے اس علم کی تحصیل اور اس پر توجہ کرنا صحیح ہی نہیں بلکہ تواتر کی حد تک ثابت ہے، مثلاً ایک نہایت ممتاز تابعی ابو جعفر یزید بن القعقاع اور اُن کے شاگردانِ رشید امام نافعؒ، ابو عمرو، یعقوب اور عاصم وغیرہ ائمۂ فن کے اقوال اور طرزِ عمل سے یہ بات ثابت ہے اور اُن کے اقوال اور ہدایتیں مشہور کتابوں کے اندر موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے متقدمین علماء نے قرأت کی اجازت دینے والوں پر یہ شرط لگا دی تھی کہ وہ جب تک کسی شخص کو وقف اور ابتدار کی شناخت میں بخوبی آزما نہ لیں اُس وقت تک اُسے قرأتِ قرآن کی سند عطا نہ کریں۔ شعبی سے صحیح قول مروی ہے کہ اُنھوں نے کہا " جس وقت تم " کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ " پڑھو تو یہاں پر اُس وقت تک سکوت نہ کرو جب تک " وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ " کو بھی نہ پڑھ لو" اِس قول کو ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے۔

فصل

ائمۂ فن نے اختلافِ اقوال کے ساتھ وقف اور ابتدار کی انواع کے کچھ اصطلاحی نام بھی مقرر کئے ہیں۔ ابن الانباریؒ کا قول ہے " وقف تین طرح پر ہوتا ہے۔ تام، حسن

اور قبیح

وقفِ تام وہ ہے جس پر ٹھہر کر سانس لینا اور پھر اُس کے بعد سے ابتدا کرنا اچھا ہو اور جس پر وقف کیا ہے اس کا اپنے مابعد سے کوئی تعلق نہ ہو مثلاً قول تعالیٰ "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" یا قول تعالیٰ "اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ"

وقفِ حسن ایسے ٹھہراؤ کو کہتے ہیں کہ وہاں پر ٹھہر جانا تو اچھا ہو مگر اس کے بعد سے ابتدا کرنا مناسب نہ ہو جیسے قول تعالیٰ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہ اس کے بعد "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کے ساتھ ابتدا کرنا یوں درست نہیں کہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہے۔

وقفِ قبیح کی تعریف یہ ہے کہ نہ وہ وقفِ تام ہو اور نہ وقفِ حسن جیسے قول تعالیٰ "بِسْمِ اللّٰهِ" میں صرف "بِسْمِ" پر ٹھہر جانا۔

ابن الانباری کا قول ہے: مضاف الیہ کو چھوڑ کر صرف مضاف پر، موصوف کو ترک کر کے صرف صفت پر، مرفوع کو چھوڑ کے صرف رفع دینے والے کلمہ پر، اسی طرح اس کے برعکس، یا پھر ناصب پر بغیر منصوب کے اور اس کے برعکس بھی، مؤکد پر بدوں اس کی تاکید کے، معطوف پر بغیر معطوف علیہ کے، بدل پر بغیر مبدل منہ کے ملائے ہوئے کبھی وقف کرنا درست نہیں اور یہی حالت انّ یا کانَ یا ظنَّ اور اُس کے مانند کلموں کے اسم و خبر کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے اسم پر بغیر اس کی خبر کو ملائے ہوئے اور خبر پر بغیر اس کے اسم کے ملائے ہوئے ہرگز وقف صحیح نہیں ہوتا اور ایسے ہی مستثنیٰ منہ پر بغیر استثناء کے اور موصول پر بلا صلہ کے خواہ وہ اسمی ہو یا حرفی، اور نہ فعل پر بغیر اس کے مصدر کے، نہ حرف پر بلا اس کے متعلق کے، اور نہ شرط پر بغیر اس کی جزاء کے ملائے ہوئے وقف کرنا درست ہے۔

ابن الجزری کے علاوہ دیگر علماء کا بیان ہے کہ وقف کی چار قسمیں ہیں: تام مختار، کافی جائز، حسن مفہوم اور قبیح متروک۔

قسم اوّل تام: یہ اُس وقف کو کہتے ہیں جس کا اپنے مابعد سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، اس لئے وہاں پر ٹھہر جانا بہتر ہے اور اس کے مابعد سے ابتدا کرنا درست ہے اور بیشتر اسی طرح کے اوقاف آیتوں کے خاتموں پر پائے جاتے ہیں مثلاً قول تعالیٰ "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور کبھی یہ وقف آیت کے مابین بھی ملتا ہے جیسے قول تعالیٰ "وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً" کہ یہاں پر وقف تام ہے اور بلقیس کی بات پوری ہو گئی۔ پھر اس کے بعد اللہ پاک

فرماتا ہے "وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ" اور ایسے ہی "سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ" اس جگہ بھی وقف تمام ہے کیونکہ یہ "يَظْهَرُوْنَ" پر بات ختم ہو گئی جس کے بعد پھر ارشاد فرماتا ہے "وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا" اور یہ وقف ختم آیت کے بعد دوسری آیت کے آغاز میں پایا جاتا ہے، مثلاً قول تعالیٰ "مُصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ" [illegible] پر اگر وقف تام ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "لَتَمُرُّوْنَ" کا عطف معنے پر ہے یعنی اس سے "بِالصُّبْحِ وَبِاللَّيْلِ" مراد ہے۔ اسی طرح "يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا" میں آیت کا خاتمہ "يَتَّكِئُوْنَ" ہے اور وقف اگر "زُخْرُفًا" پر ختم ہوا اس لئے کہ یہ اپنے ماقبل پر عطف ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک قصہ کا آخر اور اس کے آغاز کا ماقبل ہر ایک سورت کا آخر اور یائے ندا، فعل امر فعل قسم اور لام قسم سے پہلے [illegible] کی صورت میں نہیں، تو وقف [illegible] قسم مقدم نہ ہوا ہو اور "كَانَ اللّٰهُ" "مَاكَانَ" "ذٰلِكَ" اور "لَوْلَا" یہ سب مقامات بھی وقف تام کے ہیں مگر اس حالت میں کہ ان سے پہلے کوئی قسم یا قول یا وہ چیز جو قول کے معنے میں ہو، نہ آئے۔

وقف کافی لفظاً منقطع ہوتا ہے اور معنے میں اس کا تعلق [illegible] ہوتا ہے، پس اس پر وقف کرنا اچھا ہے اور اس کے مابعد سے ابتدا کرنا بھی مناسب۔ مثلاً "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ" یہاں پر وقف ہے اور اس کے مابعد سے ابتدا کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح ہر آیت کا آخری سرا جس کے بعد لام کی، "اِلَّا" بمعنے "لٰكِنْ"، "اِنَّ" مشددہ اور استفہام، "بَلْ"، "اَلَا" مخففہ، "سین"، "سوف"، "نعم"، "بئس" اور "كَيْلَا" واقع ہو جب تک ان سے پہلے کوئی قسم یا قول نہ آئے تو ان پر بھی وقف کافی کرتا ہے۔

وقف حسن وہ ہے جس پر ٹھہرنا اچھا ہو مگر اس کے مابعد سے ابتدا کرنا بہتر نہ ہو جیسے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں الحمد پر وقف کرنا۔

وقف قبیح وہ ہے جس پر ٹھہرنے سے کوئی مراد ہی سمجھ میں نہ آئے جیسے "اَلْحَمْدُ" پر اور اس سے بھی بڑھ کر قبیح یہ ہے کہ "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا" پر وقف کر کے "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ" سے ابتدا کی جائے کیونکہ اس ابتدا سے [illegible] اور جو شخص یہ جان بوجھ کر قصداً ایسا وقف کرے گا وہ بلاشبہ کافر ہو جائے گا اور [illegible] "[illegible] اللّٰهُ" اور "فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ" [illegible]

ا یہ کو درست ہیں؟

[illegible] جملہ پر کیا جائے جیسے [illegible]

[illegible]

[illegible] پر وقف کرنا بہتر ہے ورنہ کوئی نقصان نہیں۔

الثانی [illegible] وقف کے پانچ مرتبے ہیں۔ لازم، مطلق، جائز، [illegible]

[illegible]

وقف لازم وہ ہے کہ اگر اس کے دونوں طرف [illegible]

[illegible]

"الْخِيَرَةُ" اور "إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا" مگر یہ اُس حیثیت میں ہوتا ہے جب کہ یہ تمام وجوہ کسی قولِ سابق کے مقولے نہ ہوں۔

وقفِ جائز اُس کو کہتے ہیں جس میں وصل اور فصل دونوں روا ہوں جس کی وجہ طرفین کا دونوں موجبوں کا مقتضی ہونا ہے مثلاً "وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ" فقرہ کے بعد واوِ عاطفہ واقع ہونا اِس امر کا مقتضی ہے کہ مابعد کو اس کے ساتھ وصل کیا جائے۔ اور مفعول کا فعل پر مقدم کرنا نظمِ کلام کا منشا ہے جس کی وجہ سے فصل جائز ہوگا کیونکہ تقدیر کی مراد "وَيُوقِنُونَ بِالْآخِرَةِ" ہے۔

وقفِ مجوز لوجہ یہ ہے کہ جس طرح "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ" میں اس کے مابعد کے جملہ "فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ" کا حرف "فا" کے ساتھ آغاز ہونا سببیت اور جزا کا مقتضی ہے اور اس وجہ سے اس کا وصل واجب ہے۔ اور مابعد کے جملہ مستانفہ میں فعل کا پہلا آنا فصل کی ایک وجہ کو پہنچاتا ہے۔ اور وہ وقف جس کی اجازت بوجہ ضرورت کے دی جاتی ہے، اس قسم کا ہوتا ہے جس کا مابعد کسی حالت میں اپنے ماقبل سے مستغنی نہ ہو مگر سانس ٹوٹ جانے یا کلام کے طول کی وجہ سے وہاں ٹھیر جانے کی اجازت رہتی ہے اور دوبارہ وصل کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کا مابعد ایک مفہوم جملہ ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "وَالسَّمَاءَ بِنَاءً" کہ اس کے بعد قولہ تعالیٰ "وَأَنزَلَ" سیاقِ کلام سے مستغنی نہیں ہوتا جس کی علت یہ ہے کہ "أَنزَلَ" کا فاعل وہ ضمیر ہے جو اپنے ماقبل کی طرف عود کرتی ہے مگر اسی کے ساتھ مابعد کا جملہ پوری طرح سمجھ میں بھی آتا ہے اور اس لئے اُسے ماقبل سے وصل کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ وہ مقامات جن پر وقف کرنا جائز ہی نہیں وہ حسبِ ذیل ہیں: شرط پر بغیر اس کی جزا کے۔ اور مبتدا پر بغیر اس کی خبر کے یا اسی کے مانند اور چیزیں بھی۔

ایک اور عالم کا قول ہے کہ قرآن میں وقف آٹھ قسموں پر بٹا ہوا ہے۔ تام، مشابہ تام۔ ناقص، مشابہ ناقص۔ حسن، مشابہ حسن۔ قبیح اور مشابہ قبیح۔ ابن جزری کا قول ہے "وقف کے اقسام میں لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے ان بیانات میں سے اکثر بیانات بالکل غیر منضبط اور غیر منحصر ہیں۔ اور میں نے اِس قول کو جو مذکورہ قسم کے تحت میں ہے سب کی نسبت سب سے زیادہ دلنشین پایا۔ بات یہ ہے کہ وقف کی تقسیم صرف اختیاری اور اضطراری کی دو قسمیں کرنا مناسب ہے کیونکہ کلام کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ ٹھیرنے کی جگہ پر تام ہوجاتا ہے

غیر تام نہ ہوگا اس لئے اگر کلام تام ہوجائے تو وہاں پر وقف کرنا اختیاری ہوگا۔ اور کلام
کے تام ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت سے خالی نہ ہوگا یعنے یا تو وہ کلام اِس قسم کا ہوگا
جسے اپنے مابعد سے بالکل کوئی تعلق ہی نہ ہو نہ لفظ کی رو سے اور نہ معنے کی جہت سے لہٰذا ایسی
وقف کا نام وقف تام ہے اُس کے مطلقاً تام اور کامل ہونے کے باعث اُس پر وقف کیا جائے گا
اور اُس کے مابعد سے نئے کلام کی ابتدا درست ہوگی۔ ابن الجزریؒ نے اِس کی مثال وہی دی
ہے جس کو ہم پیشتر وقف تام کے بیان میں درج کر آئے ہیں۔ پھر ان کا بیان ہے کہ "کبھی وقف
کسی تفسیر، اعراب اور قرأۃ میں تام ہوتا ہے اور دوسری تفسیر وغیرہ کے اعتبار سے تام
نہیں ہوتا مثلاً "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ" یہ وقف اِس حالت میں تام ہے اس کا مابعد
جملہ مستأنفہ ہو لیکن مابعد کے جملہ معطوفہ ہونے کی حالت میں تام نہیں۔ یا جیسے سورتوں
کے آغاز کے (حروف) اُن پر اُس وقت وقف کرنا تام ہوسکتا ہے جب کہ اُن کو مبتدا کا اعراب دیا جائے
اور اُن کی خبر محذوف مانی جائے یا اس کے برعکس یعنے مبتدا محذوف اور خبر مذکور تسلیم کیا جائے
جیسے "الٓمٓ ھٰذَا" یا "ھٰذَا الٓمٓ" یا جب کہ اُن کو "قُلْ" مقدر کا مفعول بنایا جائے
تو اس صورت میں اُن پر وقف کرنا غیر تام ہوگا بجائیکہ اُن کے مابعد ہی اُن کی خبر بھی موجود
ہو۔ یا مثلاً "مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا" پر وقف کرنا اُس حالت میں تام ہے جبکہ "وَاتَّخِذُوا"
کسرۂ خاء کے ساتھ پڑھا جائے اور اُسے فتحۂ خاء کے ساتھ پڑھنے کی حالت میں یہاں وقف کافی
ہوگا۔ اور مثلاً "إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝" کہ یہاں جس نے اس کے بعد آنے والے اسم
"اللَّهُ" کو رفع پڑھا ہے اُس کے نزدیک وقف تام ہے۔ اور جو شخص اسم ذات کو کسرہ دے کر
"اللَّهِ" پڑھتا ہے اُس کے نزدیک وقف حسن ہے۔ کبھی کئی ایک وقف تام میں ایک کو دوسرے
پر ترجیح ہوتی ہے اس کی مثال "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝"
ہے اس میں دونوں وقف تام ہیں لیکن پہلا وقف بہ نسبت دوسرے کے اتم ہے — اس واسطے
کہ وہ (دوسرا) اپنے مابعد کے ساتھ خطاب کے معنوں میں شریک ہے اور اوّل میں یہ بات نہیں
اسی طرح کے وقف کا بعض لوگوں نے مشابہ تام نام رکھا ہے۔ بعض وقف تام اس طرح
کے ہوتے ہیں کہ اُن کا مستحب ہونا معنے مقصود کے بیان کی غرض سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے
جس کا نام سجاوندی نے وقف لازم قرار دیا ہے۔ اور اگر اُس کو مابعد کے ساتھ کوئی تعلق ہوگا
تو یہ دو صورتوں میں ایک سے خالی نہیں ہوگا یعنے یا وہ تعلق صرف معنے کی جہت سے ہوگا تو اس

ہے۔ پھر "عُزَیْرٌ" اور "اَلْمَسِیْحُ" سے ابتدا کرنا اور بھی سخت بُرا ہے۔ اور اگر "سَاوَعَدَنَا اللّٰہُ" پر بغیر ضرورت وقف کر دیا جائے تو اس کے بعد اسم ذات "اَللّٰہُ" سے ابتدا کرنا بہت بُرا ہے۔ اور "وَعَدَنَا" سے ابتدا کرنا اور بھی سخت بُرا۔ اور "مَا" سے ابتدا کرنے کی قباحت تو اس قدر زائد ہے کہ اُس کی کوئی حد ہی نہیں۔ پھر کسی حالت میں وقف تو حسن ہوتا ہے لیکن اُس لفظ سے ابتدا کرنا بُرا ہوتا ہے مثلاً "یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ" کہ اس پر وقف کر لینا اچھا ہے لیکن اس سے ابتدا کرنا بوجہ فسادِ معنے کے نہایت بُرا کیونکہ اس صورت میں معنے یوں ہو جاتے ہیں جیسے کہ خدا پر ایمان لانے سے ڈرایا جائے۔ اور کبھی ایک جگہ وقف کرنا قبیح ہوتا ہے مگر وہیں سے ابتدا کر لینا بہتر ہے مثلاً "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا" کہ یہاں "هٰذَا" پر وقف کرنا قبیح ہے کیونکہ اس طرح سے مبتدا اور خبر میں جدائی ہو جاتی ہے اور یہ وہم ہوتا ہے کہ "هٰذَا" کا اشارہ "مَرْقَد" کی جانب ہے۔ مگر "هٰذَا" سے ابتدا کرنا کافی اور تام ہے کیونکہ وہاں سے نیا کلام شروع ہوتا ہے۔

تنبیہات

تنبیہ اول:۔ علماء قرأت کا یہ کہنا کہ مضاف پر بغیر مضاف الیہ کو ملائے ہوئے یا ایسے ہی اور امورِ مذکورہ میں وقف کرنا جائز نہیں۔ اس کے متعلق ابن الجزری نے کہا ہے کہ "اُس سے اُن کی مراد ادائے کلام کا جواز ہے اور یہ جو ادائے قرأت و تلاوت میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اُن کا یہ مقصد نہیں کہ ایسا وقف حرام یا مکروہ ہے۔ مگر ہاں جس حالت میں کہ اس طرح کے وقف سے قرآن کی تحریف اور اللہ پاک کے مقرر کئے ہوئے معنے کا بدلنا مقصود ہو تو اُس وقت ایسے امر کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے بلکہ زناہ کا فر بنتا ہے۔

تنبیہ دوم۔ ابن الجزری کا قول ہے کہ بعض عرب میں آباد شدہ باہر کے لوگوں نے خواہ مخواہ یا بعض قاریوں نے بتکلف یا بعض خود غرض لوگوں نے نادانی کی آڑ لے کر بہت سے اوقاف مقرر کر لئے ہیں یہ مقامات اُن اوقاف میں سے نہیں جو وقف اور ابتدا کے متعلق نہیں ہوں اور وہاں پر تمام کثیر نہ ہوا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ کمال ترتیب معنے اور مناسبت ین وجوہ وقف پر خوب غور کرکے پھر جو ٹھیک معلوم ہو اُس پر عمل کرنا چاہیئے مثلاً "وَارْحَمْنَا اَنْتَ" پر

وقف کر کے "مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا" سے ابتدا کرنا اور ندا کے معنے مراد لینا۔ یا "ثُمَّ جَاءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ" پر وقف کر کے "بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَا" سے اور "يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ" پر ٹھیر کر "بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ" سے قسم کے معنے مراد کر کے ابتدا کرنا۔ یا جس طرح "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ" پر وقف اور "اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" سے ابتدا، اور "فَلَا جُنَاحَ" پر وقف اور "عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" سے ابتدا کرنا۔ یہ سب بناوٹ اور تحریف رد و بدل ہے اور اس سے خوہ مخواہ کلمات کو ان کی جگہ سے بے جگہ کرنا لازم آتا ہے۔

تنبیہ دوم: لمبی لمبی آیتوں، دراز قصوں، اور جملہ ہائے معترضہ وغیرہ میں اور کسی قراءت کو جمع کرنے اور قراءت تحقیق و ترتیل پڑھنے کی صورتوں میں بہت سی اس طرح کی باتیں معاف ہوتی ہیں جو ان کے علاوہ دوسری حالتوں میں قابل معافی تصور نہیں ہوتیں اس لئے کہ بسا اوقات اسباب مذکورہ بالا میں سے کسی وجہ سے وقف اور ابتدا کو جائز رکھا جاتا ہے مگر ان کے علاوہ کسی اور سبب سے جائز نہیں ہوتا۔ اسی قسم کے وقف کو سجاوندی نے "مرخص ضرورت" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی مثال میں باری تعالیٰ کا ارشاد "وَالسَّمَآءَ بِنَآءً" کو پیش کیا ہے۔ ابن الجزری نے کہا ہے کہ "بہتر یہ تھا کہ ایسے وقف و ابتدا کی مثال میں آیات "قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" اور "وَالنَّبِيّٖنَ" اور "وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ" اور "عٰهَدُوْا" اور "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" کی آیتوں کو آخر قصہ تک پیش کیا ہوتا"۔ کتاب مستوفی کا مصنف بیان کرتا ہے کہ علمائے نحو کتاب اللہ (تنزیل) میں جہاں تک وقف تام کا امکان ہو وہاں تک وقف ناقص کرنا برا سمجھتے ہیں۔ اس لئے اگر کلام طویل ہو جائے اور اس کے بیچ کوئی وقف تام کا موقع نہ ملے تو اس حالت میں وقف ناقص پر کرنا برا نہیں۔ اس کی مثال سورۃ الجن ہے کہ اگر اس میں قولہ تعالیٰ "قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ" کے بعد "اِنَّ" مکسورہ پڑھا جائے تو قولہ تعالیٰ "فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" تک اور "اَنَّ" مفتوحہ پڑھنے کی حالت میں قولہ تعالیٰ "كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا" تک قصہ دراز ہوتا چلا گیا ہے لہذا یہاں وقف ناقص کا استعمال بھی برا نہیں تصور کیا جاتا۔

ابن جنی کا قول ہے کہ بہت سی باتیں وقف ناقص کو حسن بھی بنا دیتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ صورت ہے کہ وقف ایک طرح کے بیان (وضاحت) کی غرض سے کیا جائے جیسے "وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا" یہاں پر وقف کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ "قَيِّمًا" اس سے جدا ہے اور یہ

ختم ہونے کی صورت میں ہے۔ [illegible] پر ٹھہرنا [illegible]
پر وقف کیا جا سکے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ خود کلام ہی وقف پر مبنی ہو جس طرح [illegible]
اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ ابن الجزری کا بیان ہے جب [illegible] مذکورہ بالا
اسباب کی وجہ سے بھی وقف کرنا مناسب ہوتا ہے [illegible] بعض اوقات [illegible]
[illegible] جب کہ کوئی لفظی تعلق نہ ہو وہاں وقف کرنا [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] اور [illegible] کے نزدیک [illegible]
جائز نہیں۔ اسی طرح وقف [illegible] آیت [illegible]
[illegible] ایسے جملے کر دیا جاتا ہے [illegible] بات [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] سے ملا کر [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] کر کے [illegible] ان کے [illegible] ہونے کے ان کا تعلق [illegible] سے بحیثیت [illegible] کر دیا

تیسری قسم۔ کبھی ایک حرف اور دوسرے حرف دونوں پر وقف کرنا جائز ہوتا ہے مگر
[illegible] دونوں وقفوں کے مابین تضاد کے اعتبار سے [illegible] اگر پہلے پر وقف
کر لیا گیا تو دوسرے [illegible] پر وقف کرنا ممتنع ہوگا۔ مثلاً [illegible] پر وقف [illegible]
قرار دیتا ہے وہ [illegible] پر اور جس کے نزدیک [illegible] پر وقف جائز ہے وہ [illegible]
وقف جائز نہیں سمجھتا۔ اور یہی حالت [illegible] پر وقف [illegible]
[illegible] کی [illegible] سے [illegible] قرأت ہے۔ [illegible]
[illegible] اِلَّا اللّٰهُ اور وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کے [illegible]
ابن الجزری کا قول ہے [illegible] وقف [illegible]
[illegible] اور اس نے وقف [illegible] کی [illegible]
[illegible]

[illegible] مشابہ ہونا۔ [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] کا [illegible] ہے [illegible] پر [illegible] وقف کرے گا جیسے [illegible]
[illegible] کی [illegible] قرأت [illegible]
[illegible] کو بھی [illegible] جس میں قرآن کا نزول ہوا ہے - [illegible] کا بیان
[illegible] وقف کرنے والے کو علمِ فقہ کا واقف ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ
[illegible] پر [illegible] لگانے والے کی شہادت باوجود اس کے
[illegible] قبول [illegible] ارشادِ باری تعالیٰ "[illegible]"
[illegible] پر وقف کرے گا جن لوگوں نے اس امر کی تصریح
[illegible] بھی ہے چنانچہ وہ کتاب الوقف میں بیان کرتا ہے کہ
[illegible] ضروری ہے کہ وہ علمِ فقہ کے بعض مشہور اماموں کے مذاہب کا بھی عالم ہو اور
[illegible] معرفت میں [illegible] حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ قرآن میں بہت سی
[illegible] بعض کے مذہب [illegible] پر وقف [illegible]
[illegible] اس کے مقدرات کے
[illegible] ابراہیم [illegible] کو اغراء کے [illegible]
[illegible] وہ اس کے ماقبل پر وقف کرے گا اور جو اس کو اس کے ماقبل کا معمول بنا[illegible]
[illegible] وقف کرنے کی [illegible] نہ ہوگی - نیز قرأتوں کا علم رکھنے کی یوں ضرورت ہے کہ
[illegible] کبھی ایک قرأت میں وقف [illegible] اور دوسری قرأت میں نہیں
[illegible] کی [illegible] ہے کہ قرآن کو پڑھنے والا [illegible]
[illegible] پر وقف کرے گا تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ
[illegible] مدت چالیس سال تک - لیکن اگر وہ [illegible] پر وقف
[illegible] کہ تحریم کی مدت ابدی اور دائمی [illegible]
[illegible] تھا اور اس طرح یہ وقف [illegible] تفسیر سے وابستہ [illegible]
[illegible] بیان کر آئے ہیں کہ کبھی ایک تفسیر اور اعراب کے لحاظ سے وقف
[illegible] تفسیر [illegible] اعراب کے [illegible] پر تمام نہیں ہوتا اس لیے کہ [illegible] تفسیر [illegible]
[illegible] اور [illegible] قرآن سے واقف ہونے کی ضرورت [illegible]

[illegible] ۱۲

ہے "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ" اور "وَمَا يُشْعِرُكُمْ" اور "إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ" وغیرہ قیود سے مستثنیٰ قرار دیئے ہیں یہاں عمداً وقف بھی کیا ہے۔ شاطبی اور علامہ دانی وہاں وقف کرتے ہیں جس جگہ کہ کلام تمام ہوتا ہے اور بعض آیتوں کے آخری سروں پر وقف کرتے ہیں اور بعض نزدیک بھی امر کو ایسے ہی قرار دیتے ہیں کیونکہ بعض علماء کا قول ہے کہ آیتوں پر وقف لینا سنت ہے۔ بیہقی کی کتاب شعب الایمان میں بعض علماء کی رائے ہے کہ آیتوں کے سروں پر وقف کرنا افضل ہے گرچہ ان کا تعلق بعد کے ساتھ ہو ان پر وقف کرنا اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور آپ کی سنت کی پیروی ہوتی ہے۔ ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کو پڑھتے تو اس کی قرأت ایک ایک آیت الگ الگ کرکے کیا کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر ٹھہر جاتے اور پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ پر وقف فرماتے۔ اور پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے۔

تنبیہ ششم۔ علمائے متقدمین وقف، قطع اور سکتہ کے الفاظ کا اطلاق غالباً ایسے ہی موقعوں پر کیا کرتے ہیں جہاں وقف کرنا ہو۔ مگر علمائے متاخرین نے ان میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ قطع سے قرأت کا بالکل ہی ختم کر دینا مراد ہے اس لئے وہ ایسا ہے جیسے پڑھنا روک دیا۔ اس کا پڑھنے والا گویا قرأت سے منہ موڑ کر کسی دوسری حالت میں منتقل ہوتا ہے جس کو پہلی حالت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور قطع کا مقام وہ ہوتا ہے جس کے بعد از سرِ نو قرأت شروع کرتے وقت "اَعُوْذُ" پڑھی جاتی ہے۔ ایسے ہی قطع صرف [illegible] آیتوں پر ہوتا ہے [illegible] سعید بن منصور نے [illegible] روایت کی ہے کہ ہم سے ابوسنان نے ابن ابی الہذیل کے واسطے سے بیان کیا وہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آیت کا کوئی حصہ پڑھیں اور دوسرا حصہ چھوڑ دیں [illegible] عبداللہ بن ابی الہذیل بڑے تابعی ہیں [illegible] اس بات کو ناپسند کرتے تھے [illegible] جاتے تھے۔

وقف سے [illegible] تھوڑی دیر کے لئے کلمہ سے آواز کو ختم کرنا [illegible] جاتا ہے [illegible] قرأت کو جاری رکھنے کی نیت سے [illegible]

وقف آیتوں کے آخری سروں پر اور ان کے وسط میں بھی ہوتا ہے مگر سکتہ آیتوں کے وسط میں ہرگز نہیں آتا جن کا باہمی وصل لفظ کے لحاظ سے ضروری ہوتا ہے۔

سکت کے یہ معنے ہیں کہ بتقدیر تھوڑی دیر کے لئے صوت کو قطع کیا جائے جو عادتاً وقف کے زمانہ سے اس سے کم عرصہ کے لئے قرأت کرنے والے چپ ہو جائیں اور سکتہ کی نسبت قرأت کے اماموں نے سکتہ کے ادا کرنے کی نسبت جو باتیں بیان کی ہیں ان سے مختلف صورتوں کے طول اور قصر کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً حمزہ سے اس ساکن حرف پر جو ہمزہ سے قبل آتا ہے چپ ہونے میں بہت ہی تھوڑی سکتہ منقول ہے اور اشنانی نے تھوڑے سے سکتہ کا ذکر کیا تھا۔ کسائی اسی طرح کا خفی سکتہ کرتے تھے جس میں کوئی اشباع اور مکث نہ ہو۔ ابن غلبون تھوڑی سی دیر ٹھیرنے کا نام سکتہ قرار دیتے ہیں۔ اور مکی نے خفیف وقفہ کو سکت کہتے ہیں۔ ابن شریح نے صرف وقفہ مراد لیا ہے۔ اور قتیبہ کے خیال میں بغیر سانس توڑے ہوئے چپ رہ جانے کا نام سکتہ ہے۔ الدانی کہتے ہیں کہ سکوت کو جس میں آواز کا رکنا محسوس ہی نہ ہو سکتہ کہتے ہیں۔ اور جعبری کا قول ہے "یعنی تھوڑی دیر کے لئے آواز کا رک جانا جو سانس لینے کے زمانہ سے بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اس میں طول ہو جائے تو وہ دوسرے لفظوں میں وقف ہو جائیگا۔" ابن الجزری کا قول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سکتہ صرف سماع اور نقل کی قیدوں سے مقید ہے اور ان مقامات کے سوا جن کی بابت کسی معنے مقصود بالذات کی وجہ سے صحیح روایت آئی ہو کسی دوسری جگہ سکتہ ہرگز جائز نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سکتہ بغیر سانس کے راس آیت میں مطلقاً ہی میں جائز ہوتا ہے جس سے بیان مقصود ہو۔ بعض لوگوں نے اس کو حدیث پر محمول کیا ہے۔

ضابطہ۔ قرآن میں جتنی جگہوں پر "الذی" اور "الذین" آئے ہیں ان پر وقف کرنا جائز ہیں۔ ایک نعت قرار دے کر ماقبل کے ساتھ وصل کر دیا جائے۔ اور دوسرے خبر قرار دے کر ماقبل سے جدا کر دیں۔ مگر سات جگہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کہ ان میں ان کلمات سے ابتدا متعین ہوتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں "اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ" "اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ" اور "اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا" "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا" سورۃ براءۃ میں "اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ" سورۃ الفرقان

[illegible] سورۃ الفاطر میں [illegible] تفسیر کشاف میں ارشاد
[illegible] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے [illegible]
[illegible] اس صورت میں جائز ہے جب [illegible]
[illegible] جب اس کو صفت قرار دیا جائے تو اس کے [illegible]
[illegible] کے لئے ہو تو [illegible] موصوف پر [illegible]
[illegible] کے لئے ہو تو پھر وقف کرنا روا ہے [illegible]
[illegible] موصوف کے حال سے [illegible]

[illegible] مستثنیٰ منہ پر وقف کرنے کی بابت میں [illegible] مستثنیٰ منقطع
[illegible] کے بارے میں [illegible] مذہب ہیں۔

اوّل۔ مطلق جواز اس لئے کہ وہ ایسے [illegible]
[illegible]

دوم۔ [illegible] لفظاً محتاج [illegible]
[illegible] کے معنی میں ہوتے ہیں (مثلاً غیر وغیرہ) [illegible]
[illegible]

[illegible] اگر [illegible]
[illegible] مستثنیٰ [illegible]
[illegible]
[illegible] قرآن میں
[illegible]

کلّا قرآن میں تینتیس جگہوں پر آیا ہے۔ منجملہ اُن کے سات جگہوں پر بالاتفاق ردع کے معنے آیا ہے اِس واسطے وہاں پر وقف کیا جائے گا۔ اور وہ مقامات یہ ہیں۔ لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا اور عَهْدًا كَلَّا سورۂ مریم میں۔ أَنْ يَقْتُلُونِ قَالَ كَلَّا اور إِنَّا لَمُدْرَكُونَ قَالَ كَلَّا سورۂ الشعراء میں۔ "شُرَكَاءَ كَلَّا"۔ "أَنْ أَزِيدَ كَلَّا" اور "أَيْنَ الْمَفَرُّ كَلَّا"۔ اِن سات مقامات کے علاوہ اور جس قدر مقامات ہیں وہاں پر "كَلَّا" حقًّا کے معنوں میں آیا ہے اِس واسطے اُس پر وقف نہ کیا جائے گا۔ اور اُن میں بعض مقامات اِس طرح کے ہیں جہاں دونوں امر محتمل ہوتے ہیں۔ ایسے مقاموں میں دونوں وجہیں جائز ہیں یعنے وقف کرنا اور نہ کرنا۔

مکّی کا قول ہے "کلّا" کے مقامات کی چار قسمیں ہیں۔ اوّل وہ مقامات جہاں کلّا پر وقف کرنا اچھا ہے اس جگہ پر ردع یعنے سرزنش کے معنے پائے جاتے ہیں اور اُس "الا" کے معنے ہیں کہ یہاں سے ابتدا کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ اِس طرح کے مقامات گیارہ ہیں۔ دو سورۂ مریم میں۔ ایک سورۂ قد افلح میں۔ دو سورۂ سبا میں۔ دو سورۂ المعارج میں۔ اور دو سورۂ المدثر میں "أَنْ أَزِيدَ كَلَّا" اور "مُنَشَّرَةً كَلَّا"۔ سورۂ المطففین میں "أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ كَلَّا" اور سورۂ الفجر میں "أَهَانَنِ كَلَّا" اور سورۂ الحطمہ میں "أَخْلَدَهُ كَلَّا"۔

دوم۔ وہ مقامات جہاں کلّا پر وقف کرنا اچھا ہے مگر اُس سے ابتدا کرنا جائز نہیں اور یہی سورۂ الشعراء میں صرف دو جگہیں ہیں۔ "أَنْ يَقْتُلُونِ قَالَ كَلَّا" اور "إِنَّا لَمُدْرَكُونَ قَالَ كَلَّا"۔

سوم۔ ایسے مواقع جن پر وقف اور ابتدا دونوں باتیں ٹھیک نہیں ہوتیں بلکہ اُسے قبل اور بعد دونوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے۔ اور یہ بھی سورۂ عمّ اور سورۂ التکاثر میں دو ہی جگہیں ہیں "ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ" اور "ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ"۔

چہارم۔ وہ مقامات ہیں جہاں کلّا پر وقف کرنا اچھا نہیں مگر اُس سے ابتدا کرنا اچھا ہے وہ بجز باقی کے اٹھارہ موقعے ہیں۔

بلیٰ۔ یہ قرآن میں بائیس جگہوں میں آیا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل جس پر وقف کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کا بعد اُس کے ماقبل سے

[illegible] سورۃ الانعام میں بلیٰ وربنا، سورۃ النحل میں بلیٰ وعدا علیه حقا، سورۃ سبا میں قل بلیٰ وربی لتاتینکم، [illegible] سورۃ الاحقاف میں بلیٰ وربنا، سورۃ التغابن میں بلیٰ وربی [illegible] سورۃ القیمۃ میں بلیٰ قادرین۔

دوسری قسم وہ ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے، اس کے مقامات پانچ ہیں: البقرۃ میں بلیٰ ولٰکن لیطمئن قلبی، [illegible] الزخرف میں بلیٰ ورسلنا [illegible] میں قالوا بلیٰ قد جاءنا [illegible]

تیسری قسم وہ ہیں جن پر وقف کرنا بہتر اور پسندیدہ ہے، وہ باقی پندرہ مقامات ہیں۔

نعم قرآن میں چار جگہ آیا ہے، سورۃ الاعراف میں قالوا نعم فاذن، جس کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اس پر وقف کیا جائے کیونکہ اس کا مابعد اپنے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ وہ اہل دوزخ کا قول نہیں، باقی تین میں سے ایک اسی مذکورہ سورۃ [illegible] الشعراء میں قال نعم وانکم اذا [illegible] تیسرا سورۃ الصافات میں قل نعم وانتم داخرون، ان کے بارے میں قول مختار وقف نہ کرنا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

فصل

کلا کے آخر میں وقف کرنے کی بحث

[illegible]

[illegible] (۱) [illegible] (۲) [illegible]

[illegible] (۳) [illegible]

[illegible]

اور یہ سکون بھی وقف کی شان ہے کیونکہ وقف کے معنی ٹھہرنے اور قطع کرنے کے ہیں اور اس وجہ سے کہ [illegible] کے نزدیک [illegible] حرف ساکن سے [illegible] نہیں ہوتی [illegible] طور پر حرفِ متحرک پر وقف بھی نہیں ہوتا۔ اور یہی بات اکثر قاریوں کے نزدیک ثابت ہے۔

رَوم۔ قاریوں کی اصطلاح اور اُن کے محاورہ میں حرکات کو کسی قدر تلفظ میں لانا [illegible] رَوم ہے [illegible] بعض قاریوں کا قول ہے کہ حرکت کے ادا میں آواز کو اس قدر پست [illegible] جس کی وجہ سے حرکت کا اکثر حصہ [illegible] جاتا رہے یہ رَوم ہے۔ ابن الجزری کا بیان ہے کہ یہ دونوں قول ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ رَوم کی تخصیص [illegible] مضموم اور مکسور حروف کے ساتھ ہوتی ہے۔ مفتوح حرف پر رَوم نہیں ہوتا کیونکہ فتح ایک خفیف حرکت ہے اگر اُس کا کچھ حصہ بھی تلفظ میں آ جائے تو وہ سب کا سب زبان سے نکل جاتا ہے اور اس میں تبعیض قبول کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

اشمام۔ بغیر آواز کے منہ سے حرکت کی جانب اشارہ کرنے کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے دونوں ہونٹوں کو اسی حرکت کی صورت پر بنائے [illegible] اور یہ دونوں تعریفیں ایک ہی ہیں۔ اشمام کی خصوصیت ضمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ خواہ وہ اعراب کی حرکت ہو یا بنا کی۔ مگر جب کہ وہ حرکت لازم ہو اور عوارض اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے کسی عارض (روکنے والے) کی وجہ سے حرکتِ ضمہ نظر نہ آسکے تو اس کا کوئی ذریعہ [illegible] اور میم کی میم اُس شخص کے نزدیک جو اُسے ضمہ کرتا ہے اور تانیث کی (ۃ) ہا۔ ان دونوں میں نہ رَوم ہے اور نہ اشمام۔ ابن الجزری نے [illegible] تانیث کے بارے میں یہ قید لگائی ہے کہ حالتِ وقف میں ہا ہو [illegible] نہ وہ کہ جو وقف کرنے کی حالت میں بھی "ت" ہو جیسے [illegible] اور یہ قید رسم الخط کی وجہ سے [illegible] گئی ہے۔ رَوم اور اشمام کے ساتھ وقف کرنا [illegible] اور کہنے والوں [illegible] قول کے ساتھ [illegible] قاریوں سے اس کے بارے میں کوئی بات منقول نہیں ہوئی۔ [illegible] قرار دیا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو حرکت حالتِ وصل میں موقوف علیہ حرف کے لئے ثابت ہوا کرتی ہے یہ اُسے ظاہر کر دیتا ہے تاکہ سننے اور دیکھنے والے پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ جس حرکت پر وقف کیا گیا ہے وہ کس شکل کی ہے۔

۱ [illegible] ۲ [illegible] ۳ [illegible]

[illegible] پر وقف کرنے کی صورت میں حسب تنوین اعراب بجائے [illegible]
[illegible] اس کا تلفظ کر کے وقف کریں ویسے ہی کلمہ "اذن" پڑھیں۔ اور اسم مفرد مؤنث
[illegible] "[illegible]" کے بعد کہ اس پر وقف کرنے کا نام وقف بالابدال ہے۔ اور ان
کلمات کی حذف (آخری کنارہ) میں کسی حرکت یا الف کے بعد ہمزہ آئے ان میں حمزہ کے نزدیک
ہمزہ بدل کر وقف کیا جائے گا اگر وہ اس کے ماقبل کے تابع حرف مد کے ساتھ بدلا جائے گا
اور اگر وہ حرف مد الف ہو گا تو اس کو حذف کر دینا بھی مذہب ہے۔ مثلاً اقرأ۔ نبیّ
[illegible] ۔ من شاطئ ۔ یستهزئ ۔ من السماء اور من ماء ۔

[illegible] ان کلمات میں واقع ہوتا ہے جن کے آخر میں کسی ساکن حرف کے بعد ہمزہ
[illegible] کلمات میں حمزہ کے نزدیک ہمزہ کی حرکت ماقبل کے حرف ساکن پر نقل کر دینے کے بعد
اس پر وقف کیا جائے گا اور پھر وہ حرکت منقولہ بھی حذف کر دی جائے گی۔ خواہ اس سے پہلے
حرف ساکن حروف صحیحہ سے ہو جیسے "دفء" میں۔ ینظر [illegible] ۔ [illegible] باب [illegible]
بین المرء وقلبه۔ بین المرء وزوجه اور یخرج الخبء اور اس قسم کی ان [illegible]
[illegible] ساکن حرف واو یا یے ہو۔ پھر اس حالت میں
[illegible] حالت میں حرکت حذف بھی کر دی جائے گی۔ مثلاً
[illegible] ۔ [illegible] سوء ۔ یہ تو حروف مد
[illegible] اور [illegible] سوء اور مثل سوء
[illegible] ایسے کلمات میں ہوتا ہے جن کے آخر میں واو یا یے زائدہ کے
بعد ہمزہ [illegible] حمزہ کے نزدیک ہمزہ کو اس کے حرف ماقبل کے جنس
[illegible] ادغام کر کے اس پر وقف کریں گے۔ مثلاً النسیء
[illegible] قروء ۔

[illegible] زائد کو ثابت رکھ کر اور [illegible] وقف
[illegible] وقف کیا جائے۔ ایسے زائدہ الف [illegible]
[illegible] " [illegible] "

[illegible] حرف ساکن [illegible]

[illegible] ہیں کہ [illegible] کے [illegible] باقی قرات میں ان کے آخر میں [illegible]
[illegible]
[illegible] دونوں [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible] ان اصولوں میں سے کسی کو اپنے [illegible] سے [illegible]
جس [illegible] جاتا ہے۔

وقف [illegible] ہیں [illegible] کتابت میں حذف کر دی جاتی ہیں [illegible] وقف کو [illegible] ہیں بصورت وقف ان [illegible] کو قائم رکھتے ہیں مثلاً [illegible]

الحاق [illegible] کہتے ہیں کہ کلمات کے آخر میں ان قاریوں کے نزدیک [illegible] سکتہ کی [illegible] شامل کر دیتے مثلاً [illegible] کلمات میں بڑھایا جائے جیسے [illegible] اور [illegible] یا حرف مشدد [illegible] شامل [illegible] جیسے [illegible]

[illegible] اثبات۔ حذف۔ وصل [illegible] وقف کرتے ہیں [illegible] قرات [illegible] بہت [illegible] اتفاق ہے [illegible] رسم الخط کی پیروی [illegible] ان سے بہت سی چیزوں کے [illegible] مختلف [illegible] درج ذیل [illegible] کلمات [illegible] کے ساتھ لکھے گئے ہیں [illegible] بحالت وقف [illegible] کے ساتھ پڑھتے اور [illegible] وغیرہ مذکورہ بالا کلمات میں سکتہ کی [illegible] لاحق کرنے [illegible] دوم [illegible] جگہوں [illegible] جہاں [illegible] لکھی نہیں گئی ہے وہاں اس کو [illegible]

[illegible] بعض قاری ایسے ہیں جو [illegible] کلمات قرآن [illegible]

انتیسویں نوع

ان آیتوں کا بیان جو لفظاً موصول مگر معنی کے لحاظ سے مفصول ہیں

[illegible]

غور کرتا رہا اور اس کی تحقیقات بھی کرتا رہا تا آنکہ مجھے ابن ابی حاتم کا ایک قول پسندیدہ مل گیا۔

ابن ابی حاتم نے کہا ہے، ہمیں احمد بن عثمان بن حکیم نے خبر دی ہے کہ اُن سے احمد بن مفضل نے بیان کیا اور ان سے اسباط نے بیان کیا اور اسباط نے السدی سے "فتعالی اللہ عما یشرکون" کے بارے میں یہ بات سُنی کہ وہ کہتے تھے کہ "یہ ٹکڑا اُن آیتوں سے جن میں حضرت آدمؑ کا واقعہ مذکور ہے الگ کر لیا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص طور پر عرب کے معبودوں سے ہے۔"

عبد الرزاق بن عیینہ کا قول ہے کہ "میں نے صدقہ بن عبد اللہ بن کثیر المکی کو السدی سے یہ قول نقل کرتے سنا ہے کہ اُنھوں نے کہا "یہ مقام منجملہ ایسی جگہوں کے ہے جو "موصول مفصول"[1] ہیں۔"

ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ "ہم سے علی بن الحسین نے بیان کیا اور اُن سے محمد بن ابی حماد نے بیان کیا اور اُن سے مہران نے بیان کیا کہ ان سے سفیان نے حضرت سدی سے اور سدی نے ابو مالک سے نقل کیا ہے کہ "ابو مالک نے کہا "یہ ٹکڑا" فتعالی اللہ عما یشرکون" آیت کا اگلا حصہ مبارکہ ہے اور ولد کے بارے میں اطاعت کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم کا ذکر ہے۔"

پس اسی وقت میرے دل کی گرہ کھل گئی اور یہ پیچیدگی رفع ہو گئی کیونکہ پھر اس قول کے ذریعہ سے واضح ہو گیا کہ آدمؑ اور حوّا کا قصہ "فیما اٰتٰھما" پر ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد کا تمام بیان اہل عرب کے حالات اور اُن کے بتوں کو خدا کا شریک بنانے کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت ضمیر کے صیغہ جمع میں بدل جانے سے بھی ہوتی ہے کیونکہ پہلے تو ضمیر تثنیہ کی آتی ہے ورنہ آخر آیت تک ایک ہی قصہ ہوتا تو اس میں شک نہ تھا کہ یہ ضمیر بدلنا "الہما" پر بھی اپنے قول "دعوا اللہ ربہما" اور "فلما آتاهما صالحا جعلا له شركاء فيما آتاهما" کی طرح "عما یشرکان" بصیغہ تثنیہ کے ساتھ ارشاد فرماتا۔ اور پھر اسی طرح یہ بات قولہ تعالیٰ "أيشركون ما لا يخلق شيئا وهم يخلقون" اور اس کے مابعد کی تمام آیتوں سے ظاہر ہو گئی۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اسی طرح حسن التخلص آیت کا ایک مطلب واضح بیان

[1] یعنی موصول لفظ میں مفصول معنی میں

چنانچہ اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا قول "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" [illegible] ہے کہ اگر اس میں وصل مانا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ راسخین فی العلم قرآن کی تاویل جانتے ہیں اور فصل کا اعتبار کیا جائے تو اس کے برعکس معنی نکلیں گے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لئے ہے، یعنی نمازِ خوف کے واسطے ہے نہ کہ نمازِ قصر کے لئے جس کا حکم پہلے آچکا تھا۔ پھر ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ، اگر آیت میں اِذَا حرفِ شرط پہلے نہ آچکا ہوتا تو یہ تاویل بڑی پیاری تھی۔ مگر ابن الفرس نے کہا ہے کہ "وَاِذَا" کو زائد قرار دے کر اِذَا کے جواب ہونے کی بھی یہ تاویل صحیح بن جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن الفرس کی رائے پر عمل کرنے میں بھی یہ خرابی ہے کہ شرط اور جواب کا ... لہٰذا اس سے بہتر یہ ہے کہ اِذَا کو زائد قرار دیں کیونکہ بعض علماء نے اِذَا کا زائد ہونا تسلیم کیا ہے۔

ابن الجوزی اپنی کتاب "التفسیر" میں کہتے ہیں "کبھی اہلِ عرب ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کے پہلو بہ پہلو اس طرح لاتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ پہلا کلمہ دوسرے کے ساتھ ہی شامل ہے حالانکہ وہ اس سے متصل نہیں ہوتا۔ اور قرآن کریم میں اس کی مثال یہ ہے "يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم" یہ فرعون کے درباریوں کا قول ہے۔ اور فرعون اس کے بعد کہتا ہے "فَمَاذَا تَأْمُرُونَ" اسی طرح "أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ" پر یہاں بات ختم ہو گئی۔ اب اس کے بعد یوسف کا قول ہے کہ "ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ" ... "إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً" پر بلقیس کا قول ختم ہو گیا ... "وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ" اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ "مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا" پر کفار کی بات ختم ہو گئی آگے فرشتوں کا قول ہے "هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ" ... ابن ابی حاتم نے قتادہ سے اس آیت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے انھوں نے کہا کہ یہ آیت اس قسم کی ہے کہ اس کا آغاز گمراہوں کے ایک قول سے ہوا اور اختتام ہدایت پانے والوں کی طرف سے ہے یعنی "يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا" یہ اہلِ نفاق کا قول تھا اور اس کے بعد ہدایت یافتہ اپنی قبروں سے اٹھ کر کہیں گے "هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ" اور ارشادِ الٰہی "وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ" کے بارے میں مجاہد سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا "اس کے بعد ابتدا کی گئی ہے گویا پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا يُشْعِرُكُمْ" ... اس کے بعد خبر دیتا ہے "أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ" یعنی اگر قیامت آ گئی تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔

لہ تم کو کیا خبر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے جب کہ قیامت آئے گی۔

[illegible] نوع

امالہ اور فتح

قاریوں کی ایک جماعت نے امالہ اور ان کے بیچ جو باتیں آتی ہیں ان پر [illegible] کتابیں [illegible] ہیں ... "القاصح" [illegible] "قرۃ العین فی الفتح والامالۃ [illegible]" [illegible] تحریر کی ہے۔

الدانی کا قول ہے "فتح اور امالہ ان فصحائے اہل عرب کی زبانوں میں دو مشہور لغتیں ہیں جن کی لغت اور بول چال میں قرآن کریم نازل ہوا ہے، چنانچہ اہل حجاز کی زبان فتح کے ساتھ مخصوص ہے [illegible] مثلاً تمیم، اسد اور قیس وغیرہ [illegible] امالہ [illegible] فتح اور امالہ [illegible] حذیفہ کی [illegible] حدیث [illegible] قرآن کو عرب کے لہجوں اور آوازوں میں پڑھو [illegible]

الدانی کا [illegible] امالہ [illegible] سات حروف [illegible] اور اہل عرب کے لحن اور آوازوں کے تحت داخل ہے۔

ابو حاتم [illegible] کا قول ہے [illegible] بیان کیا اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

الدانی نے [illegible] عاصم [illegible] روایت کی ہے [illegible] ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود کے سامنے [illegible] پڑھا اور کسرہ نہیں کیا۔

[illegible]

[illegible] اس کی قرأت کسرہ کے ساتھ کرنے کے لیے فرمایا [illegible] الجحدری [illegible]
اس کی قرأت [illegible] ہے۔" ابن الجوزی نے اس حدیث کو غریب بتایا ہے اور [illegible]
کو بجز اس سند کے کسی اور طریق پر روایت ہونے معلوم نہیں کرسکے، اور اس کے تمام راوی [illegible]
[illegible] کے منکر ہیں۔ ہاں محمد بن عبداللہ جو العرزمی ہے وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف [illegible]
[illegible] پرہیزگار شخص تھا لیکن اس کا نام [illegible]
[illegible] حدیث کی روایت کرتا تھا چنانچہ [illegible]
[illegible] کیا گیا ہے۔

[illegible] ابن مردویہ [illegible]
[illegible] سے پڑھا ہے [illegible]
[illegible] جمال القرا میں صفوان بن عسّال سے مروی ہے کہ [illegible]
[illegible] کے ساتھ پڑھا [illegible] آپ سے عرض کی [illegible]
آپ [illegible] فرمائے ہیں [illegible] قریش کی لغت [illegible] رسول اللہ صلعم نے فرمایا [illegible]
[illegible] زبان سے [illegible]

ابن [illegible] روایت [illegible]
میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے مصحف میں [illegible]
[illegible] کردیا [illegible]
[illegible]

[illegible] کی تعریف یہ ہے کہ [illegible]
[illegible] اور [illegible] اور [illegible]

دوسری قسم امالہ کی یہ ہے کہ الف کی قرأت بین اللفظین کی [illegible]
[illegible] دونوں کے وسط میں [illegible] اس طرح [illegible]
[illegible] سے بھی موسوم ہے۔

[illegible] اور [illegible] اور یہ دونوں [illegible]
[illegible]

[illegible] دیا [illegible]

لسان کی حرکت سے بہت ہی [illegible] اور [illegible] قاریوں نے امالہ کی [illegible]
سمجھا ہے۔ لیکن جن قاریوں نے فتح پڑھا ہے [illegible] اس بات کی روایت کی ہے کہ فتح
زیادہ مستحکم اور اصل ہے۔

ابن کثیر کے سوا اماموں کی قرأت مشہور دس قاریوں نے پڑھی ہے اور ابن کثیر نے
تمام قرآن میں کہیں بھی امالہ نہیں کیا۔ جن حروف کا امالہ کیا جاتا ہے ان کے بالاستیعاب ذکر
کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے لہذا اس کے واسطے فن قرأت کی کتابیں اور خاص کر اس
موضوع پر لکھی ہوئی مستقل کتابوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ ہم اس مقام پر امالہ کے [illegible]
واقع درج کر دیتے ہیں جن سے ایک قاعدہ کلیہ [illegible]
تحت داخل ہو سکیں۔

حمزہ، کسائی اور خلف ان تینوں قاریوں نے ہر [illegible]
بھی قرآن میں آیا ہے خواہ [illegible] امالہ کے ساتھ [illegible] مثلاً [illegible]
ھَوٰی، فَتٰی، [illegible]، زکٰی، آتٰی، [illegible]
[illegible]، ادنٰی اور ازکٰی وغیرہ۔

اور ہر ایک ایسے [illegible]
کے ساتھ آیا ہو، مثلاً [illegible]
[illegible]
[illegible]۔

اور ہر ایک ایسے لفظ کو جو [illegible] اور بالفتح [illegible] آیا ہے جیسے [illegible]
اسارٰی، یتامٰی، نصارٰی اور ایامٰی۔

اور ہر ایسے لفظ کو جو [illegible]
[illegible]
[illegible]
ویسے ہی ان [illegible] امالہ نہیں کیا ہے۔

اسی طرح ناقص واوی [illegible] کا بھی امالہ کیا ہے [illegible]
[illegible]

[illegible] آیتوں کے [illegible] آتے ہیں [illegible] وقت اِمالہ کے

ساتھ پڑھا ہے، وہ سورتیں حسب ذیل ہیں:

طٰہٰ، النجم، سأل، القیامۃ، النّٰزعٰت، عبس، الاعلیٰ، الشمس، اللیل، الضحیٰ

اور العلق۔ ان ہی سورتوں پر امالہ کرنے میں ابو عمرو اور ورش نے بھی موافقت کی ہے۔

ابو عمرو نے ہر ایک ایسے کلمہ کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جس میں "را" (رے) کے بعد [illegible] خواہ [illegible] کسی وزن پر آیا ہو جیسے ذکریٰ، بشریٰ، اشتریٰ، [illegible] النصاریٰ، اُساریٰ اور سُکاریٰ۔ اور [illegible] کے وزنوں پر بھی جہاں کہیں وہ [illegible] آتے ہیں اُن سب پر امالہ کرنے میں موافقت کی ہے۔

اور ابو عمرو اور کسائی نے ہر ایک ایسے [illegible] کا امالہ کیا ہے جس کے بعد [illegible] [illegible] اور انھوں نے [illegible]

حمزہ نے ذیل [illegible] فعلوں [illegible] میں [illegible] کا امالہ کیا ہے اور وہ سب ذیل ہیں:

[illegible] خواہ یہ [illegible]

کسائی نے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] مفتوح پڑھا جاتا ہے [illegible] [illegible] ساتھ پڑھے جائیں گے۔

ہمارا مذہب اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کا نزول بالتنجیم اور بالتفصیل کے ساتھ ہوا ہے یعنی حدیث نبوی میں آیا ہے کہ قرآن کو [illegible] ادا [illegible] گویا اس طرح رسول اللہ صلعم نے قرآن کی تلاوت [illegible] کی ترتیب دلائی ہے۔

تنجیم و تفصیل سے یہ مراد ہے کہ وہ کلمات کے حروف کو [illegible] اور ان کو ساکن نہ کیا جائے اس سے کہ حرکت [illegible] ان کلمات میں بہت کچھ اشباع اور [illegible] تمام کر دے گی۔

الزجاج کا قول ہے۔ ابن عباس سے بھی اس کی تفسیر اسی طرح وارد ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اکتیسویں نوع [۳۱]

اِدْغام، اِظْہار، اِخْفاء اور اِقْلاب

اس نوع میں قاریوں کی ایک جماعت نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

اِدْغَام ۔ دو حرفوں کو تشدید دے کر ایک حرف کی طرح تلفظ کرنے کا نام ہے جیسے ”اَلتَّائِبِیْ“[۱]۔ اس کی دو قسمیں ہیں، کبیر اور صغیر۔

اِدغام کبیر وہ ہے جس میں دونوں حرفوں میں سے پہلا حرف متحرک ہو، خواہ وہ دونوں حرف ہم مثل ہوں یا ہم جنس ہوں یا ایک دوسرے کے قریب المخرج ہوں۔ اس کو کبیر اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ بکثرت واقع ہوتا ہے کیونکہ حرکت بہ نسبت سکون کے زیادہ آتی ہے۔ اس کے نام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ― ”چونکہ وہ ادغام سے قبل متحرک حرف کو ساکن بنانے پر اثر انداز ہوتا ہے اس کی تاثیر ثابت ہوتی ہے“ ... اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی دشواری اور اس کے ... کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

ان دس مشہور قاریوں میں سے جو کہ ادغام کبیر کے ساتھ منفرد ہیں وہ ابو عمرو ہیں، نیز ان دس اماموں کے علاوہ ایک جماعت مثلاً حسن بصری، اعمش اور ابن محیصن وغیرہم کی طرف اس ادغام کو قرأت میں شامل کرنے کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ ادغام تخفیف کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

بہت سے صاحب تصنیف قاریوں نے اس ادغام کا بالکل ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ مثلاً ابو عبید نے اپنی کتاب میں، ابن مجاہد نے اپنی کتاب سبعہ میں، مکی نے اپنی کتاب تبصرہ میں، طلمنکی نے اپنی کتاب روضہ میں، ابن سفیان نے ہادی میں، ابن شریح نے کافی میں اور مہدوی نے اپنی کتاب ہدایہ میں، اور ان کے علاوہ دیگر قاریوں نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

۱؎ سُبت ؟

کتاب تقریبُ النشر میں بیان کیا گیا ہے۔ متماثلین سے ہم ایسے دو حرف مُراد لیتے ہیں جو مخرج اور صفت میں باہم متفق ہوتے ہیں۔ متجانسین سے ایسے دو حروف مُراد ہیں جو مخرج میں باہم متفق مگر صفت میں ایک دوسرے سے جُداگانہ ہوتے ہیں۔ اور متقاربین وہ ہیں جو مخرج اور صفت دونوں باتوں میں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

متماثلین میں سے مُدغم ہونے والے حروف سترہ ہیں:

ب، ت، ث، ح، ر، س، ع، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، و، ہ اور ی۔

اور ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

اَلْکِتٰبَ بِالْحَقِّ، [illegible]، حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ، [illegible]، شَهْرُ رَمَضَانَ، [illegible] [illegible] [illegible]، اور [illegible]۔

اس کی شرط یہ ہے کہ دونوں متماثل حرف [illegible] باہم ملے ہوئے ہوں [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] الف کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے ادغام نہ ہوگا اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ [illegible] الگ الگ لکھے ہوئے ہوں کیونکہ اگر ایک ہی کلمہ کے اندر ہوں گے تو [illegible] مگر صرف دو کلمے اس شرط سے [illegible] (اوّل) مَنَاسِکَکُمْ سورۂ [illegible] میں اور دوم مَا سَلَکَکُمْ سورۃ المدثر میں، کہ ان میں ادغام ہوتا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ پہلا حرف ضمیر متکلم یا ضمیر خطاب کی تاء نہ ہو کیونکہ اس حالت میں [illegible] ادغام نہ ہوگا مثلاً کُنْتُ تُرَابًا اور اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ اور نہ وہ پہلا حرف مشدد ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں بھی ادغام نہ ہوگا جیسے: [illegible] اور [illegible] اور نہ اسم منوّن (تنوین والا) ہونا چاہئے جیسے [illegible] اور [illegible]۔

متجانسین اور متقاربین میں سے [illegible] حروف کا باہم ادغام ہوتا ہے [illegible] اور ان کا [illegible] حروف مشدد [illegible] [illegible] کی طرح [illegible] اور فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ کی طرح [illegible] (تنوین والا) نہ ہو اور [illegible] جیسے [illegible]۔

	میں مدغم ہوتا ہے	ث	يُرِيدُ ثَوَابَ	کیونکہ اس میں تجنیس ہونے کی قوت ہے۔
		ج	دَاوُدُ جَالُوتَ۔	
		ذ	الْقَلَائِدَ ذٰلِكَ۔	
		ز	تَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ۔	
		س	الْأَصْفَادِ سَرَابِيلُهُمْ۔	
		ش	وَشَهِدَ شَاهِدٌ۔	
		ص	نَفْقِدُ صُوَاعَ۔	
		ض	مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ۔	
		ظ	يُرِيدُ ظُلْمًا۔	
۷	ذ	س	وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ۔	
		ص	مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً۔	
۸	ر	ل	هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ۔ [illegible]	لیکن اگر ت سے "ر" کو فتحہ دیا جائے اور اس کا ماقبل ساکن ہو تو یہ اس کا ادغام نہ ہوگا۔ مثلاً [illegible]
۹	ض	ز	[illegible]	
		س	[illegible]	
۱۰	ش	س	ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا۔	بعض اسی ایک شمار میں مختص ہیں ایک مثال میں۔ اسی وقت جبکہ اس کا ماقبل (ق) متحرک ہو۔ اسی طرح جبکہ وہ [illegible] کلمہ میں ہو [illegible] کے بعد میم ہو۔
۱۱	ض	ش	لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ۔	
۱۲	ق	ك	يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ	
			نَخْلُقْكُمْ۔	
۱۳	ك	ق	[illegible]	[illegible]

			نقدس لک۔	کا حرف متحرک ہو اور اگر ن کا ماقبل ساکن ہوگا تو پھر ادغام نہیں ہوتا۔ مثلاً "وترکوك قائماً"
۱۴	ل	۲	رسل ربك۔	اگر ماقبل (ل) متحرک ہو اور اگر ماقبل (ر) ساکن ہو تو پھر وہ (ل) مکسور یا مضموم ہونا چاہیئے تب ادغام ہوگا مثلاً نقول ربنا اور الی سبیل ربک لیکن اگر مفتوح کا ادغام نہ ہو مثلاً فیقول رب مگر قال رب کا ادغام مستثنیٰ ہے اور جس جگہ بھی آئے مدغم ہوتا جیسے قال رب اور قال سبحان
۱۵	م یہ حرف (ب) کے قریب ساکن ہوتا ہے	ب	"باعلم بالشاکرین" "یحکم بینہم" اور "مریم بھتاناً"	یہ حرف اس وقت ہے جبکہ اس کا ماقبل متحرک ہو اور پھر یہ غنہ کے ساتھ مخفی پڑھا جاتا ہے ابن الجزری نے اس کا ذکر ادغام کی نوع میں کیا ہے اور اس باب میں

۱۶	ن (جبکہ اس کا ماقبل متحرک ہو)	ر ل		تَأَذَّنَ رَبُّكَ ۔ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ ۔	متقدمین کی پیروی کی ہے اور پھر اپنی کتاب النشر میں لکھا ہے کہ یہ ادغام درست نہیں، لہٰذا اگر میم کا ماقبل ساکن ہوگا تو اسے ظاہر کریں گے، مثلاً "اِبْرٰهِيْمُ مُنِيْبٌ"؛ لیکن اگر وہ ساکن ہو تو پھر ان دونوں حروف کے قریب اس کا اظہار کیا جائے گا، جیسے "يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ" "اَنْ تَكُوْنَ لَهُمْ" اور "نَحْنُ" کا نون بکثرت وارد ہونے نیز نون کی تکرار ہونے اور اس کی حرکت کا لازم ہونے اور اس کی ثقالت کی بنا پر ہر جگہ ادغام ہی کیا جائے گا، مثلاً "وَنَحْنُ لَهٗ" "وَمَا نَحْنُ لَكَ"۔

تنبیہ

دو باتیں یاد رکھنی بہت ضروری ہیں: اوّل یہ کہ ابو عمرو، حمزہ اور یعقوب نے چند مخصوص حروف میں باہم موافقت کی ہے اور ان تمام حروف کو ابن الجزری نے اپنی دونوں کتابوں "النشر" اور "التقریب" میں بالتفصیل بیان کر دیا ہے اور دوسری بات یہ کہ ائمہ عشرہ نے بالاتفاق "مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ" کے ادغام پر اجماع کیا ہے لیکن تلفظ میں ان کا اختلاف

[illegible] الّذی [illegible] اور [illegible] کرکے اس کا ادغام [illegible]

[illegible] (قاعدہ کلیہ)

[illegible] کا بیان [illegible]

[illegible] تعداد ایک ہزار تین سو چار [illegible]

[illegible] کا آخری حرف سورۂ بینہ میں داخل کیا جائے اور اگر دوسری سورت کے آغاز [illegible]

[illegible] ایک ہزار [illegible]

[illegible] کی وجہ سے [illegible]

[illegible] کا آخر سورۂ [illegible] کے آغاز میں داخل ہوگا اور [illegible]

کو استعمال کریں [illegible] تو ایک ہزار تین سو تین ہی ادغام [illegible]

ادغام صغیر اس کو کہتے ہیں جب پہلا حرف ساکن ہو۔ اس ادغام کی تین قسمیں ہیں:

واجب، ممتنع اور جائز۔ جس ادغام صغیر کا قاریوں نے اختلاف کی کتابوں میں ذکر [illegible]

[illegible] قاریوں کا اختلاف ہے۔

[illegible] ادغام صغیر کی دو قسمیں ہیں:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۹) ذال "اَتَّخَذْتُمْ" کی ت میں اور جو اسی طرح کا اور لفظ آئے اُس میں بھی۔

(۱۰) سورۂ طٰہٰ میں "فَنَبَذْتُهَا" کی ت میں بھی ذال کا ادغام ہے۔

(۱۱) نیز ت ہی کے ساتھ ذال کا ادغام سورۂ غافر (مؤمن) اور سورۂ دخان کے اندر لفظ "عُذْتُ" میں۔

(۱۲) "لَبِثْتُمْ" اور "لَبِثْتُ" کی ث اُسی (ت) میں مدغم ہوگی جہاں کہیں بھی آئے۔

(۱۳) ث کا ادغام ت میں سُورَۃُ الْاَعْرَاف اور سُورَۃُ الزُّخرف کے اندر کلمہ "اُورِثْتُمُوهَا" میں۔

(۱۴) دال (ملفوظی) کا ادغام ذال کے ساتھ سورۂ مریم کے اندر "كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ" میں۔

(۱۵) ن کا ادغام واؤ کے ساتھ "يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ" میں۔

(۱۶) ن کا واؤ میں مدغم ہونا "نٓ وَالْقَلَمِ" کی مثال میں۔

(۱۷) سُورَۃُ الشُّعَرَاء اور سُورَۃُ الْقَصَص کے اول میں "طٰسٓمٓ" کے اندر سین کے ملفوظی نون کا میم کے ساتھ مدغم ہونا۔

قاعدہ

ہر ایسے دو حرف جو باہم ملیں اور ان میں کا پہلا حرف ساکن ہو، نیز وہ مثلین یا جنسین ہوں تو لغت اور قرأت دونوں کے اعتبار سے ان میں سے اول حرف کا دوسرے میں ادغام کرنا واجب ہے۔

دو مماثل حرفوں کی مثالیں یہ ہیں:

"اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ"، "فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ"، "وَقَدْ دَّخَلُوْا"، "اِذْهَبْ وَقُلْ لَّهُمْ"، "وَهُمْ مِّنْ"، "عَنْ نَّفْسٍ"، "يُدْرِكْكُّمُ" اور "يُوَجِّهْهُّ"۔

دو ہم جنس حرفوں کی یہ مثالیں ہیں:

قَالَتْ طَّآئِفَةٌ، قَدْ تَّبَيَّنَ، اِذْ ظَّلَمْتُمْ، بَلْ رَّانَ، هَلْ تَّرَاٰيْتُمْ اور قُلْ رَّبِّ۔

مگر یہ وجوبِ ادغام اس وقت ہے جب کہ دو مماثل حرفوں میں سے پہلا حرف حرفِ مد نہ ہو مثلاً قَالُوْا وَهُمْ اور اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ اور دو ہم جنس حرفوں میں سے پہلا حرف حلقی نہ ہونا چاہیے جیسے "فَاصْفَحْ عَنْهُمْ" میں ہے۔

فائدہ

بہت سے علماء نے قرآن میں ادغام کرنے کو بُرا جانا ہے اور حمزہؒ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نماز میں ادغام کی قرأت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اس طرح ادغام کے بارے میں تین قول ہو گئے ہیں۔

تنبیہ

دونوں مذکورہ بالا قسموں کے ساتھ ایک اور قسم بھی ملحق کی جا سکتی ہے اور وہ ایسی قسم ہے کہ جس کے کسی کسی حصہ میں اختلاف ہے یعنی نون ساکن اور تنوین کے احکام۔ اور ان دونوں کے چار احکام ہیں: اظہار، ادغام، اقلاب اور اخفاء۔

اظہار کی نسبت تمام قاریوں کا یہ قول ہے کہ وہ حروف حلقی کے قریب ہونے کی صورت میں ہوگا، اور حروف حلقی چھ ہیں: ہمزہ، ہاء، عین، حاء، غین اور خاء۔ ان کی مثالیں یہ ہیں: يَنْأَوْنَ، مَنْ اٰمَنَ، فَلَهٗ نَارَ، مِنْ هَادٍ، جُرُفٍ هَارٍ، اَنْعَمْتَ، مَنْ عَمِلَ، عَذَابٌ عَظِيْمٌ، وَانْحَرْ، مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ، فَسَيُنْغِضُوْنَ، مِنْ غِلٍّ، اِلٰهٍ غَيْرُهٗ، وَالْمُنْخَنِقَةُ، مِنْ خَيْرٍ، قَوْمٌ خَصِمُوْنَ۔ بعض قاری خاء اور غین کے قریب ہونے کی صورت میں اخفاء کرتے ہیں۔

ادغام چھ حرفوں میں ہوتا ہے۔ دو حروف جن میں غنّہ نہیں ہوتا یعنی لام اور رے، مثلاً: "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا" "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ"، "مِنْ رَّبِّهِمْ"، اور "ثَمَرَةٍ رِّزْقًا"۔

چار حروف جن میں غنّہ پایا جاتا ہے ان کے ساتھ بھی نون ساکن اور تنوین کا ادغام ہوتا ہے یعنی نون، میم، یے اور واو کے ساتھ مثلاً "عَنْ نَّفْسٍ، حِطَّةٌ نَّغْفِرْ، مِنْ مَّالٍ، مَا مِنْ مَّالٍ" اور "رَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ"۔

اقلاب صرف ایک ہی حرف کے قریب ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ حرف "با" ہے، جیسے "اَنْۢبِئْهُمْ"، "مِنْۢ بَعْدِهِمْ" اور "صُمٌّۢ بُكْمٌ" کہ اس موقع پر نون اور تنوین دونوں کو خالص میم کے ساتھ بدل دیا جاتا ہے اور پھر وہ غنّہ کے ساتھ اخفاء کر کے پڑھی جاتی ہے۔

اخفاء باقیماندہ حروف ہجی کے قریب ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے جو پندرہ ہیں اور وہ بہ تفصیل ذیل ہیں:

ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق اور ک۔

ان کی مثالیں یہ ہیں:

كُنْتُمْ، مِنْ بَابٍ، جَنّٰتٍ تَجْرِيْ، وَالْاُنْثٰى، مِنْ ثَمَرَةٍ، قَوْلًا ثَقِيْلًا، اَنْجَيْنَا،

إِنْ جَعَلَ، خَلْقًا جَدِيدًا، أَنْدَادًا، إِنْ دَحَى، [illegible]، أَنْذَرْتُهُمْ، مِنْ ذَنْبٍ [illegible]

ذُرِّيَّةً، تَنْزِيلٌ، مِنْ ذَوَالٍ، صَعِيدًا زَلَقًا، الْإِنْسَانُ مِنْ سُوءٍ، [illegible]

إِنْ شَاءَ، غَفُورٌ شَكُورٌ، الْأَنْهَارُ، إِنْ [illegible]، [illegible]

فَسَّرَ، وَكُلًّا ضَرَبْنَا، الْمُنْتَصِرَةِ، مِنْ طِينٍ، فَعَمِلَ، [illegible]، [illegible]

[illegible]، فَانْفَلَقَ، مِنْ فَضْلِهِ، خَالِدًا فِيهَا، [illegible]، مِنْ قَرَارٍ، [illegible]

[illegible] مِنْ كِتَابٍ كَرِيمٍ ۔

اخفاء اس حالت کو کہتے ہیں جو ادغام اور اظہار کے بیچ میں ہوتی ہے [illegible]
غنہ کا ہونا لازمی ہے ۔

چھبیسویں نوع

مد اور قصر

[illegible] ابن مسعود [illegible] ایک شخص کو قرآن پڑھا رہے تھے [illegible] انما الصدقات للفقرآء والمساکین [illegible] ابن مسعودؓ نے یہ سنکر کہا رسول اللہ صلعم نے یہ [illegible] ابو عبد الرحمٰن [illegible] ابن مسعودؓ نے [illegible] رسول اللہ [illegible] المساکین [illegible] الکبیر میں [illegible]

[illegible]

(۳) ے (ی) ساکن جس کا ماقبل مکسور ہو۔

مدّ کا سبب لفظی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی۔ لفظی سبب ہمزہ یا سکون کا آنا ہے۔

ہمزہ حرفِ مدّ سے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں آتا ہے۔

ماقبل آنے کی مثالیں: آدَمَ، رَاٰی، اِیْمَانَ، خَاطِئِیْنَ، اُوْتُوْا اور اَلْمَوْءٗدَۃُ ہیں۔

بعد میں آنے والا ہمزہ اگر حرفِ مدّ کے ساتھ ایک ہی کلمہ میں ہوگا تو وہ ہمزہ متصل ہے مثلاً اُولٰٓئِكَ، شَآءَ اللّٰهُ، اَلسُّوْٓاٰی، مِنْ سُوْٓءٍ اور یُضِیْٓءُ۔

اور اگر یہ صورت ہوگی کہ حرفِ مدّ ایک کلمہ کے آخر میں ہو اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں تو پھر وہ منفصل ہوگا جیسے بِمَآ اُنْزِلَ، یٰٓاَیُّهَا، قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ، فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اور [illegible]۔

اور ہمزہ کے سبب سے مدّ آنے کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ مدّ خفی ہوتا ہے اور ہمزہ دشوار اس لئے حرف خفی میں زیادتی کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے دشوار حرف کو زبان سے ادا کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے اور اُس کے تلفظ پر قدرت حاصل ہو سکے۔

مدّ ساکن کی دو قسمیں ہیں: لازمی اور عارضی۔

لازمی وہ ہوتا ہے جو اپنی دونوں حالتوں (اوّل کلمہ اور وسط کلمہ میں آنے) کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتا جیسے اَلضَّآلِّیْنَ، دَآبَّةٍ، الٓمّٓ اور اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ۔

عارضی وہ سکون جو وقف وغیرہ کی وجہ سے لاحق ہو جاتا ہے مثلاً [illegible]، [illegible]، نَسْتَعِیْنُ، اَلرَّحِیْمُ اور یُوْقِنُوْنَ بہ حالتِ وقف اور فِیْهِ هُدًی، قَالَ لَهُمْ اور یَقُوْلُ رَبَّنَا بہ حالتِ ادغام۔

اور سکون کی وجہ سے مدّ ہونے کی علت یہ ہے کہ دو ساکن حرفوں کو باہم جمع کرنے کی قدرت حاصل ہو سکے اس بنا پر گویا وہ حرکت کا قائم مقام ہے۔

مدّ کی دونوں قسموں مدّ متصل اور مدّ ساکن لازم پر تمام قاریوں کا اتفاق ہے گو مقدارِ مدّ میں اختلاف ہے لیکن دونوں جگہوں پر مدّ ضرور کرتے ہیں۔ مگر دو آخری قسمیں مدّ منفصل اور مدّ ساکن عارضی کے مدّ اور قصر میں قاریوں کے مابین اختلاف ہے جمہور [illegible]

لیکن مدّ میں جمہور کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ اُس کو بغیر آواز کی بدنمائی کے ایک ہی اندازہ پر اشباع کے ساتھ کھینچیں اور کچھ قاریوں نے اس میں بھی مدّ منفصل کی طرح ایک دوسرے سے زیادہ مانا ہے۔ چنانچہ حمزہ اور ورش مدّ طویل کرتے ہیں۔ عاصم ان کی نسبت سے کم مقدار مدِّ صوت کرتے ہیں۔ اور اس سے کم ابن عامر، کسائی اور خلف کا مدّ ہے اور سب سے کمتر مقدار میں مدِّ صوت ابو عمرو اور باقیماندہ قاریوں نے کیا ہے۔

بعض قاریوں کا قول ہے کہ نہیں مدّ متصل کے ہمزہ کے صرف دو مرتبے ہیں ایک طُولیٰ مذکورہ بالا قریب مدّ اور دوسرا وُسطیٰ باقیماندہ قاریوں کا مدّ جس کا نام نہیں لیا گیا اور مدّ ساکن جس کو مدّ عدل بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک حرکت کے معادل (برابر) ہوتا ہے۔ اس کی نسبت بھی جمہور کی یہی رائے ہے کہ ایک مقرر اندازہ پر بغیر افراط کے اس کا مدّ کرنا چاہیے۔ بعض قاریوں نے اس میں بھی تفاوت مانا ہے۔

مدِّ منفصل کے کئی نام رکھے گئے ہیں اور وہ مع وجوہِ تسمیہ یہ ہیں:

(۱) مدّ الفصل۔ کیونکہ وہ دو کلموں کے مابین جدائی کرتا ہے۔

(۲) مدّ البسط۔ اس وجہ سے وہ دو کلموں کے مابین مبسوط ہوتا ہے۔

(۳) مدّ الاعتبار۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے دو کلمے ایک ہی کلمہ تصوّر کئے جاتے ہیں۔

(۴) مدّ حرف بحرف۔ یعنی ایک کلمے کے موجب دوسرے کلمہ کا مدّ کرنا۔

(۵) مدِّ جائز۔ اس لئے کہ اس کے مدّ اور قصر میں اختلاف ہے اور اس کے مد کی مقدار میں مختلف اقوال آئے ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا اور یاد رکھنا ناممکن ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مدِّ منفصل کے سات مرتبے ہیں:

اوّل۔ قصر یعنی عارضی مدّ کو حذف کر کے صرف ذاتِ حرفِ مدّ کا بغیر کسی زیادتی کے اپنی حالت پر باقی رکھنا اور یہ مدِّ منفصل کی نوع میں خاص کر ابوجعفر، ابن کثیر اور ابو عمرو نے مانا ہے اور جمہور بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

دوم۔ قصر سے تھوڑا سا بڑھا ہوا مدّ۔ اس کا اندازہ دو الفوں کے برابر کیا گیا ہے اور بعض قاریوں نے اس کی مقدار ایک اور نصف الف (۱½ الف) مانی ہے۔ یہ مرتبہ ابو عمرو کے نزدیک متصل اور منفصل دونوں میں ہے اور صاحب التیسیر[1] نے اس کو بیان کیا ہے۔

سوم۔ دوسرے مرتبہ سے کچھ بڑھ کر اور یہ مرتبہ تمام لوگوں کے نزدیک توسّط کا ہے۔ اس

۱؎ مؤلف کتاب تیسیر۔

[illegible]

چہارم ۔ مرتبہ سوم سے کچھ بڑھ کر [illegible] اقوال [illegible]

[illegible]

پنجم ۔ [illegible]

[illegible]

ششم ۔ [illegible]

[illegible]

ہفتم ۔ افراط کا مرتبہ [illegible]

[illegible]

امر بین الامرین [illegible]

[illegible]

[illegible]

قدر کا معنوی سبب [illegible]

[illegible]

جائے گا اور کمزور سبب کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور اس اصل قاعدہ پر بہت سی مثالیں متفرع ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک وہی سابقہ فرع لفظی اور معنوی سببوں کے اجتماع کی تھی اور دوسری فرع جیسے جَآءُوْ اَبَاهُمْ اور رَءَا اَيْدِيَهُمْ کہ اگر ان کو ورش کی قرأت کے مطابق پڑھا جائے تو ان میں بجز اشباع کے قصر اور توسط کبھی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر دو سببوں میں سے قوی ترین سبب پر عمل کیا جائے گا جو ہمزہ کی وجہ سے مد کرنا ہے۔ لیکن اگر جَآءُوْ اور رَءَا پر وقف کر دیا جائے تو پھر تینوں وجہیں جائز ہوں گی جس کا سبب یہ ہے کہ ہمزہ حرف مد پر مقدم ہے اور حرف مد کے بعد ہمزہ ہونے کا سبب جو مد کا متقاضی تھا وہ جاتا رہا۔

فائدہ

ابوبکر احمد بن الحسین بن مہران نیشاپوری کا بیان ہے " قرآن کے مدات دس وجوہ پر ہوتے ہیں:

(۱) مد الحجز اور یہ مد جائز ہے جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ، ءَاَنْتَ قُلْتَ، ءَاِذَا مِتْنَا اور ءَاُلْقِيَ اور ءَاُنْزِلَ۔ کیونکہ یہاں پر دو ہمزہ کے مابین ایک رکاوٹ آگئی ہے۔ ورنہ اہل عرب دو ہمزوں کو ایک جگہ جمع کرنا وجب ثقل سمجھتے ہیں۔ اور حاجز (رکاوٹ) کی مقدار بلحاظ ایک پورے الف کے برابر ہے کہ اس سے واقعی رکاوٹ ہو جاتا ہے۔

(۲) مد العدل۔ ہر ایسے مشدد حرف میں ہوتا ہے جس کے قبل کوئی مد اور لین کا حرف ہو اور اس کا نام مدِ لازم مشدد بھی رکھا جاتا ہے، مثلاً " الضَّآلِّيْنَ " کیونکہ مد ایک حرکت کا معادل ہے یعنی روک ہونے میں حرکت کا قائم مقام ہوتا ہے۔

(۳) مد التمکین۔ مثلاً اُولٰٓئِكَ اور الْمَلٰٓئِكَةِ۔ تمام ایسے مدات جن کے بعد ہمزہ آتا ہے۔ کیونکہ یہاں پر مدِ محض اس واسطے لایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہمزہ کی تحقیق ہو سکے اور اس کے اپنے مخرج سے ادا کئے جانے میں آسانی حاصل ہو۔

(۴) مد البسط۔ اس کو مد الفصل بھی کہتے ہیں جیسے " بِمَآ اُنْزِلَ " میں ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ مد دو متصل کلموں میں پھیلتا ہے۔

(۵) مدِ روم۔ جیسے " ھٰٓاَنْتُمْ " میں کہ یہاں اَنْتُمْ کے ہمزہ کا روم کرتے ہیں اور اسے مخفی یا بالکل ترک نہیں کرتے، بلکہ آہستہ نرمی سے ادا کرتے ہوئے اس کی جانب اشارہ کر دیتے ہیں اور یہ مد اس شخص کے مذہب پر ہوتا ہے جو " ءَاَنْتُمْ " پر ہمزہ منفصل کو

سے مد نہیں کرتا۔ اور مدِّ روم کی مقدار ڈیڑھ الف کے برابر ہے۔

(۶) مدّ الفرق۔ جیسے "آلآن" میں، کہ اس مد کے ذریعہ سے استفہام اور خبر کے درمیان فرق کیا جاتا ہے اور اس کی مقدار بالاجماع ایک پورے الف کے برابر ہے۔ پھر اگر الف مد کے بعد کوئی حرف مشدد ہو تو ایک اور الف زیادہ کر دیا جائے گا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہمزہ کی تحقیق ہو سکے، مثلاً "آلذّاکرین" ... میں۔

(۷) مدّ البنیہ۔ جیسے "ماءً، دعآءً اور زکریّآءَ" میں کیونکہ یہاں اسم مد پر مبنی ہے تاکہ اس میں اور اسم مقصور میں فرق معلوم ہو سکے۔

(۸) مدّ المبالغہ جیسے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا" میں۔

(۹) مدّ البدل من الہمزہ جیسے "آدم، آخر، آمن" میں اور اس کی مقدار بالاجماع ایک پورے الف کے برابر ہے۔

(۱۰) مدّ الاصل داصل مد، جو افعال ممدودہ میں آتا ہے، جیسے "جآءَ، شآءَ" اور اس مد اور مد البنیہ میں یہ فرق ہے کہ وہ اسماء مقصور و ممدود کے مابین فرق امتیازی کی غرض سے مد پر مبنی ہوتے ہیں اور افعال ممدودہ کے مدِ اصل فعلوں میں ناشئ کے لئے لائے گئے ہیں۔

تینتیسویں نوع
تخفیف ہمزہ

چونکہ مخرج اور تلفظ دونوں اعتبار سے ہمزہ نہایت ثقیل اور دشوار حرف ہے اس لئے اہل عرب نے اس کے ادا کرنے میں [illegible] سے کام لیا ہے۔ یوں تو تمام اہل عرب تخفیف ہمزہ کرتے تھے مگر قریش کے لوگ اور اہل حجاز کی بے حد تخفیف مد نظر تھی۔ یہی سبب ہے کہ ہمزہ کی تخفیفیں اکثر اہل حجاز ہی کے طریق سے وارد ہوئی ہیں، مثلاً ابن کثیر کی قرأت ابن فلیح کی روایت سے اور نافع کی قرأت ورش کی روایت سے اور ابو عمرو کی قرأت کہ ان تینوں کے ماخذ خاص حجاز کے لوگ ہیں۔

ابن عدی نے موسیٰ بن عبیدہ کے طریق پر بواسطہ نافع حضرت ابن عمر رضی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "نہ رسول اللہ صلعم نے ہمزہ کو ادا کیا اور نہ ابو بکر رضی اور عمر رضی نے اور نہ خلفاء نے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمزہ کا تلفظ بدعت ہے اور لوگوں نے خلفاء کے بعد یہ نئی بات نکال لی ہے۔"

ابو شامہ نے کہا ہے "اس حدیث کو حجت نہیں قرار دیا جا سکتا اور موسیٰ بن عبیدہ الربذی فن حدیث کے ماہروں کے نزدیک ضعیف ہیں۔"

میں کہتا ہوں "اور اسی طرح وہ حدیث بھی حجت بنانے کے قابل نہیں جس کو حاکم نے مستدرک میں حمران بن اعین کے طریق پر بواسطہ ابی الاسود الدؤلی حضرت ابوذر رضی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا "ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور [illegible] یا نبیء اللہ [illegible] رسول پاک نے [illegible] فرمایا لست بنبیء اللہ ولکنی نبی اللہ [illegible] کا بیان ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کا راوی رافضی اور غیر معتبر ہے۔

ہمزہ کے احکام تو بہت ہیں اور ان کا احاطہ بجز ایک مجلد کتاب کے نہیں ہو سکتا [illegible]

---

۱ ہمزہ [illegible]

"أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ" اور "أَأُلْقِيَ" کی صرف تین مثالوں میں ہے تو یہاں پر [illegible] قاری ہمزۂ ثانی کی تسہیل کرتے ہیں۔ قالون اس کے قبل الف داخل کرتے ہیں اور باقی قراء ہمزۂ دوم کی تحقیق کرتے ہیں۔ الدانی کا قول ہے "صحابہؓ نے دوسرے ہمزہ کو واؤ لکھ کر تسہیل کا اشارہ کیا ہے"۔

چوتھا قاعدہ ہمزہ کو بلا نقل حرکت ساقط (حذف) کر دینا ہے۔ اس قاعدہ کے ساتھ مختص ابو عمرو والی قراءت ہے اور اس حالت میں جب کہ وہ دونوں ہمزہ حرکت میں متفق اور دو کلموں میں واقع ہوں تو اگر وہ دونوں کسرہ کی حرکت میں یکساں ہوں جیسے "هٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ" ہیں تو ورش اور قنبل دوسرے ہمزہ کو یائے ساکن کی طرح پڑھتے ہیں اور قالون اور بزی پہلے ہمزہ کو یائے مکسور کی طرح ادا کرتے ہیں اور ابو عمرو اس کو ساقط کر دیتے ہیں مگر باقی قراء اس کو ثابت رکھتے ہیں۔ پھر اگر ان دونوں ہمزوں کا باہم فتحہ میں اتفاق ہو جیسے "جَاءَ أَجَلُهُمْ" میں ہے تو ورش اور قنبل دوسرے ہمزہ کو حرف مد کی طرح قراءت کرتے ہیں اور تین قاری پہلے ہمزہ کو ساقط کر دیتے ہیں اور باقی قراء ہمزہ کو ثابت رکھتے ہیں، یا دونوں متحرک ہمزوں کا اتفاق ضمہ کی حرکت میں ہوگا جیسے "أَوْلِيَاءُ أُولٰئِكَ" کی صرف ایک مثال میں ہے۔ اس حالت میں ابو عمرو پہلے ہمزہ کو ساقط کر دیتا اور قالون اور بزی اسے واؤ مضموم کی طرح ادا کرتے ہیں اور دیگر دو قاری دوسرے ہمزہ کو واؤ ساکن کی طرح ادا کرتے ہیں اور باقی قراء ہمزہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد قاریوں کا ساقط ہونے والے ہمزہ میں اختلاف ہے کہ پہلا ہمزہ ساقط ہوگا یا دوسرا۔ ابو عمرو سے پہلے ہمزہ کو ساقط کرنا مروی ہے اور خلیل نحوی نے دوسرے ہمزہ کو ساقط کیا ہے اور اس اختلاف کا فائدہ مد کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے کہ پہلا ہمزہ ساقط کیا جائے تو مد منفصل ہوگا اور دوسرا ہمزہ ساقط کریں تو مد متصل قرار پائے گا۔

چونتیسویں نوع
قرآن کے تحمل کی کیفیت

قرآن کا حفظ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے۔ اس امر کی تصریح جرجانی نے اپنی کتاب الشافی میں اور العبادی وغیرہ نے کی ہے۔

الجوینی کا قول ہے۔ حفظ قرآن کے فرض کفایہ ہونے میں یہ راز رکھا گیا ہے کہ اس کے تواتر کی تعداد منقطع نہ ہونے پائے اور اس طرح پر قرآن کریم تبدیل و تحریف سے محفوظ رہے کیونکہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہ فرض ادا کرتا رہے گا تو باقی لوگ اس ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے ورنہ سب کے سب قرآن کی حفاظت نہ کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوں گے۔ قرآن کی تعلیم بھی فرض کفایہ ہے اور وہ بہترین قربت ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں آیا ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ ۔[1]

محدثین کے نزدیک تحمل کی صورتیں حسب ذیل ہیں:

شیخ کی زبان سے روایت کو سننا۔ شیخ کے سامنے خود پڑھنا۔ شیخ کے روبرو دوسرے قاری کو سنا کر شریک سماعت ہونا۔ اجازت [illegible] مناولہ یعنی ایک دوسرے سے [illegible] حاصل کرنا۔ کتابت یعنی شیخ کا طالب علم کے لئے اپنی مسموعہ روایتوں کو لکھ دینا۔ وصیت [illegible] اعلام یعنی شیخ کا کسی کتاب کی نسبت بتا دینا اور وجادہ یعنی شیخ کی خاص بیاض سے کوئی حدیث معلوم کر لینا۔ مگر ان میں سے [illegible] قرآن میں بجز پہلی دو صورتوں کے اور کوئی صورت نہیں آ سکتی جس کی وجہ آئندہ بیانات سے معلوم ہو گی۔

شیخ کے روبرو قراءت کرنے (پڑھنے) کا دستور سلف سے خلف تک برابر رائج رہا ہے مگر قرآن کی قراءت کی نسبت شیخ کی زبان سے سننے کا [illegible] مقام پر محض

[1] اس حدیث کو [illegible]
[2] [illegible]

احتمالی ہوگا، کیونکہ صحابہ رضی نے تو بے شک قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُن کر یاد کیا اور سیکھا تھا لیکن قاریوں میں سے کسی ایک کا بھی اُسے رسول کریم صلعم سے اس طرح پر حاصل کرنا ثابت نہیں ہوتا، اور اس کی ممانعت کا ہونا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر کیفیت ادا مقصود ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ ہر شخص شیخ کی زبان سے سُن کر قرآن کو اس ہیئت پر ادا بھی کر سکے جو شیخ کے ادا کرنے کا طریقہ ہے لیکن حدیث میں اس بات کی بحث اس لئے نہیں کہ اس میں متن یا لفظ کا یاد کر لینا مقصود ہوتا ہے۔ حسن ادا کی بحث اس مسئلہ میں نہیں ہے کہ قرآن میں اعلیٰ درجہ کا اسلوب ہے۔ اور صحابہ رضی کی فصاحت و بلاغت ان کی طبیعت کو قرآن کے ساتھ اس طرح ادا کرنے پر قدرت رکھتی تھی جیسا کہ رسول اللہ صلعم کو اس سے مناسبت اور اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ قرآن مجید انہیں لوگوں کی زبان میں نازل ہوا تھا۔

شیخ کے روبرو قرآن پڑھنے کی دلیل اس امر سے بھی ملتی ہے کہ ہر سال ماہ رمضان میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ قرآن جبریل کے ساتھ ایک مرتبہ دَور فرمایا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب شیخ شمس الدین بن جزری قاہرہ میں آئے تو ان سے قرأت سیکھنے کے لئے خلق کا اتنا اژدہام ہوا کہ سب کو ایک ایک وقت نکالنا مشکل کیا ناممکن ہوگیا تھا۔ چنانچہ شیخ موصوف نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور تمام سننے والے ایک ساتھ اسی آیت کو دہراتے جاتے تھے اور کسی نے اپنی قرأت پر اکتفا نہیں کیا۔

شیخ کے سامنے اس حالت میں پڑھنا جائز ہے جب کہ کوئی دوسرا شخص اس کے پاس الگ پڑھ رہا ہو مگر شرط یہ ہے کہ شیخ پر ان تمام قاریوں کی حالت واضح رہے اور کسی کی قرأت اس پر مخفی نہ ہو۔

شیخ علم الدین سخاوی کے سامنے ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں سے دو دو اور تین تین اشخاص الگ الگ قرأت کیا کرتے تھے اور شیخ مذکور ان میں سے ہر شخص کو بتاتے جاتے تھے۔ اسی طرح شیخ کے دوسرے مشاغل مثلاً اکل یا کتابت وغیرہ میں مصروف ہونے کی حالت میں بھی قرأت کی جا سکتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اداء قرأت کی حالت میں کوئی ظاہر ہے یا نہیں، تو ... بھی قرأت کرنا کافی ہے۔

فصل

قرأت کی کیفیت میں تین ہیں:

اول تحقیق:۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر حرف کا حق دینا، اشباع مد، ہمزہ کی تحقیق، حرکتوں کا پورا پورا کرنا، اظہار اور تشدیدوں کی ادائیگی میں پورا اعتماد ہونا، حروف کی وضاحت اور ان کے ایک دوسرے سے الگ کرنا، اور بعض حروف کو ترتیل، سکتہ وغیرہ کے ذریعہ سے جداگانہ طور پر خارج سے نکالنا، دوسرے حرف کی طرف خارج بنانا، اور اس کی قسم اختلاس کی اور متحرک کو ساکن بنا لینا یا اس کو مدغم کر دینا سے روکنا، وقف کے جائز مقاموں کا لحاظ رکھ کر ہر ایک حرف کو اس کے پورے حق سے بہرہ ور کرنا۔ یہ باتیں زبان کی مشق اور الفاظ کی درستی سے حاصل ہوتی ہیں۔

متعلمین کو ان باتوں کا سیکھنا مستحب ہے مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس بارے میں حد سے آگے نہ بڑھیں اور یہ نہ کریں کہ حرکت کی ادائیگی سے حروف کی آواز پیدا کر لیں، رے کو مکرر بنا دیں، ساکن کو متحرک کر دیں اور نونوں کے غنوں میں مبالغہ کرنے لگیں۔ چنانچہ امام حمزہ نے ایک شخص کو ان باتوں میں مبالغہ کرتے سنا تو اس سے کہا "کیا تم یہ بات نہیں جانتے ہو کہ حد سے بڑھی ہوئی سفید رنگت کوڑھ ہو جاتی ہے اور بالوں میں زیادہ تاب آ جانے سے وہ مروڑ بن جاتے ہیں۔" اسی طرح قرأت کی حد سے آگے بڑھ جانے کی صورت میں قرأت بھی صحیح نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک کلمہ کے حروف میں فصل ڈالنے سے بھی احتراز لازم ہے جیسے کہ کوئی شخص "نَسْتَعِیْنُ" کی "ت" پر اس دعوے سے کہ وہ ترتیل ہے ایک بہت ہی نازک وقفہ کرے۔ اس قسم کی قرأت صرف دو قاری حمزہ اور ورش ہی کرتے ہیں۔

الدانی نے اپنی کتاب التجوید میں ایک حدیث اس قرأت کے ثبوت میں روایت کی ہے جو متصل رہ کر ابی بن کعب تک پہنچتی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے سامنے تحقیق کے ساتھ قرآن پڑھا۔ الدانی نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ "یہ حدیث غریب مستقیم ہے اس کے اسناد سب درست و مستقیم ہیں۔"

دوم - قراءۃ الحدر۔ ایسی قرأت کو کہتے ہیں جو تیزی سے پڑھی جائے اور اس میں رواں اور اس کے اندر قصر، اسکان، اختلاس، بدل، ادغام کبیر اور تخفیف ہمزہ وغیرہ امور کی ادائیگی یا جن کی تصحیح طریقے سے روایت آئی ہے ——— عجلت کی جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ اعراب کی رعایت اور لفظوں کی صحیح ادائیگی منظور رہتی ہے نیز حرفوں کو ان کی جگہوں پر برقرار کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ حرف مد کی کشش چھوڑ دیں یا حرکات کا اکثر حصہ ظاہر کرنے سے دبا جائیں یا غنہ کی آواز کو بالکل اڑا دیں یا ان امور میں اس قدر کمی کریں کہ تلاوت کی صفت اور قرأت کی صحت ہی جاتی رہے۔ اور یہ قرأت ابن کثیر، ابوجعفر اور ان قاریوں کا مذہب ہے جنہوں نے مد منفصل میں قصر روا رکھا ہے مثلاً ابوعمرو اور یعقوب وغیرہ۔

سوم - تدویر۔ یہ قسم دونوں مذکورہ بالا اقسام یعنی تحقیق اور حدر کے مابین متوسط کا نام ہے۔ اکثر ائمہ جنہوں نے ہمزہ منفصل میں مد کیا ہے اور اس کو اشباع کے درجہ تک نہیں پہنچایا ہے ان کا یہی مذہب ہے نیز تمام قاریوں کا بھی یہی مختار مذہب ہے اور اہل ادا اسی کو پسند کرتے ہیں۔

تنبیہ

ترتیل کا مستحب ہونا اس نوع کے بعد والی مستقل نوع میں بیان ہوگا۔ ترتیل اور تحقیق کے مابین جو فرق ہے اس کو بعض علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ قرأت تحقیق تو مشق اور تعلیم کے واسطے ہوتی ہے اور قرأت ترتیل کا مقصد تدبر و تفکر اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا ہے۔ اس واسطے ہر ایک قرأت تحقیق، ترتیل ہے مگر ہر ایک ترتیل کا تحقیق کے دائرے میں داخل ہونا ضروری نہیں۔

فصل

قرآن کی تجوید ایک بہت ضروری چیز ہے یہی سبب ہے کہ بہت سے لوگوں نے مستقل مستقل طور پر اس کی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہی مصنفین میں سے ایک بزرگ [illegible]
[illegible]

(۱) [illegible]

(و تجوید کے ساتھ پڑھو)۔

قرآن کہتا ہے کہ تجوید قرأت کا زیور ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام حروف کو اُن کا پورا پورا حق دینا اور ان کو ان کی ترتیب سے مرتبہ وار کرنا، ہر حرف کو اس کے مخرج اور اصل کی طرف پھیرنا اور اس لطف و خوبی کے ساتھ اس کو زبان سے ادا کرنا کہ اس کی اصل صورت بغیر کسی قسم کی کمی اور زیادتی اور بناوٹ کے نمایاں ہو جائے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ" یعنی ابن مسعودؓ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کو تجوید قرآن سے پورا واقف تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے لئے قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ایک عبادت ہے اور یہ ان پر فرض قرار دیا گیا ہے اسی طرح ان پر قرآن کے الفاظ کا صحیح درست پڑھنا اور اس کے حروف کو اسی طرز پر ادا کرنا بھی لازم اور فرض ہے جس طرز پر ان حروف کو ادا کرنا فن قرأت کے اماموں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل سند کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ علماء نے جو تجوید قرأت کو لحن (غلط خوانی) قرار دیا ہے اور لحن کی انہوں نے دو قسمیں قرار دی ہیں: جلی اور خفی۔

لحن جلی غلطی کو کہتے ہیں جو الفاظ پر طاری ہو کر ان کو بگاڑ دے اور جو بڑا عیب ہو [illegible] چونکہ اعراب کی غلطی [illegible] فن قرأت سے واقف اور وہ غلطی دریافت کر سکتے ہیں جنہوں نے اصول قرأت استادوں سے سیکھا ہو [illegible]

ابن الجزری نے لکھا ہے "تجوید میں [illegible] کوئی طریقہ نہیں معلوم ہوتا کہ زبان کو خوب ماہر اور [illegible] بالفاظ منہ سے [illegible] بار بار تکرار کر کے زبان پر چڑھا لیں اور تجوید کا [illegible] وقف، وصل اور ادغام کی کیفیت معلوم کر لیں اور ہمزہ، ترقیق اور تفخیم کے احکام جان لیں اور مخارج حروف کو پہچان لیں۔"

وقف، ادغام اور ہمزہ کی تعریفیں اور اُن کے احکام [illegible] بیان [illegible]

لے [illegible] جس طرح [illegible] ابن مسعودؓ کی قرأت [illegible]

اس لئے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ترقیق[1] کی بابت یہ معلوم رہنا چاہئے کہ تمام حروفِ مستفلہ مُرقّق ہیں۔ ان کی تفخیم کرنا جائز نہیں، لیکن حرفِ لام مستثنیٰ ہے کیونکہ "اسم اللہ" میں فتحہ یا ضمہ دونوں حرکتوں کے بعد اجماعاً اس کی تفخیم[2] روا ہے، یا ایک روایت میں حروفِ مطبقہ کے بعد بھی اس کی تفخیم کی جاتی ہے مگر حرفِ رے (ر) مضموم یا مفتوح کے بعد مطلقاً اس کی تفخیم نہیں ہوتی ... میں ساکن رے کے بعد بھی لام تفخیم کے ساتھ ادا نہیں کیا جاتا۔ اور حروفِ مستعلیہ سب کے سب حالت میں بلا کسی استثناء کے مفخّم ہوتے ہیں۔

مخارجِ حروف کی تعداد قاریوں اور متقدمین علمائے نحو (مثلاً خلیل نحوی) نے سترہ قرار دی ہے اور فریقین میں سے بہت سے علماء سولہ بھی بتاتے ہیں۔ ان علماء نے حروفِ جوفیہ یعنی حروفِ مدّہ کے جوفوں کا مخرج چھوڑ دیا ہے اور ان کے مخارج اس طرح بانٹ دیئے ہیں کہ الف کا مخرج حلق کا انتہائی کنارہ اور واؤ اور یے کا مخرج حروفِ متحرکہ کے مخارج قرار دیئے ہیں۔ پھر ان دونوں اقوال کے علاوہ ایک جماعت کا یہ تیسرا قول بھی ہے کہ مخارجِ حروف کی تعداد چودہ ہے۔ ان لوگوں نے نون، لام اور رے کے مخارج کو بھی ساقط کر کے ان تینوں حروف کا ایک ہی مخرج مانا ہے۔

ابن حاجب نے کہا ہے کہ "یہ سب باتیں اغلب تقریبی ہیں ورنہ دراصل ہر ایک حرف کا ایک جداگانہ مخرج ہے۔"

قرّاء نے کہا ہے کہ "از روئے تحقیق حرف کا مخرج معلوم ہونے کے لئے سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہمزۂ وصل کا تلفظ کیا جائے اور پھر بعد میں اس حرف کو ساکن یا مشدد کر کے لایا جائے۔ یہ صورت بلا کسی غلطی اور خرابی کے لفظ کی اصلیت اور حالت کو واضح کر دے گی۔"

پہلا مخرج جوف ہے، اس سے الف اور واؤ اور یائے ساکن نکلتی ہیں، مگر واؤ اور یا کو اپنی متجانس حرکتوں کے بعد آنا چاہئے۔

دوسرا مخرج حلق کا انتہائی کنارہ ہے۔ اس سے ہمزہ اور ہے (ہ) کا خروج ہوتا ہے۔

---

[1] باریک کرنا۔ باریک پڑھنا۔ ۱۲

[2] پُر کرنا اور پُر پڑھنا۔ ۱۲

تیسرا مخرج وسطِ حلق ہے یہ عین اور حا کے نکلنے کی جگہ ہے۔

چوتھا مخرج ادنیٰ حلق ہے جو منہ کی طرف قریب ہے۔ اس سے غین اور خا کا اخراج ہوتا ہے۔

پانچواں مخرج زبان کا آخری حصہ جو حلق سے قریب ہے اور اُس کے اوپر کا تالو۔ یہ قاف کا مخرج ہے۔

چھٹا مخرج قاف کے مخرج سے زبان کی طرف ذرا منہ کی طرف ہٹ کر ہے۔ یہ تالو کا حصہ اس مخرج سے کاف نکلتا ہے۔

ساتواں مخرج زبان اور تالو دونوں کا درمیانی حصہ ہے یعنی وسطِ زبان اور تالو کے وسط کے دونوں کے ملنے کی جگہ ہے۔ اس مخرج سے جیم، شین اور یے کا خروج ہوتا ہے۔

آٹھواں حرف ضاد کا مخرج زبان کا کنارہ اور اس سے ملے ہوئے داہنی یا بائیں جانب کے اوپر کے دانتوں کی جڑ یا اضراس علیا۔

نواں حرف لام کا مخرج یہ زبان کے آگے سے لے کر اس کے آخری کنارے تک اور اوپر کے تالو کا وہ حصہ زبان کے سرے سے قریب جو ملتا ہے وہاں اس کا مخرج ہے۔

دسواں حرف نون کا مخرج۔ وہ لام کے مخرج سے زبان کی طرف کچھ نیچے ہے۔

گیارھواں حرف رے کا مخرج ہے۔ یہ بھی نون ہی کے مخرج سے نکلتی ہے مگر یہ مخرج زبان کی پشت میں زیادہ داخل ہے۔ یعنی آگے سے ہٹ کر وسط کے قریب ہے۔

بارھواں مخرج طا، دال اور تے کا ہے۔ یہ زبان کے کنارے اور اوپر کے دو اگلے دانتوں کی جڑ ہے۔ اس سے اُن کا اخراج ہے یعنی زبان اوپر تالو کی طرف چڑھتی ہے۔

تیرھواں مخرج حروف صفیری یعنی صاد اور سین کا ہے۔ یہ زبان کا نوک کنارہ اور نیچے کے اگلے دانتوں کی جڑ ہے۔

چودھواں مخرج ظا، ذال، ثے کا ہے۔ زبان کے سرے کا کنارہ اور اگلے دو دانتوں کے کنارے ہیں۔

پندرھواں مخرج بے، میم اور واو کا ہے یعنی شفتین دونوں ہونٹوں کا درمیانی حصہ ہے۔

سولھواں حرف فے کا مخرج نیچے کے ہونٹ کا اندرونی حصہ اور اوپر کے دو اگلے دانتوں کے سرے ہیں۔

سترھواں مخرج خیشوم یعنی ناک کی جڑ ہے۔ اس مخرج سے اس وقت غنہ ادا ہوتا ہے جب

ادغام واقع ہو یا نون اور میم ساکن کو نکالا جائے۔

کتاب النشر میں آیا ہے کہ ہمزہ اور ہا کا مخرج انفتاح اور استفال میں باہم شریک ہے اور ہمزہ جہر اور شدت میں منفرد ہے۔ عین (ع) اور حا (ح)، یہ دونوں بھی انھی صفات میں شریک ہیں مگر حا (ح) ہمس اور خالص رخاوۃ کے ساتھ منفرد ہے۔ غین (غ) اور خا (خ) [illegible] رخاوۃ، استعلاء اور انفتاح میں باہم شریک ہیں، اور غین (غ) جہر کے ساتھ منفرد ہے جیسے (ج) شین (ش) اور یے (ی) تینوں حرف مخرج، انفتاح اور استفال میں باہم شریک ہیں اور ان میں سے جیم (ج) شدت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور یے (ی) کے ساتھ جہر کی صفت میں شریک ہے۔ اور شین (ش) ہمس اور تفشی کی صفت میں منفرد ہو کے ساتھ ہی یے (ی) کے ساتھ رخاوۃ میں شریک ہے۔ ضاد اور ظا از روئے صفت جہر، رخاوۃ، استعلاء اور اطباق تو مشترک ہیں مگر مخرج میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ضاد استطالت میں منفرد ہے۔ [illegible] ذال اور ثا تینوں حرف مخرج اور شدت میں یکساں ہیں لیکن طا اطباق اور [illegible] کے ساتھ منفرد ہے اور دال کے ساتھ جہر میں شریک ہے اور تا ہمس کی صفت میں منفرد ہے۔ [illegible] انفتاح اور استفال میں دونوں کی شریک ہے۔ صاد (ص)، [illegible] (ز) اور سین (س) [illegible] رخاوۃ [illegible] میں باہم مشترک ہیں [illegible] منفرد ہے [illegible] اور استفال میں [illegible] شریک ہے [illegible] ایک حرف [illegible] [illegible] ان کا حق ہے [illegible] طرح [illegible] [illegible] حروف مرتبات کو بھی [illegible] [illegible] ہو جاتے ہیں [illegible] [illegible] قوی، ضعیف [illegible] حروف [illegible] دونوں حرفوں کا [illegible] کر لیتا ہے [illegible] غالب آ جاتا ہے [illegible] حرف کا [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو یہ ایک حرف پڑھا ہوا ہونا تصور کرو، اور اس بات کو تجوید خیال کرو کہ جس حرف میں مد نہ ہو یا ... اس کو مد دیا جائے۔

[illegible]

... کے بعد کسی ہمزہ کو مشدد کرو، یا یہ کہ ... آدمی کی طرح حرف کو ... زبان سے ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے دل فتنہ میں مبتلا ہیں اور ان لوگوں کے دل بھی جو ان کی حالت کو پسند کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کی بدعتوں میں سے ایک وہ امر بھی ہے جس کو ترعید کہتے ہیں یعنی آواز میں اس طرح کی تھرتھراہٹ پیدا کرنا جیسے دکھ درد یا شدت سردی میں کپکپانے کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرا امر ایسا ہے جو ترقیص کہا جاتا ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ حرف ساکن پر سکوت کا ارادہ کر کے پھر آگے بڑھ کر حرکت کے ساتھ بھاگنا گویا دوڑنا یا اچھلنا چلنے کی حالت ہوتی ہے۔ اور ایک تطریب کے نام سے موسوم ہے اور یہ قرآن کو راگ اور طرب کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے۔ اس قراءت میں جہاں مد نہیں ہونا چاہیے وہاں پر مد کیا جاتا ہے اور مد کے موقعوں پر غیر ضروری زیادتی کی جاتی ہے اور اسی طرح تحزین ہے یعنی اس طرح کی غمناک صدا میں قرآن خوانی کرنا کہ یہ معلوم ہو کہ اب خشوع و خضوع کے باعث بالکل رو پڑنے کو ہیں اور اسی طرح کی ایک قراءت وہ بھی ہے جو کئی آدمی مل کر اور ہم آہنگ ہو کر پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ آیت شریفہ «اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ» کو «اَفَلَ تَعْقِلُوْنَ» حذف الف کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور ارشاد باری «قَالُوْٓا اٰمَنَّا» کو «قَالُ اٰمَنَّا» حذف واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جہاں مد نہیں ہوتا وہاں خواہ مخواہ مد کرتے ہیں تاکہ ان کے طریقہ میں فرق نہ پڑے اور ان کا راگ نہ بگڑے اور اس طرح کی قراءت کو تحریف بھی کہہ سکتے ہیں۔

فصل

(قراءتوں کے الگ الگ اور سب کو اکٹھا کر کے پڑھنے اور سیکھنے کی کیفیت)

پانچویں صدی ہجری کے زمانہ تک سلف صالحین کا یہ دستور تھا کہ وہ قرآن کا ہر ایک ختم ایک ہی روایت کے مطابق کیا کرتے تھے اور ایک روایت کو دوسری روایت کے ساتھ جمع نہیں کرتے تھے مگر اس کے بعد ایک ہی ختم میں تمام قراءتوں کو جمع کر لینے کا طریقہ چل پڑا اور اس پر عملدرآمد بھی ہونے لگا تاہم ان کی اجازت بجز اس شخص کے کسی کو نہیں دی جاتی تھی جس نے علیحدہ علیحدہ تمام قراءتوں کو حاصل کیا اور انہیں یاد کر لیا تھا اور وہ ان کے طریقوں کو خوب تحقیق کر چکا تھا۔ ان لوگوں نے ہر ایک قاری کی قراءت کے ختم کرنے کا ایک مستقل ختم مقرر کر لیا تھا یہاں تک کہ اگر شیخ سے وہ شخص دو روایت کرنے والے تھے تو ان کے لئے ہر ایک کا جدا ختم

کے مطابق ایک ایک قرآن ختم کرلیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ تمام قراءتوں کو اکٹھا کرکے پڑھنے پر قادر مانے جاتے تھے اور کچھ لوگوں نے تساہل سے کام لے کر یہ اجازت بھی دی تھی کہ ساتوں قاریوں میں سے ہر ایک قاری کا صرف ایک ختم پڑھنا ہی کافی ہے مگر ابن کثیر اور حمزہ کو مستثنیٰ کر دیا تھا کیونکہ حمزہ کی قراءت کے لیے ختم [illegible] چار دوسرے راویوں کے ان کی روایتوں سے علیحدہ علیحدہ ختم کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد کسی کو قراءتوں کے جمع کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہوتا تھا جس نے کسی معتبر اور مستند شیخ سے الگ الگ اور [illegible] ہی گیا ہو تو [illegible] [illegible]

[illegible] قراءتوں کے جمع کرنے [illegible]

[illegible]

[illegible] قاری کی قراءت شروع [illegible] آیت [illegible] بار بار آیت کی تکرار [illegible]

[illegible] قراءتوں کو جمع کرنے والے [illegible]

(۱) حسن الوقف۔

(۲) حسن الابتداء۔

(۳) حسن الاداء۔

(۴) عدم تکبیہ کرنا یعنی جس وقت ایک قاری قرأت پڑھے تو جب تک اس کو آیت تمام نہ کرلے اس وقت تک دوسرے قاری کی قرأت شروع کرنے سے احتراز کرے اور اگر اس بات کی احتیاط نہ رکھے تو شیخ پر لازم ہے کہ وہ اُسے ہاتھ کے اشارہ سے روک دے اور اس سے کہے نہ کہ زبان سے کہے کہ وصل نہ کر کیونکہ ممکن ہے شاگرد کی سمجھ میں نہ آئے تو استاد کو روکنا چاہئے تاکہ شاگرد اتنی دیر میں متنبہ ہوکر اپنی غلطی کو سمجھ لے اور جب اُسے کسی طرح یاد نہ آسکے تو اُستاد کو بتا دینا لازم ہے۔

(۵) قرأت میں ترتیب کا لحاظ رکھنا اور چند اُن قرأتوں سے شروع کرنا جن کو بعض کتابیں لکھنے والے علماء نے اپنی کتابوں میں پہلے بیان کیا ہے۔ مثلاً ابن کثیر کی قرأت سے پہلے نافع کی قرأت شروع کرے، اور ورش کی قرأت سے قبل قالون کی قرأت پڑھے۔

مگر ابن الجزری کا قول ہے کہ یہ بات کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مستحب بات ہے کیونکہ میں نے جن اساتذہ کی صحبت سے فیض پایا ہے وہ ان دونوں قاریوں میں کوئی فرق نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ یہ اور بات ہے کہ کسی شخص نے ان میں سے کسی ایک کو مقدم کرنے کا التزام کیا ہو تو اس کا فعل تھا۔

بعض علماء قرأتوں کے جمع کرنے میں شاطبی کی رعایت رکھتے تھے یعنی پہلے شروع کرکے پھر اس سے بالا مرتبہ اور بعد ازاں اس سے بھی فائق رتبہ کو اختیار کیا کرتے تھے اور اسی طرح اخیر کے آخری مرتبہ تک۔ اور یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ شیخ سے آغاز کرکے نیچے کے درجوں پر اُترتے ہوئے ختم کے مرتبہ تک پہنچتے تھے مگر یہ طریقہ کسی ماہر اور نہایت عمدہ حافظہ رکھنے والے شیخ کے سامنے صحیح ہوسکتا ہے ورنہ مبتدی قاریوں کے سامنے ایک ہی ترتیب اور ایک ہی قرأت کا التزام بہتر ہے۔

ابن الجزری نے یہ بھی کہا ہے کہ قرأتوں کو جمع کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ جن جن حروف میں اختلاف اور فرش و فروع کے مسئلہ میں اختلاف آیا ہے اس پر اچھی طرح غور کرلے کہ جن حروف پر تداخل[1] ممکن ہے ان میں ایک ہی وجہ پر قرأت کرنے پر اکتفا کرے۔ ورنہ ان کی...

[1] ایک قرأت کا دوسری قرأت میں داخل ہوکے پڑھنا۔

نہ ہونے کی صورت میں یہ دیکھے کہ آیا اس کا عطف اس کے ماقبل پر ایک یا دو کلموں یا اس سے زائد کلمات کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر عطف ہو سکتا ہے تو اس میں کوئی غلط بحث اور ترکیب (پیچیدگی) تو نہیں آپڑتی ہے؟ اگر ایسی کوئی تخلیط نہ ترکیب کے عطف ہو سکے تو اس حرف پر اعتماد کرنا چاہئے لیکن عطف نہ ہو سکے یا عطف کرنا غیر مناسب ہو اس حالت میں اس کو غلطی غیر حرف کے مقابلہ ابتدا کی لحاظ رکھ کر تمام وجوہ قراءت کا استیعاب (سلسلہ) کر لینا لازم ہے اور اس میں اجزائے ترکیب اور ربط میں بھی خلل نہ آنے پائے [illegible] کیونکہ امر اول ممنوع اور دوم مکروہ اور موجب تشویش ہے۔

ہذلی نے کہا ہے کہ [illegible] قراءت کو دوسری قراءت کے ساتھ ملا کر [illegible] بیان کرتے اور بعض [illegible] نہیں کیا جاتا۔

[illegible] کو قراءت [illegible] کسی چیز کا چھوڑ دینا یا اس میں خلل ڈالنا جائز نہیں [illegible] کیونکہ [illegible] مقصود [illegible] ہونے میں خلل آتا ہے۔ باقی وجوہ کے متعلق ان کی [illegible] اختیار [illegible] امام کی روایت میں جس وجہ پر عمل کرے وہی اس کے لئے کافی ہے۔

قراءت سیکھنے کے زمانہ میں سبق کے دوران کس قدر قرآن پڑھنا چاہئے؟ اس کی بابت صدر اول کے علماء [illegible] کسی شخص کو دس آیتوں سے زیادہ ایک نشست میں نہیں پڑھاتے تھے اور [illegible] کے بعد اساتذہ اور مشائخ نے پڑھنے والے کی قوت کا اندازہ کر کے جس قدر وہ یاد کر سکتا تھا اتنا ہی یا وہ بالکل پڑھا دینا شروع کر دیا تھا۔

ابن الجزری نے کہا ہے کہ [illegible] قراءت پڑھنے کی صورت میں قرآن کا ایک [illegible] ایک سبق میں پڑھایا جاتا ہے اور [illegible] قراءتوں کی تعلیم دیتے وقت اس سے نصف [illegible] حصوں میں سے ایک حصہ۔ لیکن بہت سے علماء نے [illegible] کی [illegible] مقرر نہیں کی ہے اور یہی قول سخاوی نے بھی پسند کیا ہے۔

میں نے اس نوع میں مختصر طور سے تمام [illegible] قراءت کے اماموں کے اقوال کا خلاصہ پیش کر دیا ہے کیونکہ یہ نوع [illegible] ضروری ہے [illegible] حدیث کے متعلق [illegible] کے مسائل سے واقفیت ضروری ہے۔

فائدہ اوّل

ابن خیر کا بیان ہے کہ اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ جب تک کسی شخص کو کسی شے کے روایت کرنے کی سند نہ حاصل ہو اس وقت تک اسے رسول اللہ صلعم کی حدیث بیان کرنے کی اجازت نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آیا اس اجماع کو قرآن کے بارے میں بھی مسلم مانا جائے گا اور اس میں بھی یہ قید لگا دی جائے گی کہ جب تک کسی شخص سے قرآن کی قرأت نہ سیکھ لی ہو اس وقت تک اس شخص کو ایک آیت کا بھی نقل کرنا روا نہیں؟ اس بارے میں کوئی مستند با نص قول میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کے ناقل کو حدیث کے ناقل سے بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث میں روایت کے لئے اجازت کی شرط کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں غلط باتوں کے شامل ہو جانے کا خوف ہے کہ کہیں لوگ رسول اللہ صلعم کی طرف سے کوئی گھڑی ہوئی بات نہ منسوب کر دیں اور قرآن اس بات سے محفوظ کیا گیا ہے کیونکہ وہ زبانوں پر رہنے یاد رکھنے اور کثرت سے پڑھے جانے کی وجہ سے اسی طرح وہ متداول رہے گا۔

فائدہ دوم

قرأت سکھلانے اور حسن ادا کی تعلیم قرآن کے لئے شیخ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے بلکہ جو شخص اس کا اہل ہو اس کو یہ بات کی اہلیت پاتا ہو کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھا سکتا ہے تو اس کو کسی شیخ نے اجازت دی ہو یا نہیں اس کو پڑھانا جائز ہے۔ جس طرح اگلے لوگوں کا یہی دستور رہا ہے اور یہ بات کچھ قرأت ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر ایک فن کا یہی حال ہے کیا پڑھانے میں اور کیا فتویٰ دینے میں بعض غبی لوگ جنہوں نے اجازت دینے کو ضروری قرار دیا ہے وہ دھوکے میں مبتلا ہیں۔ اور عام طور سے لوگوں نے سند کی اصطلاح اس لئے مقرر کی ہے کہ اکثر مبتدی لوگ استادوں کو نہیں جانتے ہیں اگر شاگرد کی نسبت استاد کی رغبت اور علمی قابلیت کا پایہ معلوم کر لینا لازمی امر ہے اس لئے اجازت یعنی سند اور علامت ہے جو شیخ کی طرف سے قابل اجازت شخص کو دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں پر اپنی اہلیت ثابت کر سکتے ہیں۔

فائدہ سوم

بہت سے مشائخ نے یہ عادت بنالی ہے کہ قرأت کی سند دینے کے لئے کوئی رقم بطور نذرانہ طلب کرتے ہیں۔ یہ بات [illegible] شاگرد کی اہلیت معلوم ہونے پر اُسے سند دینا واجب ہو جاتا ہے۔ [illegible] اور نااہلیت آشکار ہونے کی حالت میں سند دینا ہی منع ہے۔ [illegible] یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے لئے اجازت دینے کے لئے نذرانہ لینا جائز نہیں اور قرأت سکھانے کی اُجرت لینا درست ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعی) میں سے [illegible] البزری کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ [illegible] کسی ایسے شیخ کی نسبت سوال کیا گیا جس نے اپنے ایک طالب علم سے سند دینے کے لئے نقد رقم طلب کی تھی۔ سوال یہ ہوا کہ آیا طالب علم اس معاملہ کو حاکم کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور حاکم کے ذریعہ سے شیخ کو بلا معاوضہ سند دینے پر مجبور کر سکتا ہے؟ نیز طالب علم ایسا کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ [illegible] نے جواب دیا کہ شیخ پر اجازت دینا واجب ہے اور نہ اجازت کے لئے اُجرت لینا جائز ہے۔ انہی سے یہ فتویٰ بھی دریافت کیا گیا کہ ایک شیخ نے کسی طالب علم کو قرأت سکھانے کی اجازت دے دی مگر بعد میں وہ طالب علم بے دین اور بداخلاق ثابت ہوا۔ شیخ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ قرأت میں خرابی نہ پیدا کر دے تو کیا ایسی حالت میں شیخ اپنی اجازت واپس لے سکتا ہے؟ [illegible] نے جواب دیا کہ طالب علم کے بے دین ہو جانے کی وجہ سے اس کی سند تعلیم باطل نہیں ہو سکتی۔

یہ بات کہ قرأت کی تعلیم پر اُجرت لینا روا ہے یا نہیں؟ تو میرے نزدیک یہ جائز ہے اور اس کا ثبوت بخاری کی وہ روایت ہے کہ [illegible] جو چیز تمہارے اُجرت لینے کی سب سے زیادہ مستحق ہے وہ کتاب اللہ ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر قرآن پڑھانے کی اُجرت متعین کر لی تو یہ جائز نہیں۔ حلیمی نے اسی قول کو مختار قرار دیا ہے۔ لیکن ایک قول اس کے مطلقاً عدم جواز کا ہے۔ ابو حنیفہ ؒ اسی قول کے متبع ہیں جس کی دلیل ابو داؤد کی حدیث ہے جو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کو قرآن کی تعلیم دی تھی اور اس نے ان کو ایک کمان ہدیۃً دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عبادہ سے فرمایا اگر تم کو یہ بات پسند ہے کہ اس کمان کے عوض تم کو آگ کا طوق پہنایا جائے تو اس کو قبول کر لو۔

جو لوگ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس کی سند میں کلام ہے۔ اور [illegible] عبادہ رضی اللہ عنہ نے [illegible] تعلیم دی تھی اس لئے کہ وہ [illegible]

معاوضہ کے مستحق نہ تھے چونکہ وہ کمان ان کو بطور معاوضہ دی گئی تھی لہٰذا اس کا لینا جائز نہیں ہے بہ خلاف اس شخص کے جو قبل از تعلیم ہی اُجرت کی شرط کر لے اُسے اُجرت کا لینا جائز ہے۔

فقیہ ابو اللیث نے اپنی کتاب البستان میں لکھا ہے کہ تعلیم کی تین صورتیں ہیں:

اوّل۔ محض بہ نظرِ ثواب اور فی سبیل اللہ ایسی تعلیم کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔

دوم۔ تعلیم باجرت۔

سوم۔ بغیر کسی شرط کے تعلیم دینا۔ لہٰذا اگر اُستاد کو کچھ ہدیہ ملے تو وہ قبول کر لے۔

پہلی صورت اجور (اجر من عند اللہ) ہونے کی ہے اور اس پر انبیاء علیہم السلام کا عمل ہے اور دوسری شکل اُجرت ٹھیرا کر تعلیم دینے کی صورت میں اختلاف ہے مگر راجح ترین قول سے اس کا جواز ثابت ہے اور تیسری شکل بالاجماع جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ خدا کے معلم و ہادی تھے آپ ہدیہ بھی قبول فرما لیتے تھے۔

فائدہ چہارم

ابن بطحان کا قاعدہ تھا کہ وہ قاری کو کسی چھوٹی ہوئی بات بتانے کی صورت میں اگر تنبیہ کرنے کے باوجود بھی نہ سمجھے تو اس موقع کو اپنے پاس لکھ رکھتا اور جب پڑھنے والا قرآن ختم کرنے کے قریب ہوتا اس وقت انہی مقامات کو خاص طور پر اس سے دریافت کرتے۔ اگر قاری نے وہ سب بالکل ٹھیک بتا دیں تو اجازت دیدیتے ورنہ دوسرا ختم کراتے وقت ان فروگذاشتوں کو پھر سکھاتا۔

قراءتوں کی تحقیقات کرنے والے اور تلاوت حروف کے احکام کی واقفیت حاصل کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اِس فن کی کوئی مکمل کتاب حفظ کر لے تا کہ قاریوں کے اختلافات پر آگاہی حاصل کرے اور خلافِ واجب اور خلافِ جائز کا فرق معلوم کرے۔

فائدہ پنجم

ابن الصلاح نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ قرآن کی قراءت ایک ایسی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص کر انسانوں کو عطا کی ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ فرشتوں کو یہ شرف نہیں ملا۔ اور اسی وجہ سے وہ انسانوں کی زبان سے قرآن سننے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

پینتیسویں نوع (۳۵)

قرآن کی تلاوت اور اسکی تالیف کے آداب

اس موضوع پر علماء کی ایک جماعت نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ از آں جملہ ایک نووی بھی ہیں کہ انھوں نے اپنی کتابوں تبیان، شرح المہذب اور اذکار میں بہت سے آداب تو بیان کئے ہیں اور میں اس مقام پر ان کے بیانات کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں درج کرتا ہوں نیز میرے نزدیک تفصیل اور آسانی کی یہ بہتر شکل ہے کہ ہر ایک بات کو ایک جداگانہ مسئلہ کے طور پر لکھا جائے۔ میں اسی اصول کی پیروی کروں گا تاکہ ناظرین کتاب کو اس کے سمجھنے میں سہولت ہو سکے۔ واللہ الموفق۔

مسئلہ

کثرت سے قرآن کی قرأت اور تلاوت کرنا مستحب ہے۔ پروردگار عالم کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی نسبت ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے "یتلون آیات اللہ آناء اللیل"۔

صحیحین میں ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے کہ "دو باتوں کے سوا اور کسی بات میں حسد کرنا درست نہیں۔ ایک اس آدمی کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہے (یعنی وہ حافظ قرآن ہے) اور وہ شب و روز قرآن کو (نماز میں) کھڑے ہو کر پڑھتا رہتا ہے۔ تا آخر حدیث۔

ترمذی نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ "جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف بھی پڑھے اس کو اس حرف کے بدلہ میں ایک نیکی ایسی ملے گی جو دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔"

ابو سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روک دے گی میں اس کو مانگنے والوں کی بہ نسبت بڑھ کر دوں گا۔ اور کلام اللہ کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے

جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی اُس کی تمام مخلوقات پر۔"

مسلم نے ابو اُمامہ رضہ سے روایت کی ہے کہ "تم لوگ قرآن کو پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع ہوگا۔"

بیہقی نے حضرت عائشہ رضہ سے روایت کی ہے کہ "جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ آسمان والوں کو اس طرح روشن نظر آتا ہے جس طرح زمین والوں کو تارے دکھائی دیتے ہیں۔"

حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ "اپنے گھروں کو نماز اور قرأت قرآن کی روشنی سے منوّر بناؤ۔"

نعمان بن بشیر رضہ سے مروی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری اُمت کی بہترین عبادت قرآن کی قرأت ہے۔"

سمرہ بن جندب کی حدیث میں آیا ہے کہ "ہر ایک [illegible] [illegible] لوگوں کا آنا ضروری بات ہے اور خدا تعالیٰ کی خوانِ نعمت قرآن ہے [illegible] دعوت کرنے والے فیاض لوگوں کے خوانِ کرم سے حصہ لینے کو ہر شخص [illegible] خدا کا خوانِ کرم قرآن ہے لہٰذا تم بھی اس سے حصہ لینے میں تامّل نہ کرو)۔

عبیدہ المُلیکی سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح پر روایت ہے کہ "اے اہل قرآن! تم لوگ قرآن کو تکیہ[1] نہ بناؤ اور اس کی تلاوت شبانہ روز اس طرح کرو جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ اور اس میں جو کچھ آیا ہے اُس پر غور و خوض کرو۔ [illegible]"

سلف صالحین کا قرأت کی مقدار میں مختلف دستور تھا۔ ان کے زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے کی مقدار یہ آئی ہے کہ بعض تو ایک دن اور ایک رات میں آٹھ ختم کیا کرتے تھے۔ چار ختم دن میں اور چار ختم رات میں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ تھے جو رات دن میں چار ختم کیا کرتے تھے، دو دن کے وقت اور دو ختم رات کے وقت اور ان کے بعد تین ختم کرنے والے اور پھر دو۔ اور پھر ایک ہی ختم کرنے والے لوگ پائے جاتے تھے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بات کی خرابی ظاہر کی ہے۔

ابن ابی داؤد نے مسلم بن مخراق سے روایت کیا ہے کہ اس کا بیان ہے کہ میں نے [illegible]

---

[1] یعنی سر کے نیچے نہ رکھے رہو۔ یعنی [illegible] نہ کرو۔

ان سے عرض کیا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ایک رات میں دو یا تین قرآن ختم کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا وہ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری رات نماز میں قیام کیا کرتی تھی اور آپ سورۃ البقرۃ، آل عمران اور النساء پڑھتے تھے مگر اس پر کہ جہاں کسی بشارت کی آیت پر گزرتے تو دعا فرماتے اور اس سے بہرہ ور ہونے کی امید کرتے اور جب کوئی عذاب اور خوف کی آیت پڑھتے تو دعا اور پناہ مانگتے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا نمبر تھا جو دو راتوں میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور پھر ایسے لوگ تھے جو تین راتوں میں ایک قرآن تمام کیا کرتے تھے اور یہی صورت بہتر اور عمدہ ہے۔

بہت سے علماء نے تین راتوں سے کم میں قرآن کا ختم کرنا مکروہ بھی کہا ہے۔ اور ان لوگوں نے ترمذی اور ابوداؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے ان دونوں نے صحیح قرار دیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جو شخص تین دن سے کم میں قرآن پڑھتا ہے وہ اس کو کبھی سمجھ نہیں سکتا۔

ابن ابی داؤد اور سعید بن منصور نے ابن مسعود رضہ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ قرآن کو تین دن سے کم میں نہ پڑھو۔

ابو عبید نے معاذ بن جبل رضہ سے روایت کی ہے کہ وہ تین دن سے کم عرصہ میں قرآن کا پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے۔

احمد اور ابو عبید نے سعید بن المنذر رضہ سے (جو اس حدیث کا راوی ہے) روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آیا میں تین دن میں ایک بار قرآن پڑھ لوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اگر تو اتنی طاقت رکھتا ہے۔

اور پھر اس درجہ کے لوگ بھی تھے جو چار، پانچ، چھ اور سات دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔ یہ آخری طریقہ درمیانہ درجہ اور بہترین طریقہ تھا۔ اکثر صحابہ رضہ اور تابعین وغیرہم کا اسی پر عمل درآمد رہا۔

شیخین نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ہر مہینے میں قرآن کا ایک ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو دس دن میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے پھر عرض کیا۔ میں اس سے بھی زیادہ قوت رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "تو پھر سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرنا اور اس سے زیادہ نہ پڑھنا"

ابو عبید وغیرہ نے واسع بن حبان کے طریق پر قیس بن ابی صعصعہ سے (اور اس کے کوئی اور راوی نہیں) روایت کی ہے کہ اُس نے کہا "یا رسول اللہ! میں کتنے دنوں میں ایک قرآن پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا پندرہ دن میں" ابن ابی صعصعہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، مجھ کو اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے۔ تو آپ نے فرمایا "پھر اُسے ایک جمعہ (ایک ہفتہ) میں پڑھا کرو"

بعد ازیں آٹھ پھر دس پھر ایک مہینے اور پھر دو مہینوں میں ختم کرنے والے لوگ ہیں۔

ابن ابی داؤد نے مکحول سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا کہ "صحابہ رض میں سے زیادہ پڑھنے والے بھی قرآن کو سات دنوں میں پڑھا کرتے تھے اور بعض ایک مہینے میں، بعض دو مہینوں میں اور بعض اس سے بھی زیادہ عرصہ میں"

ابو اللیث نے اپنی کتاب "بستان" میں لکھا ہے کہ "اگر قاری سے زیادہ نہ ہو سکے تو وہ ایک سال میں قرآن کے دو ختم کرے، کیونکہ حسن بن زیاد نے ابو حنیفہ رح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا "جو شخص ایک سال میں دو مرتبہ قرآن کی قرأت کرے گا وہ اس کا حق ادا کر دے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سالِ وفات میں دو مرتبہ جبریل ع کے ساتھ قرآن کا دور کیا تھا"

لیکن دیگر علماء میں سے کسی کا قول ہے کہ "چالیس دن سے زیادہ قرآن کے ختم میں بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے"

امام احمد نے اسی قول پر زور دیا ہے کیونکہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے "عبد اللہ بن عمر رض نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ قرآن کتنے دنوں میں ختم کیا جائے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "چالیس دنوں میں" اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں بیان کیا ہے "قولِ مختار یہ ہے کہ ختمِ قرآن کی مدت مختلف لوگوں کے لئے الگ الگ ہے لہٰذا جن لوگوں کو خوب غور و خوض کرنے سے نئی نئی باریکیاں اور علوم سوجھتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس قدر تلاوت کرنے پر اکتفا کریں جس سے تلاوت والے حصہ کو اچھی طرح سے سمجھ سکنا ممکن ہے۔ اسی طرح جو لوگ اشاعتِ علومِ دین، فیصلۂ مقدمات یا اور اسی قسم کے ضروری دینی کاموں میں مصروف اور عام دنیاوی کاروبار میں مشغول رہتے ہیں ان کے واسطے اتنا ورد کر لینا کافی ہے جو ان کے فرائضِ منصبی اور حوائجِ ضروریہ میں خلل انداز نہ ہو، اور

ان لوگوں کے علاوہ جنھیں فرصت رہتی ہے وہ جس قدر اُن سے ممکن ہو اتنی تلاوت کریں، مگر اسی حد تک کہ نہ تھکاوٹ ہو اور نہ زبان میں قرأت کرنے سے رُکاوٹ پیدا ہو۔

مسئلہ

قرآن کا بُھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔

نووی نے اس کی تصریح اپنی کتاب الروضہ وغیرہ میں بھی کی ہے اور اس کی دلیل میں ابو داؤد وغیرہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "میرے سامنے میری امّت کے گناہ پیش کئے گئے اور میں نے اِس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد رہی ہو اور پھر اُس نے اُسے فراموش کر دیا ہو"۔

ابو داؤد ہی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "جس شخص نے قرآن پڑھ کر پھر اسے فراموش کر دیا وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے کوڑھی ہو کر آئے گا"۔

صحیحین میں آیا ہے کہ "قرآن کی حفاظت کرو، کیونکہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک وہ زانو بندھے ہوئے اونٹ سے بھی بڑھ کر چھوٹ جانے والا ہے"۔

مسئلہ

قرآن پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ ناپاکی اللہ کا نام لینا پسند نہ کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

امام الحرمین کا قول ہے "بے وضو شخص کے لئے قرآن پڑھنے میں کوئی بُرائی (حرج) نہیں، کیونکہ صحیح روایتوں سے رسول اللہ صلعم کا باوضو ہونے کی حالت میں بھی قرآن پڑھنا ثابت ہے اور اگر قرأت کی حالت میں نقض چیز کے نکلنے کا احساس ہو تو قرأت روک دے جب تک کہ اس سے فراغت نہ مل جائے۔ مگر جنب آدمی (جس پر غسل واجب ہو یعنی جنبی) اور عورت جس کو ماہواری آ رہی ہو ان پر قرآن کا پڑھنا حرام ہے۔ ہاں وہ مصحف دیکھ کر دل میں اُس کی آیتوں کا خیال کر سکتے ہیں اور جس شخص کا منہ ناپاک ہو اس کے لئے قرأت مکروہ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ قرأت اس کو اسی طرح حرام ہے جس طرح نجس ہاتھوں سے مصحف کا چھونا حرام ہے۔

مسئلہ

قرأت پاک اور صاف جگہ میں مسنون ہے اور اس کے لئے سب سے افضل جگہ مسجد ہے۔ بہت سے علماء نے حمّام اور راہ گزر میں قرأت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن نووی کا قول ہے کہ ہمارے

نزدیک ان مقامات میں قرأت مکروہ نہیں۔

نووی ہی نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ شعبی نے بیت الخلاء[1] اور خراس (چکی والے) کے گھر میں جب کہ چکی چل رہی ہو قرأت قرآن کو مکروہ قرار دیا ہے۔ پھر نووی نے کہا ہے کہ یہی بات ہمارے مذہب کا بھی مقتضیٰ ہے۔"

مسئلہ

قرأت کے وقت قبلہ رو ہو کر باطمینان خشوع و خضوع کے ساتھ سر جھکا کر بیٹھنا مسنون ہے اور اس طرح پر سکون بیٹھے رہنا چاہئے۔

مسئلہ

تعظیم قرآن اور پاکی دہن کے خیال سے مسواک کرنا مسنون ہے۔

ابن ماجہ نے علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور بزار نے انہی سے نہایت جید سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں لہٰذا ان کو مسواک کے ذریعہ سے پاک و صاف کیا کرو۔"

میں کہتا ہوں اگر قرأت چھوڑ کر پھر کچھ دیر بعد اسے دوبارہ شروع کرنا ہو تو اعوذ باللہ کہنا مستحب ہونے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوبارہ مسواک کرنا بھی مستحب ہے۔

مسئلہ

آغاز قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہے۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ[2] یعنی جب تم قرأت قرآن کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ بعض علماء نے آیت کے ظاہر کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ قرأت شروع کرنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھے اور بعض علماء نے تو اس کے ظاہری الفاظ کو اختیار کرکے اعوذ باللہ کو قرأت سے فراغت کے بعد پڑھنا واجب قرار دیا ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص قرأت میں مشغول ہو اور کسی جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا تو پھر قرأت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ پڑھ لینا اچھا ہے نیز یہ بھی کہا ہے کہ

---

[1] یہاں لفظ "حُشّ" آیا ہے جس کے اصلی معنی ہیں باغ، بستان یا کھجوروں کا جھنڈ۔ چونکہ عرب کے اکثر باغوں میں پاخانہ پھرا کرتے تھے لہٰذا پھر حش کا اطلاق بیت الخلاء یا پاخانہ پر بھی ہونے لگا ہے (مترجم)

[2] جب تم قرآن پڑھو تو راندہ درگاہ شیطان سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

میں تعوذ کی صورت "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" بیان کی گئی ہے، اور سلف کی ایک جماعت اس پر "السميع العليم" کے الفاظ بھی بڑھاتی تھی۔

حمزہ سے "استعيذ"، "نستعيذ" اور "استعذت" کے الفاظ مروی ہیں۔ حنفی مذہب کے مشہور عالم اور فقیہ صاحب ہدایہ نے انہی کو پسند کیا ہے، کیونکہ یہ الفاظ قرآن کے لفظ سے زیادہ مطابق ہیں۔

حمید بن قیس سے "أعوذ بالله القادر من الشيطان الغادر" کہنا بھی منقول ہے۔ ابو السمال سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے "أعوذ بالله القوي من الشيطان الغوي"۔ اور [illegible] سے منقول ہے "أعوذ بالله المجيد من الشيطان المريد"۔ بعض سے "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم إنه هو السميع العليم" بھی مروی ہے۔ تعوذ میں اسی طرح کے چند اور الفاظ بھی آئے ہیں۔

حلوانی نے اپنی کتاب الجامع میں کہا ہے کہ استعاذہ کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جس سے تجاوز کرنا ممنوع ہو، جس کا دل چاہے اسے بڑھا لے اور جو چاہے اس میں کمی کر دے۔

ابن الجزری اپنی کتاب "النشر" میں کہتے ہیں کہ ائمہ قراءت کے نزدیک اعوذ با جہر (بآواز بلند) پڑھنا مختار ہے۔ ایک قول میں اس کے مطلقاً آہستہ کہنے کی تصریح بھی موجود ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور تمام مواقع میں اس کو آہستہ پڑھنا چاہئے۔

ابن الجزری کا قول ہے کہ امام شافعی نے اعوذ بالجہر و بلند آواز سے پڑھنا مطلقاً پسندیدہ قرار دیا ہے۔

اذرعی نے اس کے با جہر کہنے میں ایک شرط کی قید بھی لگائی ہے جو معتبر ہے اور وہ قید یہ ہے کہ اعوذ باللہ کا جہر وہاں کیا جائے جہاں قراءت سننے والے سامنے پائے جائیں گے، کیونکہ جس طرح عید کی تکبیر بلند آواز سے کہنا [illegible] کی سنت ہے اسی طرح اعوذ باللہ کا بآواز پڑھنا قراءت کا نشان ہے۔ [illegible] اس کو بلند پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ سننے والا [illegible] متوجہ ہو کر [illegible] اور جو [illegible] شروع ہی سے قراءت کو سنے اس سے کوئی لفظ چھوٹ جانے نہ پائے گا، ورنہ اعوذ باللہ کو آہستہ کہا جائے تو سامع کو آغاز قراءت کی خبر نہ ہوگی اور وہ شروع کا حصہ نہ سن سکے گا۔ [illegible] اور [illegible] اور نماز سے باہر کی قراءت کا [illegible] فرق معلوم ہوتا ہے، اور متاخرین کا اس کو آہستہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ [illegible]

پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا تلفظ زبان سے اس طرح کرے کہ وہ خود اس کو سن سکے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو صرف دل میں پڑھنا چاہئے زبان سے اس کا تلفظ کرنا ضروری نہیں۔

جب قاری قرأت کو ترک کرنے کے خیال سے یا کسی سے گفتگو کرنے کی وجہ سے خواہ وہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، قرأت بند کر دے تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ کر قرأت شروع کرے لیکن اگر وہ کلام قرأت ہی کے متعلق ہو تو پھر اعوذ باللہ کہنے کی حاجت نہیں۔

اور یہ بات کہ آیا اعوذ باللہ کہنا سنتِ کفایہ ہے یا سنتِ عین؟ یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ اگر ایک جماعت قاریوں کی قرأت کر رہی ہو اور ان میں سے ایک ہی شخص اعوذ باللہ کہہ دے تو وہ سب ہی کی طرف سے کافی ہو جائے۔ جیسے کھانے کے وقت ایک دسترخوان پر کھانے والوں میں سے کسی ایک کا بھی بسم اللہ پڑھ لینا کافی ہوتا ہے؟ میں نے اس کے متعلق کوئی صریح قول نہیں دیکھا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ کا پڑھنا سنتِ عین ہے اس لئے کہ اس کا مقصد قاری کا اعتصام باللہ اور شیطان کے شر میں مبتلا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ہے پھر ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص کا اعوذ باللہ پڑھ لینا تمام جماعت یا دوسرے شخص کے لئے بھی کافی ہو جائے۔

مسئلہ

یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر ایک سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتا رہے۔ البتہ سُوْرَةُ بَرَاءَةٍ (سورہ توبہ) اس قید سے مستثنیٰ ہے۔ اور بسم اللہ کا پڑھنا اس لئے لازم ہے کہ اکثر علماء اس کو آیت مانتے ہیں لہٰذا اگر وہ سورت میں داخل سمجھی جانے کی تو اس کا تارک اکثر علماء کے نزدیک ختم قرآن میں سے ایک حصّہ کا تارک ہوگا ورنہ بہ صورتِ دیگر اگر وہ بسم اللہ کو سورت کے مابین بھی پڑھ لے گا تو یہ مناسب ہوگا۔ جیسا کہ عبادی نے نقل کیا ہے اسی بات پر امام شافعی رح بھی زیادہ زور دیتے ہیں۔

قرّاء کا قول ہے "اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ" آیۃ اور "وَهُوَ الَّذِيْ أَنْشَأَ جَنّٰتٍ" - آیۃ" یا اسی طرح کی دوسری آیتوں کی قرأت کرتے وقت اعوذ باللہ کے ساتھ ہی بسم اللہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ محض تعوّذ کے بعد ان آیتوں کے پڑھنے میں یہ قباحت ہے کہ ضمیر کے شیطان کی طرف پھرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

ابن الجزری کا قول ہے "سُوْرَةُ بَرَاءَةٍ (توبہ) کے وسط کی آیتوں کے بسم اللہ سے آغاز کرنے

میں بہت کم کسی نے تعرض کیا ہے اور اس میں ابو الحسن سخاوی نے بسم اللہ پڑھنے کی تصریح کی ہے لیکن جعبری نے ان کا قول رد کر دیا ہے۔"

مسئلہ

قرأت قرآن میں بھی دیگر تمام اذکار کی طرح نیت کی حاجت نہیں مگر جب کہ انسان نے باہر قرأت کی نذر مانی ہو تو ضروری ہے کہ نذر یا فرض کی نیت کر لے چاہے اس نے وقت کو معین کر لیا ہو اور اگر ایسی حالت میں نیت کو ترک کر دے گا تو نذر جائز نہ ہوگی۔ اس بات کو قمولی نے اپنی کتاب الجواہر میں بیان کیا ہے۔

مسئلہ

قرآن کی قرأت میں ترتیل مسنون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی قرأت کی یہ تعریف کی ہے کہ "آپ بڑی وضاحت کے ساتھ حرف حرف نمایاں کر کے پڑھا کرتے تھے۔"

بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ صلعم کی قرأت کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کشش مد کے ساتھ ہوتی تھی پھر انہوں نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو پڑھ کر سنایا اور اللہ، الرحمٰن اور الرحیم سب کو مد کے ساتھ پڑھا۔"

صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی شخص نے کہا میں قرآن مفصل[1] کو ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتا ہوں۔ ابن مسعودؓ نے کہا اس طرح جس طرح اشعار کو جلد جلد پڑھا جاتا ہے؟ بے شک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا۔ کاش اگر قرآن دل میں اترتا اور اس میں جم جاتا تو فائدہ بھی دیتا۔"

آجری نے ابن مسعودؓ سے حملۃ القرآن [illegible] کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا "تم قرآن [illegible] کی طرح بکھیرو اور نہ شعر کی مانند جلدی پڑھو۔ اس کی عجیب و غریب باتوں کے

[illegible]

۱ مفصل قرآن کی اس منزل کو کہتے ہیں جو سورہ حجرات سے [illegible]

پاس ٹھہرو اور دلوں کو حرکت دو اور غور کرو اور آخر سورت تک پڑھنے کی فکر نہ کرو۔

اسی راوی نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "قرآن پڑھنے والے سے (قیامت کے دن بہشت میں داخل ہوتے وقت) کہا جائے گا کہ تو قرآن پڑھتا اور (بہشت کے) درجوں پر چڑھتا جا اور جس طرح دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اسی طرح اب بھی ترتیل سے پڑھ۔ بے شک تیری منزل (بہشت میں) اسی جگہ ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھ کر اسے تمام کرے گا۔"

آجری نے کتاب مہذب کی شرح میں لکھا ہے "علماء نے زیادہ تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنا بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ایک پارہ کی تلاوت ترتیل کے ساتھ بغیر ترتیل کے دو پارے پڑھ لینے سے بھی بدرجہا افضل ہے۔ علماء کا قول ہے کہ ترتیل کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قاری قرآن کے مطالب پر غور کرے اور اس کے علاوہ سنبھل سنبھل کر پڑھنا عظمت و توقیر کی علامت ہے اور پھر وہ قلب پر بہت اثر انداز ہوتا ہے اسی وجہ سے غیر عربی شخص کے لئے بھی جو قرآن کے معنی نہیں سمجھتا ترتیل مستحب ہے۔"

کتاب النشر میں لکھا ہے "اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ترتیل کے ساتھ کم پڑھنا افضل ہے یا جلدی زیادہ پڑھنا؟ ہمارے بعض اماموں نے بہت اچھا کہا ہے کہ قرأت ترتیل کا ثواب مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے اور زیادہ پڑھنے کا ثواب مقدار و تعداد میں زیادہ ہے کیونکہ ہر نیکی کے عوض میں دس نیکیاں ملتی ہیں اور ہر ایک حرف کے عوض ایک نیکی اسی طرح کی نصیب ہوگی۔"

زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے کہ "ترتیل کا کمال یہ ہے کہ اس کے الفاظ پورے ادا کئے جائیں۔ ایک حرف دوسرے حرف سے الگ کر کے پڑھا جائے اور کسی حرف کو دوسرے حرف میں شامل (ادغام) نہ کیا جائے" اور بعض نے کہا ہے کہ "یہ تو ترتیل کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قرآن کی قرأت اس کے مقامات نزول کے لحاظ سے کی جائے یعنی جس مقام پر دھمکی دی گئی ہے اور خوف دلایا گیا ہے وہاں اسی طرح کی آواز پیدا کی جائے اور جس جگہ تعظیم کا موقع ہے وہاں قاری کے لب و لہجہ سے عظمت و جلالت کا اظہار ہوتا ہو۔"

مسئلہ

قرآن پڑھتے وقت اس کے معانی سمجھنا اور اس کے مطالب پر غور کرنا بھی سنت ہے کیونکہ قرآن پڑھنے کا بہترین مقصد اور اصل مدعا یہی ہے۔ اسی سے دل میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ آیت شریف ہے "کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ" اور [illegible]

[illegible]

[illegible] یہ ہے کہ زبان سے جو الفاظ نکل رہے ہیں ان کے معنی پر غور کرے، جو آیت کے مطلب و منشاء کے موافق ہو، دعا پڑھنا درست ہے اور اس بات پر [illegible] اور موافق مانگنے [illegible] زمانہ میں اس سے [illegible] ہوتے ہیں، ان کی [illegible] کر کے معانی [illegible] رحمت کی آیت پر گزرے تو خوش ہو جائے اور دعا مانگے اور عذاب کی آیت آئے تو دوزخ سے پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی کا ذکر آئے تو اس کی پاکی [illegible] بیان کرے۔ اور دعا کا [illegible] ہو تو عاجزی کے ساتھ اپنی حاجتیں طلب کرے۔

مسلم نے حذیفہ رضہ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے سورۂ البقرہ شروع کر کے اسے ختم کر دیا، پھر سورۂ النساء شروع کر کے اس کو بھی ختم کر لیا اور اس کے بعد سورۂ آل عمران شروع کی اور اسے بھی پڑھ لیا۔ آپ ہر آیت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح باری تعالیٰ [illegible] تو آپ سبحان اللہ کہتے، سوال (دعا) کی آیت پڑھتے تو دعا مانگتے اور تعوذ کی آیت پڑھتے تو خدا سے پناہ مانگتے تھے۔

ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے عوف بن مالک رضہ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا اور آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی، اس طرح کہ آپ جب رحمت کی آیت پڑھتے تو رک کر دعا مانگتے اور عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر خدا سے پناہ طلب کرتے تھے۔

ابو داؤد اور ترمذی نے حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص سورۂ والتین والزیتون پڑھے تو اُسے اس کے بعد کہنا چاہیے: بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ اور جو شخص سورۂ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کو پڑھے اور آخر تک پڑھ جائے یعنی قولہ تعالیٰ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى تک تو وہ کہے بلیٰ (یعنی بے شک خدا اس بات پر قادر ہے) اور سورۂ والمرسلات کا پڑھنے والا اس کے خاتمہ یعنی آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ تک پہنچ جائے تو اس کو پڑھنے کے بعد کہے: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (ہم اللہ پر ایمان لائے)۔

[illegible] قرآن [illegible]

احمد اور ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" پڑھتے تو فرماتے تھے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى"۔

ترمذی اور حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ان کو سورۂ رحمٰن پڑھ کر سنائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو سن کر خاموش رہے۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے اس سورت کو قوم جنّ کے سامنے بھی پڑھا تھا مگر انہوں نے تمہاری بہ نسبت بہت اچھا جواب دیا تھا۔ جہاں میں آیت "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" پر پہنچتا تو وہ لوگ کہتے "وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ"[1]

ابن مردویہ، دیلمی اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الدعاء میں ایک نہایت ضعیف سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ۔ الآیۃ" پڑھی اور اس کے بعد کہا "اللَّهُمَّ أَمَرْتَ بِالدُّعَاءِ وَتَكَفَّلْتَ بِالْإِجَابَةِ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ أَشْهَدُ أَنَّكَ فَرْدٌ أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ وَأَشْهَدُ أَنَّ وَعْدَكَ حَقٌّ وَلِقَاءَكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّكَ تَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ"[2]

ابو داؤد وغیرہ نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے "وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھ کر اس کے بعد "آمین" کہی اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا۔ طبرانی نے اسی حدیث کو "قَالَ آمِينَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ"[3] کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے اس کو "قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي آمِينَ" کے لفظ سے روایت کیا ہے۔

---

[1] ۔ ہمارے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، پس تیرا شکر ہے۔۱۲

[2] الٰہا! تو نے دعا کا حکم دیا اور قبول کرنے کی ذمہ داری فرمائی۔ میں حاضر ہوں اے پروردگار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں تجھ کو پکارتا ہوں۔ بے شک حمد اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور ملک بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اکیلا یکتا ہے، بے نیاز ہے، نہ تو نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا اور نہ تیرا کوئی کفو و ہمسر ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تیرا وعدہ سچ ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور تو قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔

[3] آپ نے تین مرتبہ آمین کہی۔

ابو عبید نے ابو میسرہ رضہ سے روایت کی ہے کہ جبرئیل ؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ بقرہ کے خاتمہ کے وقت آمین تلقین کی تھی۔

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ وہ سورۃ البقرہ کو ختم کرتے ہوئے آمین کہا کرتے تھے۔

نووی کا قول ہے کہ آداب تلاوت میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آیت پاک وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ اور وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ یا اسی طرح کی دوسری آیتوں کو پڑھا جائے تو پڑھنے والا اپنی آواز پست کرلے۔ چنانچہ نخعی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

مسئلہ

کسی ایک آیت کو بار بار پڑھنے اور اس کو دہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نسائی وغیرہ نے ابوذر رضہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نماز میں ایک ہی آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ کو بار بار پڑھتے ہوئے صبح کردی تھی۔

مسئلہ

قرآن پڑھنے کے وقت رونا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونی صورت بنا لینا چاہئے اور رنج و رقت قلب کا اظہار بھی مناسب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے وَيَخِرُّونَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُونَ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود کی تلاوت کے متعلق صحیحین میں بیان آیا ہے کہ آنحضرت کی دونوں آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

بیہقی کی کتاب شعب الایمان میں سعد بن مالک سے مرفوعاً مروی ہے کہ بے شک یہ قرآن رنج اور غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اس لئے جب تم اس کو پڑھو تو روؤ اور رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

اور اسی کتاب میں عبدالملک بن عمیر کی یہ مرسل حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک سورت پڑھتا ہوں اور جو شخص اس پر رویا اس کے لئے جنت ہے پس اگر تم رو نہ سکو تو رونے کی صورت بناؤ۔

ابو یعلیٰ کی مسند میں یہ حدیث ہے کہ تم لوگ قرآن کو رنج و غم کے ساتھ پڑھو کیونکہ

[1] وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

وہ حزن و ملال کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

طبرانی کے نزدیک قرأت اُس شخص کی اچھی ہے جو قرآن کو غمناک لہجے میں پڑھے۔

کتاب "مہذب" کی شرح میں ہے کہ رونے کی قدرت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تہدید (دھمکی) اور سخت وعید (عذاب کی خبر) اور مواثیق[1] و عہود کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے غور و تامل کرے، اور پھر سوچے کہ اس نے ان امور میں کس قدر قصور کیا ہے اور اگر اسے قرآن پڑھنے کے وقت رونا نہیں آیا تھا تو اسے چاہئے کہ اپنی اس بدنصیبی پر ہی گریہ و زاری کرے کہ اس سے یہ موقع کیوں کر چھوٹ گیا اور فی الواقع یہ ایک بڑی مصیبت ہے۔

مسئلہ

قرأت میں خوش آوازی اور لب و لہجہ کی درستی مسنون ہے۔

ابن حبان وغیرہ کی یہ حدیث اس کی تائید کے لئے کافی ہے "زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِکُمْ"[2] اور دارمی کی روایت میں اس کے الفاظ اس طرح آئے ہیں "حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِکُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا"[3]

بزار وغیرہ نے حدیث "حُسْنُ الصَّوْتِ زِیْنَةُ الْقُرْآنِ"[4] کی نقل کی ہے۔

اس کے متعلق اور بھی بکثرت صحیح حدیثیں آئی ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو جہاں تک اُس سے بن پڑے اپنی آواز کو سنبھالنے اور سنوارنے کی کوشش کرے مگر نہ اتنی کہ حد سے زیادہ کھینچے۔

الحان (ترنم و خوش آوازی) کے ساتھ قرأت کرنے پر امام شافعی نے کتاب مختصر میں اس کے غیر نامناسب نہ ہونے پر زور دیا ہے اور ربیع الجیزی کی روایت سے اس کا مکروہ ہونا بیان ہے۔

رافعی کا قول ہے جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ الحان کے ساتھ قرأت کرنا ان دونوں قولوں پر منحصر نہیں بلکہ اس کے مکروہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ مد اور حرکات کے اشباع میں اس قدر

---

[1] قول و قرار۔۱۲

[2] تم لوگ اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو۔۱۲

[3] تم لوگ قرآن کو اپنی آوازوں سے خوشنما بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن دوبالا کر دیتی ہے۔۱۲

[4] آواز کی خوبی قرآن کا زیور ہے ۱۲

بعض حدیثوں سے آہستہ آواز میں قرأت کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

پہلے امر کے متعلق صحیحین کی یہ حدیث ہے "اللہ تعالیٰ کسی شے کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبی کو جہر (بہ آواز بلند) کے ساتھ قرآن پڑھتے سنتا ہے۔"

دوسرے امر کے متعلق ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی یہ حدیث ثبوت ہے کہ "قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے والا صدقہ علانیہ دینے والے کی طرح ہے اور قرآن آہستہ آواز سے پڑھنے والا پوشیدہ خیرات کرنے والے کی طرح ہے۔"

نووی کا قول ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس مقام پر ریاکاری کا خوف ہو وہاں آہستہ پڑھنا بہتر ہے اور نیز ان موقعوں پر بھی کہ جہاں بلند قرآن پڑھنے سے نمازیوں یا سونے والوں کو اذیت پہنچے۔ اور جہاں ایسا موقع نہ ہو وہاں قرآن بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ عمل اس میں زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں تک بھی پہنچتا ہے پھر خود قاری کے دل کو بھی یہ طریقہ ہوشیار کرتا ہے اور اس کی ہمت کو معانی کلام پر غور و فکر کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ نیز اسے اپنی قرأت سننے میں مصروف رہنے کے باعث نیند نہیں آنے دیتا اور اس کی ہمت بڑھتی رہتی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے مابین تطبیق دینے کی دلیل اس حدیث سے بھی ملتی ہے جس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا تھا اور آپ نے صحابہ کو بآواز بلند قرأت کرتے سنا تو اپنے مقام اعتکاف کا پردہ ہٹا کے یہ ارشاد فرمایا "خبردار تم میں سے ہر شخص اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہے لہذا ایک دوسرے کو تکلیف نہ دو اور قرأت میں اپنی آواز کو ایک دوسرے پر بلند نہ کرو۔"

بعض علماء کا قول ہے کہ قرأت کے وقت کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ آہستہ پڑھنے والا کسی وقت پریشان ہو کر بآواز بلند پڑھنا پسند کرتا ہے اور بآواز بلند پڑھنے والا تھک جانے کی صورت میں آہستہ پڑھنے کا خواہشمند ہوتا ہے اور دونوں اس ادل بدل کی صورت سے آرام حاصل کر لیتے ہیں۔

مسئلہ

مصحف کو دیکھ کر قرأت کرنا حافظہ کے بل پر قرأت کرنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف

کو دیکھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے۔

نووی نے کہا ہے کہ [illegible] مذہب کا یہ قول ہے اور سلف بھی اسی بات کے قائل تھے۔ میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا [illegible] اس بات پر [illegible] [illegible] [illegible] ہے اور جس کو زبانی پڑھنے میں بہ نسبت مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کے غور و فکر اور خشوع قلب کا [illegible] اس کے لئے زبانی ہی پڑھنا بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ابن عبد السلام [illegible]

مسئلہ

تنبیہ: اس سے قبل یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب کوئی قاری پڑھتے پڑھتے ٹھہر جائے اور اس کو پتہ نہ لگے کہ کہاں تک اس نے پڑھا ہے یا اس کے آگے کیا ہے تو پھر وہ کسی دوسرے شخص سے دریافت کرے تو دریافت کرنے والے کو ادب سے کام لینا چاہیے، چنانچہ ابراہیم بن مسعود نخعی اور بشیر بن ابی مسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے کوئی آیت دریافت کرے تو پوچھے ہوئے سوال کا جواب دینے والا آیت سے قبل کی آیت پڑھ کر خاموش ہو جائے اور یہ نہ کہے کہ فلاں فلاں آیت ہے کیونکہ اس طرح کہنے سے اس پر قرأت مشتبہ ہو جائے گی۔

ابن مجاہد کہتے ہیں کہ جب قاری کو کسی حرف میں یہ شک ہو کہ آیا وہ [illegible] سے ہے یا تائے سے تو اس کو یائے کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ قرآن مذکر ہے اور مہموز یا غیر مہموز ہونے کا شبہ ہو تو ہمزہ کو ترک کر دے۔ ممدود یا مقصور ہونے میں شک ہو جائے تو قصر کے ساتھ پڑھے۔ مفتوح یا مکسور ہونے کے بارے میں شک ہونے پر فتحہ کے ساتھ قرأت کرے کیونکہ فتحہ کسی جگہ پر غلط نہیں ہوتا اور کسرہ بعض جگہوں میں غلط ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں عبدالرزاق نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جب تم لوگوں کو یا اور تا میں اختلاف پیش آئے تو اس حرف کو "یا" بنا کر قرآن کی تذکیر کرو۔[1]

ثعلب نے اس قول سے یہ بات سمجھی ہے کہ جس لفظ کی تذکیر و تانیث دونوں کا احتمال ہو اس میں تذکیر زیادہ اچھی ہے مگر اس کی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ مونث غیر حقیقی کو مذکر بنانا زیادہ کرنا ممتنع (محال) ہے کیونکہ قرآن میں مونث غیر حقیقی کو نہایت کثرت کے ساتھ تانیث کے صیغہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے النَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ، وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، اور قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ وغیرہ اور جب کہ مونث غیر حقیقی کو مذکر بنانا کو قصد ممنوع ہے تو مونث حقیقی کو مذکر بنانا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

علماء نے کہا ہے کہ جن الفاظ کے مونث اور مذکر دونوں طرح پر آنے کا احتمال ہوتا ہے ان میں تذکیر کا ارادہ کیا گیا ہے، مثلاً فرمایا ہے "[illegible]" میں [illegible] باوجود اس کے کہ [illegible] مگر مونث ہی لائے گئے کیونکہ [illegible] قرآن میں فرماتا ہے أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ اور مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ [illegible] یہاں مذکر [illegible]

[1] یعنی مذکر کا استعمال کرو [illegible]

سے ہے، ابن مسعودؓ کے قول میں "ذکّروا" سے مراد نہیں جو ثعلب نے سمجھا ہے بلکہ ان کا مقصود "ذکّروا" سے نصیحت کرنا اور ذکر کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے "فذکّر بالقرآن" ... لیکن ابن مسعودؓ نے [illegible] حرف حذف کر دیا ورنہ اصل میں "ذکّروہ بالقرآن" تھا، گویا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو صرف قرآن پر آمادہ کرو اور دوسرے اقوال نہ بتاؤ۔

میں کہتا ہوں کہ ابن مسعودؓ کے قول کا ابتدائی حصہ اس احتمال کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ [illegible] کا قول ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے جس کی طرف ثعلب گئے ہیں یعنی جہاں پر یہ درست ہے کہ جب ایک لفظ میں تذکیر و تانیث دونوں باتوں کا احتمال ہو اور اس کے مذکر بنا دینے سے [illegible] نہ ہو جائے، جیسے [illegible] تب اس لفظ کو مذکر بنا سکتے ہیں اور اس بات کے مراد ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب جو شہر کوفہ کے قاری ہیں مثلاً حمزہ اور کسائی وہ سب اس بات کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے اس قبیل کے تمام الفاظ کو تذکیر کے ساتھ پڑھا ہے جیسے [illegible] "یشہد" اور یہ بات مؤنث غیر حقیقی ہی میں ہے۔

مسئلہ

کسی سے بات کرنے کے لئے قرأت کو بند کر دینا مکروہ ہے۔

حلیمی کا قول ہے "اس لئے کہ کلام اللہ پر غیر اللہ کے کلام کو ترجیح دینا برا ہے۔"

بیہقی نے اس امر کی تائید میں "صحیح بخاری" کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ ابن عمرؓ جب قرآن پڑھنے لگتے تو جب تک اس سے فارغ نہ ہو جاتے کوئی اور گفتگو نہیں کیا کرتے تھے۔

اسی طرح قرأت قرآن کے دوران ہنسنا، کپڑے وغیرہ سے کھیلنا اور ایسی چیزوں کو دیکھنا جو دل کو اپنی طرف متوجہ کرلیں، مکروہ ہے۔

مسئلہ

غیر عربی زبان میں قرآن کا خالص ترجمہ پڑھنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ آدمی کو عربی زبان پر قدرت حاصل ہو یا نہ ہو، (آیا نماز ہو یا خارج از نماز دونوں میں قول یہی ہے)

امام ابوحنیفہؒ نے قرآن کی قرأت کو ہر زبان میں مطلقاً جائز رکھا ہے [illegible] صاحبین [illegible] وقت قدرت [illegible]

جائز قرار دی ہے لیکن ترمذی کی شرح میں ہے کہ ابو حنیفہؒ نے اپنے اس قول سے بعد میں رجوع کر لیا تھا اور انھوں نے (بھی) دوسری زبانوں میں قرآن کی قرأت ناجائز قرار دی تھی۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غیر زبانوں میں قرآن (کا ترجمہ) پڑھنے سے قرآن کا وہ اعجاز باقی نہیں رہتا جو اس سے مقصود ہے۔

الغزالی جو ہمارے اصحاب (شافعیہ) میں سے ہیں ان کا قول ہے کہ فارسی زبان میں [illegible] کا ترجمہ [illegible] لازم آئے گی [illegible] شخص کو قرآن کی تفسیر کرنے کی قدرت ہے [illegible] انھوں نے جواب دیا یہ بات یوں نہیں ہے [illegible] تفسیر [illegible] ممکن ہے [illegible] آیت سے مراد [illegible] بیان کر سکے [illegible] لیکن [illegible] قرآن پڑھنا چاہے تو ممکن ہے [illegible] پوری ترجمانی [illegible]

[illegible]

مسئلہ

قرأت شاذہ کا پڑھنا جائز نہیں

[illegible] قرأت شاذہ کا پڑھنا جائز نہیں [illegible]

مسئلہ

[illegible] ترتیب [illegible]

[illegible] ترتیب [illegible] پر مبنی ہے [illegible]

[illegible] کا ترک لازم آتا ہے

[illegible] ایک ہی صورت کو آخر سے الٹا پلٹ کر پڑھے تو اس کی ممانعت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کیونکہ اس سے قرآن کا اعجاز اور ترتیب آیات کی حکمت معدوم ہو جاتی ہے [illegible] قرآن [illegible] کسی ایسے شخص کی نسبت دریافت [illegible] ترتیب کو الٹا کر پڑھتا ہو تو انھوں نے [illegible]

[illegible] ایک صورت کو دوسری صورت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس سورت کو [illegible] تمام چھوڑ کر دوسری سورت شروع کر [illegible]

کر اس کو ختم کر لو۔

ابن ابی الہذیل سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا [illegible] اس بات کو اچھا نہیں سمجھا [illegible] کہ آیت کو ایک ٹکڑا پڑھیں اور ایک ٹکڑا چھوڑ دیں۔

[illegible] کا قول ہے کہ [illegible] بیان کرتے ہیں [illegible]

[illegible] نہیں کیا جائے۔

[illegible]

پڑھنا شروع کیا اور اس کو تمام [illegible] کا خیال کیا تو اس کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ سورۂ قل ھو اللہ [illegible] سے قرأت شروع کرنے کے بعد ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے اور آیات کی ترتیب ترک کرنے کا [illegible] اس [illegible] اس طرح کی [illegible] تو وہ قرآن [illegible] ترتیب [illegible] فرماتا۔

[illegible] ایک ایک آیت چھوڑ کر پڑھنے کی نسبت [illegible] کیا جائے۔

[illegible] کا قول ہے [illegible] ترتیب [illegible] منتقل ترتیب پر قرأت [illegible] کی ترتیب [illegible] ترتیب سے بہتر ہے۔

مسئلہ

حلیمی نے کہا ہے کہ ہر ایک ایسا حرف جس کو [illegible]

[illegible]

میں سے نہیں ہے۔ بعض علماء نے سورۂ حجر کے آخر میں ایک سجدہ کا ہونا بیان کیا ہے اور اس کو ابن الفرس نے اپنی کتاب احکام میں نقل کیا ہے۔

مسئلہ

نووی کا قول ہے۔ قرأت قرآن کے مختار اوقات میں سے افضل وقت وہ ہے جو نماز کے اندر ہو۔ پھر اس کے بعد رات کا ابتدائی وقت اور بعد ازیں رات کا پچھلا حصہ قرأت کے لئے موزوں ہے۔ مغرب و عشاء کے مابین قرأت کرنا بہت محبوب ہے۔ دن کا افضل وقت نماز فجر کے بعد کا وقت ہے اور اوقات میں سے کسی وقت میں بھی قرأت مکروہ نہیں ہے۔

ابن ابی داؤد نے معاذ بن رفاعہ کے واسطے سے ان کے مشائخ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ لوگ نماز عصر کے بعد کی قرأت کو مکروہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ یہودیوں کی پڑھائی ہے۔ تو یہ ایک بے اصل اور ناقابل قبول بات ہے۔

ہم لوگ قرأت کے لئے دنوں میں سے جمعہ، دوشنبہ، پنجشنبہ اور عرفہ کے دن کو اور راتوں میں سے جمعہ کی رات کو پسند کرتے ہیں اور دہوں میں سے رمضان کا آخری عشرہ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور مہینوں میں سے رمضان کو پسند کرتے ہیں اور ختم کی قرأت شروع کرنے کے لئے جمعہ کی رات اور ختم کرنے کے لئے پنجشنبہ کی رات پسند کرتے ہیں کیونکہ ابن ابی داؤد نے عثمانؓ بن عفان کا یہی طریقہ بیان کیا ہے۔

قرآن کو ختم کرنے کے لئے بہتر وقت رات کا اول حصہ یا دن کا اول حصہ ہے کیونکہ دارمی نے حسن سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا اگر قرآن کا ختم شب میں ہوتا ہے تو فرشتے اس ختم کرنے والے کے لئے صبح تک رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اور اگر وہ دن کے پہلے حصہ میں قرآن کو ختم کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ دن کے اول حصہ میں ختم قرآن فجر کی دو رکعتوں میں ہونا چاہئے اور شب کے اول حصہ میں مغرب کی سنت کی دو رکعتوں میں۔

ابن المبارک سے منقول ہے کہ وہ موسم سرما میں اول شب میں اور ایام گرما میں دن کے اول حصہ میں قرآن ختم کرنا پسند کیا کرتے تھے۔

دوسرے طریق پر ابن ابی بردہ کی سند سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔ [illegible]
[illegible] یہ حدیث [illegible] سے مروی [illegible]
اس حدیث کے اور بھی بکثرت طریقے ترمذی اور یحیی بن ہارون سے منقول ہیں۔

حاکم کا قول ہے کہ یہ حدیث ترمذی نے [illegible] سے امام محمد بن [illegible]
اگر [illegible] کو چھوڑ دے گا تو یاد رکھو کہ نبی صلعم کی ایک سنت کو ترک کرے گا۔

شیخ عماد الدین بن کثیر نے [illegible] کہا ہے کہ حاکم کا یہ قول [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کہ اس [illegible] کسی [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اللہ اکبر کہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

مسئلہ

ختم قرآن کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے۔

اس کا ثبوت طبرانی وغیرہ کی حدیث سے ہوتا ہے [illegible] ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کیا اس کے لئے ایک قبول ہونے والی دعا ہے۔

[illegible] انس [illegible] کی حدیث [illegible]

[illegible] اپنی بخشش طلب کی۔

مسئلہ

[illegible]

مسئلہ

[illegible]

ملتا ہے لہٰذا قاری اس کو دو مرتبہ اور پڑھ کر ایک مرتبہ ختم کا ثواب [illegible]
جائے کہ چار مرتبہ سورۃ الاخلاص کیوں نہیں پڑھتا [illegible]
تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مقصود [illegible]
وہ ختم ہو اس سے مکمل قرآن پڑھ کر کیا ہو [illegible]

میں کہتا ہوں [illegible] کا احتمال [illegible] ایک مرتبہ
ختم کا ثواب حاصل کرنا اس سے مقصود ہوتا ہے کہ قرأت میں [illegible]
پورا ہو جائے اور جس طرح [illegible]
کو مکمل کرنے [illegible] ویسے ہی [illegible]
شوال کے چھ روزے [illegible]

مسئلہ

قرآن کو ذریعہ معاش بنانا مکروہ ہے۔

آجری نے [illegible]
اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ [illegible]
پھر ایسے لوگ آنے والے ہیں جو قرآن پڑھ کر [illegible] لوگوں سے [illegible]
[illegible] مانگیں گے۔

بخاری نے اپنی تاریخ الکبیر میں [illegible]
شخص نے کسی ظالم کے سامنے اس غرض سے [illegible]
تو ایسے شخص کو [illegible]

مسئلہ

یہ کہنا مکروہ ہے کہ میں فلاں آیت [illegible]
گئی [illegible]

مسئلہ

امام شافعی [illegible]
[illegible]
[illegible]

فصل

قرآن سے اقتباس کرنا

اقتباس اس کو کہتے ہیں کہ قرآن کے کسی حصہ کو نظم یا نثر میں شامل کر لیں مگر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

شیخ عزّ الدین [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَنَتِ الْوُجُوْهُ — لَهٗ وَذَلَّتْ عِنْدَهُ الْأَرْبَابُ

ملک اسی خدا کا ہے جس کے سامنے چہروں کے رنگ فق اور جس کے حضور میں بڑے بڑے مالکِ ملک و مال ذلیل و خوار ہیں۔

مُتَفَرِّدٌ بِالْمُلْكِ وَالسُّلْطَانِ قَدْ — خَسِرَ الَّذِیْنَ تَجَاذَبُوْهُ وَخَابُوْا

وہ ملک و حکومت کا تنہا خود مختار مالک ہے جو لوگ اس سے مقابلہ کرتے ہیں وہ نقصان اور گھاٹے میں رہتے ہیں اور برباد ہوتے ہیں۔

دَعْهُمْ وَزَعْمَ الْمُلْكِ یَوْمَ غُرُوْرِهِمْ — فَسَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ

ان کو اور ان کے مغرورانہ دعوائے ملک کو آج یونہی رہنے دو، کیونکہ کل ان کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون تھا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں اپنے شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا: احمد بن محمد بن یزید نے مجھے یہ اشعار سنائے ؎

سَلِ اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ وَاتَّقِهٖ — فَإِنَّ التُّقٰى خَیْرُ مَا تَكْتَسِبْ

خدا سے اس کا فضل طلب کر اور اس سے ڈر، کیونکہ خدا سے ڈرنا بہترین کمائی ہے۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَصْنَعْ لَهٗ — وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبْ

جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کی کارسازی کرتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اقتباس ہی کے قریب قریب دو اور چیزیں بھی ہیں:

ایک تو یہ کہ قرآن پڑھ کر اس سے معمولی بات چیت مراد لی جائے۔

نووی نے کتاب تبیان میں لکھا ہے کہ "ابن ابی داؤد نے اس بارے میں نخعی کا ذکر کیا ہے۔ وہ نخعی کی بابت بیان کرتے ہیں کہ ان کو قرآن کی کسی آیت کا کسی ایسی چیز کے ساتھ تعبیر کرنا پسند نہ تھا جو دنیاوی امور میں سے ہو"۔

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ میں مغرب کی نماز پڑھی تو نماز میں سورۂ وَالتِّیْنِ کی قرأت کی تو (اس کی آیت) "وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ" کو بہت بلند

؎ ایک نسخہ میں "تجذبوہ" ہے۔ (مص)

آواز سے ادا کیں۔

نیز حکیم بن سعید سے روایت ہے کہ خارجیوں میں سے ایک شخص حضرت علی رضہ کے پاس آیا، حضرت علی رضہ اس وقت فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس خارجی نے کہا "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ"[1] تو حضرت علی رضہ نے نماز ہی میں اس کا جواب دیا "فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ"[2]۔

ابن ابی داؤد کے علاوہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ قرآن کو ضرب المثل بنانا جائز نہیں بڑے اصحاب شافعیہ میں سے عماد بیہقی جو بغوی کے شاگرد ہیں انھوں نے اس امر کی تصریح کی ہے جس کو ابن الصلاح نے اپنے سفرنامہ میں فوائد کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ الفاظِ قرآن کو نظم وغیرہ میں استعمال کرنا بلا شبہ جائز ہے ہم نے شریف تقی الدین حسینی سے یہ روایت سنی ہے کہ جب انھوں نے اپنا قول ؎

مَجَازُ حَقِيْقَتِهَا فَاعْبُرُوْا ۔۔۔ وَلَا تَعْمُرُوْا هَوِّنُوْهَا تَهُنْ

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ زُخْرُفٌ ۔۔۔ تَرَاهُ اِذَا زُلْزِلَتْ لَمْ يَكُنْ

نظم کیا تو انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا کرنے سے وہ امرِ حرام کے مرتکب تو نہیں ہو گئے کیونکہ انھوں نے قرآن کے ان الفاظ کو شعر میں استعمال کیا ہے، چنانچہ وہ شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید کے پاس آئے اور ان سے یہ بات دریافت کی اور اپنے دونوں شعر شیخ الاسلام کو پڑھ کر سنائے۔ شیخ الاسلام نے کہا "تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ "کہف" میں کیا حسن ہے؟ (یعنی کیا خاص خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کے سوا کہیں اور استعمال نہ ہو سکے) شریف اس بات کو سنکر پھڑک گئے اور کہنے لگے "بس جناب آپ نے مجھ کو فتویٰ دے دیا اور خوب سمجھا دیا"

سبحان اللہ۔

خاتمہ

زرکشی نے کتاب البرہان میں کہا ہے کہ "قرآن کی ضرب الامثال میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں، اسی وجہ سے حریری کا یہ قول "فَاَدْخَلَنِيْ بَيْتًا اَحْرَجَ مِنَ التَّابُوْتِ وَاَوْهٰى مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوْتِ" اچھا نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس معمولی کو ...

---

[1] یعنی اگر تو مشرک بن گیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ۱۲

[2] ترجمہ: "بس تو صبر کر بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور تجھ کو وہ لوگ حقیر نہ سمجھیں جو یقین نہیں رکھتے۔"

[illegible]

اس کی خلافت [illegible] ذکر کیا [illegible]

[illegible] کے [illegible] دیا ہے۔ [illegible] ایک [illegible] پیدا کرتا ایک [illegible]

[illegible] لیکن [illegible] سب [illegible]

[illegible] کر دی۔

[illegible] کی [illegible] ضرب المثل [illegible] ایک [illegible]

[illegible] رسول [illegible]

[illegible] چیز کو [illegible] مثال کے طور پر پیش کرتے ہوئے [illegible]

[illegible] اور اس سے [illegible] پیدا ہوتی ہے کہ [illegible]

چیز کو مثال میں پیش کرنا [illegible] نہیں [illegible] اس سے [illegible] پیش کرنے [illegible]

کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] اس کے ایک پر کو مثال میں

پیش کیا ہے۔

[illegible] بہت سے علما نے اس آیت کے معنی بیان کیے ہیں [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] کم درجہ کی چیز بیان کی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

چھتیسویں نوع

قرآن کے غریب (کم استعمال ہونے والے) الفاظ کی معرفت

اس نوع میں بکثرت بےشمار علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں: ابو عبیدہ، ابو عمر الزاہد، ابن درید وغیرہ۔

ان تمام کی تصانیف میں العزیزی کی کتاب بڑی شہرت رکھتی ہے کیونکہ عزیزی نے اپنے شیخ ابو بکر بن الانباری کی مدد سے اس کو پندرہ سال کی کامل محنت کے بعد لکھا تھا۔ اور بہترین کتاب جو غریب قرآن کے موضوع پر تصنیف ہوئی ہے وہ امام راغب کی کتاب مفردات القرآن ہے۔ ابو حیان نے بھی اس موضوع پر ایک مختصر کتاب دو جزو کی لکھی ہے۔

ابن الصلاح کہتا ہے کہ جس جگہ تفسیر کی کتابوں میں تم کہیں یہ لکھا دیکھو کہ قال اہل المعانی (معانی کے جاننے والوں کا قول ہے) تو اس سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے قرآن کے معانی میں کتابیں لکھی ہیں جیسے زجاج، فراء، اخفش اور ابن الانباری وغیرہ۔

غرائب قرآن کے معلوم کرنے پر توجہ کرنا ضروری ہے کیونکہ بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اَعْرِبُوا الْقُرْآنَ وَالْتَمِسُوا غَرَائِبَهُ (قرآن کو اعراب دو اور اس کے غرائب کو تلاش کرو) اور وہ حضرت عمر بن خطابؓ اور ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کرتا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کے غریب الفاظ کے معنی تلاش کئے تو اسے ہر ایک حرف کے عوض میں بیس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو شخص اس کو بغیر معانی سمجھے ہوئے پڑھے گا اس کو ہر ایک حرف کے مقابلہ میں دس نیکیاں نصیب ہوں گی۔

[illegible] کہتے ہیں کہ اس کے الفاظ کے معنی تلاش کئے جائیں [illegible]

[illegible]

میں جو اعراب کے معنی ہیں وہ مُراد نہیں ہیں کیونکہ الفاظ کے صحت سے پڑھنے کو اعراب کہتے ہیں اور اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو قرأت ہی صحیح نہیں ہوتی اور نہ قرأت کا کچھ ثواب ملتا ہے۔

جو شخص غرائب قرآن کے معلوم کرنے کی کوشش کرے اُس کو استقلال سے کام لینا اور اہلِ فن کی کتابوں کی طرف رُجوع کرنا ضروری ہے اور اِس باب میں ظن (گمان) سے کبھی کام نہ لینا چاہیے۔ کیونکہ صحابہ رضہ جو خاص عرب کے باشندے اور اہلِ زبان تھے، پھر قرآن بھی انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اگر اتفاق سے اُن کو کسی لفظ کے معنی نہیں معلوم ہوتے تھے تو وہ اپنے قیاس سے ہرگز اس کے معنی نہیں لگاتے تھے بلکہ خاموشی اختیار کرتے تھے

ابو عبید نے کتاب الفضائل میں ابراہیم التیمی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ سے قولہ تعالےٰ "وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا" کے معنی دریافت کیے گئے، تو انھوں نے کہا "میں کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اوپر رہ سکوں گا۔ اگر میں کتاب اللہ میں ایسی بات کہوں جسے میں نہیں جانتا ہوں"

انس رضہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضہ نے برسرِ منبر "وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا" کو پڑھ کر فرمایا اس "فَاكِهَةً" کو تو ہم جانتے ہیں مگر "اَبًّا" کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی اِس سوال کا جواب دیا "اِنَّ هٰذَا الْهُوَ التَّكَلُّفُ يَا عُمَرُ" یعنی اے عمر! یہ (اس کا دریافت کرنا) سخت دشوار اور ناقابلِ برداشت امر ہے"

مجاہد کے طریق پر ابن عبّاس رضہ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا "مجھ کو فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ کے معنی نہیں معلوم تھے، پھر میرے پاس دو اعرابی (صحرا نشین عرب) آئے۔ یہ دونوں باہم ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے بیان کیا "اَنَا فَطَرْتُهَا" یعنی میں نے اس کو کھودنا شروع کیا تھا"

ابن جریر نے سعید بن جُبیر رضہ سے روایت کی ہے کہ اُن سے قولہ تعالےٰ "وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا" کے معنی دریافت کیے گئے تو انھوں نے کہا "میں نے اِس کو ابن عباس رضہ سے دریافت کیا تھا اور انھوں نے مجھے کچھ جواب نہیں دیا"

لہ پھل، میوے ۱۲

لہ عام طور پر اس کے معنی چارہ یا گھاس کئے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جیسے انسان کے لئے میوہ ہے ویسا جانوروں کے لئے "آب" ہے ۱۲ (مترجم)

عکرمہ کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "نہیں خدا کی قسم نہیں جانتا کہ حنانا کے کیا معنی ہیں"۔

فریابی نے روایت کی ہے کہ "ہم سے اسرائیل نے بیان کیا اور ان سے سماک بن حرب نے بیان کیا کہ عکرمہ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ابن عباسؓ نے کہا۔ میں تمام قرآن کو جانتا ہوں مگر چار لفظوں کو نہیں حنانا، اواہ اور رقیم کہ ان کے معنی مجھے معلوم نہیں"۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ "ابن عباسؓ کہتے تھے مجھے معلوم نہیں تھا کہ قول باری تعالیٰ "رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا" الآیۃ کے معنی کیا ہیں، یہاں تک کہ میں نے ذی یزن کی بیٹی کا یہ قول سنا "تَعَالَ اُفَاتِحْکَ" یعنی آ! میں تجھ سے جھگڑوں"۔

مجاہد کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "مجھے معلوم نہیں کہ غسلین[1] کیا چیز ہے مگر میرا خیال ہے کہ وہ زقوم[2] ہے"۔

فصل

مفسر کے واسطے اس فن کا جاننا نہایت ضروری ہے جیسا کہ شروط المفسر میں آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

کتاب البرہان میں ہے کہ "غرائب قرآن کی حقیقت کا انکشاف کرنے والا مفسر لغت کا محتاج ہوتا ہے اور اس کو اسماء، افعال اور حروف کو بھی بخوبی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حروف چونکہ بہت تھوڑے ہیں اس لئے فن نحو کے عالموں نے ان کے معانی بیان کر دیئے ہیں اور یہ انہی کی کتابوں سے معلوم کئے جا سکتے ہیں لیکن اسماء اور افعال کے لئے لغت کی کتابیں دیکھنی ضروری ہیں جن میں سب سے بڑی ابن سیدہ[3] کی کتاب ہے۔ اور ازہری کی کتاب التہذیب، ابن سیدہ کی کتاب المحکم، قزاز کی کتاب الجامع، جوہری کی صحاح، فارابی کی البارع اور

---

[1] زخموں کا دھوون ۱۲

[2] تھوہڑ ۱۲

[3] یہاں عربی نسخہ میں [illegible] سے [illegible] معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ [illegible] ہیں جن کی کتاب "[illegible]" کی طرف یہاں اشارہ ہے ۱۲ (مصحح)

صاغانی کی کتاب بھی ہیں، یہ سب مشہور اور عمدہ کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ خاص کر غریب القرآن کے بارے میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں وہ ابن قتیبہ، ابن درید اور سجستانی کی کتابیں ہیں جن میں ابن القطان کی کتاب نہایت جامع اور عمدہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ غریب القرآن کی معرفت حاصل کرنے کے لئے سب سے افضل وہ مواد ہے جو ابن عباس رض اور ان کے اصحاب (شاگردوں) سے ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں ان سے قرآن کے غریب الفاظ کی تفسیر اچھی طرح سے ہو جاتی ہے اور ان میں سے اکثر باتیں صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ چنانچہ میں ذیل میں انہی روایتوں کو بیان کرتا ہوں جو ابن عباس رض سے خاص کر ابن ابی طلحہ کے طریق پر منقول ہوئی ہیں۔ کیونکہ ابن ابی طلحہ کے طریق پر ابن عباس رض سے جو منقول ہے وہ تمام طریقوں میں صحیح ترین طریقہ ہے اور بخاری نے اپنی صحیح میں اسی طریق پر اعتماد کیا ہے۔ میں ان الفاظ کی تشریح سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے درج کرتا ہوں:

ابن ابی حاتم نے کہا ہے، مجھ سے میرے باپ (ابو حاتم) نے روایت کی اور ابن جریر نے کہا ہے کہ مجھ سے مثنیٰ نے بیان کیا کہ ان دونوں نے کہا ہم سے ابو صالح عبداللہ بن صالح نے بیان کیا اور ان سے معاویہ بن صالح نے، وہ علی بن ابی طلحہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ کے یہ معنی بتائے:

سورۃ البقرۃ

یُؤْمِنُوْنَ (ایمان لاتے ہیں) یعنی یُصَدِّقُوْنَ (تصدیق کرتے ہیں)۔

یَعْمَهُوْنَ یعنی یَتَمَادَوْنَ (سرگرداں پھرتے ہیں)۔

مُطَهَّرَةٌ یعنی مِنَ الْقَذَرِ وَالْاَذٰی (گندگی اور نجاست سے پاک)۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ یعنی مُصَدِّقِیْنَ بِمَا (خدا کی نازل کردہ باتوں کی تصدیق

وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ یعنی نعمت [illegible]

وَقُوْمُوْا یعنی [illegible]

[illegible] یعنی [illegible] (خیانت)۔

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] (ہیں)۔

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible]

(تم کو دقت و تنگی میں ڈالدیتا)۔

[illegible]

سورۃ آل عمران

[illegible]

سورۃ النساء

[illegible]

وَابْتَلُوا بمعنی اِخْتَبِرُوا (آزماؤ)۔

آنَسْتُمْ بمعنی عَرَفْتُمْ (تم نے معلوم کیا)۔

نِحْلَةً بمعنی سَمَاحَةً (خوشی)۔

كَلَالَةً بمعنی مَنْ لَمْ يَتْرُكْ وَالِدًا وَلَا وَلَدًا (جس نے ماں باپ اور بیٹا کوئی بھی اپنے بعد نہ چھوڑا ہو)۔

وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ بمعنی تَقْهَرُوهُنَّ (ان پر زبردستی نہ کرو)۔

وَالْمُحْصَنٰتُ بمعنی كُلُّ ذَاتِ زَوْجٍ (ہر ایک شوہر والی عورت)۔

طَوْلًا بمعنی سَعَةً (کشائش)۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ بمعنی عَفَائِفَ غَيْرَ زَوَانِيَ فِي سِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ (وہ پاکدامن عورتیں جو پوشیدہ اور ظاہر کسی حالت میں زنا کی مرتکب نہیں ہوتیں)۔

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ بمعنی اَخِلَّاءَ (یار لوگ)۔

فَاِذَا اُحْصِنَّ بمعنی تَزَوَّجْنَ (بیاہ نکاح کر لیں)۔

الْعَنَتَ بمعنی الزِّنَا (بدکاری)

مَوَالِيَ بمعنی عَصَبَةً (فرض سے بچ رہنے والے ترکہ کا وارث)

قَوَّامُوْنَ بمعنی اُمَرَاءُ (حاکم)

قٰنِتٰتٌ بمعنی مُطِيعَاتٌ (حکم ماننے والی بیویاں)۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى (رشتہ دار پڑوسی) بمعنی الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ قَرَابَةٌ (وہ ہمسایہ کہ اس کے اور تمہارے بیچ میں قرابت ہو)۔

وَالْجَارِ الْجُنُبِ (اجنبی پڑوسی) بمعنی الَّذِي لَيْسَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ قَرَابَةٌ (وہ ہمسایہ کہ تمہارے اور اس کے مابین کوئی قرابت نہ ہو)۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ بمعنی الرَّفِيقِ (دوست، ساتھی)۔

فَتِيلًا بمعنی الَّذِي فِي شِقِّ النَّوَاةِ (کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو جھلی نما ریشہ ہوتا ہے)۔

الْجِبْتِ بمعنی الشَّيْطَانِ (شیطان)

نَقِيرًا بمعنی النُّقْطَةِ الَّتِي فِي ظَهْرِ النَّوَاةِ (وہ نقطہ جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے)۔

وَاُولِي الْاَمْرِ بمعنی اَهْلِ الْفِقْهِ وَالدِّينِ (دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ)۔

ثُبَاتٍ بمعنی عُصَبًا يَعْنِي سَرَايَا مُتَفَرِّقِينَ (جماعتیں، ٹکڑیاں بن کر الگ الگ جماعت کے ساتھ چلنا)۔

مُرٰغَمًا بمعنی مُتَحَوَّلًا (گریز کی جگہ) [illegible] بمعنی [illegible] (ان [illegible] سیاہ [illegible])۔

حَصِرَتْ بمعنی ضَاقَتْ (اُن کے سینے تنگ ہو گئے)۔

أُولِي الضَّرَرِ بمعنی اَهْلُ الْعُذْرِ (معذور لوگ)۔

مُرَاغَمًا بمعنی اَلتَّحَوُّلُ مِنْ اَرْضٍ اِلٰى اَرْضٍ (ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف جانا)۔

وَسَعَةً بمعنی اَلرِّزْقُ (روزی)۔

مَوْقُوْتًا بمعنی مَفْرُوْضًا (فرض شدہ)

تَأْلَمُوْنَ بمعنی تَوْجَعُوْنَ (دکھ پاتے ہو)

خَلْقَ اللّٰهِ بمعنی دِيْنَ اللّٰهِ (خدا کا دین)۔

نُشُوْزًا بمعنی بُغْضًا (رنج و کینہ)

كَالْمُعَلَّقَةِ بمعنی لَا هِيَ اَيِّمٌ وَلَا ذَاتُ زَوْجٍ (وہ عورت کہ نہ بے شوہر کی (بیوہ) ہے اور نہ شوہر والی)۔

وَاِنْ تَلْوُوْا بمعنی اَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ (زبانوں کو گواہی کے ساتھ پھیرو)۔

اَوْ تُعْرِضُوْا بمعنی عَنْهَا (یا اس گواہی سے انکار کر دو)

وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا یعنی رَمْيُهَا بِالزِّنَا (یعنی ان لوگوں نے حضرت مریم پر بدکاری کی تہمت لگائی)۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ یعنی مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَمَا حَرَّمَ وَمَا فَرَضَ وَمَا حَدَّ فِي الْقُرْآنِ كُلِّهٖ (خدا نے قرآن میں جو کچھ حلال، حرام، فرض اور حد (سزا) مقرر کی ہے اس سب کو پورا کرو)

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ بمعنی لَا يَحْمِلَنَّكُمْ (تمہیں آمادہ نہ کرے)۔

شَنَاٰنُ بمعنی عَدَاوَةُ (دشمنی)۔

اَلْبِرِّ بمعنی مَا اُمِرْتَ بِهٖ (جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے)۔

وَالتَّقْوٰى یعنی مَا نُهِيْتَ عَنْهُ (جس سے تم کو منع کیا گیا ہے)۔

اَلْمُنْخَنِقَةُ یعنی اَلَّتِيْ تُخْنَقُ فَتَمُوْتُ (وہ جانور جسے گردن مروڑ کر یا گلا دبا کر مار گیا ہو)۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ بمعنی اَلَّتِيْ تُضْرَبُ بِالْخَشَبِ فَتَمُوْتُ (وہ جانور جو لکڑی کی چوٹ سے مر گیا ہو)۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ یعنی اَلَّتِيْ تَتَرَدّٰى مِنَ الْجَبَلِ (وہ جانور جو پہاڑ سے گر کے مرا ہو)۔

وَالنَّطِيْحَةُ یعنی اَلشَّاةُ الَّتِيْ تَنْطَحُ الشَّاةَ (وہ بکری جس نے دوسری بکری سے ٹکر لی ہو، اس کے سینگ لگ جانے سے مری ہو)۔

وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ بمعنی اَخَذَ (جس کو درندہ نے پکڑ کر مار ڈالا ہو)۔

[illegible]

سورة الانعام

[illegible]

وَخَرَقُوْا بمعنی خَرَصُوْا (افترا پردازی کی)۔

قُبُلًا بمعنی مُعَايَنَةً (دیکھنے میں آنکھوں کے سامنے)۔

مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ بمعنی ضَالًّا فَهَدَيْنَاهُ (اُس کو گمراہ پا کر راہ سے لگایا)۔

مَكَانَتِكُمْ بمعنی نَاحِيَتِكُمْ (تمہارا گوشہ طرف)

حِجْرٌ بمعنی حَرَامٌ (منع حرام)۔

حَمُوْلَةً بمعنی اَلْاِبِلُ وَالْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِيْرُ وَكُلُّ شَيْءٍ يُحْمَلُ عَلَيْهِ۔ (اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے اور تمام ایسے جانور یا چیزیں جن پر سامان لادا جاتا ہے)۔

وَفَرْشًا بمعنی اَلْغَنَمُ (بھیڑ، بکریاں)۔

مَسْفُوْحًا بمعنی مُهْرَاقًا (بہنے والا)۔

مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا بمعنی مَا عَلِقَ بِهَا مِنَ الشَّحْمِ (اُن کی پیٹھ سے لگی ہوئی چپٹی ہوئی چربی۔

اَلْحَوَايَا بمعنی اَلْمَبْعَرُ (مینگنیاں رہنے کی آنتیں، اوجھڑی)۔

اِمْلَاقٍ بمعنی اَلْفَقْرُ (تنگدستی)۔

دِرَاسَتِهِمْ بمعنی تِلَاوَتِهِمْ (اُن کا پڑھنا)

صَدَفَ بمعنی اَعْرَضَ (روگردانی کی)۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

مَذْءُوْمًا بمعنی مَمْقُوْتًا (نفرت کردہ شدہ)۔

رِيَاشًا بمعنی مَالًا (مال و دولت)

حَثِيْثًا بمعنی سَرِيْعًا (تیز چال)۔

رِجْسٌ بمعنی سَخَطٌ (ناراضگی)۔

صِرَاطٌ بمعنی طَرِيْقٌ (راستہ)۔

اِفْتَحْ بمعنی اِقْضِ (فیصلہ کر دے)۔

اٰسٰی بمعنی اَحْزَنُ (رنج کروں، افسوس کروں)۔

عَفَوْا بمعنی كَثُرُوْا (بڑھ گئے بہت ہو گئے)۔

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ بمعنی يَتْرُكَ عِبَادَتَكَ (تیری عبادت چھوڑ دے)۔

اَلطُّوْفَانُ بمعنی اَلْمَطَرُ (بارش)،

مُتَبَّرٌ بمعنی خُسْرَانٌ (گھاٹا)۔

اَسِفًا بمعنی اَلْحَزِيْنُ (غمگین)۔

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ بمعنی اِنْ هُوَ اِلَّا عَذَابُكَ (کیا یہ تیرے عذاب کے سوا کچھ اور ہے؟)۔

عَزَّرُوْهُ بمعنی حَمَوْهُ وَوَقَّرُوْهُ (اُس کی حمایت اور توقیر کی)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (ابھر پڑا)،

فَانْبَجَسَتْ بمعنی اِنْفَجَرَتْ

نَتَقْنَا الْجَبَلَ بمعنی رَفَعْنَا (ہم نے پہاڑ کو بلند کیا)۔

کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا بمعنی [illegible] (گویا تو اس کے آنے کی خوشی کرنے والا ہے یا اس کو جانتا ہے)۔

طٰٓئِفٌ بمعنی لَمَّةٌ (شیطان کا وسوسہ، اثر، نزدیکی، قربت)۔

لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا بمعنی هَلَّا اخْتَلَقْتَهَا (تم خود کیوں اپنے کیوں آیت نہیں گڑھ لیتے اور کیوں نہ اس کو تیار کر اور بنا لیتے)۔

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ

بَنَانٍ بمعنی اَطْرَافٌ (پوریں)،

[illegible] بمعنی [illegible] (ہاری)۔

[illegible] بمعنی اَلْمَخْرَجُ (باہر نکالنا)،

لِيُثْبِتُوْكَ بمعنی لِيُقَيِّدُوْكَ (تاکہ وہ تم کو قید کر دیں)۔

يَوْمَ الْفُرْقَانِ بمعنی يَوْمَ بَدْرٍ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ (جنگ بدر کا دن جس دن کہ خدا نے حق و باطل کو ایک دوسرے سے جدا فرمایا)۔

فَشَرِّدْ بِهِمْ بمعنی سَمِّعْ بِهِمْ مَنْ بَعْدَهُمْ (پیچھے والوں کو ان پر ہیبت نازل کر کے عبرت دے یعنی ان کو قتل و غارت کر)۔

مِنْ وَّلَايَتِهِمْ بمعنی مِنْ مِيْرَاثِهِمْ (ان کی وراثت میں سے)۔

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ

يُضَاهِئُوْنَ بمعنی يُشَابِهُوْنَ (مشابہ ہوتے ہیں)۔

كَآفَّةً بمعنی جَمِيْعًا (سب کے سب)۔

لِيُوَاطِئُوْا بمعنی لِيُشْبِهُوْا (تاکہ شبہ ڈالیں)۔

وَلَا تَفْتِنِّيْ بمعنی وَلَا تُخْرِجْنِيْ (مجھ کو نہ نکالئے)۔

اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ یعنی فَتْحٌ اَوْ شَهَادَةٌ (فتح یا شہادت)۔

مَغٰرٰتٍ بمعنی الْغِيْرَانُ فِي الْجَبَلِ (پہاڑ کے غار، گڑھے)۔

مُدَّخَلًا بمعنی السَّرَبُ (سرنگ یا گھس رہنے کی جگہ، بل، بھٹ)۔

اُذُنٌ بمعنی يَسْتَمِعُ مِنْ كُلِّ اَحَدٍ (ہر شخص کی بات سن لیتے ہیں، کان کے کچے)۔

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ یعنی اَذْهِبِ الرِّفْقَ عَنْهُمْ (ان پر سے نرمی کو اٹھا لیجئے)۔

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ بمعنی اِسْتِغْفَارُ (رسول کی دعائے مغفرت)۔

سَكَنٌ لَّهُمْ بمعنی رَحْمَةٌ (رحمت)

رِيبَةً بمعنى شَكًّا (شک و شبہ)۔

إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ يعني الْمَوْت (اس سے اُن کی موت مُراد ہے)۔

أَوَّاهٌ بمعنى الْمُؤْمِنُ التَّوَّابُ (بے حد توبہ کرنے والا ایمان دار)۔

طَائِفَةٌ بمعنى عُصْبَةٌ (ایک گروہ)۔

سورۂ یونس

قَدَمَ صِدْقٍ يعني سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ فِي الذِّكْرِ الْأَوَّلِ (اِن لوگوں کو ازلی سعادت نصیب ہو چکی ہے)۔

وَلَا أَدْرَاكُمْ بمعنى وَلَا أَعْلَمَكُمْ (تم کو خبردار نہ کرتا)۔

تَرْهَقُهُمْ بمعنى تَغْشَاهُمْ (اُن کو ڈھانک لے گی)۔

عَاصِمٍ بمعنى مَانِعٍ (بچانے والا)۔

تُفِيضُونَ يعني تَقُولُونَ (کہتے ہو)۔

يَعْزُبُ بمعنى يَغِيبُ (چھپتا ہے)۔

سورۂ ہود

يَثْنُونَ بمعنى يُكِنُّونَ (پوشیدہ رکھتے ہیں)۔

يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يعني يُغَطُّونَ رُؤُوسَهُمْ (اپنے سر ڈھانکتے ہیں)۔

لَا جَرَمَ بمعنى بَلَى (بیشک ہاں)۔

أَخْبَتُوا بمعنى خَافُوا (وہ ڈرے)۔

فَارَ التَّنُّورُ (تنور جوش مارنے لگا) نَبَعَ الْمَاءُ مِنَ التَّنُّورِ (تنور میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے)۔

أَقْلِعِي بمعنى أَمْسِكِي (سکون پکڑ)۔

كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا بمعنى لَمْ يَعِيشُوا (گویا وہاں زندگی ہی نہیں بسر کی تھی)۔

حَنِيذٍ بمعنى نَضِيجٍ (بھنا ہوا)۔

سِيءَ بِهِمْ بمعنى سَاءَ ظَنُّهُ بِقَوْمِهِ (اپنی قوم سے بدگمان ہوئے)۔

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا يعني بِأَضْيَافِهِ (اپنے مہمانوں کی بابت پریشان ہو گئے)۔

عَصِيبٌ بمعنى شَدِيدٌ (سخت دن)۔

يُهْرَعُونَ بمعنى يُسْرِعُونَ (دوڑتے ہوئے)۔

بِقِطْعٍ بمعنى سَوَادٍ (رات کی تاریکی)۔

مُسَوَّمَةً بمعنى مُعَلَّمَةً (نشان کئے گئے)۔

مَكَانَتِكُمْ بمعنى نَاحِيَتِكُمْ (اپنی سمت)۔

زَفِيرٌ بمعنى [illegible] (زور کا سانس)۔

وَشَهِيقٌ بمعنى صَوْتٌ [illegible]۔

ہ یعنی [illegible]
[illegible]

...اکے کی آواز)۔

شَهِيْقٌ بمعنی صَوْتٌ ضَعِيْفٌ (پست اور دھیمی آواز)۔

غَيْرَ مَجْذُوْذٍ بمعنی غَيْرَ مَقْطُوْعٍ (نہ کٹنے والی ختم ہونے والی)۔

وَلَا تَرْكَنُوْا بمعنی لَا تَمِيْلُوْا (نہ جھکو)۔

سُوْرَةُ يُوْسُفَ

تَفْتَؤُا بمعنی تَزَالُ (تو ہمیشہ رہا)۔

مُتَّكَأً بمعنی مَجْلِسًا (بیٹھنے کی جگہ)۔

أَكْبَرْنَهٗ بمعنی أَعْظَمْنَهٗ (بڑا سمجھا اس کو بہت عظمت کی نگاہ سے دیکھا)۔

فَاسْتَعْصَمَ بمعنی امْتَنَعَ (وہ بچ رہا)۔

بِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ بمعنی [illegible] (پونجی بے حقیقت [illegible])۔

تُفَنِّدُوْنَ بمعنی تُخَرِّفُوْنَ (تم [illegible])۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمْ بمعنی لَا تَأْنِيْبَ [illegible]۔

حَصْحَصَ بمعنی تَبَيَّنَ (کھل گیا)۔

نَمِيْرُ بمعنی نَجْلِبُ (غلہ لائیں)۔

ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ بمعنی خَطَأِكَ الْقَدِيْمِ (اپنی پرانی غلطی میں)۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

صِنْوَانٌ بمعنی مُجْتَمِعٌ (اکٹھے)

هَادٍ بمعنی دَاعٍ (خدا کی طرف بلانے والا)۔

مُعَقِّبٰتٌ بمعنی الْمَلٰٓئِكَةُ (فرشتے)

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ بمعنی بِاِذْنِهٖ (اس کے حکم سے)۔

بِقَدَرِهَا بمعنی عَلٰى قَدْرِ طَاقَتِهَا (اس کی طاقت کے موافق)۔

سُوْٓءُ الدَّارِ بمعنی سُوْٓءُ الْعَاقِبَةِ (انجام بد)

طُوْبٰى بمعنی فَرَحٌ وَقُرَّةُ عَيْنٍ (خوشی اور آنکھ کی ٹھنڈک)۔

أَفَلَمْ يَيْأَسِ بمعنی أَفَلَمْ يَعْلَمْ (کیا انہیں معلوم نہیں ہوا؟)

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ

مُهْطِعِيْنَ بمعنی نَاظِرِيْنَ (دیکھتے ہوئے)

فِي الْأَصْفَادِ بمعنی فِي الْوَثَاقِ (زنجیروں میں جکڑے ہوئے)۔

قَطِرَانٍ بمعنی النُّحَاسِ الْمُذَابِ (پگھلا ہوا تانبا)۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ

يَوَدُّ بمعنی يَتَمَنّٰى (آرزو کرتا ہے)۔

مُسْلِمِيْنَ بمعنی مُوَحِّدِيْنَ (خدا کو وحدہ ماننے والے)۔

شِيَعٌ بمعنی اُمَمٌ (قومیں)

موزون یعنی معدود (معلوم)
حمأ مسنون یعنی منتن (بدبودار سڑا ہوا گارا)۔
اغویتنی یعنی اضللتنی (تو نے مجھ کو گمراہ کیا)۔
فاصدع بما تؤمر یعنی امضه۔ (اس کو پورا کردے)۔

سورة النحل

بالروح یعنی بالوحی (وحی کے ساتھ)۔
دفء یعنی ثیاب (کپڑے)۔
ومنها جائر یعنی الاهواء المختلفة (مختلف خود غرضیاں)۔
تسیمون یعنی ترعون (چراتے ہو)
مواخر یعنی جواری (چلنے والی جاری ہونے والی)۔
تشاقون یعنی تخالفون (باہم اختلاف کرتے ہو)۔
یتفیؤ یعنی یتمیل (جھکتا ہے)۔
واصبا یعنی دائما (دائم)۔
الفحشاء یعنی الزنا (بدکاری)۔
تخوف یعنی تنقص [illegible] (کم کرتا ہے)۔
[illegible] یعنی [illegible] (نیزہ)۔

سورة بنی اسرائیل

قضینا یعنی اعلمنا (ہم نے بتا دیا)
فجاسوا یعنی فمشوا (پھر وہ لوگ چلے پھرے)
حصیرا یعنی سجنا (قید خانہ)۔
فصلناه یعنی بیناه (ہم نے اس کو واضح کیا)۔
امرنا مترفیها یعنی سلطنا شرارها (ہم نے وہاں کے شریروں کو غلبہ دیا)۔
نمد [illegible] یعنی نزید (زیادہ کرتے)
وقضی یعنی امر (حکم دیا)
ولا تقف یعنی لا تقل (مت کہو)
رفاتا یعنی غبارا (گرد و غبار)۔
فسینغضون یعنی یحرکون (سر ہلائیں گے براہ تعجب)۔
قبیلا یعنی عیانا (آمنے سامنے)
لاحتنکن یعنی لاستولین (بیشک ہم ان کو غلبہ دیں گے)۔
تبیعا یعنی ثائرا (بدلہ لینے والا)
قاصفا یعنی [illegible] (اڑانے والی)۔
مثبورا یعنی ملعونا (ملعون)۔
زهوقا یعنی ذاهبا (جانے والا مٹنے والا)۔
لفیفا یعنی [illegible] (متفرق جدا جدا)

[illegible])۔

تَرْقٰی یعنی تَصْعَدُ (آسمان کی سمت
اوپر)۔

كِسَفًا یعنی قِطَعًا (ٹکڑے)۔

مَثْبُوْرًا یعنی مَلْعُوْنًا (لعنت کیا گیا)

فَرَقْنٰهُ یعنی فَصَّلْنٰهُ (ہم نے اس
کی تفصیل کی)۔

سُوْرَةُ الْكَهْفِ

عِوَجًا یعنی مُلْتَبِسًا (مشکوک)۔

قَيِّمًا یعنی عَدْلًا (معتدل)۔

الرَّقِيْمِ یعنی الْكِتَابِ (لوح)۔

تَزٰوَرُ یعنی تَمِيْلُ (جھکتا ہے)۔

تَقْرِضُهُمْ یعنی تَدَعُهُمْ (ان کو چھوڑ
جاتا ہے)۔

بِالْوَصِيْدِ یعنی بِالْفِنَاءِ (دروازے کے
سامنے)۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ یعنی لَا تَتَعَدَّ
رَأْيُ عَيْنَيْكَ (ان کی طرف سے ہٹا کر دوسری
طرف نظر نہ ڈال)۔

كَالْمُهْلِ یعنی كَعَكَرِ الزَّيْتِ (تیل کی
تلچھٹ)۔

الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ یعنی ذِكْرُ اللّٰهِ
(ذکرِ الٰہی)۔

مَوْبِقًا یعنی مَهْلِكًا (باعثِ ہلاکت)۔

مَوْئِلًا یعنی مَنْجًا (جائے پناہ)

حُقُبًا یعنی دَهْرًا (مدت دراز)۔

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا یعنی عِلْمًا (ہر
چیز کا علم)۔

عَيْنٍ حَمِئَةٍ یعنی حَارَّةٍ (گرم چشمہ)

زُبَرَ الْحَدِيْدِ یعنی قِطَعَ الْحَدِيْدِ
(لوہے کے ٹکڑے، چادریں)۔

الصَّدَفَيْنِ یعنی الْجَبَلَيْنِ (دو پہاڑ)

سُوْرَةُ مَرْيَمَ

سَوِيًّا یعنی مِنْ غَيْرِ خَرَسٍ (گونگا
نہ تھا)۔

حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا یعنی رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا (ہماری طرف سے رحمت کے طور پر)۔

سَمِيًّا یعنی شَبِيْهًا (ویسا ہی)۔

جَبَّارًا عَصِيًّا یعنی عَاصِيًا (نافرمان)۔

وَاهْجُرْنِيْ یعنی اجْتَنِبْنِيْ (مجھ سے
پرہیز کر)۔

حَفِيًّا یعنی بَرًّا (صاحبِ المروت)

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا یعنی الثَّنَاءَ الْحَسَنَ
(اچھی ثنا کرنے کے لئے)۔

غَيًّا یعنی خُسْرَانًا (گھاٹا، نقصان)

لَغْوًا یعنی بَاطِلًا (باطل، بیکار)

اَثَاثًا یعنی مَالًا (مال میں)۔

ضِدًّا یعنی اَعْوَانًا (مددگار لوگ)۔

تَؤُزُّهُمْ اَزًّا یعنی تُحَرِّكُهُمْ تَحْرِيكًا (ان کو خوب ہلاتے ہیں)۔

نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا یعنی نَعُدُّ اَنْفَاسَهُمُ الَّتِي يَتَنَفَّسُونَ فِي الدُّنْيَا (یعنی جو سانس وہ دنیا میں لیتے ہیں ان کا ہم شمار کرتے رہتے ہیں)۔

وِرْدًا یعنی عِطَاشًا (پیاسے ہوکر)۔

عَهْدًا یعنی شَهَادَةَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں)۔

اِدًّا یعنی عَظِيمًا (بڑا)۔

هَدًّا یعنی هَدْمًا (ڈھے کر پارہ پارہ)۔

رِكْزًا یعنی صَوْتًا (کوئی ہلکی آواز)۔

سورۂ طٰہٰ

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى یعنی بِالْوَادِي الْمُبَارَكِ الْمُسَمّٰى طُوًى (مبارک وادی جس کا نام طویٰ ہے)۔

وَاَخْفٰى یعنی مَا لَمْ تُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَكَ (جو تیرے جی میں بھی نہ گزرا ہو)۔

سِيرَتَهَا یعنی حَالَتَهَا (اس کی پہلی حالت)۔

وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا یعنی اخْتَبَرْنَاكَ اخْتِبَارًا (ہم نے تجھ کو خوب آزمایا)۔

وَلَا تَنِيَا یعنی لَا تَضْعُفَا (دونوں سستی نہ کرو)۔

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ یعنی خَلَقَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَوْجَهُ (ہر چیز کا جوڑا مادہ پیدا کیا)۔

ثُمَّ هَدٰى یعنی اَلْهَمَهُ مَطْعَمَهُ وَمَشْرَبَهُ وَمَنْكَحَهُ (پھر اس کے کھانے پینے اور نکاح کرنے کی راہ بتائی)۔

لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسٰى یعنی لَا يُخْطِئُ (بھول چوک نہیں کرتا)۔

مَآرِبُ یعنی حَاجَاتٌ (دوسری حاجتیں)۔

فَيُسْحِتَكُمْ یعنی فَيُهْلِكَكُمْ (تو وہ تم کو ہلاک کر دے)۔

الْمُثْلٰى یعنی الْفُضْلٰى (تمہاری طرح ایک پسندیدہ ہوتا ہے)۔

دَرَكًا یعنی لَحَاقًا (پکڑے جانے کا)۔

بِمَلْكِنَا یعنی بِطَاقَتِنَا (اپنے اختیار سے)۔

قَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ اَثَرِ الرَّسُولِ (جس پر قدم رکھا)۔

لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا یعنی لَنُذْرِيَنَّهُ فِي الْبَحْرِ (اسے ہم دریا میں بکھیر دیں گے)۔

صَفْصَفاً یعنی مُسْتَوِیاً (برابر)۔
یَتَخَافَتُونَ یعنی یَتَسَارُّونَ (چپکے چپکے
باتیں کرتے ہیں)۔
قاعاً یعنی مُسْتَوِیاً (ہموار زمین)۔
[illegible] یعنی [illegible] (جس
میں کوئی اونچی نیچی جگہ نہ ہو)۔
[illegible] یعنی [illegible] (…)
[illegible] یعنی [illegible] (…)۔
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ یعنی سَکَنَتْ
(آوازیں ساکن ہو گئیں)۔
هَمْساً یعنی [illegible] (…)
وَعَنَتِ الْوُجُوهُ یعنی [illegible] (…
ذلیل ہو جائیں گے)
هَضْماً یعنی اَنْ یُنْقَصَ [illegible]
فِی سَیِّئَاتِهٖ (اس بات سے نہ ڈرے گا کہ اس
پر ظلم ہوگا اور اس کی برائیوں میں اضافہ
کر دیا جائے گا)۔

سورۃ الانبیاء

[illegible] یعنی [illegible] (جھگڑالو
[illegible])۔
یَسْبَحُونَ یعنی یَجْرُونَ (پھرتے
ہیں)۔
نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا [illegible]
[illegible] (ہم اہل زمین [illegible]
کی برکت کو کم کرتے ہیں)۔
[illegible] یعنی [illegible] (…)
وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ یعنی اِنْ
مَسَّتْهُمْ اَدْنٰی شَیْءٍ مِنَ الْعَذَابِ (اگر
ان کو عذاب کا ذرا سا بھی جھونکا
پہنچا ہے)۔
حَدَبٍ یعنی نَشَزٍ (بلندی)۔
یَنْسِلُونَ یعنی یَخْرُجُونَ (آئیں گے)
[illegible] (ایندھن)۔
کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ یعنی کَطَیِّ
[illegible] (جیسے لکھے ہوئے
ورق لپیٹے جاتے)۔

سورۃ الحج

تَذْهَلُ یعنی تَنْسٰی (بھولنا)۔
ثَانِیَ عِطْفِهٖ یعنی مُتَکَبِّراً فِی
نَفْسِهٖ (اپنے دل میں غرور کرنے والا)۔
وَهُدُوا یعنی اُلْهِمُوا (ان کے دل
میں الہام کیا گیا)۔
تَفَثَهُمْ یعنی [illegible] مِنْ حَلْقِ
الرَّأْسِ وَلُبْسِ الثِّیَابِ وَقَصِّ [illegible]
[illegible] (حجامت بنوانا، بال
منڈانا، کپڑے (سلے ہوئے) پہننا، ناخن
کترانا، یا اس طرح کے اور امور احرام
سے فارغ ہو کر کرنا)۔

مَنْسَكًا یعنی عِیْدًا (تہوار، روزِ مسرت)۔

اَلْقَانِعُ یعنی مُتَعَفِّفُ (پرہیزگار)۔

اَلْمُعْتَرُّ یعنی سَائِلُ (مانگنے والا فقیر)

زُخْرُفَ یعنی حَلَاوَتَ (گفتگو کی بات کی)۔

اُمْنِیَّتِہٖ یعنی حَدِیْثِہٖ (اس کی بات میں)۔

یَسْطُوْنَ یعنی یَبْطِشُوْنَ (سختی سے پکڑیں، حملہ کریں، ٹوٹ پڑیں)۔

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن

خَاشِعُوْنَ یعنی خَائِفُوْنَ وَسَاکِنُوْنَ (خوف کرتے اور چپ سادھے رہتے ہیں)

تَنْبُتُ بِالدُّہْنِ یعنی بِالزَّیْتِ (تیل)

ہَیْہَاتَ ہَیْہَاتَ یعنی بَعِیْدٌ بَعِیْدٌ (دور ہے، دور ہے)

تَتْرٰی یعنی یَتْبَعُ بَعْضُہٗ بَعْضًا (متواتر یکے بعد دیگرے)۔

وَقُلُوْبُہُمْ وَجِلَۃٌ یعنی خَائِفِیْنَ (دل ڈرتے ہوئے ہیں)۔

یَجْأَرُوْنَ یعنی یَسْتَغِیْثُوْنَ (فریاد کرتے ہیں)۔

تَنْکِصُوْنَ یعنی تُدْبِرُوْنَ (الٹے پاؤں پھر جاتے تھے)۔

سَامِرًا تَہْجُرُوْنَ یعنی سَمَرًا حَوْلَ الْبَیْتِ وَتَقُوْلُوْنَ ہُجْرًا (تم لوگ حرم کے گرد قصہ خوانی کرتے اور بری باتیں کہتے تھے)۔

عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاکِبُوْنَ یعنی عَنِ الْحَقِّ لَعَادِلُوْنَ (حق سے دور ہٹ جانے والے ہیں)

تُسْحَرُوْنَ یعنی تُخْدَعُوْنَ (فریب کھاتے ہو)۔

کَالِحُوْنَ یعنی عَابِسُوْنَ (منہ بنائے ہوئے، تیوری چڑھائے ہوئے)۔

سُوْرَۃُ النُّوْر

یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ یعنی الْحَرَائِرَ (آزاد عورتیں)

مَا زَکٰی یعنی مَا اہْتَدٰی (نہیں راہ پائی)۔

وَلَا یَأْتَلِ یعنی لَا یُقْسِمُ (قسم نہ کھالیں)۔

دِیْنَہُمْ یعنی حِسَابَہُمْ (ان کا مواخذہ)۔

تَسْتَأْنِسُوْا یعنی تَسْتَأْذِنُوْا (اجازت لیا کرو)۔

وَلَا یُبْدِیْنَ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(اپنے بناؤ سنگار کے ساتھ بجز اپنے شوہر کے کسی اور شخص کے سامنے برہنہ نہ رہے).

غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ یعنی اَلْمُغَفَّلُ الَّذِیْ لَا یَشْتَھِی النِّسَآءَ (وہ باؤلا آدمی جسے عورتوں کی خواہش ہی نہیں ہوتی).

لَمْ یَظْھَرُوْا [illegible] یعنی [illegible] (کم عمر لڑکے جو [illegible] حیلہ و تدبیر معصوم ہو).

وَاٰتُوْھُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ یعنی ضَعُوْا عَنْھُمْ مِّنْ مُّکَاتَبَتِھِمْ (مکاتب غلاموں کو آزادی دلاؤ اور ان کی مکاتبت ادا کرو).

فَتَیٰتِکُمْ یعنی اِمَآئِکُمْ (اپنی لونڈیوں میں سے).

اَلْبِغَآءِ یعنی اَلزِّنٰی (بدکاری).

نُوْرُ السَّمٰوٰتِ یعنی ھَادِی السَّمٰوٰتِ (تمام آسمانوں کو ہدایت کرنے والا ہے).

مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی ھُدَاہُ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ (ایمان والے کے دل میں ہدایت (ہدی) کی مثال).

کَمِشْکٰوۃٍ یعنی مَوْضِعُ الْفَتِیْلَۃِ (بتی رکھنے کی جگہ).

فِیْ بُیُوْتٍ یعنی مَسَاجِدَ (مسجدیں).

تُرْفَعَ یعنی تُعَظَّمَ (ان کو عزت دی جائے).

فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یعنی [illegible] (اس میں [illegible] پانی [illegible]).

یُسَبِّحُ یعنی یُصَلِّیْ (نماز پڑھتا ہے).

بِالْغُدُوِّ یعنی صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ (فجر کی نماز).

وَالْاٰصَالِ یعنی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ (عصر کی نماز).

بِقِیْعَۃٍ یعنی اَرْضٍ مُّسْتَوِیَۃٍ (ہموار زمین).

تَحِیَّۃً یعنی اَلسَّلَامَ (سلام)

سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ

ثُبُوْرًا یعنی وَیْلًا (ہلاکت، بربادی).

بُوْرًا یعنی ھَلْکٰی (ہلاک ہونے والی).

ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی اَلْمَآءَ الْمُھْرَاقَ (بہتا ہوا پانی).

سَاکِنًا یعنی دَائِمًا (ہمیشہ قائم رہنے والا).

قَبْضًا یَّسِیْرًا یعنی سَرِیْعًا (جلد پکڑ لینا).

جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ خِلْفَۃً یعنی (جس شخص سے رات کے وقت کوئی عمل رہ جائے وہ اس عمل کو دن میں کر سکتا ہے اور دن میں کوئی عمل رہ جائے تو اسے رات کے وقت ادا کر سکتا ہے).

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ یعنی اَلْمُؤْمِنُوْنَ (ایمان دار لوگ).

ھَوْنًا یعنی [illegible]، [illegible] اور

انکساری کے ساتھ چلنا)۔

لَوْلَا دُعَاؤُکُمْ بمعنی (اگر نہ ہوتا تمہارا خدا کو ماننا)۔

سورۃ الشعراء

کَرِیْمٍ بمعنی کَثِیْرٍ (بہار کی طرح)

فَجُمِعَ بمعنی جُمِعَ (اکٹھا کیا)۔

رِیْعٍ بمعنی شَرَفٍ (بلند ٹیلہ، بلند جگہ)

لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ بمعنی کَاَنَّکُمْ (گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے)۔

خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ بمعنی دِیْنُ الْاَوَّلِیْنَ (پہلے لوگوں کے دین)۔

هَضِیْمٌ بمعنی مُتَهَشِّمٌ (سبزہ سے دبے ہوئے)۔

فٰرِهِیْنَ بمعنی حَاذِقِیْنَ (کاریگری اور دستکاری کے ساتھ)۔

الْاَیْکَةِ بمعنی الْغَیْضَةِ (درختوں کے جھنڈ والی)۔

الْجِبِلَّةَ بمعنی الْخَلْقَ (سرشت)۔

فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ بمعنی فِیْ کُلِّ لَغْوٍ یَخُوْضُوْنَ (ہر ایک برائی میں گھس پڑتے ہیں)۔

سورۃ النمل

بُوْرِکَ بمعنی قُدِّسَ (پاک کیا گیا ہے)۔

اَوْزِعْنِیْ بمعنی اَلْهِمْنِیْ (مجھ کو توفیق دے)۔

الْخَبْءَ بمعنی الْمَخْفِیْ (چھپی ہوئی) خَبْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمین و آسمان کی مخفیات کو بتلاتا ہے)

طٰٓئِرُکُمْ بمعنی مَصَائِبُکُمْ (تمہاری مصیبتیں)۔

اِدّٰرَکَ عِلْمُهُمْ بمعنی تَتَابَعَ عِلْمُهُمْ (ان کا علم ناپید ہو گیا)۔

رَدِفَ بمعنی قَرُبَ (نزدیک آ لگا ہو)

اِذَا وَلَّوْا بمعنی اِذَا اَدْبَرُوْا (منہ موڑ کر چل دیں)۔

دٰخِرِیْنَ بمعنی صٰغِرِیْنَ (حقیر و ذلیل ہو کر)۔

جَامِدَةً بمعنی ثَابِتَةً (قائم ہے)

اَتْقَنَ بمعنی اَحْکَمَ (محکم کیا)۔

سورۃ القصص

فَارِغًا بمعنی خَالِیًا (خالی)

سَرْمَدًا بمعنی دَائِمًا (ہمیشہ ہمیشہ)

لَتَنُوْٓءُ بمعنی لَتُثْقِلُ (بھاری ہو)

سورۃ العنکبوت

یَسْبِقُوْنَا بمعنی یَفُوْتُوْنَا (ہم سے بچ جائیں)۔

[illegible] (جھڑ سے)۔

سُورَۃُ الرُّوم

[illegible] بمعنی [illegible] (ملک شام کا ایک حصہ)

[illegible] بمعنی [illegible] بہشت سے [illegible]

[illegible] بمعنی [illegible] (وہ ہم [illegible])۔

سُورَۃُ لُقْمٰن

[illegible] (اپنے [illegible] لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لو)۔

[illegible] بمعنی [illegible]

سُورَۃُ السَّجْدَۃ

[illegible] بمعنی [illegible] (ہم نے [illegible] دی)

[illegible] بمعنی [illegible] جو [illegible] ہیں۔

سُورَۃُ الاحزاب

[illegible] بمعنی [illegible]

(قتل [illegible] کیے جاؤ گے)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (پیچھے [illegible] والوں [illegible] کرو)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (جب [illegible] ان پر ظاہر ہوں گے)

[illegible] بمعنی [illegible] (زمین [illegible] فراش)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (خدا کی [illegible] پروا نہ کرنے والا)۔

سُورَۃُ سَبَا

[illegible] بمعنی [illegible] (دیکھا)۔

مِنْسَاَتَہٗ بمعنی [illegible] (اس کی لاٹھی)

سَیْلَ الْعَرِمِ بمعنی [illegible] (سخت زور کا سیلاب)۔

خَمْطٍ [illegible] (کڑوا پھل)

فُزِّعَ بمعنی [illegible] (دور کی گئی)

الْفَتَّاحُ بمعنی [illegible] (فیصلہ کرنے والا اور حاجت پوری کرنے والا)۔

[illegible] بمعنی [illegible]

[illegible])۔

وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ بمعنی [illegible] (وہ کیونکر [illegible] سکتے ہیں؟)

اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ بمعنی ذِكْرُ اللهِ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ وَاَدَاءُ الْفَرَائِضِ یعنی (ذکرِ الٰہی، نیکوکاری اور ادائے فرائض)۔

قِطْمِيرٍ۔ (وہ کھال یا جھلی جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتی ہے۔)

لُغُوبٌ بمعنی اِعْيَاءٍ (تھکن، ماندگی)۔

سورۂ یٰسین

حَسْرَةً بمعنی وَيْلٌ (خرابی، افسوس)۔

كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ بمعنی اَصْلُ عِذْقِ النَّخْلِ الْعَتِيقِ (کھجور کی پرانی جڑ)۔

الْمَشْحُونِ بمعنی الْمُثْقَلِ (بھری ہوئی)

الْاَجْدَاثِ بمعنی الْقُبُورِ (قبریں)

فَاكِهُونَ بمعنی فَرِحُونَ (شادماں)۔

سورۃ الصافات

فَاهْدُوهُمْ بمعنی وَجِّهُوهُمْ (ان کو روانہ کرو)۔

غَوْلٌ بمعنی صُدَاعٌ (دردِ سر)۔

بَيْضٌ مَكْنُونٌ یعنی اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ (بیش بہا پوشیدہ موتی)۔

سَوَاءِ الْجَحِيمِ بمعنی وَسَطِ الْجَحِيمِ۔ (دوزخ کے بیچ میں)۔

اَلْفَوْا بمعنی وَجَدُوا (انہوں نے پایا ہے)

... لِسَانَ صِدْقٍ لِلْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ (تمام نبیوں کے واسطے ایک سان تعریف ہے)۔

لَشِيعَتِهِ بمعنی اَهْلِ دِينِهِ (اس کے دین والے)۔

بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی اَدْرَكَ الْعَمَلَ (کام کے لائق ہوا)۔

تَلَّهُ بمعنی صَرَعَهُ (پٹک دیا)۔

فَنَبَذْنَاهُ بمعنی اَلْقَيْنَاهُ (ہم نے اس کو ڈال دیا)۔

بِالْعَرَاءِ بمعنی بِالسَّاحِلِ (کنارہ دریا پر)۔

بِفَاتِنِينَ یعنی بِمُضِلِّينَ (گمراہ کرنے والے بہکانے والے)۔

سورۂ ص

وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ یعنی لَيْسَ حِينَ فِرَارٍ (بھاگ کر بچنے کا وقت نہیں)۔

اِخْتِلَاقٌ بمعنی تَخْرِيصٌ (من گھڑت گھڑنا، جھوٹ بولنا)۔

فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ یعنی السَّمَاءِ (آسمان پر چڑھ جاؤ)۔

فَوَاقٍ بمعنی تَرْدَادٍ (دنیا میں واپس آنا)۔

نُصْبٌ بمعنی [illegible] (بیماری، عذاب)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (مٹھا)

[illegible] بمعنی شَيْطَانٌ (شیطان)۔

[illegible] بمعنی [illegible]

[illegible] (جس سے نہایا جاسکے اور پیا جاسکے)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (قسم)

اُولِی الْاَیْدِی بمعنی الْقُوَّةِ (زور والے)۔

وَالْاَبْصَارِ بمعنی [illegible] (دین کی بصیرت رکھنے والے)۔

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ بمعنی مَنْ غَضَّ [illegible] (اپنے شوہروں کے سوا دوسرے کی طرف نظر نہ اٹھانے والیاں)۔

اَتْرَابٌ بمعنی مُسْتَوِيَاتٌ (برابر کی عمر)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (...)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (...)۔

سُوْرَةُ الزُّمَر

[illegible] بمعنی [illegible] (...)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (...)۔

[illegible] بمعنی [illegible] (...)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

ذِی الطَّوْلِ بمعنی السَّعَةِ وَالْغِنٰی (کشادگی اور دولت مندی)۔

دَأْبِ بمعنی حَالٌ (حال)۔

تَبَابٍ بمعنی خَسَارٍ (زیاں و گھاٹا)۔

اُدْعُوْنِیْ بمعنی وَحِّدُوْنِیْ (توحید کے قائل ہو)۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

فُصِّلَتْ [illegible] بمعنی بُيِّنَتْ [illegible] (واضح طور سے اس کو بیان کیا)۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی

رَوَاكِدَ بمعنی وُقُوفٌ (ٹھہرے ہوئے)

يُوبِقْهُنَّ بمعنی يُهْلِكْهُنَّ (ان کو برباد کر دے)۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُف

مُقْرِنِيْنَ بمعنی مُطِيقِيْنَ (طاقت رکھنے والے، قدرت رکھنے والے)۔

مَعَارِجَ بمعنی دَرَجٌ (زینے)۔

زُخْرُفًا بمعنی ذَهَبًا (سونا)۔

[illegible] بمعنی [illegible]

...ت).

تُحْبَرُوْنَ یعنی تُكْرَمُوْنَ (خاطرداری کی جائے گی).

سُوْرَةُ الدُّخَان

رَهْوًا یعنی ساكِنًا (ایک جانب یکسو طرف).

سُوْرَةُ الْجَاثِيَة

أَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یعنی فِیْ سَابِقِ عِلْمِهٖ (اپنے سابق علم کے مطابق).

سُوْرَةُ الْاَحْقَاف

لَمْ يَعْيَ یعنی لَمْ يُعْجِزْ (ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں).

سُوْرَةُ مُحَمَّد

آسِنٍ یعنی مُتَغَيِّرٍ (سڑا ہوا).

سُوْرَةُ الْحُجُرَات

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی لَا تَقْضُوْا اَمْرًا دُوْنَ كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّتِهٖ (قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو).

وَلَا تَجَسَّسُوْا یعنی (مسلمانوں کی خفیہ باتوں کا سراغ نہ لگاؤ).

سُوْرَةُ ق

مَرِيْجٍ یعنی مُخْتَلِطٍ (الجھی ہوئی).

فُرُوْجٍ یعنی شُقُوْقٍ (درزیں).

بَاسِقَاتٍ یعنی طِوَالًا (لمبی لمبی).

نَضِيْدٌ یعنی مَنْضُوْدٌ (تہ بہ تہ).

مَحِيْصٍ یعنی مَهْرَبٍ (بھاگ کر نکلنے کی جگہ).

سُوْرَةُ الذّٰرِيَات

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ یعنی الْكَذَّابُوْنَ (اٹکل باز اندازہ لگانے والے).

فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ یعنی فِیْ سَكْرَةٍ غَافِلُوْنَ (یعنی وہ غفلت میں پڑے ہیں).

تُفْتَنُوْنَ یعنی تُعَذَّبُوْنَ (عذاب دیے جاتے ہیں).

يَهْجَعُوْنَ یعنی يَنَامُوْنَ (سوتے ہیں).

عَقِيْمٌ یعنی لَا تَلِدُ (بانجھ).

فَصَكَّتْ یعنی لَطَمَتْ (طمانچہ مارا).

بِرُكْنِهٖ یعنی بِقُوَّتِهٖ (اپنی قوت کے بل بوتے پر).

رَمِيْمٍ یعنی ... (ریزہ ریزہ).

مَتِيْنٌ یعنی شَدِيْدٌ (مضبوط سخت).

ذَنُوْبًا یعنی دَلْوًا (ڈول).

له حصہ ... ۲۰.

سورۂ طور

[illegible] یعنی [illegible] (تیز [illegible])

تمور یعنی حرکت (جنبش کرنا) ہوگا

یدعون یعنی [illegible] (دھکیلے جائیں گے)

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] یعنی [illegible] (جھوٹ)

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible] پہنچانے)

سورۂ نجم

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

سورۂ الرحمن

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] ([illegible] نبات)

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] یعنی جنس

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible] کی بہتری)

آلاء [illegible] یعنی [illegible] ([illegible] کی نعمت کو)

مرج یعنی ملا دیا

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

برزخ یعنی حاجز (روک)

[illegible] ([illegible])

ذوالجلال یعنی [illegible] ([illegible] کا [illegible])

سنفرغ [illegible] ([illegible] کی طرف سے بندوں کو ڈرایا گیا ہے ورنہ خدا کے لیے کسی شغل کی حاجت نہیں)

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

شواظ یعنی [illegible] ([illegible])

نحاس یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible] یعنی [illegible] ([illegible])

[illegible]

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ یعنی لَمْ یَدْنُ مِنْهُنَّ (اُن کے قریب نہیں گیا ہے)۔

نَضَّاخَتٰنِ یعنی فَوَّارَتٰنِ (اُبلنے والی ہیں)۔

رَفْرَفٍ خُضْرٍ یعنی الْمَجَالِسِ (گدے یا سوزنیاں، مسندیں)۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

مُتْرَفِیْنَ یعنی مُنَعَّمِیْنَ (عیش و آرام سے رہنے والے)۔

لِلْمُقْوِیْنَ بمعنی اَلْمُسَافِرِیْنَ (مسافر لوگ)۔

مَدِیْنِیْنَ بمعنی مُحَاسَبِیْنَ (مواخذہ کئے جانے والے لوگ)۔

فَرَوْحٌ یعنی رَاحَةٌ (آرام)۔

سُوْرَةُ الْحَدِیْدِ

نَبْرَاَهَا بمعنی نَخْلُقَهَا (ہم اُسے پیدا کرتے ہیں)۔

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا، یعنی لَا تُسَلِّطْهُمْ عَلَیْنَا فَیَفْتِنُوْنَا (اُن کو ہم پر غلبہ نہ دے کہ وہ ہمیں ستائیں اور آزمائش میں ڈال سکیں)۔

وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ یعنی لَا یُلْحِقْنَ بِاَزْوَاجِهِنَّ غَیْرَ اَوْلَادِهِمْ (اپنے شوہروں کے ساتھ اُن کی اولاد کے سوا کسی غیر کو نہ ملائیں)۔

سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ یعنی لَعَنَهُمْ وَكُلُّ شَیْءٍ فِی الْقُرْاٰنِ قُتِلَ فَهُوَ لُعِنَ (خدا اُن پر لعنت کرے اور قرآن میں جہاں کہیں قتل کا لفظ آیا ہے اُس سے لعنت ہی مراد ہے)۔

فَاَصَّدَّقَ یعنی اَتَصَدَّقَ (صدقہ دوں)۔

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا یعنی یُنَجِّیْهِ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (خدا تعالیٰ اُس کو دنیا اور آخرت دونوں جہان کی ہر ایک تکلیف سے نجات دے گا)۔

عَتَتْ بمعنی عَصَتْ یعنی اَهْلُهَا (بستی کے رہنے بسنے والوں نے نافرمانی کی نہ کہ بستی نے)۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ

تَمَیَّزُ یعنی تَتَفَرَّقُ (پھٹ جائے گی)۔

فَسُحْقًا یعنی بُعْدًا (دور ہوں)۔

سورة القلم

لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ يعنى [illegible] (اگر تو اُن کو آسان دو تو
وہ نرم ہو جائیں)۔

[illegible] (سخت گنہگار)۔

[illegible] يعنى [illegible] (اُن میں
[illegible])۔

[illegible]
[illegible] يَوْمَ الْقِيَامَة
([illegible])۔

سورة الحاقة

طَغَى الْمَاءُ يعنى كَثُرَ (بڑھ گیا)۔

[illegible] يعنى [illegible] (متواتر
[illegible])۔

[illegible]

[illegible]

(دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون اور پیپ
یا دھوون)

[illegible] يعنى [illegible]
([illegible])۔

سورة نوح

فِجَاجًا يعنى طُرُقًا (راستے)۔

تَبَارًا يعنى [illegible] ([illegible])۔

سورة الجن

جَدُّ رَبِّنَا يعنى [illegible]
(ہمارے رب کی شان اور اس کی قدرت)۔

فَلَا يَخَافُ بَخْسًا يعنى نُقْصَانًا
حَسَنَةً (اس کی نیکیوں میں سے کچھ کمی ہونے
کا اندیشہ اور خوف نہیں ہوگا)۔

وَلَا رَهَقًا يعنى زِيَادَةً فِي سَيِّئَاتِهِ
(اس کی برائیوں میں کوئی زیادتی ہونے کا
خوف نہیں ہوگا)۔

[illegible] لِبَدًا يعنى [illegible]
([illegible])۔

وَبِيلًا يعنى شَدِيدًا (سخت)۔

سورة [illegible]

[illegible] يعنى [illegible] ([illegible])

[illegible] ۲۰

مُسْتَنْفِرَةٌ یعنی [illegible] (بھاگنے والی).

سُورَةُ القِیٰمَة

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ یعنی بَیَّنَّاہُ (جب کہ ہم نے اس کو واضح کر دیا).

فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ یعنی اعمل بہ (اس پر عمل کر).

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ یعنی دنیا کے دنوں کا آخری دن اور آخرت کے دنوں کا پہلا دن (دونوں [illegible] جیسا کہ [illegible] مصیبت سے مصیبت کا [illegible] ہوتا ہے).

سُدًى یعنی ھَمَلاً (بے قید).

سُورَةُ الدَّھر

أَمْشَاجٍ یعنی مُخْتَلِطَة (مخلوط رنگ برنگ).

مُسْتَطِيرًا یعنی فَاشِیًا (پھیلنے والی).

عَبُوسًا یعنی ضَیِّقًا (تنگ).

قَمْطَرِيرًا یعنی شَدِیدًا (ترش رو).

سُورَةُ المُرْسَلٰت

كِفَاتًا یعنی جَامِعَة (جمع کرنے والی، سمیٹنے کی جگہ).

رَوَاسِيَ یعنی جِبَال (پہاڑ).

شَامِخَاتٍ یعنی مُشْرِفَات (بلند)

فُرَاتًا یعنی عَذْبًا (شیریں).

سُورَةُ النَّبَا

سِرَاجًا وَهَّاجًا یعنی مُضِیئًا (روشن)

الْمُعْصِرَاتِ یعنی السَّحَاب (بادل)

ثَجَّاجًا یعنی مُنْصَبًّا (زور سے بہنے والا)

أَلْفَافًا یعنی مُلْتَفَّة (گنجان باغ)

جَزَاءً وِفَاقًا یعنی [illegible] (ان کے اعمال کے مطابق بدلہ).

[illegible] یعنی [illegible] (بلندی)

كَوَاعِبَ یعنی نَوَاهِد (ابھری ہوئی چھاتیوں والی نوجوان عورتیں).

الرُّوحُ یعنی [illegible] (ایک فرشتہ جو تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے).

وَقَالَ صَوَابًا یعنی لا الٰہ الا اللہ (کلمہ طیبہ).

سُورَةُ النّٰزِعٰت

الرَّادِفَةُ یعنی النَّفْخَةُ الثَّانِیَة (دوسری بار صور پھونکنا).

وَاجِفَةٌ یعنی [illegible] (دھڑکنے والے)

الْحَافِرَةِ یعنی [illegible] (زندگی).

سَمْكَهَا یعنی سَقْفَهَا (اس کی چھت)
اَغْطَشَ یعنی اَظْلَمَ (تاریک کی)

سورۃ عبس

سَفَرَةٍ یعنی کَتَبَةٍ (لکھنے والے)۔
قَضْبًا بمعنی اَلْقَتُّ (رسپست، ایک قسم کا دانہ و گھاس ہے جس کو قطعہ کر کے گرانی کے دنوں میں لوگ ... کر ... کرکے کھاتے ہیں)۔
وَفَاكِهَةً یعنی اَلثِّمَارُ الرَّطْبَةُ (تر و تازہ پھل)۔
مُسْفِرَةٌ یعنی مُشْرِقَةٌ (چمکتے ہوئے)

سورۃ التکویر

كُوِّرَتْ یعنی اُظْلِمَتْ (تاریک ہو جائے گا)۔
انْكَدَرَتْ بمعنی تَغَيَّرَتْ (متغیر ہو جائیں گے)۔
عَسْعَسَ بمعنی اَدْبَرَ (پشت پھیری جائے)۔

سورۃ الانفطار

فُجِّرَتْ یعنی بَعْضُهَا فِی بَعْضٍ (ایک دوسرے کی طرف میں بہا دیئے جائیں گے)۔
بُعْثِرَتْ یعنی بُحِثَتْ (کھودی جائیں)

سورۃ التطفیف

عِلِّيِّينَ یعنی جَنَّت (بہشت)۔

سورۃ الانشقاق

يَحُورَ یعنی يُبْعَثَ (اٹھایا جائے گا)۔
يُوعُونَ یعنی يُسِرُّونَ (خفیہ گناہ کرتے یا دل میں رکھتے ہیں)۔

سورۃ البروج

الْوَدُودُ یعنی الْحَبِیبُ (محبوب)۔

سورۃ الطارق

لَقَوْلٌ فَصْلٌ بمعنی حَقٌّ (حق بات)۔
بِالْهَزْلِ یعنی الْبَاطِلِ (باطل بات)۔

سورۃ الاعلیٰ

غُثَاءً یعنی هَشِیمًا (روڑی مونڈی)
أَحْوَى بمعنی مُتَغَيِّرًا (بگڑی ہوئی)۔
مَنْ تَزَكَّى یعنی مِنَ الشِّرْكِ (شرک سے پاک کیا)۔
وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ یعنی وَحَّدَ اللّٰهَ (خدا کی توحید بیان کی)۔
فَصَلَّى یعنی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ (نماز پنجگانہ)۔

سورۃ الغاشیہ

الغاشیۃ، الطامۃ، الصاخۃ، الحاقۃ، القارعۃ (یہ سب روزِ قیامت کے نام ہیں)۔

ضریع یعنی [illegible] (ایک آگ کا درخت)۔

و نمارق یعنی [illegible] (نرم تکیے [illegible])۔

بمصیطر یعنی بجبار (زبردستی کرنے والا)۔

سورۃ الفجر

[illegible]

[illegible] یعنی [illegible] (درخت)۔

[illegible]

سورۃ البلد

النجدین یعنی [illegible] (گمراہی اور ہدایت)۔

سورۃ الشمس

[illegible] یعنی [illegible]۔

[illegible]

[illegible] (نیکی اور بدی [illegible])

ولا یخاف [illegible] یعنی [illegible] (نہیں رکھتا)

سورۃ الضحٰی

سجٰی یعنی ذہب (چھا گیا)۔

ما ودعک ربک وما قلٰی [illegible]

[illegible] (نہ [illegible] ہوا)

سورۃ الانشراح

[illegible]

[illegible]

سورۃ قریش

[illegible]

[illegible]

سورۃ الکوثر

[illegible] (دشمن)۔

سورۃ الاخلاص

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تَلْبِسُوْا بمعنی تَخْلِطُوْا (آمیزش نہ کرو)

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ یعنی يَضُرُّوْنَ (اپنا ہی نقصان کرتے ہیں)۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی هٰذَا الْاَمْرُ حَقٌّ كَمَا قِيْلَ لَكُمْ (یہ بات حق ہے جس طرح تم سے کہی گئی)۔

اَلطُّوْرُ یعنی مَا اَنْبَتَ مِنَ الْجِبَالِ وَمَا لَمْ يُنْبِتْ فَلَيْسَ بِطُوْرٍ (جس پہاڑ پر سبزی اور روئیدگی ہو وہ طور ہے اور خشک پہاڑ طور نہیں کہلاتے)۔

خَاسِئِيْنَ (ذلیل ہو کر)۔

نَكَالًا عُقُوْبَةً (سزا کے طور پر)۔

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا یعنی مِنْ بَعْدِهِمْ (اُن کے بعد آنے والے)۔

وَمَا خَلْفَهَا الَّذِيْنَ بَقُوْا مَعَهُمْ (جو لوگ اُن کے ساتھ رہے، ہمعصر)۔

وَمَوْعِظَةً یعنی تَذْكِرَةً (یاد دہانی)

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ یعنی بِمَا اَكْرَمَكُمْ بِهٖ (جس چیز کے ساتھ خدا نے تم کو شرف بخشا ہے)۔

بِرُوْحِ الْقُدُسِ بِالْاِسْمِ الَّذِيْ كَانَ عِيْسٰى يُحْيِيْ بِهِ الْمَوْتٰى (وہ اسم جس کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتے تھے)۔

قَانِتُوْنَ بمعنی مُطِيْعُوْنَ (اطاعت کرنے والے)۔

اَلْقَوَاعِدَ یعنی اَسَاسَ الْبَيْتِ (کعبہ کی بنیاد)۔

صِبْغَةَ یعنی دِيْنَ (دین)۔

اَتُحَاجُّوْنَنَا یعنی اَتُخَاصِمُوْنَنَا (کیا تم ہم سے جھگڑتے ہو؟)۔

يُنْظَرُوْنَ بمعنی يُؤَخَّرُوْنَ (ٹھہرائے جائیں گے)۔

اَلَدُّ الْخِصَامِ بمعنی شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ (سخت جھگڑالو)۔

اَلسِّلْمِ بمعنی الطَّاعَةِ (فرمان برداری)

كَافَّةً بمعنی جَمِيْعًا (سب کے سب)

كَدَاْبِ بمعنی كَصُنْعِ (مثل کاروائی)

بِالْقِسْطِ یعنی بِالْعَدْلِ (میانہ روی کے ساتھ)۔

اَلْاَكْمَهَ (مادر زاد نابینا)۔

رَبَّانِيِّيْنَ (علماء، فقہاء، فقیہ لوگ)

وَلَا تَهِنُوْا یعنی لَا تَضْعُفُوْا (کمزور نہ بنو)۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ یعنی يَقُوْلُوْنَ اِسْمَعْ لَا سَمِعْتَ (کفار کہتے تھے کہ سن، خدا کرے تو نہ سنے، بہرا ہو جائے)۔

لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ یعنی تَحْرِيْفًا بِالْكَذِبِ (جھوٹ بات بدل کر)۔

اِلَّا اِنَاثًا یعنی مَوْتٰى (مُردے)۔

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ یعنی اَعَنْتُمُوْهُمْ

تم سے اُن کی اعانت کی)۔

بِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ یعنی أَمَرَتْهُمْ (اُن کو اُن کے نفسوں نے بُرا حکم دیا)۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ یعنی حُجَّتُهُمْ (اُن کی حجت دلیل)۔

بِمُعْجِزِينَ یعنی بِسَابِقِينَ (سبقت لے جانے والے)۔

قَوْمًا عَمِينَ یعنی كُفَّارًا (کافر قوم)۔

بَغْتَةً یعنی شِدَّةً (سختی، مصیبت)۔

لَا تَبْخَسُوا یعنی تَنْقُصُوا (کمی نہ کرو)۔

الْقُمَّلَ یعنی الْحُمْنَانَ الَّذِي لَيْسَ لَهُ أَجْنِحَةٌ (وہ ٹڈیاں جن کے پر نہیں ہوتے)۔

يَعْرِشُونَ یعنی يَبْنُونَ (عمارت و چھت بناتے ہیں)۔

مُتَبَّرٌ یعنی هَالِكٌ (برباد و ہلاک ہونے والا ہے)۔

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ یعنی بِجِدٍّ وَحَزْمٍ (کوشش و ہوشیاری کے ساتھ)۔

إِصْرَهُمْ یعنی عَهْدَهُمْ وَمَوَاثِيقَهُمْ (اُن کے قول و قرار)۔

مُرْسَاهَا یعنی مُنْتَهَاهَا (اس کی منزل منتہی آخری مقام)۔

خُذِ الْعَفْوَ یعنی خُذِ الْفَضْلَ (زیادتی سے زائد اور فاضل مال کو صرف کر[1])

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بِالْمَعْرُوفِ (اچھی باتوں کا حکم دے)۔

وَجِلَتْ یعنی فَرِقَتْ (ڈر گئے)

الْبُكْمُ یعنی الْخُرْسُ (گونگا پن)۔

فُرْقَانًا یعنی نَصْرًا (مدد، فتح)۔

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا یعنی شَاطِئِ الْوَادِي (وادی کا کنارہ)

إِلًّا وَلَا ذِمَّةً۔ اِن میں الْإِلُّ یعنی الْقَرَابَةُ (رشتہ داری) اور الذِّمَّةُ یعنی الْعَهْدُ (قول و قرار)

أَنَّى يُؤْفَكُونَ یعنی كَيْفَ يُكَذِّبُونَ (کس طرح جھٹلاتے ہیں)۔

ذَاتَ بَيْنِكُمْ یعنی الْقَضَاءَ (حکم، قول فیصل)۔

عَرَضًا یعنی غَنِيمَةً (کوئی لوٹ کا مال)

الشُّقَّةُ یعنی الْمَسِيرُ (چلنا، سفر)۔

فَثَبَّطَهُمْ یعنی حَبَسَهُمْ (اُن کو روک لیا)۔

مَلْجَأً یعنی الْحِرْزُ فِي الْجَبَلِ (پہاڑ میں محفوظ جگہ)

أَوْ مَغَارَاتٍ یعنی أَسْرَابًا فِي الْأَرْضِ الْمُخْفِيَةِ (خفیہ سرنگ زمین میں بلیں اور کھوہ)

[1] یہاں خُذِ الْعَفْوَ کے معنی "ضرورت سے زائد مال کو صرف کر" نہیں ہیں، بلکہ یہ ہیں کہ "عفو و درگزر کو اختیار کر"۔ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف: آیت ۱۹۸ (مصحح)۔

[illegible] یعنی [illegible]

(اپنے عمل میں نقش رکھتے ہیں)۔

[illegible] یعنی [illegible]

(ڈر کے دل میں ڈالا)۔

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] دونوں راز سے بہت

دور چھپا ہوا)۔

[illegible] یعنی [illegible]

وَلَا تَجْهَرْ [illegible] وَلَا تُخَافِتْ

بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا [illegible]

[illegible] (بہ آواز بلند اور

زور سے پڑھنا اور زیر لب یا آہستہ آواز سے

قرأت کرنے کے مابین ایک [illegible] درمیانی

طریقہ اختیار کرو [illegible]

[illegible] زیر لب کہ خود بھی اپنے کان اسے نہ

سن سکیں)

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] یعنی لَا تَعْطَشُ (پیاسا

نہ ہوگا)۔

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ذَاتِ قَرَارٍ یعنی [illegible]

وَمَعِیْنٍ یعنی [illegible]

[illegible])

اُمَّتُکُمْ یعنی دِیْنُکُمْ (تمہارا دین)۔

[illegible] یعنی [illegible]

([illegible] کا وارث ہے)۔

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] یعنی [illegible]

[illegible] اور [illegible])۔

[illegible] یعنی ثواب (اس کے لئے

ایک ثواب ہے)۔

[illegible] یعنی [illegible]

ہو جائیں گے)۔

[illegible] یعنی [illegible]۔

[illegible] یعنی [illegible]

([illegible])۔

[illegible] یعنی [illegible]

کر دو [illegible])۔

[illegible] یعنی [illegible]

(ان سے مواخذہ کیا جائے گا)۔

[illegible] لَا تُنْصَرُوْنَ یعنی [illegible]

([illegible] نہیں [illegible])

[illegible]

([illegible])۔

وَهُوَ مُلِيمٌ بمعنی مُسِیءٌ مُذْنِبٌ (بدکار گنہگار)

وَالْعُرْجُونِ یعنی عَیِّبُوهُ (اُسے عیب لگاؤ)۔

نُسِفَتْ یعنی بُسِبَتْ (وہ ضم کی گئی)۔

مُهْطِعِينَ بمعنی مُقْبِلِينَ (روبرو اور متوجہ ہونے والے)۔

بُسَّتْ بمعنی فُتِّتَتْ (بھٹ گئی)۔

وَلَا يُنْزِفُونَ بمعنی لَا يُنْتِنُونَ كَمَا يَنْتِنُ صَاحِبُ خَمْرِ الدُّنْيَا (وہ اس طرح نے نہ کریں گے جس طرح دُنیا کے شراب خوار نے کیا کرتے ہیں)۔

أُشْرِكْتُ أَنْفُسَهُم یعنی الشِّرَاكُ (شرک)

نَائِمِين بمعنی الشَّاهِدِ (گواہ)۔

عَزِيزٍ مُقْتَدِرٍ یعنی عَلَى مَا يَشَاءُ (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا جو چاہے کرے)۔

الْحَكِيمُ یعنی الْمُحْكِمُ لِمَا أَرَادَ (جس امر کا ارادہ کرے اس کا حکم دینے والا)۔

خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ یعنی نَخْلٌ قِيَامٌ (بہت سیدھا کھڑا رہنے والا درخت خرما)۔

مِنْ تَفَاوُتٍ یعنی تَشَقُّقٍ (شگافیدگی)۔

حَسِيرٌ یعنی كَلِيلٌ ضَعِيفٌ (درماندہ کمزور)۔

لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا یعنی لَا تَخَافُونَ لَهُ عَظَمَةً (خدا کی بزرگی کی عظمت سے نہیں ڈرتے)۔

جَدُّ رَبِّنَا یعنی عَظَمَتُهُ (خدا کی بزرگی)۔

أَتَانَا الْيَقِينُ یعنی الْمَوْتُ (موت)۔

يَتَمَطّٰى یعنی يَخْتَالُ (اکڑ رہا ہے)

أَتْرَابًا یعنی فِي سِنٍّ وَاحِدٍ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً (سب ایک ہی عمر کے ہوں گے یعنی تینتیس ۳۳ برس کے)۔

مَتَاعًا لَكُمْ یعنی مَنْفَعَةً (فائدہ)۔

مُرْسَاهَا یعنی مُنْتَهَاهَا (انجام یا منزل مقصود ٹھہراؤ)۔

مَمْنُونٍ یعنی مَنْقُوصٍ (منقوص جس میں کمی کی گئی ہو)۔

فصل

ابوبکر بن الانباری کا بیان ہے کہ صحابہ اور تابعین نے قرآن کے غریب مشکل الفاظ پر عرب جاہلیت کے اشعار سے بکثرت استدلال کیا ہے۔ ایسا بے علم گروہ جو نحو سے جاہل ہے

یہ الزام رکھتا ہے کہ اگر علمائے نحو قرآن کے مشکل اور غریب الفاظ کی تشریح میں شعر عرب سے استشہاد کرتے ہیں تو گویا وہ شعر کو قرآن کی اصل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی مذمت قرآن و حدیث میں آئی ہو اور شعر کے ساتھ کی گئی ہو وہ اثبات قرآن کی صحت و بلاغت کے لئے حجت قرار دی جا سکے۔"

ابن الانباری کہتے ہیں "ہمارے مخالفین کا اعتراض یہ بات نہیں ہے جب ہم نے اشعار عرب کو (معاذ اللہ) قرآن کا ماخذ اور اس کی اصل قرار دیا، بلکہ ہم نے تو شعر ہی سے حجت پکڑی ہے اس لئے استشہاد کیا ہے اور ہماری غرض قرآن کے حروف غریب (نامانوس) و مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا" اور ارشاد باری ہے "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ" (یعنی ہم نے قرآن کو عربی بنایا اور عرب کی واضح زبان میں اس کو نازل کیا)۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے "الشعر دیوان العرب" (اشعار اہل عرب کے علوم و فنون کا مجموعہ ہیں) اگر ہم پر قرآن کے کسی لفظ کا مفہوم ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکے، تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل عرب کی زبان میں نازل فرمایا ہے لہٰذا ہم خود بخود اسی زبان کے دیوان کی طرف رجوع کریں گے اور اس میں قرآن کے لفظ کا مطلب تلاش کریں گے۔"

پھر ابن الانباری نے عکرمہ کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "اگر تم مجھ سے قرآن کے غریب الفاظ کی نسبت سوال کرنا چاہو تو اسے اشعار عرب میں تلاش کرو، کیونکہ شعر عرب کا دیوان ہے۔"

ابو عبید نے اپنی کتاب "فضائل" میں بیان کیا ہے "ہم سے ہشیم نے بواسطہ حصین بن عبد الرحمن از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے قرآن کے معانی دریافت کئے جاتے تھے تو وہ ان معانی کی دلیل میں شعر پڑھ کر سنا دیتے تھے۔"

ابو عبید کہتے ہیں "یعنی ان کی مراد شعر سے یہ تھی کہ تفسیر قرآن کی وضاحت پر استشہاد کیا کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی بہت سی روایتیں سنی ہیں اور ان روایتوں میں سب سے بڑھ کر جامع اور مکمل نافع بن ازرق کے سوالات والی روایت

ہے جس کو بتمامہ ابن الانباری نے کتاب الوقف والابتداء میں [illegible] اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ چونکہ وہ بڑے فوائد کی حامل ہے اس لئے وہ بھی یہاں درج ہے:

مجھے ابو عبداللہ محمد بن علی الصالحی نے خبر دی ہے کہ میں نے ان کے سامنے اس روایت کو پڑھ کر سنایا ہے۔ اور ابو عبداللہ نے ان کی سند پر ابو اسحاق تنوخی سے اور تنوخی نے [illegible] سے روایت کی تھی کہ ابن عساکر نے کہا: ابو المظفر محمد بن اسعد العراقی نے ہمیں خبر دی، انہیں ابو علی محمد بن سعید بن نبہان الکاتب نے خبر دی اور انہیں [illegible] نے اور ان سے ابو الحسین عبدالصمد بن علی بن محمد بن مکرم [illegible] نے بیان کیا اور ان سے ابو سہل السری بن سہل الجندیسابوری نے [illegible] کہا [illegible] نے بیان کیا [illegible] سعد بن ابی سعید [illegible] سعید [illegible] حمید الاعرج اور عبداللہ بن ابی بکر بن محمد [illegible] نے [illegible]

ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کعبہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کو چاروں جانب سے گھیر کر تفسیر قرآن کے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ [illegible] نافع بن ازرق نے نجدہ بن عویمر سے کہا: آؤ میرے ساتھ اس شخص (ابن عباس) کے پاس چلیں جو قرآن کی تفسیر [illegible] کرتے ہیں [illegible]

وہ دونوں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے [illegible] کہ ہم [illegible] پوچھتے ہیں آپ ہمیں ان کا مطلب بتائیں اور ان کی [illegible] کلام عرب کی نظیر بھی دیجئے [illegible] اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی [illegible] اتارا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: [illegible] پوچھو [illegible] کرو۔

نافع نے کہا: اللہ تعالیٰ کے قول [illegible] کے متعلق [illegible] (سورۃ المعارج: آیت ۳۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: [illegible] حلقہ باندھ کر [illegible]

[illegible] اس [illegible]

ابن عباس [illegible] حبیب بن [illegible] کا یہ شعر نہیں سنا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] کی جانب [illegible] آئے تاکہ [illegible] منبر کے گرد حلقہ باندھ [illegible]

[illegible] کی تفسیر کیا ہے؟ (سورۃ المائدہ، آیت ۳۵)

[illegible] حاجت [illegible]

[illegible] کیا اہل عرب [illegible] کلام میں [illegible]؟

[illegible] شاعر [illegible] کا قول ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی تفسیر کیا ہے؟ (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

[illegible]

[illegible] کا [illegible] ہے؟

[illegible] بن عبد المطلب کا شعر ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی تفسیر [illegible] (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

س:- کیا اہل عرب اس سے واقف ہیں؟

ج: ہاں، ایک شاعر کہتا ہے ؎

إِذَا مَا مَشَتْ وَسْطَ النِّسَاءِ تَأَوَّدَتْ   كَمَا اهْتَزَّ غُصْنٌ نَاعِمُ النَّبْتِ يَانِعُ

(جب وہ عورتوں کے جھرمٹ میں چلتی ہے تو اس طرح لچکتی ہے جیسے کوئی نرم و نازک تازہ اُگی ہوئی شاخ کسی تیار اور گدرائے ہوئے پھل کے بوجھ سے جھک جاتی ہے)۔

س:- قولہ تعالیٰ "وَرِيشًا" کے کیا معنی ہیں؟ (اعراف ۲۶)۔

ج:- "ریش" یہاں "مال" کے معنوں میں آیا ہے۔

س:- کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، شاعر کہتا ہے ؎

فَرِشْنِي بِخَيْرٍ طَالَمَا قَدْ بَرَيْتَنِي   فَخَيْرُ الْمَوَالِي مَنْ يَرِيشُ وَلَا يَبْرِي

(مجھے کچھ مال دے کر مجھ سے بھلائی کر کیونکہ تو نے ایک عرصہ تک میرے ساتھ برائی کی اور مجھے مفلس رکھا ہے۔ اچھا دوست تو وہی ہوتا ہے جو نفع پہنچائے اور نقصان نہ دے)۔

س:- بتائیے! قولہ تعالیٰ "يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ نور، آیت ۴۳)

ج:- سَنَا کے معنی ہیں ضَوْءٌ (روشنی، چمک)۔

س:- کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، ابوسفیان بن الحارث کہتا ہے ؎

يَدْعُو إِلَى الْحَقِّ لَا يَبْغِي بِهِ بَدَلًا   يَجْلُو بِضَوْءِ سَنَاهُ دَاجِيَ الظُّلَمِ

(وہ حق کی طرف بلاتا ہے اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ اس کی روشنی کی چمک سے اندھیری راتیں روشن ہو جاتی ہیں)۔

س:- قولہ تعالیٰ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ" کے معنی کیا ہیں؟ (سورۃ البلد، آیت ۴)

ج:- فِي اعْتِدَالٍ وَاسْتِقَامَةٍ[1] (توازن اور میانہ روی)۔

س:- کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، لبید بن ربیعہ کا شعر ہے ؎

يَا عَيْنُ هَلَّا بَكَيْتِ أَرْبَدَ إِذْ   قُمْنَا وَقَامَ الْخُصُومُ فِي كَبَدِ

---

[1] "کشاف" میں اسی طرح ہے اور علامہ زمخشری نے فِي كَبَدٍ کے معنی مشقت اور آفاتِ زمانہ کی مصیبت کے کیے [illegible]

(اے آنکھ کیا تو اس وقت پھوٹ پھوٹ کر نہیں روئی جب کہ ہم دو جا رہے تھے مقابل ... کے ساتھ کھڑے ہوئے)

س:- قولِ تعالیٰ "وَحَفَدَةً" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النحل، آیت ۷۲)

ج:- بیٹوں کے بیٹے اور وہ مددگار و معاون ہیں۔

س: کیا اہلِ عرب اس معنی سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں، شاعر کہتا ہے[1]؎

حَفَدَ الْوَلَائِدُ حَوْلَهُنَّ وَأَسْلَمَتْ بِأَكُفِّهِنَّ أَزِمَّةَ الْأَجْمَالِ

(ان کے گرد خواصیں اور خدمتگار حشم جلد جلد خدمت بجا لاتے ہیں اور انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اونٹوں کی نکیلیں چھوڑ دی ہیں)۔

س:- "وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا" کا مطلب کیا ہے؟ (سورۃ مریم، آیت ۱۳)

ج:- رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (ہماری طرف سے خاص رحمت)۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو استعمال کرتے ہیں؟

ج:- ہاں، طرفہ بن العبد کا شعر ہے؎

أَبَا مُنْذِرٍ أَفْنَيْتَ فَاسْتَبْقِ بَعْضَنَا حَنَانَيْكَ بَعْضُ الشَّرِّ أَهْوَنُ مِنْ بَعْضِ

(اے ابو منذر! تو نے ہم کو فنا کر دیا۔ اب ہم میں سے تھوڑے ہی لوگوں کو باقی رکھ۔ تیری مہربانی کی قسم! بعض برائی بعض برائی کی نسبت آسان تر ہوتی ہے)۔

س:- قولِ تعالیٰ "أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا" کے کیا معنی ہیں۔ (سورۃ الرعد، آیت ۳۱)

ج:- أَفَلَمْ يَعْلَمْ (کیا انھوں نے نہیں جانا) بنی مالک کی زبان میں۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، مالک بن عوف کا شعر ہے؎

لَقَدْ يَئِسَ الْأَقْوَامُ أَنِّي أَنَا ابْنُهُ وَإِنْ كُنْتُ عَنْ أَرْضِ الْعَشِيرَةِ نَائِيًا[2]

(صفحہ ۳۵۸ کا بقیہ)۔ ہیں۔ "[illegible]" کی بجائے "[illegible]" [illegible] نقل کیا ہے (مترجم)۔

[1] یہ کثیر کا شعر ہے۔ (مترجم)۔

[2] بعض نے اس کو أَدْنَى الْعَشِيرَةِ نقل کیا ہے اور زمخشری نے عَرْضِ الْعَشِيرَةِ روایت کیا ہے (مترجم)۔

(بے شک تو [illegible] اس بات کو جان لے گا کہ میں ہی اس کا فرزند ہوں۔ اگر چہ اس وقت میں قبیلہ (کنبہ) کی سرزمین سے دور افتادہ ہوں)۔

س۔ قولہ تعالیٰ مَثْبُوراً کے معنی بتاؤ؟ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۰۲)۔

ج۔ مَلْعُوناً مَحْبُوساً مِنَ الْخَيْرِ (ملعون اور نیکی سے روکا گیا)۔

س۔ کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج۔ ہاں عبداللہ بن زبعری کا شعر ہے

إِذْ أَتَانِي الشَّيْطَانُ فِي سِنَةِ النَّوْمِ ۔۔۔ وَمَنْ مَالَ مَيْلَهُ مَثْبُورُ

(جب نیند کے وقت شیطان میرے پاس آیا۔ اور جو اس کی طرف جھکتا ہے وہ ملعون و نامراد ہوتا ہے)۔

س۔ قولہ تعالیٰ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ کے معنی کیا ہیں؟ (سورۂ مریم آیت ۲۳)۔

ج۔ أَلْجَأَهَا (اس کو دردِ زہ نے مجبور کر دیا)۔

س۔ کیا اہل عرب اس سے واقف ہیں؟

ج۔ ہاں، حسان بن ثابت کا شعر ہے

إِذْ شَدَدْنَا شَدَّةً صَادِقَةً ۔۔۔ فَأَجَأْنَاكُمْ إِلَى سَفْحِ الْجَبَلِ

(جب ہم نے پوری طرح سے دھاوا کیا تم کو مجبور کر دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لو)۔

س۔ قولہ تعالیٰ سَرِيّاً سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ مریم آیت ۲۴)۔

ج۔ [illegible] ندی کو کہتے ہیں۔

س۔ [illegible] کیا اہل عرب اسے استعمال کرتے ہیں؟

ج۔ کسی شاعر کا شعر ہے

[illegible]

([illegible] کا [illegible] دوسرا [illegible] کر کے سیراب کرے گا)۔

---

۵ [illegible]

[illegible]

۶ یہ شعر [illegible] بن [illegible] کا ہے (منہ)۔

[illegible]

(گویا کہ معدیہ بن بکر کے بچے ... کی طرف جا رہے ہیں)۔

س: قولہ تعالیٰ "وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي" کا کیا مطلب ہے؟ (سورۂ طٰہٰ، آیت ۴۲)۔

ج: لَا تَضْعُفَا عَنْ أَمْرِي (میرے حکم کی بجا آوری میں کمزوری کا اظہار نہ کرو)۔

س: کیا اہلِ عرب اس کا استعمال سمجھتے ہیں؟

ج: ہاں، کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے ؎

إِنِّي وَجَدِّكَ مَا وَنَيْتُ وَلَمْ أَزَلْ ۔۔۔ أَبْغِي الْفَكَاكَ لَهُ بِكُلِّ سَبِيلِ

(تیری کوشش کی قسم ... [illegible] ... اور ہر راستے [illegible] کی ہر ایک راہ [illegible])۔

س: قولہ تعالیٰ "الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ حج، آیت ۳۶)

ج: "القانع" [illegible] اور "المعتر" اس کو کہتے ہیں جو دروازہ [illegible]۔

س: کیا اہلِ عرب نے اس کو کہیں استعمال کیا ہے؟

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۂ [illegible] آیت [illegible])۔

ج: [illegible]

س: [illegible]

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ج :- بے شک ، ایک شاعر کہتا ہے ؎

یُضِیْءُ کَضَوْءِ سِرَاجِ السَّلِیْطِ　　لَمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ فِیْہِ نُحَاسَا[1]

(وہ ایسے عمدہ زیتون کے تیل والے چراغ کی سی روشنی دیتا ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے دھواں پیدا نہیں کیا ہے)

س :- قولہ تعالےٰ " اَمْشَاجٍ " کی تفسیر کیا ہے ؟ (سورۃ الدہر : آیت ۲)۔

ج :- مرد اور عورت کے پانی (نطفہ) کا رحم کے اندر پڑتے ہی باہم مل جانا۔

س :- کیا اہلِ عرب اس معنی سے واقف ہیں ؟

ج :- ہاں ، دیکھو ابو ذؤیب کہتا ہے ؎

کَاَنَّ الرِّیْشَ وَالْفُوْقَیْنِ مِنْہُ　　خِلَالَ النَّصْلِ خَالَطَہٗ مَشِیْجٗ[2]

(گویا کہ اس تیر کے پر اور اس کی سوفار (ٹیکی) دونوں پیکان کے اندر اس طرح پیوست ہو گئے اور مل گئے ہیں جیسے مرد اور زن کے نطفے باہم مل جاتے ہیں)۔

س :- قولہ تعالےٰ " وَفُوْمِہَا " سے کیا مراد ہے ؟ (سورۃ البقرہ : آیت ۶۱)

ج :- اَلْحِنْطَۃُ (گندم)

س :- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں ؟

ج :- ہاں ، ابو محجن ثقفی کا شعر ہے ؎

قَدْ کُنْتُ اَحْسَبُنِیْ کَاَغْنٰی وَاحِدٍ　　قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ عَنْ زِرَاعَۃِ فُوْمٖ[3]

(میں اپنے آپ کو ایک مالدار آدمی سمجھتا تھا جو گندم کی کاشت کر کے مدینہ آیا ہو)۔

س :- قولہ تعالےٰ " وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ " سے کیا مراد ہے ؟ (سورۃ النجم : آیت ۶۱)

ج :- اَلسُّمُوْدُ کے معنی اَللَّہْوُ وَالْبَاطِلُ (کھیل کود اور فضولیات)۔

س :- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں ؟

---

[1] یہ نابغہ جعدی ہے۔ (مس)۔

[2] شوکانی اور ابو حیان نے اس کا دوسرا مصرعہ اس طرح نقل کیا ہے " خِلَافَ النَّصْلِ سِیْطَ بِہٖ مَشِیْجٗ " اور اس کو زہیر بن حرام الہذلی سے منسوب کیا ہے۔ المسعودی ... اور ... (جمل) میں ... طرح ہے ... میں یہ شعر ابو ذؤیب کی طرف منسوب ہے اور اس طرح نقل کیا گیا ہے ؎

کَاَنَّ النَّصْلَ وَالْفُوْقَیْنِ مِنْہُ　　خِلَافَ الرِّیْشِ سِیْطَ بِہٖ مَشِیْجٗ ——— (مس)

[3] بعض نے اس شعر کو احیحہ بن جلاح کی طرف منسوب کیا ہے اور ابن ... اس طرح ... (مس)

ج:- بے شک۔ کیا تم نے ہزیلہ بنت بکر کا شعر نہیں سُنا، وہ قوم عاد پر روتے ہوئے کہتی ہے

لَيْتَ عَادًا قَبِلُوا الْحَقَّ وَلَمْ يُبْدُوا جُحُودًا
قِيلَ قَيْمٌ فَانْظُرْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ دَعْ عَنْكَ الشُّهُودَا

کاش قوم عاد حق قبول کر لیتی اور جان بوجھ کر سرکشی کے باعث انکار نہ کرتی۔
... ان کی حالت دیکھ اور اپنی فضولیات کو ترک کر دے۔

س:- قول تعالیٰ "لَا فِيهَا غَوْلٌ" کی تفسیر کیا ہے؟ (سورۃ الصافات، آیت ۴۷)

ج:- یہ کہ اس میں بدبو اور بدمزگی نہیں جیسی دنیا کی شراب میں ہوتی ہے۔

س:- اہل عرب بھی اس بات کو جانتے ہیں؟

ج:- ضرور، امرؤ القیس کا شعر ہے

رُبَّ كَأْسٍ شَرِبْتُ لَا غَوْلَ فِيهَا وَسَقَيْتُ النَّدِيمَ مِنْهَا مِزَاجَا

(میں نے کتنے ہی جام شراب پیے مگر اس سے مجھے کوئی درد سر یا بدبو نہ ہوئی لیکن میں نے جب بھی ان میں سے کوئی شراب اپنے دوست کو پلائی تو اس کی تیزی کم کرنے کے لئے مجھے پانی ملانا پڑا (کہ وہ بہکنے نہ لگے)۔

س:- قول تعالیٰ "وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الانشقاق، آیت ۱۸)

ج:- اِتَّسَقَ بمعنی اِجْتَمَعَ آتا ہے۔

س:- اہل عرب نے اسے کبھی استعمال کیا ہے؟

ج:- طرفہ بن عبد کہتا ہے

إِنَّ لَنَا قَلَائِصًا نَقَانِقَا مُسْتَوْسِقَاتٍ لَوْ يَجِدْنَ سَائِقَا

(ہمارے ... وہ شتر مرغ ہیں جو باہم مجتمع ہو سکتے ہیں، اگر ان کو کوئی ہانکنے والا مل جائے)۔

س:- قول تعالیٰ "وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵)

ج:- اسی میں رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکلیں گے۔

س:- کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، عدی بن زید کا شعر ہے

فَهَلْ مِنْ خَالِدٍ إِمَّا هَلَكْنَا وَهَلْ بِالْمَوْتِ يَا لَلنَّاسِ عَارُ

(اگر ہم ہلاک ہو جائیں تو اے قوم! کیا کوئی ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اے لوگو! کیا مرنا بھی

کوئی شرم کی بات ہے)۔

س:۔ قولہ تعالےٰ "وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ سبا آیت ۱۳)۔

ج:۔ كَالْحِيَاضِ الْوَاسِعَةِ (مثل کشادہ حوضوں کے)۔

س:۔ کیا اہل عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:۔ ہاں، طرفہ بن العبد کہتا ہے ؎

كَالْجَوَابِي لَا تَنِي مُتْرَعَةً   لِقِرَى الْأَضْيَافِ أَوْ لِلْمُحْتَضَرْ[1]

س:۔ قولہ تعالیٰ "فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ احزاب: آیت ۳۲)۔

ج:۔ بدچلنی اور بدکاری۔

س:۔ کیا اہل عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:۔ بے شک، اعشیٰ کہتا ہے ؎

حَافِظٌ لِلْفَرْجِ رَاضٍ بِالتُّقَى   لَيْسَ مِمَّنْ قَلْبُهُ فِيهِ مَرَضْ

(اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا اور پرہیزگاری پر خوش رہنے والا، اس شخص کی طرح ہرگز نہیں جس کے دل میں بدچلنی کا شوق ہے)۔

س:۔ مجھ کو قولہ تعالےٰ "مِنْ طِينٍ لَازِبٍ" کے معنی بتایئے (سورۂ الصافات: آیت ۱۱)

ج:۔ اَلْمُلْتَزِقُ (چپکنے والی مٹی)۔

س:۔ کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:۔ ہاں، نابغہ کا شعر ہے ؎

فَلَا يَحْسَبُونَ الْخَيْرَ لَا شَرَّ بَعْدَهُ   وَلَا يَحْسَبُونَ الشَّرَّ ضَرْبَةَ لَازِبِ[2]

(نیکی کو ہرگز وہ ایسی چیز نہ سمجھیں کہ اس کے بعد بدی ہوتی ہی نہیں، اور شرارت و بدی کو چپکنے والی مٹی کی مار نہ خیال کریں یعنی ایسی چوٹ جس کا داغ ہی نہ مٹے)۔

س:۔ قولہ تعالےٰ "أَنْدَادًا" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۲)

ج:۔ اَلْأَشْبَاهُ وَالْأَمْثَالُ (مدمقابل، ہمسر، مثل اور مانند)۔

---

[1] "العقد الثمین" میں اسی طرح ہے لیکن "البحر" میں "او لِلْمُحْتَضَرْ" ہے اور مذکورہ بالا ابن الانباری میں "يَوْمًا مُحْتَضَرًا" ہے (مصحح)۔

[2] "مختار شعراء العرب" میں دونوں جگہ "وَلَا تَحْسَبَنَّ" ہے (مص)۔

س:- اہل عرب اس کی نسبت کیا کہتے ہیں؟

ج:- ہاں لبید بن ربیعہ کا شعر ہے[١] ؎

أَحْمَدُ اللّٰهَ فَلَا نِدَّ لَهُ — بِيَدَيْهِ الْخَيْرُ مَا شَاءَ فَعَلْ

(میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں۔ اس کے ہاتھوں میں بہتری ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

س:- قولہ تعالیٰ "لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ" کے معنی بتائیے؟ (سورۃ الصافات، آیت ٦٧)

ج:- گرم پانی اور کچے لہو کا ملا ہوا مرکب۔

س:- کیا اہل عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں شاعر کہتا ہے[٢] ؎

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قَعْبَانِ مِنْ لَبَنٍ — شِيبَا بِمَاءٍ فَعَادَا بَعْدُ أَبْوَالَا

(یہ بزرگی اور خوبیاں اور فیاضیاں ہیں، دو دودھ کے پانی سے ملے ہوئے پیالے نہیں جو پینے کے بعد فوراً پیشاب بن جاتے ہیں)

س:- قولہ تعالیٰ "عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا" سے کیا مراد ہے؟ (سورہ ص، آیت ١٦)

ج:- "قِطَّنَا" کے معنی جزاء (بدلہ) کے ہیں۔

س:- کیا اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- بے شک، تم نے اعشیٰ کا یہ شعر نہیں سنا[٣] ؎

وَلَا الْمَلِكُ النُّعْمَانُ يَوْمَ لَقِيتُهُ — بِنِعْمَتِهِ يُعْطِي الْقُطُوطَ وَيُطْلِقُ

(اور نہ بادشاہ نعمان جس دن کہ میں اس سے ملا (جو) نعمت والی سے بدلے دیتا ہے اور خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے)۔

١؎ [illegible] کی روایت میں [illegible] ابن ہشام نے "اِحْمَدُ اللہ" ..... نقل کیا ہے [illegible] کی طرف ہے۔ [illegible]

٢؎ یہ امیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے۔ (مس)

٣؎ [illegible] اور عثمانی وغیرہ میں "بِاُمَّتِہٖ" ہے اور [illegible] میں "بِغِبْطَتِہٖ" ہے۔ (مس)

٤؎ [illegible] (مس)۔

س:- قولہ تعالیٰ "مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ الحجر: آیت ۲۶)

ج:- حَمَا کے معنی سیاہ مٹی اور "مَسْنُوْن" کے معنی مصوّر (صورت گری کی ہوئی)۔

س:- اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- بے شک حمزہ بن عبد المطلب کا شعر ہے ؎

أَغَرُّ كَأَنَّ الْبَدْرَ سُنَّةُ وَجْهِهِ ... جَلَا الْغَيْمَ عَنْهُ ضَوْءُهُ فَتَبَدَّدَا

(روشن تاباں رنگ والا کہ جس کے چہرے کی تصویر جس کی روشنی والے چاند کی طرح ہے جس نے بادل کے پردہ کو دور کر دیا ہے اور وہ اپنی چمک دکھا کر ابر کو منتشر کر رہا ہے)۔

س:- قولہ تعالیٰ "الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الحج آیت ۲۸)۔

ج:- بائس ایسے تندرست کو کہتے ہیں جس کو پریشان حالی کی وجہ سے کوئی چیز نصیب نہ ہوتی ہو۔

س:- اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- بے شک، طرفہ کا شعر ہے ؎

يَغْشَاهُمُ الْبَائِسُ الْمُدْقِعُ وَالضَّيْفُ ... وَجَارٌ مُجَاوِرٌ جُنُبُ[1]

س:- قولہ تعالیٰ "مَاءً غَدَقًا" کے معنی بتائیے (سورۃ الجن آیت ۱۶)

ج:- بہت سا بہتا ہوا پانی (کثیر آب رواں)۔

س:- اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، شاعر کہتا ہے ؎

تُدْنِي كَرَادِيسَ مُلْتَفًّا حَدَائِقُهَا ... كَالنَّبْتِ جَادَتْ بِهَا أَنْهَارُهَا غَدَقَا

س:- قولہ تعالیٰ "بِشِهَابٍ قَبَسٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ النمل آیت ۷)

ج:- شعلہ من نار یقتبسون منہ (آگ کا شعلہ جس سے بہت سی آگ جلا سکتے ہیں)۔

س:- اہل عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، طرفہ کہتا ہے ؎

هَمٌّ عَرَانِي فَبِتُّ أَدْفَعُهُ ... دُوْنَ سُهَادِي كَشُعْلَةِ الْقَبَسِ

س:- قولہ تعالیٰ "تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ بقرہ: ۱۲۸)

ج:- اَلتَّوَّاب معنی رُجوع دینے والا

[1] ترجمہ:- ان کو فقیر مسکین بھوک کے مارے اور جوان اور قریب ہمسایہ ڈھانپ لیتے ہیں۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں شاعر کہتا ہے ؎

نَامَ مَنْ كَانَ خَلِيًّا مِنْ أَلَمٍ ... وَبَقِيتُ اللَّيْلَ طُولًا لَمْ أَنَمْ

(جو شخص دُکھ سے خالی تھا وہ تو سو گیا اور میں تمام رات نہ سویا).

س:- قولہ تعالیٰ "وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ المائدہ: ۴۶)

ج:- ہم نے انبیاء کے نقشِ قدم کی پیروی کرائی یعنی ان کے پیچھے اس کو مبعوث کیا (بھیجا).

س:- کیا اہلِ عرب بھی اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، عدی بن زید کا شعر ہے ؎

يَوْمَ قَفَّتْ عِيرُهُمْ مِنْ عِيرِنَا ... وَاحْتِمَالُ الْحَيِّ فِي الصُّبْحِ فَلَقْ

س:- قولہ تعالیٰ "إِذَا تَرَدَّىٰ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ اللیل: آیت ۱۱)

ج:- جب وہ مرے گا تو دوزخ کی آگ میں دھکیل دیا جائے گا.

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- بے شک، عدی بن زید کہتا ہے ؎

خَطَفَتْهُ مَنِيَّةٌ فَتَرَدَّىٰ ... وَهُوَ فِي الْمُلْكِ يَأْمُلُ التَّعْمِيرَ

(اس کو موت نے اچک لیا اور وہ گڑھے میں دھکیل دیا گیا حالانکہ اس وقت وہ ملک (زمین) پر عمارت قائم کرنے کی امیدیں باندھ رہا تھا).

س:- قولہ تعالیٰ "فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ القمر: آیت ۵۴)

ج:- نہر بمعنی سعۃ (کشادگی) آیا ہے.

س:- کیا اہلِ عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں، لبید بن ربیعہؓ کا شعر ہے[1] ؎

مَلَكْتُ بِهَا كَفِّي فَأَنْهَرْتُ فَتْقَهَا ... يَرَى قَائِمٌ مِنْ دُونِهَا مَا وَرَاءَهَا

س:- قولہ تعالیٰ "وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ" کے معنی بتائیے (سورۃ الرحمٰن: آیت ۱۰)

ج:- انام بمعنی خلق (مخلوق).

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

۱؎ تحریر میں اس کو قیس بن خطیم کا شعر بتایا ہے.

[illegible]

س:- [illegible]

ج:- [illegible]

[illegible]

ہلاک نہ ہو جاؤ۔

س:- کیا اہل عرب [illegible]

ج:- کیوں نہیں [illegible]

[illegible]

إِنَّ الْإِلٰهَ عَزِيزٌ وَاسِعٌ حَكَمٌ ... بِكَفِّهِ الضُّرُّ وَالسَّرَّاءُ وَالنِّعَمُ

(بے شک خدا تعالیٰ غالب، وسعت دینے والا حاکم ہے، اسی کے ہاتھ میں تنگ دستی اور فراغ دستی اور نعمتیں ہیں)۔

س:- قولہٗ تعالیٰ «رَمْزًا» سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ آل عمران: آیت ۴۱)

ج:- ہاتھ اور سر سے اشارہ کرنا۔

س:- کیا اہلِ عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:- بیشک، ایک شاعر کہتا ہے

مَا فِي السَّمَاءِ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُرْتَمَزٌ ... إِلَّا إِلَيْهِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ وَزَرِ

س:- بتائیے! قولہٗ تعالیٰ «فَقَدْ فَازَ» سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۸۵)

ج:- خوش وقت ہوا اور نجات پائی۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- جی ہاں، عبداللہ بن رواحہ کا شعر ہے

وَعَسَى أَنْ أَفُوزَ ثُمَّتَ[۱] أَلْقَى ... حُجَّةً أَتَّقِي بِهَا الْفَتَّانَا

س:- قولہٗ تعالیٰ «الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ» کے معنی بتائیے (سورۃ الشعراء: آیت ۱۱۹)

ج:- سامان سے لدی ہوئی اور بھری ہوئی کشتی۔

س:- کیا اہلِ عرب اس سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں، عَبید بن ابرص کہتا ہے

شَحَنَّا أَرْضَهُمْ بِالْخَيْلِ حَتَّى ... تَرَكْنَاهُمْ أَذَلَّ مِنَ الصِّرَادِ

س:- قولہٗ تعالیٰ «سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ» کے مفہوم سے آگاہ کیجیے! (سورۂ آل عمران: آیت ۶۴)

ج:- عَدْلٍ (مساوی، برابر)۔

س:- کیا اہلِ عرب اس سے آگاہ ہیں؟

ج:- ضرور، سنو شاعر کہتا ہے

[illegible] بَيْنَنَا سَوَاءٌ ... وَلٰكِنْ [illegible]

س:- قولہٗ تعالیٰ «زَنِيمٍ» کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ القلم: آیت ۱۳)

۱؎ بعض نے «ثمت» کی جگہ «ثُمَّ» نقل کیا ہے [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible] شعر [illegible]

[illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ کیا آپ [illegible] واقف ہیں؟

ج۔ [illegible] کیا تم نے [illegible] کا یہ شعر نہیں سنا ہے

[illegible]

س۔ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ [illegible]

ج۔ [illegible] جب کہ وہ [illegible] ہو جاتا ہے

س۔ کیا [illegible] جانتے ہیں؟

ج۔ ہاں، زہیر بن ابی سُلمیٰ کا شعر ہے

[illegible]

س۔ [illegible] کے [illegible] معنی ہیں [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ [illegible] جانتے ہیں؟

ج۔ [illegible] قیس کا شعر نہیں سنا ہے

[illegible]

س۔ [illegible] کے معنی [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ کیا آپ [illegible] جانتے ہیں؟

ج۔ [illegible]

[illegible]

س۔ [illegible] کے [illegible] معنی ہیں [illegible]

[illegible]

ج:- [illegible]

س:- کیا اہلِ عرب اس معنی سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں، تم نے [illegible] بن ابی الصلت کا شعر نہیں سنا؟

[illegible]

س:- قول تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ [illegible]

ج:- وصیت میں [illegible] اور [illegible] ترجیح دینا۔

س:- اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، عدی بن زید کا شعر ہے

[illegible]

س:- قول تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ [illegible]

ج:- [illegible]

س:- کیا اہلِ عرب اس معنی سے آگاہ ہیں؟

ج:- بیشک، کیا تم نے نابغہ ذبیانی کا قول نہیں سنا؟

[illegible]

س:- قول تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ [illegible]

ج:- زبان سے طعن کرنا۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، کیا تم نے اعشیٰ کا شعر نہیں سنا؟

[illegible]

س:- قول تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ النجم، آیت [illegible])

ج:- یہ کہ خود [illegible]

[illegible]

س: کیا [illegible] اس [illegible] ہے؟

ج: ہاں [illegible] شعر [illegible]

[illegible] — [illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے معنی کیا ہیں؟ (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج: [illegible]

س: کیا [illegible] اس [illegible] ہے؟

ج: [illegible] کا یہ شعر [illegible]

[illegible] — [illegible]

(یعنی [illegible] کی قسم [illegible] کہ اس کے [illegible] کوئی [illegible] اور تیری [illegible] [illegible] نہیں)۔

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے [illegible] (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج: یعنی زندگی [illegible] اس [illegible]

س: کیا [illegible] ہے؟

ج: دیکھو [illegible] کا شعر [illegible]

[illegible] — [illegible]

(یعنی دونوں آدمی [illegible] کیا [illegible] [illegible])

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کیا معنی ہیں؟ (سورۃ النجم آیت [illegible])

ج: [illegible]

س: کیا [illegible] ہے؟

ج: ہاں [illegible] کا قول ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

(اس مقام پر ایک صاحبِ طاقت بڑا دور و شاہ اور زیرک (ہوشیار) ہے)۔

س:- قولہ تعالیٰ "المعصرات" کے معنی بتایئے (سورۃ النبا: آیت ۱۴)

ج:- ابر کے ٹکڑے جن میں سے ایک دوسرے کو دباکر نچوڑتا ہے اور دباؤ میں آنے والے پارۂ ابر سے پانی برسنے لگتا ہے بدلیاں۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کو جانتے ہیں؟

ج:- ہاں، نابغہ کا شعر ہے ؎

تَجُرُّ بِهَا الْأَرْوَاحُ مِنْ بَيْنِ شَمْأَلٍ — وَبَيْنَ صَبَاهَا الْمُعْصِرَاتِ الدَّوَامِنِ

(ہوائیں ان کو (ابر کو) کشاں کشاں جانب شمال سے لے چلتی ہیں اور ان کی پوربی ہوا کے بیچ سیاہ رنگ کی نچڑنے والی بدلیاں ہوتی ہیں)۔

س:- قولہ تعالیٰ "سَنَشُدُّ عَضُدَكَ" کے معنی کیا ہیں؟ (سورۃ القصص: آیت ۳۵)

ج:- "عضد" کے معنی ہیں مدد دینے والا اور یار۔ چنانچہ نابغہ کا شعر ہے ؎[1]

فِي ذِمَّةٍ مِنْ أَبِي قَابُوسَ مُنْقِذَةٍ — لِلْخَائِفِينَ وَمَنْ لَيْسَتْ لَهُ عَضُدُ

(وہ شخص ابو قابوس کے سایۂ امن میں ہے ایسا سایۂ امن جو ڈرے ہوئے لوگوں کو نجات دلانے والا اور ایسے لوگوں کا مددگار جن کا کوئی دست و بازو نہیں ہوتا)۔

س:- قولہ تعالیٰ "مِنَ الْغَابِرِينَ" کے معانی کیا ہیں؟ (سورۃ الشعراء: آیت ۱۷۱)

ج:- باقی رہنے والے لوگوں میں۔

س:- کیا اہلِ عرب اس کے اس مفہوم سے واقف ہیں؟

ج:- ہاں، عبید بن الابرص کہتا ہے ؎

ذَهَبُوا وَخَلَّفَنِي الْمُخَلِّفُ فِيهِمْ — فَكَأَنَّنِي فِي الْغَابِرِينَ غَرِيبُ

(وہ سب لوگ چلے گئے اور ان کے پیچھے میں باقی رہ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں باقی رہنے والے لوگوں میں غریب (اجنبی) ہوں)۔

س:- قولہ تعالیٰ "فَلَا تَأْسَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ المائدہ: آیت ۲۶)۔

ج:- رنج و غم نہ کرو۔

امرؤ القیس کا شعر ہے ؎

---

[1] یہ شعر نابغہ کے دیوان میں نہیں ہے۔ (مصحح)۔

وُقُوفًا بِهَا صَحْبِي عَلَيَّ مَطِيَّهُمْ يَقُولُونَ لَا تَهْلِكْ أَسًى وَتَجَمَّلِ

(اس مقام پر میرے ساتھی میرے قریب اپنی سواریاں کھڑی کر کے کہتے ہیں کہ تو رنج سے جان نہ دے اور صبر و تحمل سے کام لے)۔

س:- قولہ تعالےٰ "يَصْدِفُونَ" سے کیا مُراد ہے؟ (سورۃ الانعام: آیت ۴۶)

ج:- یہ کہ حق کی جانب سے رُوگردانی کرتے ہیں۔ کیا تم نے ابوسفیان کا یہ شعر نہیں سُنا ؎

عَجِبْتُ لِحِلْمِ اللّٰهِ عَنَّا وَقَدْ بَدَا لَهُ صَدْفُنَا عَنْ كُلِّ حَقٍّ مُنَزَّلِ

(مجھ کو اپنے بارے میں خدا کی درگزر پر تعجب آتا ہے، حالانکہ اس پر ہمارا ہر ایک نازل کئے گئے امرِ حق سے رُوگردانی کرنا ظاہر ہو گیا)۔

س:- قولہ تعالےٰ "أَنْ تُبْسَلَ" سے کیا مُراد ہے (سورۃ الانعام: آیت ۷۰)

ج:- یہ کہ قید کیا جائے (گرفتار ہو)

زُہیر کہتا ہے ؎

وَفَارَقَتْكَ بِرَهْنٍ لَا فِكَاكَ لَهُ[1] يَوْمَ الْوَدَاعِ فَقَلْبِي مُبْسَلٌ غَلِقَا

س:- قولہ تعالےٰ "فَلَمَّا أَفَلَتْ" سے کیا مُراد ہے؟ (سورۃ الانعام: آیت ۷۸)

ج:- جب کہ آسمان کے وسط سے آفتاب کا زوال ہوا۔

کیا تم نے کعب بن مالک کا یہ شعر نہیں سُنا ہے ؎

فَتَغَيَّرَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ لِفَقْدِهِ وَالشَّمْسُ قَدْ كَسَفَتْ وَكَادَتْ تَأْفُلُ

س:- قولہ تعالےٰ "كَالصَّرِيمِ" سے کیا مُراد ہے؟ (سورۃ القلم: آیت ۲۰)۔

ج:- جو کاٹا ہوا، ختم ہونے والا۔

شاعر کہتا ہے ؎

غَدَوْتُ عَلَيْهِ غُدْوَةً فَتَرَكْتُهُ قُعُودًا لَدَيْهِ بِالصَّرِيمِ عَوَاذِلُهُ

س:- قولہ تعالےٰ "تَفْتَؤُا" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ یوسف: آیت ۸۵)

ج: لَا تَزَالُ (تو ہمیشہ یوں ہی کرتا رہے گا)۔

شاعر کا شعر ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا تَفْتَؤُ تَذْكُرُ خَالِدًا وَقَدْ غَالَهُ مَا غَالَ مِنْ قَبْلُ تُبَّعًا

---

[1] لیکن دیوانِ زہیر میں "فَأَمْسَى الرَّهْنُ قَدْ غَلِقَا" ہے۔ (مصحح)

س:- قولہ تعالیٰ "بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ ہود: آیت ۹۹)

ج:- لعنت کے بعد لعنت بہت بری ہوتی ہے۔ دیکھو شاعر[۱] کہتا ہے ؎

لَا تَقْذِفَنِّي بِرُكْنٍ لَا كِفَاءَ لَهُ ۔۔ وَإِنْ تَأَثَّفَكَ الْأَعْدَاءُ بِالرِّفَدِ

س:- قولہ تعالیٰ "غَيْرَ تَتْبِيبٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ ہود: آیت ۱۰۱)

ج:- بجز خسارہ اور نقصان کے۔

بشر بن ابی خازم[۲] کہتا ہے ؎

هُمْ جَدَعُوا الْأُنُوفَ فَأَوْعَبُوهَا ۔۔ وَهُمْ تَرَكُوا بَنِي سَعْدٍ تَبَابَا[۳]

س:- قولہ تعالیٰ "فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ" میں "قِطْعٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ ہود: آیت ۸۱)

ج:- رات کا پچھلا حصہ فجر کے قریب۔

مالک بن کنانہ کا قول ہے ؎

وَنَائِحَةٍ تَقُومُ بِقِطْعِ لَيْلٍ ۔۔ عَلَى رَجُلٍ أَصَابَتْهُ شَعُوبُ[۴]

س:- قولہ تعالیٰ "هَيْتَ لَكَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ یوسف: آیت ۲۳)

ج:- تیرے لئے آمادہ ہوں (تَهَيَّأْتُ لَكَ)

اُحَیحہ بن الجلاح کا قول ہے ؎

بِهِ أَحْمِي الْمُضَافَ إِذَا دَعَانِي ۔۔ إِذَا مَا قِيلَ لِلْأَبْطَالِ هَيْتَا

س:- قولہ تعالیٰ "يَوْمٌ عَصِيبٌ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ ہود: آیت ۷۷)۔

ج:- روزِ سخت۔ شاعر کہتا ہے ؎

هُمْ ضَرَبُوا قَوَانِسَ خَيْلِ حُجْرٍ ۔۔ بِجَنْبِ الرِّدَّةِ فِي يَوْمٍ عَصِيبِ

قولہ تعالیٰ "مُؤْصَدَةٌ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ البلد: آیت ۲۰)۔

۱؎ یہ شعر النابغہ نے نعمان کو مخاطب کرکے کہا ہے۔ (ع ح)۔

۲؎ بعض نسخوں میں خازم ہے اور بعض میں حازم۔ (ع ح)۔

۳؎ بعض نسخوں میں یہ بیت نقل کیا ہے۔ (ع ح)۔

۴؎ شَعُوبُ بمعنی دَاهِيَةٌ (مصیبت، مرگ)۔ صاحب الجمہرہ نے آخری مصرع یوں نقل کیا ہے: "عَلَى رَجُلٍ بِقَارِعَةِ الصَّعِيدِ" (ع ح)۔

ج:۔ بند کئے ہوئے دروازے۔ دیکھو شاعر کہتا ہے ؎

تَحِنُّ إِلَى أَجْبَالِ مَكَّةَ نَاقَتِي   وَمِنْ دُونِهَا أَبْوَابُ صَنْعَاءَ مُؤْصَدَهْ

(میری اونٹنی مکہ کے پہاڑوں کی طرف شوق سے بڑھتی ہے اور صنعاء کے دروازے اس کے آگے بند ہیں)۔

س:۔ قولہ تعالیٰ "لَا يَسْأَمُونَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ حم السجدہ: آیت [illegible])

ج:۔ وہ اکتاتے اور تھکتے نہیں۔ دیکھو شاعر کہتا ہے ؎

مِنَ الْخَوْفِ لَا ذُو سَأْمَةٍ مِنْ عِبَادَةٍ   وَلَا هُوَ مِنْ طُولِ التَّعَبُّدِ يَجْهَدُ

س:۔ قولہ تعالیٰ "طَيْرًا أَبَابِيلَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ فیل: آیت [illegible])

ج:۔ جالے ڈالنے والی اور پتھر کے ٹکڑوں کو اپنی چونچوں اور پنجوں میں دبا کر لانے والی چڑیاں پھر وہ ان کے سروں پر جمع ہو کر چھاتی تھیں۔ کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے ؎

[illegible]

س:۔ قولہ تعالیٰ "ثَقِفْتُمُوهُمْ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ البقرہ: آیت [illegible])

ج:۔ تم ان کو پاؤ۔ حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے ؎

فَإِمَّا يَثْقَفَنَّ بَنِي لُؤَيٍّ   جُذَيْمَةَ إِنَّ قَتْلَهُمُ دَوَاءُ

(پھر جس جگہ بنی لؤی جذیمہ والوں کو پائیں تو قتل ہی ان کی دوا ہے)

س:۔ قولہ تعالیٰ "فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ العادیات: آیت [illegible])

ج:۔ وہ گرد جو گھوڑوں کے سموں سے اڑتی ہے۔ کیا تم نے حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر نہیں سنا ہے ؎

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَمْ تَرَوْهَا   تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

س:۔ قولہ تعالیٰ "فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ الصافات: آیت [illegible])

ج:۔ وسطہ (دوزخ کا درمیانی حصہ) شاعر کہتا ہے ؎

رَمَاهَا بِسَهْمٍ فَاسْتَوَى فِي سَوَائِهَا   وَكَانَ قَبُولًا لِلْهَوَى ذِي الطَّوَارِقِ

؎ بعض نے "دَمًا" کی بجائے "شِفَاءٌ" لکھا ہے (مترجم)

؎ ایک نسخہ میں [illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج: وہ بیر کا درخت ہے جس کا [illegible] نہیں ہوتا، چنانچہ [illegible] کہتا ہے

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ الشعراء، آیت [illegible])

ج: ایک دوسرے میں [illegible] ہوتا۔

امرؤ القیس کہتا ہے

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ توبہ، آیت [illegible])

ج: اِلّ بمعنی قرابت (رشتہ داری) اور ذمّہ بمعنی عہد (قول و قرار) ہے۔ [illegible]

کہتا ہے

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ "خامدین" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ الانبیاء، آیت [illegible])

ج: مردہ [illegible] کہتا ہے

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الکہف، آیت [illegible])

ج: [illegible] کعب بن مالک [illegible]

[illegible]　　[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ الملک، آیت [illegible])

۱؎ یہ شعر [illegible] کے دیوان میں نہیں ہے [illegible]۔

۲؎ [illegible] کا شعر ہے [illegible]۔

۳؎ [illegible]۔

[illegible]

ج: [illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible] (عربی و حبشی) [illegible] شاعر کا شعر ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible] کے قریب [illegible] شاعر کہتا ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible]

[illegible] شاعر کہتا ہے

[illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ حوبًا کبیرًا [illegible]

ج: اہلِ حبش کی زبان میں بمعنی گناہ آتا ہے

س: کیا اہلِ عرب اس سے واقف ہیں؟

ج: ہاں، [illegible] شاعر کہتا ہے

[illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النساء، آیت [illegible])۔

ج: گناہ۔ شاعر کہتا ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النساء، آیت [illegible])

ج: وہ دھاگا [illegible] جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے۔

[illegible] کا شعر ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے (سورۃ فاطر، آیت [illegible])۔

ج: وہ سفید پوست (جھلی کی طرح کا) جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتا ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ النساء، آیت [illegible])۔

ج: [illegible] (ان کو [illegible] گرفتار کر لیا ہے)۔

امیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت [illegible])

ج: [illegible] (ہم نے ان کو [illegible] کر دیا [illegible])۔

[illegible] کا شعر ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

س:۔ قولہ تعالیٰ " اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النساء: آیت ۱۰۱)

ج:۔ یہ کہ تم کو تکلیف دے کر اور دقت میں ڈال کر گمراہ کریں۔ یہ ہوازن کی زبان میں آتا ہے ایک شاعر کہتا ہے ؎

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْ عِبَادِ اللهِ مُضْطَهَدٌ ... بِبَطْنِ مَكَّةَ مَقْهُوْرٌ وَّمَفْتُوْنٌ

س:۔ قولہ تعالیٰ " كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الاعراف: آیت ۹۲)

ج:۔ گویا کہ وہ رہے ہی نہیں (انھوں نے سکونت ہی نہیں کی) دیکھو لبید کہتا ہے ؎

وَغَنِيْتُ سَبْتًا قَبْلَ مَجْرٰى دَاحِسٍ ... لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوْجِ خُلُوْدٌ

س:۔ قولہ تعالیٰ " عَذَابَ الْهُوْنِ " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الانعام: آیت ۹۳)

ج:۔ سختی اور ذلت کی تکلیف۔ کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ؎

اِنَّا وَجَدْنَا بِلَادَ اللهِ وَاسِعَةً ... تُنْجِيْ مِنَ الذُّلِّ وَالْمَخْزَاةِ وَالْهُوْنِ

س:۔ قولہ تعالیٰ " وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النساء: آیت ۱۲۴)

ج:۔ نقیر اسے کہتے ہیں جو چیز کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتی ہے اور اسی سے درخت اگتا ہے کسی شاعر کا شعر ہے ؎

وَلَيْسَ النَّاسُ بَعْدَكَ فِيْ نَقِيْرٍ ... وَلَيْسُوْا غَيْرَ اَصْدَاءٍ وَّهَامٍ

س:۔ قولہ تعالیٰ " لَا فَارِضٌ " کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ البقرہ: آیت ۶۸)

ج:۔ بڑھاپا۔ ایک شاعر (۱) کہتا ہے ؎

لَعَمْرِيْ لَقَدْ اَعْطَيْتَ ضَيْفَكَ فَارِضًا ... تُسَاقُ اِلَيْهِ مَا تَقُوْمُ عَلٰى رِجْلٍ

س:۔ قولہ تعالیٰ " اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۷)

ج:۔ دن کی سفیدی کا رات کی تاریکی سے جدا ہونا اور وہ صبح کا وقت ہے (یعنی پو پھٹنے کا)۔ اُمیہ کہتا ہے ؎

اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ ضَوْءُ الصُّبْحِ مُنْفَلِقٌ ... وَالْخَيْطُ الْاَسْوَدُ لَوْنُ اللَّيْلِ مَكْمُوْمُ

س:۔ قولہ تعالیٰ " وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ " سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۰۲)

ج:۔ انھوں نے دنیا کی قلیل سی شے کی قیمت میں اپنی آخرت کا حصہ بیچ ڈالا۔ کیا تم نے شاعر کا یہ [illegible]

(۱) یہ شاعر [illegible] بن [illegible] ہے۔ (مترجم)

قول نہیں سنا ہے:

[illegible]

س:- قول تعالیٰ "حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ کہف: آیت ۴۰)۔

ج:- یعنی خدا تعالیٰ آسمان سے آگ اتارے گا۔

حسان کا شعر ہے ؎

بقية معشر صبت عليهم ... شآبيب من الحسبان شهب [۲]

س:- قول تعالیٰ "وَعَنَتِ الْوُجُوهُ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۱۱)

ج:- خاضع ہوئے اور فروتنی دکھائی۔ شاعر کہتا ہے ؎

ليبك عليك كل عان بكربة ... وآل قصي من مقل وذي وفر

س:- قول تعالیٰ "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۲۴)

ج:- سخت تنگ روزی۔ شاعر کہتا ہے ؎

والخيل قد لحقت بها في مأزق ... ضنك نواحيه شديد المقدم

س:- قول تعالیٰ "مِن كُلِّ فَجٍّ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ حج: آیت ۲۷)

ج:- فج بمعنی راستہ۔ شاعر کہتا ہے ؎

[illegible] [۳]

س:- قول تعالیٰ "ذَاتِ الْحُبُكِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ ذاریات: آیت ۷)

ج:- بہت سے راستوں والا اور اچھی بناوٹ کا۔

کیا تم نے زہیر بن ابی سلمیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے ؎

هم يضربون حبيك البيض إذ لحقوا ... لا ينكصون إذا ما استلحموا وحموا [۴]

س:- قول تعالیٰ "حَرَضًا" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ یوسف: آیت ۸۵)

ج:- بیمار ہو کر درد کی سختی سے ہلاک ہو رہا ہو۔

۱؎ اس کا نام "مسیب بن علس" ہے۔ (مترجم)

۲؎ یہ شعر حسان بن ثابت کے دیوان میں موجود نہیں ہے۔ (مترجم)

۳؎ بعض [illegible] (مترجم)

۴؎ طبری اور ابو حیان نے [illegible] نقل کیا ہے [illegible] (مترجم)

شاعر کا مصرعہ

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ المؤمنون، آیت [illegible])

ج: یہ [illegible] شاعر [illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ النحل، آیت [illegible])

ج: یہ [illegible] ایک شاعر کا [illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ النحل، آیت [illegible])

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible]

ج: [illegible]

شاعر کا مصرعہ

[illegible]

س: قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

ج: [illegible]

[illegible]

[illegible]

خِزْیُ الْحَیَاۃِ وَخِزْیُ الْمَمَاتِ وَکُلًّا اَرَاہُ طَعَامًا وَبِیْلًا

س:۔ قولہ تعالےٰ "فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ قٓ: آیت ۳۶)

ج:۔ یمن (والوں) کی زبان میں اس کے معنی یہ ہیں کہ "بھاگ گئے" دیکھو عدی بن زید کہتا ہے ؎

نَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ مِنْ حَذَرِ الْمَوْ تِ وَجَالُوْا فِی الْاَرْضِ کُلَّ مَجَالِ

س:۔ قولہ تعالےٰ "اِلَّا هَمْسًا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۰۸)۔

ج:۔ آہستہ چلنا (پیر رکھنا) یا آہستہ کلام، شاعر کہتا ہے ؎

فَبَاتُوْا یُدْلِجُوْنَ وَبَاتَ یَسْرِیْ بَصِیْرٌ بِالدُّجٰی هَادٍ غَمُوْسُ

س:۔ قولہ تعالےٰ "مُقْمَحُوْنَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ یٰسٓ: آیت ۸)۔

ج: مُقْمَح وہ شخص جو غرور کی وجہ سے گردن کو بلند [illegible] اور ذلت [illegible] سر [illegible] شاعر کہتا ہے ؎

وَنَحْنُ عَلٰی جَوَانِبِهَا قُعُوْدٌ نَغُضُّ الطَّرْفَ کَالْاِبِلِ الْقِمَاحِ

س: قولہ تعالےٰ "فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ قٓ: آیت ۵)

ج:۔ بالکل [illegible] امر، شاعر کہتا ہے ؎

فَرَاغَتْ فَالْتَمَسْتُ بِهٖ حَشَاهَا فَخَرَّ کَاَنَّهٗ خُوْطٌ مَرِیْجُ

س:۔ قولہ تعالےٰ "حَتْمًا مَّقْضِیًّا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ مریم: آیت ۷۱)۔

ج:۔ حتم بمعنی واجب کے آیا ہے۔ اُمیّہ کا شعر ہے ؎

عِبَادُکَ یُخْطِئُوْنَ وَاَنْتَ رَبٌّ بِکَفَّیْکَ الْمَنَایَا وَالْحُتُوْمُ

س:۔ قولہ تعالےٰ "وَاَکْوَابٍ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ زخرف: آیت ۷۱)

ج:۔ وہ کوزے جن میں دستے نہیں لگے ہوتے (پیالے)۔

ہذلی کا شعر ہے ؎

لہ ابن قتیبہ نے "عیون الاخبار" میں اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح نقل کیا ہے: ؎

[illegible]

لہ اس کا نام عمرو بن [illegible] [illegible] [illegible]

اُس کا نام زہیر بن حرام تھا اور بنی سہم بن معاویہ میں سے تھا۔ [illegible]

سلہ بعض نے بجائے "فَالْتَمَسْتُ" [illegible] نقل کیا ہے [illegible]

[illegible] حَتّٰى مَلَّا [illegible] فَاسْتَدَرَّا

س: قولہ تعالیٰ "وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الصافات: آیت ۴۷)

ج: نشہ میں نہ آئیں گے۔ عبداللہ بن رواحہ کا شعر ہے ؎

ثُمَّ لَا يُنْزَفُونَ عَنْهَا وَلٰكِنْ — يَذْهَبُ الْهَمُّ عَنْهُمْ وَالْغَلِيلُ

س: قولہ تعالیٰ "كَانَ غَرَامًا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الفرقان: آیت ۶۵)

ج: [illegible] چیز سے چپکے رہنا ہے۔ دیکھو بشر بن ابی حازم کا شعر ہے ؎

[illegible] — [illegible] وَكَانَ غَرَامًا

س: قولہ تعالیٰ "[illegible] التَّرَائِبِ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الطارق: آیت ۷)

ج: [illegible] گردن سے سینہ تک کا حصۂ جسم۔ شاعر کہتا ہے ؎

[illegible] تَرَائِبُهَا — [illegible]

س: قولہ تعالیٰ "قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النجم: آیت ۲۲)

ج: [illegible] کی لغت میں [illegible] کا ایک حصہ ہے۔

شاعر کہتا ہے ؎

[illegible] — [illegible]

س: قولہ تعالیٰ "[illegible]" (سورۃ الانبیاء: آیت ۶۵)

ج: [illegible]

[illegible] کا شعر ہے ؎

[illegible] — [illegible]

س: قولہ تعالیٰ "[illegible]" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ البقرۃ: آیت [illegible])

---

[1] [illegible] (ص)

[2] [illegible] (ص)

[3] [illegible] عرب کے [illegible] مشہور شعرا میں [illegible] (ص)

ج:- وہ جھگڑالو شخص جو باطل امر میں الجھتا ہو۔ [illegible] کرتا ہے

إِنَّ تَحْتَ الْأَحْجَارِ حَزْمًا وَجُودًا ‌ ‌ ‌ ‌ وَخَصِيمًا أَلَدَّ ذَا مِغْلَاقِ

س:- قول تعالیٰ "بِعِجْلٍ حَنِيذٍ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ ہود: آیت ۶۹)

ج:- وہ بھنا ہوا گوشت جو گرم پتھروں پر بھونا جاتا ہے۔

کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا

لَهُمْ رَاحٌ وَفَارُ الْمِسْكِ فِيهَا ‌ ‌ ‌ ‌ وَشَاوِيهِمْ إِذَا شَاؤُوا حَنِيذَا

س:- قول تعالیٰ "مِنَ الْأَجْدَاثِ" کے معنی کیا ہیں؟ (سورۃ یٰس: آیت ۵۱)

ج:- قبروں سے۔ عبد اللہ بن رواحہ کا شعر ہے

حِينًا يَقُولُونَ إِذْ مَرُّوا عَلَى جَدَثِي ‌ ‌ ‌ ‌ أَرْشَدَهُ اللَّهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

س:- قول تعالیٰ "[illegible]" کے معنی بتائیے (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج:- گھبرا جانے اور پریشان ہوجانے والا۔

بشر بن ابی خازم کا شعر ہے

[illegible] ‌ ‌ ‌ ‌ [illegible]

س:- قول تعالیٰ "وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ ص: آیت ۳)

ج:- بھاگنے کا وقت نہیں رہا۔

اعشیٰ کا شعر ہے

تَذَكَّرْتُ لَيْلَى لَاتَ حِينَ تَذَكُّرٍ ‌ ‌ ‌ ‌ [illegible]

س:- قول تعالیٰ "وَزَرَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ [illegible])

ج:- [illegible]

شاعر کہتا ہے

[illegible] ‌ ‌ ‌ ‌ [illegible]

س:- قول تعالیٰ "رِكْزًا" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۃ مریم: آیت ۹۸)

۱؎ بعض نے بجائے "ذات" کے "شدق" [illegible] بھی نقل کیا ہے (مصحح)۔

۲؎ بعض نے مثلاً ابن ہشام وغیرہ نے اس شعر کو یوں نقل کیا ہے [illegible] (مصحح)

۳؎ بعض نے [illegible] نقل کیا ہے اور بعض نے [illegible] (مصحح)۔

[illegible]

ج :- یعنی نَفَرَتْ (بھاگے، بدکے، نفرت کیا)۔

عمرو بن کلثوم کا شعر ہے ؎

إِذَا عَضَّ الثِّقَافُ بِهَا اشْمَأَزَّتْ ... وَوَلَّتْهُمْ عَشَوْزَنَةً زَبُونَا[1]

س :- قولہ تعالیٰ "جُدَدٌ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ فاطر: آیت ۲۷)۔

ج :- طریقے، راستے۔ کیا تم نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے ؎

فَتَنَاذَرَ النِّسْعُ فِي صَفَحَاتِهَا جُدَدٌ ... كَأَنَّهَا طُرُقٌ لَاحَتْ عَلَى أَكَمِ

س :- قولہ تعالیٰ "أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ النجم: آیت ۴۸)۔

ج :- تنگدستی سے غنی بنایا اور مال داری سے بھرپور کر دیا (یعنی ضرورت کے لائق کا فی رزق دیا اور خوش حالی عطا کی)۔

عنترۃ العبسی کا شعر ہے ؎

فَأَقْنِي حَيَاءَكِ لَا أَبَا لَكِ وَاعْلَمِي ... أَنِّي امْرُؤٌ سَأَمُوتُ إِنْ لَمْ أُقْتَلِ

س :- قولہ تعالیٰ "لَا يَلِتْكُمْ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الحجرات: آیت ۱۴)۔

ج :- تمہارے ثواب و اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا یہ بنی عبس کی بول چال ہے۔

حُطیئۃ العبسی کہتا ہے ؎

أَبْلِغْ سَرَاةَ بَنِي سَعْدٍ مُغَلْغَلَةً ... جَهْدَ الرِّسَالَةِ لَا أَلْتًا وَلَا كَذِبَا

س :- قولہ تعالیٰ "وَأَبًّا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ عبس: آیت ۳۱)۔

ج :- "أبّ" وہ شے جو چوپایوں اور مویشیوں کے چارہ میں استعمال کی جاتی ہے (چارہ)۔

شاعر کہتا ہے ؎

تَرَى بِهِ الْأَبَّ وَالْيَقْطِينَ مُخْتَلِطًا ... عَلَى الشَّرِيعَةِ يَجْرِي تَحْتَهَا الْغَرَبُ

س :- قولہ تعالیٰ "لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۳۵)۔

ج :- "سِرّ" بمعنی جماع اور صحبت کرنے کے آیا ہے۔ دیکھو امرؤ القیس کا شعر ہے ؎

أَلَا زَعَمَتْ بَسْبَاسَةُ الْيَوْمَ أَنَّنِي ... كَبِرْتُ وَأَنْ لَا يُحْسِنُ السِّرَّ أَمْثَالِي[2]

(کیا بسباسہ نے یہ نہیں کہا کہ آج یہ شخص (یعنی میں) سن رسیدہ ہو گیا ہے اور یہ کہ اس کے

[1] بعض نے اس شعر میں "الثقات" کی جگہ "الثقاف" اور "وولتہم" کی جگہ "ولّتہ" نقل کیا ہے۔

[2] بعض نے ... نقل کیا ہے۔ (مصحح)۔

جیسے لوگ اچھی طرح کام سرانجام نہیں کر سکتے)۔

س۔ قولہ تعالیٰ دَسّٰہَا سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ شمس: آیت ۱۰)

ج:۔ دسّاہا یہ کہ تو اس میں اپنے بزرگوں کو چھپاتا ہو۔

اعشیٰ کا شعر ہے ؎

وَتَمسی ... [illegible] ... حلائلہ منہ ... [illegible]

س:۔ قولہ تعالیٰ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ نوح: آیت ۱۳)

ج:۔ خدا کی عظمت سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

ابو ذؤیب کہتا ہے ؎

اِذَا لَسَعَتْہُ النَّحْلُ لَمْ یَرْجُ لَسْعَہَا ... وَحَالَفَہَا فِیْ بَیْتِ نُوْبٍ عَوَامِلِ

س:۔ قولہ تعالیٰ ذَا مَتْرَبَۃٍ سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ بلد: آیت ۱۶)۔

ج:۔ صاحبِ حاجت، محتاج، مسکین اور مٹی سے چمٹا ہوا شخص، شاعر کا قول ہے ؎

تربت ... [illegible] ... وفرصت ... للسماء ... [illegible]

س:۔ قولہ تعالیٰ مُہْطِعِیْنَ سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ ابراہیم: آیت ۴۳)

ج:۔ نظر کو برابر ... [illegible]

تبع کا شعر ہے ؎

تَعَبَّدَنِیْ نِمْرُ بْنُ سَعْدٍ وَقَدْ اَرٰی ... وَنِمْرُ بْنُ سَعْدٍ لِیْ مُطِیْعٌ وَمُہْطِعٌ

س:۔ قولہ تعالیٰ ہَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ مریم: آیت ۶۵)۔

ج:۔ مثل یا نظیر۔ شاعر کہتا ہے ؎

اَمَّا السَّمِیُّ فَاَنْتَ مِنْہُ مُکْثِرٌ ... وَالْمَالُ فِیْہِ تَغْتَدِیْ وَتَرُوْحُ

س:۔ قولہ تعالیٰ اَلْبَائِسَ سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ حج: آیت ۲۸)۔

ج:۔ بائس وہ ہے جو تنگ حال ہو۔ شاعر کا قول ہے ؎

... [illegible] ... فِیْ سَنَوَاتٍ ... [illegible]

لے بعض نے ... [illegible] ... نقل کیا ہے ... [illegible] (مترجم)

لے بعض نے ... [illegible] ... نقل کیا ہے (مترجم)۔

لے بعض نے ... [illegible] ... (مترجم)۔

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ [illegible])

ج۔ ضرور بوجھ سے دبانے۔ امرؤالقیس کا شعر ہے۔

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ "کُلَّ بَنَانٍ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ الانفال، آیت [illegible])

ج۔ انگلیوں کے سرے۔ کیا تم نے عنترہ کا یہ شعر نہیں سنا ہے۔

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج۔ بلند (دائمی) [illegible]

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible] (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج۔ کشادگی، فراخی [illegible]

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible] سے کیا مراد ہے؟ (سورۃ [illegible] آیت [illegible])

ج۔ سخت اور مضبوط ٹھوس۔ کیا تم نے [illegible] کا یہ شعر نہیں سنا

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible]

ج۔ کم نہ کیا [illegible]
[illegible] کا شعر ہے۔

[illegible]

س۔ قولہ تعالیٰ [illegible]

ج۔ پہاڑوں کی چوٹیوں [illegible]

۱؎ شعر امرؤالقیس کے [illegible]
اور اس طرح [illegible]

[illegible]

۲؎ [illegible]

ج:- چکنا پتھر۔ کیا تم نے اوس بن حجر کا یہ شعر نہیں سنا ہے؟

عَلٰى ظَهْرِ صَفْوَانٍ كَأَنَّ مُتُوْنَهٗ … عُلِلْنَ بِدُهْنٍ يُزْلِقُ الْمُتَنَزِّلَا

س:- قولہ تعالیٰ "فِيْهَا صِرٌّ" کے معنی بتاؤ؟ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۱۷)

ج:- صِرّ: یعنی سردی (ٹھنڈ)۔ دیکھو نابغہ ذبیانی کہتا ہے۔

لَا يُبْرِمُوْنَ إِذَا مَا الْأُفْقُ جَلَّلَهٗ … صِرُّ الشِّتَاءِ مِنَ الْأَمْحَالِ كَالْأَدَمِ

س:- قولہ تعالیٰ "تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ" کے کیا معنی ہیں؟ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۲۱)

ج:- مومنوں کو ٹھہرنے کی جگہ دیتا اور ان کو متعین کرتا تھا۔ دیکھو اعشیٰ کا شعر ہے۔

وَمَا بَوَّأَ الرَّحْمٰنُ بَيْتَكَ مَنْزِلًا … بِأَجْيَادِ غَرْبِيِّ الصَّفَا وَالْمُحَرَّمِ

س:- قولہ تعالیٰ "رِبِّيُّوْنَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۶)

ج:- بہت سی جماعتیں۔ دیکھو حسان بن ثابت کا شعر ہے۔

وَإِذَا مَعْشَرٌ تَجَافَوْا عَنِ الْقَصْدِ حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ رِبِّيَّا

س:- قولہ تعالیٰ "مَخْمَصَةٍ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ المائدہ: آیت ۳)

ج:- قحط اور تنگ سالی۔ اعشیٰ کا شعر ہے۔

تَبِيْتُوْنَ فِي الْمَشْتٰى مِلَاءً بُطُوْنُكُمْ … وَجَارَاتُكُمْ غَرْثٰى يَبِتْنَ خَمَائِصَا

س:- قولہ تعالیٰ "لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ" سے کیا مراد ہے؟ (سورۂ [illegible] آیت [illegible])

ج:- تاکہ وہ [illegible]۔ دیکھو لبید کا شعر ہے۔

وَإِنِّيْ لَا [illegible] … [illegible]

(یعنی مجھے [illegible] کر لیا، لیکن اس میں شک نہیں کہ مجھے [illegible] سے اپنی حاجت کے بارے میں [illegible])

(اس مقام پر نافع بن الازرق کے سوالات ختم ہو گئے ہیں [illegible] سے کچھ زائد سوالات [illegible])

۱؎ دیوان البحتری [illegible] منقول ہے۔ (مترجم)

۲؎ دیوان [illegible]

۳؎ یہ شعر حسان بن ثابت کے دیوان [illegible] (مترجم)

۴؎ بعض [illegible] نقل کیا ہے۔ (مص)

کو انھوں نے [illegible] ذکر [illegible] سادوں کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[illegible] بن [illegible] نے [illegible] کتاب [illegible] وقت [illegible] ابتداء میں ان سعادت کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔ اور اس کو بیان [illegible] کہ ان سے [illegible] نے روایت کی اور انھوں نے محمد بن علی ابن الحسن بن شقیق سے سنا اور انھوں نے ابو صالح ہدیۃ بن عبد [illegible] سے سنا اور انھوں نے ابو [illegible] بن [illegible] سے سنا اور انھوں نے محمد بن زیاد الیشکری سے اور انھوں نے میمون بن مہران سے سنا کہ [illegible] بن [illegible] مسجد میں داخل ہوا اور پھر انھوں نے مذکورہ سعادت کا ذکر کیا۔

طبرانی نے اپنی کتاب معجم الکبیر میں بھی ان سعادت کا ایک حصہ روایت کیا ہے جو ابن [illegible] روایت [illegible] کے طریق پر [illegible] بن خزاعہ سے ہے وہ کہتے ہیں کہ نافع بن [illegible] [illegible] اور پھر انھوں نے مذکورہ سعادت ذکر کیا۔

سینتیسویں نوع

قرآن میں غیر حجازی زبان کے عربی الفاظ

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] کیا ہے کہ [illegible] الفاظ [illegible]

[illegible] آیا ہو؟

نافع بن الازرق کے گزشتہ سوالات میں بیان ہو چکا ہے کہ ابن عباسؓ نے [illegible] قبائل [illegible] الفاظ کی تشریح اور ان کی نسبت دوسری زبانوں کی طرف [illegible]

(۱) [illegible] قرآن کی بولی [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible] کی بولی [illegible]

[illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] سے روایت کی ہے کہ [illegible] کے معنی [illegible] ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عباسؓ [illegible] کے معنی [illegible] نقل کئے ہیں اور [illegible] کو [illegible]

[illegible] قبائل اور [illegible] کی زبانوں کے [illegible] ان کی [illegible]

کنانہ کی بولی کے الفاظ

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	

[illegible] (سخت جھوٹے لوگ)۔

[illegible] (گناہ)۔

[illegible] (نرمی کی)۔

[illegible] (شکر گزار)۔

ذیل کی بول چال کے الفاظ

[illegible]

[illegible]

[illegible] (زوالِ آفتاب)۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لغت سورۂ [illegible] کے الفاظ

تَقْذِفُ۔ (دور۔ [illegible])۔

[illegible]

[illegible]۔ (جنون)۔

زَيَّلْنَا۔ (ہم نے تمیز دی، فرق بتایا)۔

مَرْجُوًّا۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible] کا برتن)۔

مَسْنُوْن۔ (بدبودار، جس میں سے بدبو آنے لگی ہو)۔

اِمَام۔ (کتاب)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ (کمزوری، [illegible])۔

مَآرِب۔ (حاجتیں)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ (کفر)

[illegible]۔ ([illegible] آواز)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible] واسطے [illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])

[illegible]۔ (شدید)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

لغت سورۂ [illegible] کے الفاظ

[illegible]۔ (مستوجب [illegible])۔

شِقَاق۔ (گمراہی)۔

[illegible]۔ (مال)۔

[illegible]۔ ([illegible])

[illegible]۔ ([illegible])

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ (برباد کیے)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ (شدید)۔

[illegible]۔ ([illegible])

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ (جانب)۔

[illegible]۔ (ابر)۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ ([illegible])۔

[illegible]۔ (دیوار)۔

[illegible] زبان کے الفاظ

[illegible]

[illegible] (نہایت سونا کر دینے والی)

[illegible]

[illegible] زبان کے الفاظ

[illegible]

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible]

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible]

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible]

[illegible] کے الفاظ

[illegible]

[illegible] کی لغت کے الفاظ

يَابِسُوْنَ۔ (درد)۔
دَمَّرْنَا۔ (ہم نے ہلاک کر دیا)۔
أَكْوَابٌ۔ (لگن)۔
مِنْسَأَتَهُ۔ (اُس کی لاٹھی)۔

غسّان کی لغت کے الفاظ

طَفِقَا۔ (اُن دونوں نے ارادہ کیا کرنے کا)
بَئِيْسٍ۔ (شدید)۔
سِيْءَ بِهِمْ۔ (اُن کو بُرا لگا، اُن کو ناپسند کیا)۔

مُزینہ کی لغت کا لفظ

لَا تَغْلُوْا۔ (زیادہ نہ کرو، افراط نہ کرو)

لخم کی لغت کے الفاظ

إِمْلَاقٍ۔ (بھوک)۔
وَلَتَعْلُنَّ۔ (اور ضرور قہر (زبردستی) کرو)۔

جُذام کی لغت کا لفظ

فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّيَارِ۔ (گلی کوچوں کو چھان ڈالا، ہر جگہ پھیل گئے)۔

بنو حنیفہ کی لغت کے الفاظ

اَلْعُقُوْدِ۔ (معاہدے)۔
اَلْجَنَاحَ۔ (بازو)۔
اَلرَّهْبُ۔ (ڈر)۔

یمامہ کی لغت کا لفظ

حَصِرَتْ۔ (تنگ ہوگئی)۔

سبا کی لغت کے الفاظ

تَبِّرُوْا تَتْبِيْرًا۔ (ہم نے بالکل ہلاک کر دیا)۔
تَبَّرْنَا۔ (ہم نے ہلاک کیا)۔

سُلیم کی لغت کا لفظ

نَكَصَ۔ (رجوع کیا)۔

عمارہ کی لغت کا لفظ

يَتَخَافَتُوْنَ۔ (چپکے)۔

طے کی لغت کے الفاظ

يَنْعِقُ۔ (شور کرتا ہے)۔
رَهْوًا۔ (ہموار و سیدھا راستہ)۔
سَفِهَ نَفْسَهُ۔ (اُس نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالا)۔
يَيْأَسِ۔ (جانے، سمجھا)۔

خزاعہ کی لغت کے الفاظ

اَفِيْضُوْا۔ ([illegible])۔
[illegible]۔ (جھوٹ)۔

— — — — — —

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible] (کرا دیتے) ۔

[illegible] ۔

[illegible] (جیسے [illegible] اور کیا) ۔

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible] (ہوا پُوکے) ۔

[illegible]

[illegible] کی لغت کے الفاظ

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] کی لغت کا لفظ

[illegible] (ضرور تیر سے کھود پھینکو گے) ۔

[illegible] (ایک بار) ۔

انشقت ۔ (اس کی طرف سے ہٹ گئی اور عزم کر جا لگی ، پھٹ گئی)

[illegible] کی لغت کا لفظ

[illegible] ۔ (کھجور کا درخت)

خزرج کی لغت کا لفظ

ینفضون ۔ (چلے جاتے ہیں)

مدین کی لغت کا لفظ

[illegible] (یعنی فیصلہ کر دے [illegible]) ۔

[illegible]

[illegible]

اس کے بعد ابو بکر واسطی نے ان زبانوں کی مثالیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض کا
اوپر جو التقام کی دی ہوئی مثالوں میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر ابو بکر نے ان پر جو کچھ اضافہ کیا ہے وہ
حسب ذیل ہے:

اَلرِّجْزُ بمعنی عذاب۔ بنی شطبہ کی بول چال میں ہے۔

خَطَفٌ بَیْنَ شَیْطَانٍ یعنی شیطان کا بچہ کا [illegible] ثقیف کی لغت میں ہے۔

آلْاَحْقَافُ بمعنی ریگزار۔ تغلب کی بول چال میں ہے۔

ابن الجوزی نے کتاب "فنون الافنان" میں بیان کیا ہے کہ قرآن میں [illegible]
الرَّيْحَانُ بمعنی رزق، اَلْمِينَاءُ یعنی سفید اور عَبْقَرِيّ چھوٹے [illegible] کے فرش [illegible]
بنو نضر بن معاویہ کی لغت سے [illegible] کے معنی میں آیا ہے [illegible]
[illegible] کے معنی میں آیا ہے۔ ثقیف کی لغت [illegible]
میں استعمال ہوا ہے۔ [illegible] کی لغت سے [illegible]
ہے۔

ابن عبد البر نے کتاب "التمہید" میں لکھا ہے کہ "جس شخص نے یہ کہا ہے کہ قرآن [illegible]
قریش کی زبان اور بول چال میں ہوا ہے اس کے قول کے معنی یہ ہیں کہ [illegible]
قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] بجز قریش کے
دوسری زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں مثلاً تحقیق ہمزہ وغیرہ [illegible]
قریش کے لوگ ہمزہ کینا نہیں کرتے تھے۔

شیخ جمال الدین [illegible] کا قول ہے کہ [illegible]
[illegible] سب باشندگان عرب کی زبان میں نازل فرمایا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] کی بول چال میں پایا جاتا ہے [illegible]
آیا ہے۔ لیکن حجاز کی بول چال میں حرف [illegible]
[illegible] پایا ہے

مثلاً [illegible]
[illegible]

[illegible] قاریوں [illegible]

[illegible] کہ اہل حجاز کی زبان [illegible] مستثنیٰ منقطع

[illegible] قاریوں کا [illegible] کا نصب [illegible]

[illegible] سے قاری [illegible]

زمخشری نے قولہ تعالیٰ: قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

[illegible] استثناء منقطع ہے اللہ بنی تمیم کی بولی چال کے مطابق آیا ہے

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] لغت سے [illegible] کے [illegible]

[illegible] کی وجہ یہ ہے کہ قریش کا کلام سہل [illegible] اور واضح ہے اور [illegible]

[illegible] اور [illegible] دشواری سے [illegible] غرض کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اڑتیسویں نوع

قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا استعمال

میں نے اس موضوع پر ایک مستقل جداگانہ کتاب لکھی ہے جس کا نام المہذب فیما وقع فی القرآن من المعرب ہے۔ چنانچہ یہاں پر اس کتاب کا خلاصہ [illegible] کچھ زوائد [illegible] کے ساتھ ذیل میں بیان کرتا ہوں:

قرآن میں معرب الفاظ کے وقوع پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ بیشتر ائمہ [illegible] ابن جریر، ابو عبیدہ، قاضی ابوبکر اور ابن فارس بھی ہیں، ان کا مذہب ہے کہ قرآن میں عربی زبان کے سوا کسی زبان کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کی دلیل میں [illegible] قُرْآنًا عَرَبِيًّا اور وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ پیش کرتے ہیں۔

امام شافعی نے اس شخص پر بہت سخت ملامت کی ہے جو قرآن میں غیر زبان کے الفاظ کے استعمال کا قائل ہو۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ قرآن عرب کی واضح زبان میں اترا ہے اس لئے جو شخص یہ کہے کہ اس میں غیر عربی زبان کے الفاظ بھی ہیں وہ بلاشبہ بڑی بات (سخت اور بری بات) کہتا ہے اور جو شخص کہے کہ [illegible] نبطی زبان کا [illegible] وہ سخت بڑی بات منہ سے نکالتا ہے۔

ابن اوس کا قول ہے کہ "اگر قرآن میں عربی زبان کے [illegible] اس سے کسی شک کرنے والے کو یہ ذہن کرنے کا موقع مل جاتا کہ [illegible] کرنے سے اس لئے عاجز رہے کہ قرآن [illegible] معلوم ہی نہ تھی۔"

ابن جریر کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اشخاص سے [illegible]

ابن عباسؓ وغیرہ نے جن الفاظ کی نسبت یہ بیان کیا ہے کہ وہ فارسی، حبشی، نبطی یا کسی اور لغت کی ذخیرۂ زبان کے الفاظ ہیں، تو اس کی توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ ان الفاظ میں اتفاق سے زبانوں کا توارد ہو گیا ہے اس وجہ سے اہلِ عرب، اہلِ فارس اور اہلِ حبش وغیرہ نے ایک ہی لفظ کے ساتھ تکلم کیا۔

کسی دوسرے کا قول ہے کہ یہ نہیں بلکہ وہ الفاظ عرب عاربہ خالص اہلِ عرب کی بول چال میں داخل ہو گئے اور غیر زبانوں کے الفاظ ہیں جن کی زبان میں قرآن شریف کا نزول ہوا ہے لیکن چونکہ اہلِ عرب اپنے سفروں میں غیر قوموں سے ملتے جلتے تھے لہٰذا ان کی زبان کے بعض الفاظ اہلِ عرب کی زبان پر چڑھ جاتے تھے جن میں سے بعض الفاظ چند حروف کی کمی بیشی سے متغیر ہو کر اہلِ عرب کے اشعار اور محاورات میں بھی مستعمل ہو گئے ہیں اور اس طرح وہ مثل فصیح عربی کلمات کے ہو گئے اور ان میں بیان کی صفت بھی پیدا ہو گئی ہے اسی طریقہ کے لحاظ سے قرآن کا نزول ان کلمات کے ساتھ ہوا۔

دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ تمام الفاظ غیر کی آمیزش سے پاک عربی زبان کے الفاظ ہیں مگر بات یہ ہے کہ عربی زبان ایک بہت وسیع زبان ہے اور اس کے متعلق جلیل القدر علماء اور بڑے لوگوں پر اس کے بعض معانی کا پوشیدہ رہنا بعید از قیاس نہیں ہے جیسے ابن عباسؓ پر فاطر اور فاتح کے معنی واضح نہ تھے۔

امام شافعیؒ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ زبان کا احاطہ نبی کے سوا اور کسی شخص سے نہیں ہو سکتا۔

ابو المعالی عزیزی بن عبدالملک کا بیان ہے کہ یہ الفاظ عربی زبان میں پائے جاتے اس لئے ہیں کہ عربی زبان تمام دنیا کی زبانوں سے زیادہ وسیع اور الفاظ کا ذخیرہ رکھنے والی زبان ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اہلِ عرب ان الفاظ کے ساتھ دیگر اقوام سے سبقت لے گئے ہوں۔

بعض دیگر علماء کا مذہب اس بات پر ہے کہ قرآن شریف میں بعض غیر زبانوں کے الفاظ موجود ہیں اور انہوں نے قولہ تعالیٰ قُرْآنًا عَرَبِيًّا کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر قرآن میں عربی الفاظ کے ساتھ غیر زبان کے چند الفاظ آ گئے ہیں تو وہ اس کو عربیت سے خارج نہیں کر سکتے۔ ایک فارسی قصیدہ جس میں دو ایک عربی الفاظ آ گئے ہوں فارسی ہی کہا جائے گا اور اس کے چند لفظوں کی وجہ سے اس کو عربی قصیدہ

انھوں نے منع کیا ہے کہ، اور قول تعالیٰ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہاں سیاق کلام سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ "آیا کلام تو عجمی ہو اور اس کا مخاطب عربی ہو؟"

اور ان لوگوں نے نحویوں کے اس امر پر متفق ہونے سے بھی استدلال کیا ہے کہ ابراہیم وغیرہ الفاظ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ مگر ان کا یہ استدلال اس طرح پر رد ہو جاتا ہے کہ اعلام (خاص ناموں) کے بارے میں اختلاف کا محل نہیں ہو سکتا، اور غیر اعلام میں کلام کی توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ جب کلام کے وقوع میں اتفاق کر لیا گیا تو اجناس کے واقع ہونے سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟

میں نے غیر عربی الفاظ کے قرآن میں واقع ہونے کی سب سے قوی دلیل جو دیکھی وہ ہے جس کو ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ ابو میسرہ جلیل القدر تابعی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا "قرآن میں ہر ایک زبان کے الفاظ ہیں" اور اسی قول کی مثل سعید بن جبیر اور وہب بن منبہ سے بھی روایت کیا ہے۔

پس یہ تمام اقوال اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن میں ان الفاظ کے واقع ہونے کی حکمت اس کا علوم اولین و آخرین پر حاوی اور ہر شے کی خبر دینے والا ہونا ہے۔ لہذا ضروری تھا کہ اس میں قسم قسم کی زبانوں کی طرف بھی اشارہ کیا جائے اور اس طرح پر قرآن کا ہر شے پر محیط ہونا بدرجۂ کمال ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے قرآن میں تمام زبانوں کے شیریں ترین نہایت خفیف اور عرب کے ہاں بکثرت استعمال ہونے والے کلمات مستعمل ہوئے ہیں۔

میں نے ابن النقیب کی تصریح کو بھی اسی مذکورۂ بالا قول کا مؤید پایا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "دیگر آسمانی کتابوں پر قرآن کو ایک یہ خصوصیت حاصل ہے کہ دوسری کتابیں جن قوموں کی زبانوں میں نازل کی گئیں ان کی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان کا اس میں ایک لفظ بھی نہیں آیا، مگر قرآن تمام قبائل عرب کی زبانوں پر حاوی ہونے کے علاوہ غیر زبانوں مثلاً رومی، فارسی اور حبشی وغیرہ زبانوں کے بھی الفاظ پائے جاتے ہیں۔"

نیز یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ...

بِلِسَانِ قَوْمِهٖ[۱] لہٰذا ضروری تھا کہ نبیؐ مبعوث کو جو کتاب دی جائے اُس میں ہر قوم کی زبان کے الفاظ موجود ہوں اور اس میں کوئی حرج نہ تھا کہ ان الفاظ کی اصل خاص اس نبی کی قوم میں بجنسہٖ ایک ہی رہی ہو۔"

علامہ الجوینی نے قرآن میں معرّب الفاظ کے وارد ہونے کا ایک اور فائدہ بھی بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ "اگر کوئی کہے کہ اِسْتَبْرَقٍ[۲] عربی زبان کا لفظ نہیں ہے اور غیر عربی لفظ عربی الفاظ کے مقابلہ میں فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے کم رتبہ ہوتا ہے" تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ اگر تمام دُنیا کے فصحا اور اہلِ زبان متفق ہو کر چاہیں کہ اِس لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا ایسا ہی فصیح و بلیغ لفظ لے آئیں تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کبھی اپنے اِس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو طاعت اور فرماں برداری پر آمادہ کرتے وقت اگر ان کو دل خوش کُن وعدوں سے توقع نہ بندھائے اور سخت ترین عذاب کی دھمکیاں نہ دے تو پھر اللہ تعالےٰ کا یہ جوش پیدا کرنا حکمت کی بنا پر نہ ہوگا۔ لہٰذا فصاحت کا خیال رکھتے ہوئے وعدہ اور وعید کا لانا ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ وہ کونسے وعدے ہیں جن کو عقلمند پسند کرتے ہیں اور ان کی آرزوؤں میں امورِ نہی کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں؟ یہ وعدے ایسی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اچھے مکانات، لطیف غذائیں، خوشگوار مشروبات، اعلیٰ درجہ کی پوشاک اور ریشمی کپڑے اور بہتر حسین اور عصمت مآب بیویں یا اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں جو مختلف طبائع کو پسند ہوتی ہیں۔ اِس لئے کہ اچھے اور خوش فضا مکانوں کا ذکر کرنا اور اُن کے عطا کرنے کا وعدہ فرمانا ایک خوش مذاق انسان کے خیال میں ایک لازمی امر ہے۔ اگر وہ اِس وعدہ کو ترک کر دے تو جس شخص کو عبادت کا حکم دیا جاتا ہے اور اُس کے عوض میں اس سے لطیف غذائیں اور خوش گوار مشروب دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ کہہ سکے گا کہ کھانا پینا کا مزا وہاں مل سکتا ہے جہاں خوشنما عمارت ہو، پُر فضا باغ ہو، اس میں ایک مکان ہو اور وہاں رُوح پرور ہوائیں چل رہی ہوں، ورنہ کسی قیدخانہ یا جُوئے کے مقام میں نعمتِ الوان کا کھانا اور زہر کا گھونٹ پینا دونوں باتیں برابر ہیں۔ اِسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے جنّت کا ذکر فرمایا اور وہاں اچھے اچھے کھانوں اور باغوں کے عطا کرنے کا وعدہ کیا تو یہ بھی مناسب تھا کہ لباس کی قسم سے کسی اعلیٰ درجہ کی چیز کا ذکر

[۱] ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر صرف اُس کی قوم کی زبان کے ساتھ۔ ۱۲

[۲] موٹی اطلس، کمخواب، زربفت۔ ۱۲

کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اُس نے دنیا کے بہترین اور سب سے بڑھ کر نفیس کپڑے جو ریشمی کپڑا ہے اُس کا ذکر کیا۔ کیونکہ سونے چاندی کا کپڑا بُنا نہیں جاتا۔ علاوہ بریں حریر کے سوا دوسری قسم کے کپڑوں کے بارہ میں اور وزن کوئی تعریف کی بات نہیں سمجھی جاتی، بلکہ بسا اوقات ہلکا اور باریک کپڑا وزنی کپڑے سے زیادہ قیمتی ہے، مگر ریشم میں جس قدر وزن اور ثقالت زیادہ ہو اسی قدر وہ بیش بہا اور عمدہ مانا جاتا ہے۔ لہٰذا فصیح انسان آدمی کا فرض ہے کہ وہ جنت والوں کے کپڑے کا ذکر کرے تاکہ لوگوں کو شوق دلائے اور امرِ حق کی طرف بلائے، کوئی شک نہیں کہ اس کو نہ چھوڑے۔ یہ بات بھی ہے کہ اس واجب الذکر شَے کا بیان یا تو ایک لفظ کے ذریعہ سے ہوگا جو اس کے لئے صریحاً موضوع ہے یا کنایۃً دوسرے لفظوں میں اُس کو بیان کیا جائے گا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک ہی صریح لفظ کے ذریعہ سے اس کا ذکر کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں اختصارِ کلام کے علاوہ افہام و تفہیم کا بھی پورا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہ لفظ استبرق ہی تھا۔ چنانچہ اگر کوئی فصیح انسان اس لفظ کو ترک کر کے اس کی جگہ کوئی اور لفظ لانے کی کوشش کرے تو وہ کبھی اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی صحیح ترجمانی کرنے والا ایک ہی لفظ ہو سکتا ہے اور یا متعدد الفاظ۔ اور کسی اہلِ زبان کو اس کے مقابلہ میں بولنے والا اپنی زبان کا کوئی ایک لفظ مل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ریشمی کپڑا اہلِ عرب نے فارس والوں سے سیکھا ہے۔ خود ان کے ملک میں نہ یہ کپڑا بنتا تھا اور نہ عربی زبان میں اس کے لئے (الملبس) کے لئے کوئی نام وضع کیا گیا تھا۔ ہاں انہوں نے اہلِ فارسی زبان سے اس کا نام سُنا اس کے تلفظ کو اپنی زبان کے ڈھنگ پر لا کر استعمال کیا اور معرب کیا۔ اور نادر الوجود ہونے کے سبب سے اس کے لئے نیا لفظ وضع کرنے سے بے نیاز ہو گئے۔ لیکن اگر اس کا ذکر دو یا کئی لفظوں کے ساتھ ادا کیا جاتا تو اس سے بلاغت میں خلل پڑتا ہے۔ کیونکہ جس معنی کو ایک ہی لفظ کے ذریعہ سے ادا کرنا ممکن ہو اُس کو خواہ مخواہ دو لفظوں میں بیان کرنا بلاغت کے خلاف ہے اور اہلِ بلاغت کے اُصول سے خارج ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورۂ بالا دلائل اور بیانات سے ثابت ہو گیا کہ ایک فصیح شخص کے لئے ایسے موقع و محل پر لفظ استبرق ہی کا لانا ضروری ہے اور اُس کو اس کا قائم مقام اور مترادف کوئی دوسرا لفظ نہیں مل سکتا۔ اور اس سے بڑھ کر کیا فصاحت ہو گی کہ دوسرا اُس کا نظیر لفظ ہی نہیں مل سکتا۔

ابو عبید قاسم بن سلام غیر عربی الفاظ کے قرآن میں آنے کی بابت علماء کا قول ذکر کرنے

اور علماء عربیت کی مخالفت کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ "میرے نزدیک وہ مذہب درست ہے جس میں دونوں قولوں کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے، اور وہ مذہب (رائے) یہ ہے: اس میں شک نہیں کہ علماء کے بیان کے مطابق ان الفاظ کی اصل عجمی زبانیں ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ان کلمات کے استعمال کی ضرورت اہل عرب کو پیش پڑی تو انھوں نے ان کلمات کو معرب بنا کر اپنی زبانوں سے ادا کرنے کے قابل بنا لیا پھر عجمی الفاظ کی صورت سے ان کی صورت کو بدل ڈالا اور انھیں اپنی زبان کے الفاظ سے مشابہ کر لیا۔ اور اس طرح یہ کلمات عربی زبان میں داخل ہو کر عربی بن گئے۔ چنانچہ جب قرآن کا نزول ہوا اس وقت یہ الفاظ عربی کلام میں ایسے رل مل گئے تھے کہ ان کا امتیاز کرنا مشکل تھا۔ لہٰذا اس لحاظ سے جو لوگ ان کو عربی زبان میں شامل بتاتے ہیں وہ بھی اور جو لوگ ان کلمات کو عجمی قرار دیتے ہیں وہ بھی دونوں سچے ہیں۔"

الجوالیقی، ابن الجوزی اور دیگر بہتیرے علماء کا اسی قول کی طرف میلان ہے۔

ذیل میں ہم ان الفاظ کی فہرست بہ ترتیب حروفِ تہجی درج کرتے ہیں جو غیر عربی زبانوں سے ہیں اور قرآن میں آگئے ہیں:-

لفظ	تفصیل	لفظ	تفصیل
اَباریق (جمع ابریق)	ثعالبی نے اپنی کتاب "فقہ اللغۃ" میں اس کو فارسی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ جوالیقی کا بیان ہے کہ "ابریق" فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی میں پانی کا راستہ یا ٹھہر ٹھہر کر پانی گرانا (آب ریز)	اِبلَعی (زمین کو نگل جا)	اس کو شیذلہ نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ قولہ تعالیٰ "ابلعی ماءک" حبش کی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی "نگل جا" ہیں۔ ابو الشیخ نے جعفر بن محمد کے طریق پر ان کے والد سے روایت کی ہے کہ "ابلعی" ہندوستان کی زبان میں اس کے معنی ہیں "پی جا"
اَبّ (گھاس چارہ)	بعض علماء کا بیان ہے کہ اہلِ مغرب کی بول چال میں "اَبّ" گھاس کو کہتے ہیں۔		

أَخْلَدَ (جھک گیا، مائل ہو گیا)	واسطی نے کتاب الارشاد میں بیان کیا ہے کہ "أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ" عبرانی زبان میں بمعنی "ٹیک لگائی" کے آتا ہے۔
الْأَرَائِكِ (تخت)	ابن الجوزی نے کتاب فنون الافنان میں بیان کیا ہے کہ "حبش کی زبان میں اس کے معنی ہیں تخت" (السرر)۔
آزَر	جو لوگ اس کو ابراہیم کے باپ یا بُت کا نام نہیں مانتے ان کے قول کے بموجب اسے معرب شمار کیا گیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ "معتمر بن سلیمان سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ میں نے اپنے باپ سلیمان کو وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرُ یعنی رفع کے ساتھ پڑھتے سنا۔ اس نے کہا مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ "آزر" بمعنی "أَعْوَجُ" (ٹیڑھا) کے آیا ہے اور یہ سخت ترین کلمہ ہے جو ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا"۔ لیکن بعض علماء کا بیان ہے کہ عبرانی زبان میں اس کے معنی
	میں "اے غلطی کرنے والے"۔
أَسْبَاط (اولاد قبیلے)	ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "یہ لفظ ان لوگوں (بنی اسرائیل) کی لغت میں عربی لفظ قبائل کا قائم مقام ہے۔
إِسْتَبْرَق (دبیز اطلس)	ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ یہ لفظ عجم میں دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔
أَسْفَار (کتابیں)	واسطی نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ "سریانی زبان میں "اسفار" کتابوں کو کہتے ہیں۔ لیکن ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ "یہ نبطی زبان میں کتابوں کو کہتے ہیں"۔
إِصْرِي (میرا ذمہ، عہد)	ابو القاسم نے لغات القرآن میں بیان کیا ہے کہ نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں "میرا عہد (قول و قرار)"۔
أَكْوَاب (کوزے)	ابن الجوزی نے بیان کیا ہے کہ "یہ نبطی زبان میں کوزوں کو کہتے ہیں"۔ اور ابن جریر نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ اس نے

	کہا ہے یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں بے دستوں کے مٹی کے پختہ ورتے (لوٹے آبخورے)۔
إِلّ (ایل)	ابن جنی نے کہا ہے کہ بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ نبطی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔
أَلِيمٌ (دردناک)	ابن الجوزی نے بیان کیا کہ "زنگی (حبشی) زبان میں اس کے معنی دکھ دینے والی چیز"۔ شیذلہ نے کہا ہے کہ اس کے یہ معنی عبرانی زبان میں ہیں۔
إِنَاهُ (اس کا پکنا)	اہل مغرب کی بول چال میں اس کے معنی ہیں "اس کا پکنا" یہ بات شیذلہ نے ذکر کی ہے۔ ابو القاسم نے اس معنی میں اس کو بربری زبان کا لفظ بتایا ہے اور کہا ہے کہ اسی زبان سے قولہ تعالیٰ "حَمِيمٍ آنٍ" (بے حد گرم پانی) اور قولہ تعالیٰ "مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ" (گرمی سے کھولتا ہوا چشمہ) بھی آیا ہے۔
أَوَّاهٌ (رحم دل، آہ کرنے والا)	ابو الشیخ بن حیان نے عکرمہ کے طریق پر ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "حبش کی زبان میں اس کے معنے ہیں یقین کرنے والا"۔ ابن ابی حاتم نے بھی مجاہد اور عکرمہ سے ایسی ہی روایت کی ہے اور عمرو بن شرحبیل سے روایت ہے کہ حبش کی زبان میں اس کے معنی ہیں "رحم کرنے والا"۔ الواسطی کا قول ہے کہ عبری زبان میں "اَوّاہٌ" بمعنی دعا کرنے کے آتا ہے۔
اَوِّبِي (رجوع کرنے والا)	ابن ابی حاتم نے عمرو بن شرحبیل سے روایت کی ہے کہ حبش کی زبان میں اس کے معنی "سَبِّحِي" (تسبیح کرو) کے آتے ہیں۔ ابن جریر نے بھی عمرو سے روایت کی ہے کہ قولہ تعالیٰ "اَوِّبِي مَعَهُ" حبش کی زبان میں "سَبِّحِي" (تسبیح خوانی کر) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
الْأُولَى وَالْآخِرَةُ (اگلی اور پچھلی)	شیذلہ نے بیان کیا ہے کہ قولہ تعالیٰ "الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ" سے مراد پچھلی جاہلیت ہے۔ اور قولہ تعالیٰ "فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ" کا معنی ملت (پہلے دین) مراد ہے

یعنی قبطی زبان میں ہے کیونکہ قبطی لوگ آخرۃ کو اُولیٰ اور اُولیٰ کو آخرت کہتے ہیں۔ اس قول کو زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے۔

بَطَائِنُهَا (اُن کے استر) شیذلہ نے کہا ہے کہ قولہ تعالیٰ بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ یعنی اُس کے اوپری ابرے، یہ بھی قبطی زبان کا لفظ ہے۔ یہ زرکشی نے بیان کیا ہے۔

بَعِیْرٍ (اونٹ) فریابی نے مجاہد سے قولہ تعالیٰ "کَیْلَ بَعِیْرٍ" کے یہ معنی روایت کئے ہیں کہ اس سے "ایک بار خر"[1] مراد ہے۔

مقاتل سے مروی ہے کہ عبرانی زبان میں "بعیر" ہر ایسے جانور کو کہتے ہیں جس سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہو۔

بِیَعٌ (گرجے، عبادت کدے) الجوالیقی نے کتاب المعرب میں بیان کیا ہے کہ بِیْعَۃ اور کَنِیْسَۃ ان دونوں لفظوں کو بعض علماء نے فارسی سے معرب بیان کیا ہے۔

تَنُّوْر جوالیقی و ثعالبی دونوں نے اس کو فارسی زبان کا لفظ معرب بتایا ہے۔

تَتْبِیْرًا (تباہ و برباد کرنا، ہلاک کرنا) ابن ابی حاتم نے قولہ "وَلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا" کے معنی میں سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ نبطی زبان میں "تَبَّرَہٗ" کے معنی ہیں اُس کو ہلاک کیا۔

تَحْت (نیچے) ابو القاسم نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ قولہ "فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا" میں تحت سے بطنہا مراد ہے (یعنی اُس کے پیٹ میں سے) اور یہ نبطی زبان کا لفظ ہے۔ کرمانی نے اپنی کتاب العجائب میں بھی مورخ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

حَصَبُ (ایندھن، جلاؤ) ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حصب حبش کی زبان میں لکڑی کا نام ہے۔

عبد بن حمید نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ "حبش کی زبان میں "حصب" "حطب" ...

[1] یعنی ایک بار شتر کی بجائے ایک بار خر۔ ۱۲ (مترجم)

	آیا ہے۔
	ابن جریر نے سعید بن جبیر سے اس کے معنی حبش کی زبان میں ... جانتے ہیں۔
جہنم (دوزخ)	لفظ بقولِ بعض عجمی ہے اور بعض کے نزدیک فارسی ہے اور بعض کے نزدیک عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی اصل کہنام بتائی جاتی ہے۔
حرم (واجب کیا گیا)	ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا حبشی زبان میں وحرم بمعنی وجب (واجب کیا گیا) آیا ہے۔
حصب (ایندھن)	ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قولہ تعالیٰ حصب جہنم میں حصب کے معنی (ایندھن) کے آتے ہیں اور یہ حبشی (زنگی) زبان کا لفظ ہے۔
حطۃ (توبہ مغفرت)	بعض کا قول ہے کہ اس کے معنی ہیں ٹھیک اور درست بات کہو۔ اور یہ معنی انہی (یعنی عبرانی) کی زبان میں ہیں۔

حواریون (دھوبی، مددگار)	ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں غسّال (دھونے والے) کے اور اس کی اصل ہواری تھی۔
حوب (گناہ)	نافع بن ازرق کے سوالات میں ابن عباس نے اس کے معنی اثم (گناہ) بتائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔
دارست یا درست (پڑھنا)	اس کے معنی یہودیوں کی زبان میں باہم مل کر پڑھنے کے ہیں
دری (چمکدار)	حبش کی زبان میں اس کے معنی ہیں چمکدار روشن۔ اس کو شیذلہ اور ابوالقاسم نے بیان کیا ہے۔
دینار (ایک سکّہ زر)	جوالیقی وغیرہ نے اس کو فارسی الاصل بیان کیا ہے۔
راعنا	ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ راعنا یہودیوں کی زبان میں گالی ہے۔
ربانیون	جوالیقی کا بیان ہے کہ

	ابوعبیدہ نے کہا: "اہلِ عرب ربّیّین کے معنی نہیں جانتے، اس کو صرف علماء اور فقیہ لوگوں نے سمجھا ہے۔ میرے نزدیک یہ کلمہ عربی زبان کا نہیں بلکہ عبرانی یا سُریانی زبانوں کا ہے۔" ابوالقاسم نے اس کے سُریانی زبان کا لفظ ہونے پر وثوق کا اظہار کیا ہے۔
رِبّیّون	ابوحاتم احمد بن حمدان اللغوی نے کتاب الزینۃ میں بیان کیا ہے کہ یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے۔
اَلرَّحمٰنُ (بڑا مہربان)	مُبرّد اور ثعلب کے خیال میں یہ لفظ عبرانی زبان کا اور اس کی اصل خائے معجمہ کے ساتھ ہے۔
اَلرَّس (چاہ)	کرمانی کی کتاب العجائب میں اس کو عجمی لفظ اور اس کے معنی کنواں بتائے گئے ہیں۔
اَلرَّقِیمُ (لوح، کتبہ)	شیذلہ نے کہا ہے: "بیان کیا گیا ہے کہ یہ رُومی زبان میں لوح (تختی) کو کہتے ہیں۔" ابوالقاسم کا قول ہے کہ یہ رومی زبان میں بمعنی کتاب آیا ہے۔

	اور واسطی نے اسی زبان میں کہا ہے کہ دوات کے معنی پر [illegible] ہے۔
رَمْزًا (اشارہ)	ابن الجوزی نے کتاب "فنون الافنان" میں اس لفظ کو بھی معرّب شمار کیا ہے۔ واسطی کا بیان ہے کہ یہ عبرانی زبان میں دونوں لبوں کو جنبش دینے کے معنوں میں آیا ہے۔
رَهْوًا (تھما ہوا، ساکن)	ابوالقاسم نے قولہ تعالیٰ "وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا" کے معنوں میں بیان کیا ہے کہ نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں "سہل" اور خیر بخشش وخمودش کا دریا۔ واسطی کا قول ہے کہ سُریانی زبان میں اس کے معنی "ساکن" ہونے کے ہیں۔
اَلرُّوْمُ (روم)	الجوالیقی کا قول ہے کہ یہ عجمی لفظ اور انسانوں کی ایک قوم (رومی) کا نام ہے۔
زَنْجَبِیل (سونٹھ)	جوالیقی اور ثعالبی دونوں نے اس کو فارسی زبان کا لفظ بتایا ہے۔
اَلسِّجِلّ	ابن مردویہ نے ابوالجوزاء

	ایک طریق پر ابن عباس سے روایت کی ہے کہ "سجل" حبش کی زبان میں مرد کے معنی میں آتا ہے۔ ابن جنی نے کتاب المحتسب میں ذکر کیا ہے کہ حبش کی زبان میں اس کے معنی "کتاب" کے ہیں۔ بہت سے علماء اس کو فارسی لفظ اور معرب بتاتے ہیں۔
سِجّیل (کنکر)	فریابی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا "سجیل فارسی کا مرکب لفظ ہے۔ اس کا اگلا حصہ بمعنی پتھر (سنگ) اور پچھلا حصہ بمعنی مٹی (گل) ہے "سنگ گل" کنکر۔"
سِجّین (زمین کا ساتواں طبقہ)	ابو حاتم نے کتاب الزینۃ میں بیان کیا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا نہیں بلکہ کسی اور زبان کا ہے۔
سُرادِق (پردہ شامیانہ قنات)	الجوالیقی کا قول ہے کہ یہ فارسی زبان کا معرب لفظ ہے اس کی اصل "سرادر" یعنی دہلیز تھی۔ ایک اور عالم کا قول ہے کہ "درست یہ ہے کہ سرادق فارسی زبان میں "سراپردہ" یعنی گھر کے آگے پڑے ہوئے پردہ کو کہتے ہیں۔"
سَرِیّ (چشمہ)	ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ قولہ تعالیٰ "سریا" سریانی زبان میں نہر کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر اس کو نبطی زبان کا لفظ بتاتے ہیں۔ شیذلہ نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ یونانی زبان میں اس کے معنی نہر کے ہیں۔
سَفَرَۃ (لکھنے والے)	ابن ابی حاتم نے ابن جریج کے طریق پر ابن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ قولہ تعالیٰ "بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ" میں اس لفظ کے معنی ہیں "پڑھنے والے" اور یہ نبطی زبان کا لفظ ہے۔
سَقَر (دوزخ)	الجوالیقی نے اس کو عجمی لفظ بتایا ہے۔
سُجَّدًا (سجدہ ریز)	الواسطی نے قولہ تعالیٰ "وَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا" کے معنوں کی بابت کہا ہے کہ سریانی زبان میں اس کے معنی ہیں "سر جھکائے ہوئے"۔
سَکَرًا (نشہ کی چیز)	ابن مردویہ نے عوفی کے طریق پر ابن عباس رضہ سے روایت کی ہے کہ یہ حبش کی زبان میں سرکہ کو کہتے ہیں۔
سَلْسَبِیل (جنت کا چشمہ)	الجوالیقی نے بیان کیا ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔
سَنَا	اس کو صرف حافظ ابن حجر نے

(چمک روشنی کوند)	اپنی نظم میں بھی شمار کیا ہے۔ ان کے سوا کسی اور عالم کا یہ قول نہیں ہے۔
سُندُس (باریک دیبا)	الجوالیقی نے کہا ہے کہ سندس فارسی میں باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔ لیث کا قول ہے کہ اہل زبان ادبا اور مفسرین نے اس کے معرب الفاظ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ اور شیذلہ اس کو ہندی لفظ بتاتا ہے۔
سَیِّدَهَا (اس کا سردار)	قولہ تعالیٰ "وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَی الْبَابِ" کی تفسیر میں الواسطی نے کہا ہے کہ یہ قبطی زبان میں بمعنی "اس کے شوہر" آیا ہے۔ ابو عمرو کا قول ہے کہ میں عربی زبان میں اس محاورہ کو نہیں پاتا۔
سِیْنِیْن (پہاڑ کا نام)	ابن ابی حاتم اور ابن جریر دونوں عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا "سینین" حبش کی زبان میں "خوبصورت" کو کہتے ہیں۔
سِیْنَاء (پہاڑ کا نام)	ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ نبطی زبان میں سیناء "خوبصورت" کے معنی

	میں [illegible]
شَطْرَ (جانب)	ابن ابی حاتم نے قولہ تعالیٰ "شَطْرَ الْمَسْجِدِ" کے متعلق رفیع سے روایت کی ہے کہ حبشی زبان میں اس کے معنی "جانب" کے ہیں۔
شَہْر (مہینہ)	الجوالیقی نے کہا ہے کہ بعض اہل لغت نے اس کو سریانی زبان کا لفظ بتایا ہے۔
اَلصِّرَاط (راستہ)	النقاش اور ابن الجوزی نے بیان کیا ہے کہ یہ رومی زبان میں "راستہ" کے معنی میں آیا ہے۔ پھر میں نے ابو القاسم کی کتاب اللغات میں بھی یہی بات لکھی دیکھی ہے۔
صُرْهُنَّ (ان کو ٹکڑے کر)	قولہ تعالیٰ "فَصُرْهُنَّ" [illegible] ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں "ان کو شق کر ڈالو"۔ وہب بن منبہ سے بھی ایسی ہی ایک روایت آئی ہے۔ ابن المنذر نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس کے الفاظ قرآن میں نہ آئے ہوں۔ کسی نے

ان سے سوال کیا کہ [illegible] دونوں زبانوں کا بھی کوئی اختلاف ہے؟ وہب نے جواب دیا۔ ہاں [illegible] خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال (فصرھن)

[illegible] (عبرانیہ)

الجوالیقی نے کہا ہے کہ یہ عبری زبان میں یہودیوں کے [illegible] کو کہا جاتا ہے اور اس کی اصل [illegible] ہے۔

اسی طرح پر ابن ابی حاتم نے [illegible] سے بھی روایت کی ہے۔ [illegible]

حصب (ایندھن)

[illegible] کے طریق پر ابن عباس سے قولہ تعالیٰ حصب [illegible] کے معنوں میں روایت کی [illegible] زنگی زبان [illegible] جیسے [illegible]

ابن ابی حاتم نے شعبہ بن [illegible] کے طریق پر ابن عباسؓ ہی سے روایت کی ہے کہ [illegible] حبشی زبان کا لفظ ہے۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ [illegible] حبشی زبان میں [illegible] ہے۔

شعبہ بن [illegible]

کہ [illegible] حبشی [illegible] نبطی زبان میں آتا ہے۔

[illegible] (واجب)

یہ حبشی زبان میں [illegible] کو کہتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] کا بیان ہے کہ ان دونوں لفظوں کی [illegible] زبان میں اس کے معنی یہ شروع کیا۔ "ان دونوں نے ارادہ کیا" یہ [illegible] نے بیان کی ہے۔

طوبیٰ (خوبی)

ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ طوبیٰ [illegible] حبشی کی زبان میں جنت کا نام ہے۔

ابوالشیخ نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے [illegible] زبان [illegible] معنوں میں [illegible] ہے۔

طور (پہاڑ کا نام ہے)

فریابی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ اس لفظ کے یہ معنی نبطی زبان میں آئے ہیں۔

طٰہٰ (اے شخص)

کرمانی نے اپنی کتاب العجائب میں بیان کیا ہے کہ یہ لفظ معرب ہے۔ اس کے معنی ہیں [illegible]

	وقت
	بعض کہتے ہیں کہ یہ عبرانی زبان میں بمعنی مرد کے آیا ہے۔
عَبَّدْتَّ (تو نے غلام بنایا)	قولہ تعالیٰ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے معنوں میں ابوالقاسم نے بیان کیا کہ اس کے معنی قَتَلْتَ (تو نے قتل کیا) ہیں۔ اور یہ نبطی زبان کا لفظ ہے۔
عَدْن (نام بہشت، خلد ہمیشگی)	ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کعبؓ سے قولہ تعالیٰ "جَنّٰتِ عَدْنٍ" کے معنی دریافت کئے تو کعب نے کہا: "یہ سریانی زبان میں انگوروں کی بیلوں اور انگوروں کے باغوں کو کہتے ہیں۔" جویبر کی تفسیر میں آیا ہے کہ نہیں بلکہ رومی زبان میں اس کے یہ معنی ہیں۔
العَرِم (زوردار)	ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ملک حبش میں عَرِم ان بندوں کو کہتے ہیں جو بارش کا پانی پہاڑ کی گھاٹیوں میں روکنے کے لئے بنائے جاتے ہیں اور پھر ان کے بھرنے پر پانی بہہ کر آبشار کی طرح گرتا ہے اور پانی زمینوں کو سیراب

	کرتا ہے۔
غَسَّاق (پیپ)	الجوالیقی اور الواسطی دونوں کا قول ہے کہ یہ سرد و بدبودار پانی کو کہتے ہیں۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ ابن جریر نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ غساق کے معنی ہیں بدبودار۔ اور یہ طخاری زبان کا لفظ ہے۔[۱]
غِیْضَ (خشک ہو گیا)	ابوالقاسم کا قول ہے کہ حبش کی زبان میں اس کے معنی "کم کر دیا، جذب ہو گیا" ہیں۔
فِرْدَوْس (جنت)	ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی کہ فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں۔ السدی سے مروی ہے کہ نبطی زبان میں انگوروں کی ٹٹیوں کو کہتے ہیں اور اس کی اصل فرداسا تھی۔
فُوْم (گندم، لہسن)	الواسطی نے کہا ہے کہ عبرانی زبان میں گیہوں کو کہتے ہیں۔
قِرْطَاس	الجوالیقی نے کہا ہے کہ بعض

۱؎ یعنی یہ طخارستان کی زبان ہے جو دریا جیحون کے اوپر واقع ہے اور اس کو اب بلخ کہتے ہیں۔ (مترجم)

(اوراق) ابو... کا بیان ہے کہ قرطاس کی اصل عربی زبان میں نہیں ہے لہذا یہ عجمی لفظ ہے۔

قِسط (انصاف) ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ "قسط" رومی زبان میں بمعنی "عدل" آتا ہے۔

قِسطاس (میزان) فریابی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ "قسطاس" رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں۔
ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ قسطاس رومی زبان میں ترازو کو کہتے ہیں۔

قَسوَرَۃ (شیر) ابن جریر نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ "قسورہ" حبش کی زبان میں شیر کو کہتے ہیں۔

قِطَّنا (ہمارا حصہ) ابوالقاسم نے کہا ہے کہ نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں ہمارا نوشتہ (اعمالنامہ)۔

قُفل (تالا) الجوالیقی نے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء اس کو فارسی سے معرب بتاتے ہیں۔

قُمَّل (جوئیں) الواسطی نے کہا ہے کہ عبرانی زبان اور سریانی میں اس کو جوں کو کہتے ہیں۔

ابن درید کا قول ہے کہ مجھ کو اس لفظ کا پتہ کسی عربی قبیلہ کی زبان میں نہیں ملا۔ بے شک یہ فارسی معرب لفظ ہے۔

قِنطار (ایک وزن) ثعالبی نے کتاب فقہ اللغۃ میں ذکر کیا ہے کہ رومی زبان میں قنطار بارہ ہزار اوقیہ کے مساوی وزن کو کہتے ہیں۔
خلیل کا بیان ہے کہ علماء کا قول ہے کہ سریانی زبان میں ایک بیل کی کھال بھر کر سونے یا چاندی کو "قنطار" کہتے ہیں۔
بعض علماء کا بیان ہے کہ یہ بربر والوں کی زبان میں ایک ہزار مثقال کے برابر ہے۔
ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ قنطار آٹھ ہزار مثقال کے مساوی وزن کو کہتے ہیں یہ معنی اہل افریقیہ کی زبان میں ہیں۔

قَیُّوم (قائم رکھنے والا) الواسطی نے کہا ہے کہ سریانی زبان میں قیوم اس کو کہتے ہیں جو سوتا نہیں۔

کُوِّرَتْ ([illegible]) جوالیقی اور دیگر علماء نے اس کو فارسی سے معرب بتایا ہے۔

کَفِّرْ (دور کر) ابن الجوزی نے کہا ہے کہ نبطی زبان میں "کَفِّرْ عَنَّا" کے معنی ہیں ہماری خطاؤں کو محو کر دے (مٹا دے)۔

الواسطی [illegible] ابو الشیخ نے ابو عمران الجونی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے قولہ تعالیٰ "کَفِّرْ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ" کے معنی بیان کیا کہ عبرانی زبان میں اس سے مراد ہے کہ ان کی خطاؤں کو محو کر دیا۔

کِفْلَیْن (دو حصے) ابن ابی حاتم نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا حبش کی زبان میں "کِفْلَیْن" بمعنی "ضِعْفَیْن" (دو حصے) آیا ہے۔

کَنْز (خزانہ) الجوالیقی نے اس کو فارسی کا معرب لفظ بتایا ہے۔[1]

کُوِّرَتْ (لپیٹی گئی) ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "کُوِّرَتْ" بمعنی "غُوِّرَتْ" فارسی میں آیا ہے۔

لِینَة (کھجور کا درخت) الواسطی کہتا ہے کہ یہود کی زبان میں اس کے معنی کھجور کا درخت ہیں۔

[illegible] الکسی نے کہا ہے کہ جس اس لفظ کو عرب کے لوگ [illegible] کے سوا کسی اور نے [illegible] سے نہیں [illegible]۔

مُتَّکَأ (تکیہ گاہ) ابن ابی حاتم نے سلمہ بن تمام الشقری سے روایت کی ہے کہ "مُتَّکَأ" حبش کی زبان میں ترنج کو کہتے ہیں۔

مَجُوس (آتش پرست) الجوالیقی نے کہا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔

مَرْجَان (مونگا) الجوالیقی نے بعض اہل لغت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔

مِسْک (مشک) الکرمانی نے اس کو فارسی کا لفظ بیان کیا ہے۔

مِشْکَاة ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حبش کی زبان میں "مشکاۃ" بمعنی طاق [illegible] روشندان کو کہتے ہیں جو دیوار میں ہو [illegible] نافذ نہ ہو [illegible]۔

مَقَالِید (کنجیاں) فریابی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ "مقالید" فارسی زبان میں کنجیوں کو کہتے ہیں۔ ابن درید اور جوالیقی [illegible]

---

[1] یہ لفظ گنج سے [illegible] فارسی۔

قرآن میں ... قسیس اور رہبان
دونوں ... کے معرب لفظ ہیں
... زبان میں ہیں۔

[illegible] ... [illegible]

(قسورة) [illegible] ... حبشی زبان میں ...
[illegible]

[illegible] ... فارسی
(...) ... زبان
میں ... چیز کو
کہتے ہیں

[illegible] ابن ابی حاتم نے ... سے
[illegible] ... کیا ہے
[illegible]
[illegible] زبان میں
[illegible]
[illegible] ابن جریر
... کیا ہے

[illegible]
[illegible]
... کو کہتے ہیں۔

[illegible] ... قول ہے کہ
[illegible] ... زبان میں اس کے معنی ہیں
[illegible]

[illegible] ابن جریر نے ... سے
روایت کی ہے کہ حبشی

زبان میں منسأة عصا (لکڑی)
کو کہتے ہیں۔

(ناشئة) ابن جریر نے قولہ تعالیٰ
(ناشئة) ... کے معنی میں
ابن عباس سے روایت کی ہے کہ
حبش کی زبان میں اس کے معنی
ہیں رات میں کھڑا ہونا۔

(ہُدنا) بعض کہتے ہیں کہ اہل عرب
کی زبان میں اس کے معنی [illegible]
[illegible] ... اس قول کو ...
نے بیان کیا ہے۔
گر ابوالقاسم نے کہا ہے کہ
... عبرانی زبان
میں آئے ہیں۔

(ناشئة) حاکم نے اپنی مستدرک میں
(اللیل) ابن مسعود سے روایت کی ہے
انہوں نے کہا ناشئة اللیل
حبش کی زبان میں قیام اللیل
(رات کے وقت عبادت کرنے)
کو کہتے ہیں۔
بیہقی نے ابن عباس سے
ایسی ہی روایت کی ہے۔

[illegible] ... نے اپنی کتاب ...
(...) ابن عباس سے روایت کی ہے
... کہ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے

س کی اصل "اُونن" تھی جس کے معنی ہیں "ہم تم پر بوسہ کرو"

هُدْنَا — بعض کہتے ہیں کہ عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں "ہم نے توبہ کی" شیذلہ اور دیگر علماء نے بھی اس بات کو بیان کیا ہے۔

هُود (یہودی) — جوالیقی نے کہا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے جس سے مراد یہود ہے۔

هَوْن (نرم رفتاری) — ابن ابی حاتم نے میمون بن مہران سے قولہ تعالیٰ "یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" کے معنوں میں روایت کی ہے کہ اس نے کہا "سریانی زبان میں اس کے معنی ہیں حکماء"۔ ضحاک سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ مگر ابو عمران الجونی سے مروی ہے کہ یہ معنی عبرانی زبان میں ہیں۔

هَيْتَ لَكَ (جلدی آ) — ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "قبطی زبان میں هَيْتَ لَكَ کے معنی هَلُمَّ لَكَ (تو آجا) آتا ہے"۔ الحسن کہتے ہیں کہ اس لفظ کے یہ معنی سریانی زبان میں آتے ہیں۔ اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ لفظ ان معنوں میں حورانی زبان میں آیا ہے۔ اس کی روایت ابو الشیخ نے کی ہے۔ ابو زید الانصاری کا قول ہے کہ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے اور اس کی اصل هَيْتَلَجْ تھی یعنی "تَعَالَ" (اس کے اوپر آ)

وَرَآءَ (آگے پیچھے) — بعض کہتے ہیں کہ نبطی زبان میں اس کے معنی ہیں "سامنے" (آگے) یہ بات شیذلہ اور ابو القاسم نے بیان کی ہے۔ جوالیقی نے اس کو صرف غیر عربی لفظ بتانے ہی پر اکتفا کی ہے۔

وَرْدَةً (گلاب یا گلابی) — جوالیقی نے اس کو بھی عجمی لفظ قرار دیا ہے۔

وَزَرَ (پناہ گاہ) — ابو القاسم کا بیان ہے کہ یہ نبطی زبان میں جبل (پہاڑ) اور ملجأ (جائے پناہ) کو کہتے ہیں۔

يَاقُوت (جواہر) — جوالیقی، ثعالبی اور بہت سے دیگر علماء نے اس کو فارسی لفظ بتایا ہے۔

يَحُورُ (دوبارہ لوٹ کر واپس ہوگا) — ابن ابی حاتم نے داؤد بن ہند سے قولہ تعالیٰ "ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ" [illegible]

میں [illegible] ہوئے [illegible] اثر ہیں، اور اب سب [illegible] کر ایک [illegible] زائد ہوگئے ہیں۔

ابن [illegible] کے اشعار ہے

[illegible]

ابن [illegible] کے اشعار ہے

[illegible]

میرے اشعار ہے

[illegible]

انتالیسویں نوع ۳۹

وجوہ اور نظائر کا بیان

اس موضوع پر قدیم تصنیف مقاتل بن سلیمان کی ہے اور متاخرین میں سے ابن الجوزی، ابن الدامغانی، ابو الحسین، محمد بن عبد الصمد المصری اور ابن فارس وغیرہ کئی علماء کی تصانیف موجود ہیں۔

وجوہ

وہ مشترک لفظ جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً لفظ "امت"۔ میں نے اس فن میں ایک جداگانہ کتاب تالیف کی ہے جس کا نام "معترک الاقران فی مشترک القرآن" رکھا ہے۔

نظائر

باہم موافقت رکھنے والے متواطی ہم معنی الفاظ کو نظائر کہا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ نظائر لفظوں میں اور وجوہ معانی میں پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ قول ضعیف ہے، اس لئے کہ اگر یہ صحیح مانا جاتا تو وجوہ اور نظائر سب مشترک الفاظ ہی میں پائے جاتے حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ مذکورہ بالا علماء نے فن مذکور کی کتابوں میں ایک ہی معنی کے الفاظ کو بہت سی جگہ ذکر کیا ہے اور وجوہ کو ایک قسم کے نظیروں کی نوع قرار دیا ہے۔ نظائر کو دوسرے لفظ کی نوع بتایا ہے۔ اسی کے ساتھ بعض علماء نے اس بات کو قرآن کا ایک معجزہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کا ایک ایک کلمہ بیس یا اس سے زیادہ اور کم وجوہ پر دائر و سائر ہے، اور یہ بات انسان کے کلام میں پائی نہیں جاتی۔

مقاتل نے اپنی کتاب کے آغاز میں یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ "کوئی شخص اس وقت تک پورا فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کی بہت سی وجوہ پر نظر نہ رکھتا ہو۔"

۵۔ نمازِ پنجگانہ۔ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (۲:۲۳۹)۔

۶۔ پند و نصیحت کرنا۔ (ا) فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ (۶:۴۴، ۷:۱۶۵) (ب) وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۵۱:۵۵)۔

۷۔ بیان۔ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ (۷:۶۳، ۶۹)۔

۸۔ بات کرنا۔ اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ (۱۲:۴۲) (یعنی اس سے بہ سبیل تذکرہ میرا حال کہنا)۔

۹۔ قرآن (ا) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي (۲۰:۱۲۴)۔ (ب) مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ (۲۱:۲، ۲۶:۵)۔

۱۰۔ توراۃ۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ (۱۶:۴۳، ۲۱:۷)۔

۱۱۔ خبر۔ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا (۱۸:۸۳)۔

۱۲۔ شرف (عزت)۔ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ (۴۳:۴۴)۔

۱۳۔ عیب۔ أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ (۲۱:۳۶)۔

۱۴۔ لوح محفوظ۔ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ (۲۱:۱۰۵)۔

۱۵۔ ثناء۔ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا (۲۶:۲۲۷)۔

۱۶۔ وحی۔ فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا (۳۷:۳)۔

۱۷۔ رسول۔ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا (۶۵:۱۰)۔

۱۸۔ نماز۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ (۲۹:۴۵)۔

۱۹۔ نماز جمعہ۔ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ (۶۲:۹)۔

۲۰۔ نماز عصر۔ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي (۳۸:۳۲)۔

الرَّحْمَةُ

۱۔ اسلام۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ (۲:۱۰۵، ۳:۷۴)۔

۲۔ ایمان۔ وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ (۱۱:۲۸)۔

۳۔ جنت۔ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۳:۱۰۷)

۴۔ بارش۔ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ (۷:۵۷، ۲۵:۴۸، ۲۷:۶۳)۔

۵۔ نعمت۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ (۲:[illegible])

(۲ : ۱۰ ، ۲۰ : ۲۱۰)۔

۶۔ نبوت۔ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً (۱۱ : ۶۳)۔
اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (۴۳ : ۳۲)۔

۷۔ قرآن۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ (۱۰ : ۵۸)۔

۸۔ رزق۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْ (۱۷ : ۱۰۰)۔

۹۔ نصر (مدد) و فتح۔ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (۳۳ : ۱۷)۔

۱۰۔ عافیت۔ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ (۳۹ : ۳۸)۔

۱۱۔ محبت (دوستی)۔ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (۵۷ : ۲۷)۔
(ب) رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۴۸ : ۲۹)۔

۱۲۔ تخفیف۔ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ (۲ : ۱۷۸)۔

۱۳۔ مغفرت۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۶ : ۱۲)۔

۱۴۔ عصمت (بچاؤ)۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (۱۱ : ۴۳)۔

الرُّوح

۱۔ ... وَرُوْحٌ مِّنْهُ ...

۲۔ وحی۔ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ (۱۶ : ۲)۔

۳۔ قرآن۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۴۲ : ۵۲)۔

۴۔ رحمت۔ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۵۸ : ۲۲)۔

۵۔ حیات (زندگی)۔ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ (۵۶ : ۸۹)۔

۶۔ جبرائیل (۱)۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (۱۹ : ۱۷)۔
(ب) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (۲۶ : ۱۹۳)۔

۷۔ ... وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۳۸ : ۷۲)۔

۸۔ فرشتوں کی ایک قسم۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (۹۷ : ۴)۔

۹۔ ... روح ... يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (۱۷ : ۸۵)۔

اَلسُّوْٓء

۱۔ سختی۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (۲ : ۴۹ ، ۷ : ۱۴۱ ، ۱۴ : ۶)۔

۲۔ ... السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (۴ : ۱۷ ، ۶ : ۵۴ ، ۱۶ : ۱۱۹)۔

۳۔ ... مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ ...

[illegible] (۲:۲۱۲)۔ ۳۔ [illegible] [illegible] (۵:۱۰۶) ۴۔ نماز جمعہ۔ [illegible] (۶۲:۹)۔ ۵۔ نماز جنازہ۔ [illegible] [illegible] (۹:۸۴)۔ ۶۔ دعا۔ [illegible] ۷۔ دین۔ [illegible] (۱۱:۱۰)۔ ۸۔ [illegible] (۱۸:۱۰)۔ ۹۔ [illegible] استغفار [illegible] [illegible] (۳۳:۵۶)۔ ۱۰۔ [illegible] [illegible] (ب) [illegible] (۲:۳۲)۔ ۱۱۔ ذکر۔ (ا) [illegible] [illegible] (۲:۱۹) (ب) [illegible] [illegible] (۲:۱۳)۔ ۱۲۔ [illegible] (۳:۱۰)۔	[illegible]	[illegible] (۲:۱۵۵)۔ (ب) [illegible] [illegible] (۹:۳۰)۔ ۴۔ [illegible] [illegible] (۲۰:۲۲، ۲۶:۳۰۔ ۳۲:۲۸)۔ ۵۔ عذاب۔ [illegible] [illegible] (۲:۲۶)۔ ۶۔ شرک۔ [illegible] [illegible] (۶:۲۸)۔ ۷۔ [illegible] (ا) [illegible] [illegible] (۳:۸۴)۔ (ب) [illegible] (۱:۲۶)۔ ۸۔ [illegible] (۲:۱۷)۔ ۹۔ [illegible] [illegible] (۵۲:۳۰)۔ ۱۰۔ [illegible] (ا) [illegible] [illegible] (۶۲:۲۶)۔ (ب) [illegible] (۱۸:۱۸)۔ ۱۱۔ [illegible] [illegible] (۳:۲۷)۔ ۱۔ نماز جنازہ۔ [illegible]

[illegible] (٢٠: ١٠) .

[illegible] (٦: ٢٣) .

[illegible] (٩: ٤٩) .

انقضاء

[illegible] (٦: ٦٨) .

١ - فإذا قضيتم مناسككم (٢: ٢٠٠) .

٢ - ثم إذا قضى أمرا [illegible] .

٣ - [illegible] فمنهم من قضى نحبه (٣٣: ٢٣) .

٤ - [illegible] (٨: ٤٢) .

[illegible]

٣. غلاف (آرائش) فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲:۴۱).

۴. فعل. كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (۸۰:۲۳) (یعنی حقیقتاً اس نے نہیں کیا، جیسا اس کے کرنے کا حق تھا).

(۵) تہیہ و تیاری. وَقَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (۲۸:۴۴).

اَلْهُدٰى

١. ثبات (استقلال) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱:۵).

٢. بیان. اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ (۲:۵، ۳۱:۵).

٣. دین. اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ (۳:۷۳).

۴. ایمان. وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (۱۹:۷۶).

۵. دُعاء (دعوت) ایمان کی طرف بلانا. وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳:۷).
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (۲۱:۷۳).

٦. رسول اور کتبِ الٰہی. فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى (۲:۳۸، ۲۰:۱۲۳).

۷. معرفت (پہچان، شناخت) وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (۱۶:۱۶).

۸. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى (۲:۱۵۹).

۹. قرآن. [illegible] الْهُدٰى ([illegible]).

١٠. توراۃ. وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى (۴۰:۵۳).

١١. [illegible] وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (۲:۱۵۷).

١٢. [illegible]

[illegible]

١٣. توحید. اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ (۲۸:۵۷).

١۴. سنت (طریقہ) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (۶:۹۰).

(ب) [illegible]
[illegible] (۳۲:۲۲).

١٥- اصلاح- اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ
كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ (١٢: ٥٢)۔
١٦- الہام- اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ
ثُمَّ هَدٰى (٢٠: ٥٠)۔
(یعنی زندگی بسر کرنے کا طریقہ
بذریعہ الہام بتایا)۔
١٧- توبہ- اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (٧:
١٥٦) (هُدْنَا بمعنی تُبْنَا)۔
١٨- ارشاد (رہنمائی) اَنْ يَّهْدِيَنِیْ
سَوَآءَ السَّبِيْلِ (٢٨: ٢٢)۔

فصل

أسف — قرآن مجید میں تمام مقامات پر لفظ آسف رنج و غم کے معنی میں آیا ہے مگر ایک مقام پر "فلما آسفونا" میں اس کے معنی ہیں "جب انہوں نے ہم کو غصہ دلایا"۔ (ابن الفارس)۔

أصحاب النار — اس سے ہر جگہ دوزخی لوگ مراد ہیں مگر "وما جعلنا اصحاب النار الا ملائکۃ" میں دوزخ کے محافظ فرشتے مراد ہیں۔ (ابن الفارس)۔

إفك — قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ افک آیا ہے اس کے معنی ہیں [illegible] اور جھوٹ (سعید بن جبیر)۔

الیم — قرآن مجید میں جہاں کہیں الیم کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں دکھ دینے والا۔ (ابن عباس)۔

امر بمعروف و نہی عن المنکر — قرآن کی ہر آیت جس میں نیک کام کا حکم دیا ہے وہ نیک کام اسلام ہے اور جس میں برے کاموں کی ممانعت آئی ہے اس سے بت پرستی سے منع کرنا مراد ہے۔ (ابو العالیہ)۔

انفاق — جہاں کہیں انفاق (خرچ کرنا) کا حکم آیا ہے اس سے صدقہ دینا مراد ہے [illegible] العفو [illegible]۔

بخس — ہر موقع پر بخس سے نقص (کمی) مراد ہے لیکن "بثمن بخس" میں حرام قیمت مراد ہے۔ (ابن الفارس)۔

بروج — جہاں کہیں "بروج" کا ذکر ہوا ہے اس سے ستاروں کے برج مراد ہیں، مگر "ولو کنتم فی بروج مشیدۃ" میں بروج کے معنی ہیں مستحکم اور مضبوط محل۔ (ابن الفارس)۔

اس فصل میں جس قدر الفاظ آئے ہیں ان سب کی تفسیر کی روایت [illegible] ابن فارس کی کتاب الافراد سے منقول ہیں [illegible] اور جو دیگر اشخاص سے منقول ہیں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

[illegible]

ابن خالویہ کا بیان ہے کہ قرآن میں [illegible] صرف ایک جگہ آیا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] والارض بعد ذلک دحاها

ابو عبیدہ نے کہا ہے [illegible] بیان کیا ہے کہ یہاں [illegible] کے معنی قبل کے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالے نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا۔ پھر وہ آسمان کی خلقت کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ اس اعتبار سے زمین کی آفرینش خلقت آسمان سے قبل ہوئی ہے۔

یہ لفظ [illegible] سورہ یوسف [illegible] میں آیا ہے [illegible] میں یہ ایک [illegible] کا نام ہے۔ (ابن خالویہ)

[illegible] جو بیان کی بات [illegible] سورہ بنی اسرائیل میں [illegible] اور سورہ نحل میں [illegible] قدرت [illegible] ہے۔

[illegible] قرآن [illegible] زید بن [illegible]

[illegible]

یہ [illegible] کہیں آیا ہے اس کے [illegible] ہیں کہ وہ [illegible] (ابن خالویہ)

قرآن میں [illegible]

[illegible] (ابن [illegible])

[illegible]

حسرۃ	بالعموم ندامت (پشیمانی) کے معنی میں آیا ہے، مگر "لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ" میں اس کے معنی ہیں رنج کھانا اور گڑھنا۔ (ابن الفارس)۔
حضور	قرآن مجید میں جہاں کہیں "حضور" کا لفظ آیا ہے، وہ بالعموم صرف شہود کے ساتھ "مشاہدہ اور حاضری (موجودگی)" کے معنی میں آیا ہے مگر ایک جگہ صرف شرب کے ساتھ "كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ" میں "منع (روک دینے اور باز رکھنے)" کے معنی میں وارد ہوا ہے۔ (الداؤدی)۔
حفظ الفرج	قرآن مجید میں جس آیت کے اندر حفظ الفرج (شرمگاہ کی حفاظت) کا ذکر آیا ہے، اس سے زنا کے قریب نہ جانا مراد ہے، مگر آیت "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ" میں شرمگاہ کو چھپانا مراد ہے تاکہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ (ابوالعالیہ)۔
حَنِيْفًا مُّسْلِمًا	قرآن میں جہاں کہیں "حَنِيْفًا مُّسْلِمًا" اور جس جگہ "حُنَفَآءَ مُسْلِمِيْنَ" آیا ہے وہاں حج کرنے والے مسلمان مراد ہیں[1]۔ (ابن المنذر عن السدی)۔
خلود	قرآن میں جس جس جگہ بھی "خلود" (ہمیشہ دوزخ میں رہنا) کا ذکر آیا ہے وہ ایسی باتیں ہیں جن کی توفیق توبہ سے نہیں ہو سکتی (یعنی ان کے مرتکب ہونے والے کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی)۔ (عمر بن عبدالعزیز)۔
دحض	دحض کے معنی ہر جگہ باطل کے آئے ہیں مگر "فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ" میں اس کے معنی ہیں "قرعہ میں نکلے ہوئے"۔ (ابن الفارس)۔
دِین	قرآن میں جہاں کہیں "دین" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی حساب کے ہیں۔ (ابن ابی حاتم من طریق عکرمہ عن ابن عباس)۔
رجز	رجز کے معنی ہر مقام پر عذاب کے ہیں مگر "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" میں اس کے معنی بُت کے ہیں۔ (ابن الفارس)۔ ل ضحاک کے طریق پر حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ کتاب اللہ میں جہاں کہیں لفظ "رجز" آیا ہے اس سے عذاب ہی مراد ہے۔
رجم	رجم کے معنی ہر جگہ قتل کے آئے ہیں مگر "لَاَرْجُمَنَّكَ" میں یہ معنی ہیں کہ میں

[1] یعنی بیت اللہ ۔۔۔ (حنفاء) ۔۔۔ دین کے ساتھ ۔۔۔ [illegible]

[illegible] "وَحَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کی مثال میں اس کے معنی ہیں "لکن"
یعنی حطب کا [illegible] چغلی [illegible]۔ (ابن الفارس)۔

ریاح قرآن میں جہاں کہیں لفظ "ریاح" آیا ہے اس سے رحمت اور جس جگہ لفظ "ریح" آیا ہے اس سے عذاب مراد ہے۔ (ابن ابی حاتم عن اُبی بن کعب)۔

ریب "ریب" کے معنی تمام تر شک کے آئے ہیں مگر سورۂ طور میں "رَيْبَ الْمَنُونِ" میں حوادثِ زمانہ مراد ہیں۔ (ابن الفارس)

ابن الانباری نے بھی کتاب الوقف و الابتداء میں السدی کے طریق پر ابو مالک کے واسطہ سے ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔

زکوٰۃ زکوٰۃ کا لفظ ہر موقع پر مال (صدقہ) کے معنی میں آیا ہے مگر "وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً" میں اس کے معنی ہیں پاکیزگی۔ (ابن الفارس)۔

زُور جس جس مقام پر "زُور" کا لفظ آیا ہے اس سے جھوٹ بولنا شرک کے ساتھ مراد ہے سوائے "مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا" میں، کہ یہاں صرف جھوٹ بات مراد ہے اور شرک کی اس میں آمیزش نہیں۔ (ابن الفارس)۔

زیغ زیغ ہر موقع پر مائل ہونے اور جھکنے کے معنی میں آیا ہے۔ مگر "وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ" کی مثال میں اس کے معنی ہیں، آنکھوں کو پھیر کر دیکھنا یا آنکھیں پھرا جانا، پھٹ جانا۔ (ابن الفارس)۔

سخر [illegible] کے مشتقات ہر جگہ ہنسی اُڑانے کے معنی میں آئے ہیں مگر سورۂ زخرف میں ایک مقام پر "سُخْرِيًّا" کا لفظ تسخیر اور استعمال سے ماخوذ ہے یعنی اس کے معنی [illegible] خدمت لینے کے ہیں۔ (ابن الفارس)۔

[illegible] جو چیز [illegible] "اَلسُّنَّۃ" [illegible] چیز [illegible] کے ہاتھوں [illegible] "[illegible]" کہتے ہیں۔ ([illegible])۔

سعیر سعیر ہر موقع پر آگ اور [illegible] کے معنی میں آیا ہے، سوائے "فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ" [illegible] کے معنی میں۔ (ابن فارس)۔

سکینۃ سکینۃ [illegible] قرآن شریف میں ہر جگہ اطمینان پانے کے معنی میں آیا ہے مگر طالوت [illegible] کے قصّہ میں جو سکینۃ کا ذکر آیا ہے وہ بلّی کے سر کی طرح کی ایک چیز تھی اور

[illegible] (ابن عباس)

سلطان — قرآن مجید میں ہر ایک جگہ سلطان سے حجت مراد ہے [illegible] ابن عباس [illegible]

شہب — [illegible] ستاروں کے ذکر کے ساتھ آسمان [illegible] (ابن عباس)

شیطان — شیطان سے [illegible]

[illegible] (ابن عباس)

صابر — قرآن مجید [illegible] (ابن عباس)

صلوٰۃ — [illegible] (ابن عباس)

ضعیف — [illegible] (ابن عباس)

صوم — قرآن مجید میں [illegible]

طعام — قرآن مجید میں جس جگہ [illegible]

ظلمات و نور — [illegible]

عذاب — [illegible]

... میں اس کے معنی ... کے ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

عفو قرآن مجید میں عفو (معاف کرنا) تین طرح پر آیا ہے:

عفو کی ایک قسم حلال سے درگذر کرنا ہے۔

دوسری قسم خرچ سے بچا ہوا ... یعنی ... جیسے "وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ" (اے پیغمبر! وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کفایت شعاری سے خرچ کریں)۔

عفو کی تیسری قسم لوگوں کا آپس میں احسان (نیکی) کرنا ہے "إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" (مگر یہ کہ وہ عورتیں اپنا حق معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا معاملہ ہے)۔ (سعید بن جبیر)

فاسق قرآن مجید میں چند مقامات کے سوا باقی ہر مقام پر فاسق بہ معنی کاذب (جھوٹا) آیا ہے۔

ضحک قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ ضحک آیا ہے وہ ہنسی کے معنی میں ہے۔ (ضحاک)

قتل قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ "قتل" آیا ہے وہ لعنت کے معنی میں ہے۔ (ابن ابی حاتم عن ابن عباس)

قنطار قرآن مجید میں "قنطار" اور ... کے ... کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مجاہد)

قطمیر قرآن مجید میں "نقیر" اور "فتیل" دونوں کی مقدار ... چیزوں کے ... ہے۔ (ابن ابی حاتم عن وہب بن منبہ)

قنوت قنوت ہر جگہ طاعت و فرماں برداری کے معنی میں آیا ہے لیکن "كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ"[1] میں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

بعض ... اور تابعین سے اس موضوع پر کچھ باتیں منقول ہیں۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے دراج کے طریق پر ابو الہیثم ... ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول

---

(۱) [illegible] ... ۲ ...

اصمعی نے فرمایا کہ "قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا ذکر ہوا ہے اُس سے طاعت (عبادت) مُراد ہے۔"

کاس — قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی "کاس" (پیالہ) کا ذکر فرمایا ہے اس سے شراب ہی مراد ہے۔ (ضحاک)

کِسفًا — قرآن مجید میں جس مقام پر کِسَفًا آیا ہے وہ عذاب کے معنی میں ہے اور جس جگہ کِسْفًا آیا ہے اس کے معنی ہیں ابر کے ٹکڑے۔ (ابوبکر بن عیاش)۔

کفور — جہاں کہیں قرآن مجید میں "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ" آیا ہے اس سے کفار ہی مُراد ہیں۔ (مجاہدؒ)۔

کنز — کنز کا لفظ ہر موقع پر "مال" کے معنی میں آیا ہے لیکن جو لفظ "کنز" سورۂ کہف میں آیا ہے اس کے معنی ہیں "علم کا صحیفہ" یعنی کتاب۔ (ابن ابی حاتم)۔

مباشرت — کتاب اللہ میں مباشرۃ کے معنی جماع کے لئے گئے ہیں۔ (ابن جریر عن مجاہدؒ)۔

مصباح — قرآن مجید میں جس موقع پر "مصابیح" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ستارے ہیں۔ مگر سورۂ نور میں "چراغ" کے معنی میں وارد ہوا ہے۔ (ابن الفارس)۔

مطر — اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی "مطر" (بارش) کا نام لیا ہے اس سے عذاب مراد ہے اور اہل عرب بارش کو غَیْث (مینہ) کہتے ہیں البتہ "اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ" اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہاں پر مطر سے بارش ہی مُراد ہے۔ (بخاری عن سفیان بن عُیینہ)۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ "جس مقام پر اس لفظ کا استعمال عذاب کے معنوں میں ہوا ہے وہاں "اُمْطِرَتْ" آیا ہے اور جس جگہ رحمت کے معنوں میں ہے وہاں "مَطَرَتْ" استعمال ہوا ہے۔

مکر — قرآن مجید میں جن جن مقامات پر "مکر" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی "عمل" ہیں۔ (سفیان بن عیینہ)۔

نبأ — "نبأ" کا لفظ ہر جگہ خبر کے معنی میں آتا ہے مگر "فَعَمِیَتْ عَلَیْہِمُ الْاَنْبَآءُ" میں اس سے دلیلیں نہ سوجھنا مراد ہے۔ (ابن المنذر)۔

نکاح — نکاح کے لفظ سے تمام قرآن میں زن و شو اور شادی مراد ہیں مگر "حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ" میں سن تمیز کو پہنچنا مقصود ہے۔ (ابن الفارس)۔

وراء — تمام قرآن مجید میں "وراء" بمعنی آگے اور سامنے ہی کے آیا ہے لیکن یہ دو مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں: اوّل "فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ" یعنی سوی ذٰلک (اس کے سوا سے) اور دوسرے "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" یعنی سوی ذٰلکم (اس چیز کے سوائے)۔ (ابو بکر)

ورود — ورود ہر موقع پر داخل ہونے کے معنی میں آیا ہے۔ مگر "وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ" میں یہ مراد ہے کہ اس چشمہ پر پہنچ گیا لیکن اس میں داخل نہیں ہوا۔ (ابن فارس)۔

ولی و نصیر — قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی "مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ" آیا ہے وہ مشرکین ہی کے لئے ہے۔ ورنہ مسلمانوں اور اہل ایمان کے مددگار اور شفیع بہت کثرت سے ہیں۔ (ابو الشیخ عن ضحاک عن ابن عباس)

وما ادراک — قرآن میں جس مقام پر "وَمَا يُدْرِيْكَ" آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی خبر نہیں دی کہ وہ کیا چیز ہے اور جہاں "وَمَآ اَدْرٰىكَ" فرمایا ہے وہاں بتا دیا کہ وہ کیا شے ہے۔ (سفیان بن عیینہ)۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا ذکر اپنے قول "وَمَآ اَدْرٰىكَ" سے کیا ہے اس کی خود ہی تفسیر کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ وہ کیا شے ہے اور جس مقام پر "وَمَا يُدْرِيْكَ" آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی خبر نہیں دی کہ وہ کیا چیز ہے اور نہ کوئی توضیح کی۔ دیکھو اللہ نے فرمایا ہے "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ" اور "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ" پھر اس کی تفسیر "كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ" کے ساتھ فرمائی اور "عِلِّيُّوْنَ" اور "سِجِّيْنٌ" ہی کا اعادہ نہیں کیا۔ اس میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ (امام راغب فی مفردات القرآن)۔ امام راغب نے اسی پر اکتفا کیا ہے اور وہ نکتہ بیان نہیں کیا۔

یأس — یأس کا لفظ ہر جگہ ناامیدی کے معنی میں آیا ہے مگر سورۂ رعد میں جو لفظ "یَیْأَسْ" آیا ہے وہ علم سے متعلق ہے یعنی "کیا انہیں معلوم نہیں ہوا"۔ (ابن فارس)۔

يُحَافِظُوْنَ — قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی عَلٰی صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ آیا ہے اس سے وقت پر نماز ادا کرتے رہنا مراد ہے۔ (زہری)

يَقْدِرُ — قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی يَقْدِرُ آیا ہے اس کے معنی يُقَلِّلُ (کم کرتا ہے) ہیں۔ (عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم)۔

يُكَلِّفُ — قرآن مجید میں جہاں جہاں "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" وارد ہوا ہے اس سے یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل میں کسی شخص کو اس کی قوت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا مگر طلاق کے بارے میں اس جملہ سے عورت کا روٹی کپڑا مراد لیا گیا ہے۔ (ابن عباس)۔

جو باتیں اس نوع میں بیان ہونے سے رہ گئی ہیں ان کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اگلی نوع میں آجائے گا۔

چالیسویں نوع

اُن ادوات کے معانی جن کی ایک مفسر کو ضرورت ہوتی ہے

(ادوات سے مراد حروف اور ان کے مثل اسماء افعال اور ظروف ہیں)

ان کا جاننا اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ جن مواقع میں ان کا استعمال ہوتا ہے وہاں ان کے اختلاف کے باعث سے کلام کا اختلاف ہوتا ہے اور ان مواقع پر اسی اعتبار سے ان کے معنی بدل جاتے ہیں۔ جیسا کہ قول تعالیٰ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ میں حرف عَلَىٰ کو حق کے ساتھ لایا گیا ہے اور حرف فِي گمراہی کی بابت سے۔ اس کی علت یہ ہے کہ صاحبِ حق (ہدایت کی) بلندی پر چڑھا ہوا ہے جہاں سے وہ چاروں طرف نظر دوڑا سکتا ہے اور ... کر سکتا ہے اور اپنی چیزوں کو دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے مگر گمراہ اور باطل میں پڑا ہوا آدمی ایسی پستی (خیالات) اور تاریکی (جہالت) کے اندر ڈوبا رہتا ہے کہ اسے اپنی جگہ سے کوئی راستہ ہی نہیں سوجھتا۔

اور قول تعالیٰ فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ میں حرف "ف" کے ساتھ فَابْعَثُوا، فَلْيَنظُرْ اور فَلْيَأْتِكُم تین جملوں کا عطف ان سے قبل کے جملوں پر ہوا ہے اور آخری جملہ وَلْيَتَلَطَّفْ کا عطف حرف "و" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخری جملہ میں ترتیب کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ نرمی کرنا ... کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اس تعلق کا ... کے ساتھ ... کی دیگر جملوں کا ... ان کا تعلق ... کے ساتھ ... قیام کی مدت ...

کرنے اور بری چیز ترک کر کے [illegible] بڑھ جانے کو تھا، وہ کہتے ہیں صدقہ سے یعنی پھر انھوں نے اپنے زمانہ قیام غار کی نسبت بیان کیا کہ اس کا منہ [illegible] کو سہنہ وہ گفتگو بند کر دی اور پھر اپنے ایک ساتھی کو کہیں لانے کے واسطے بھیجا"

قولہ تعالیٰ "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" الآیۃ میں حرف لام سے تجاوز کر کے آخر کے چار مصارف صدقہ کے بارے میں حرف "فِیْ" کو (ربط کے لئے) استعمال کرنے سے یہ بات جتانی مقصود تھی کہ یہ لوگ ان لوگوں کی بہ نسبت صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں جن کا ذکر سابق میں حرف لام کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ "فی" ظرفیت کے لئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس کو استعمال کر کے اس بات کی تنبیہ کر دی گئی کہ "فی" کے تحت میں ذکر کئے جانے والے لوگ اس امر کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو صدقات کا مصرف خیال کیا جائے اور وہ لوگ صدقہ کے ظروف ہیں یعنی جس طرح ظروف میں کوئی چیز رکھی جاتی ہے تو وہ ان میں سما جاتی اور قرار پکڑ لیتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ صدقہ کے قرار پکڑنے کی جگہیں ہیں۔

الفارسی نے کہا ہے کہ [illegible] "فرمایا ہے، [illegible] جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ [illegible]۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے [illegible] ساہون" ارشاد فرمایا، اور "فی صلاتہم" نہیں کہا۔

آگے چل کر اسی طرح کی بہت سی [illegible] بیان کیا جائے گا۔ اس نوع پر بہت سے علماء نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں متقدمین میں سے الہروی کی کتاب الازہیہ اور متاخرین میں سے ابن ام قاسم کی تصنیف جنی الدانی کے اندر اس نوع کی تفصیلی بیان آیا ہے۔

ہمزہ

یہ دو طرح پر آتا ہے:۔

وجہ اول [illegible] اور اس کی [illegible] و [illegible] شخص [illegible]

[illegible] دیا جائے [illegible] جائے گا [illegible] کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے [illegible] صدقہ [illegible] آزادی دی جائے تو اس شکل میں [illegible] (مترجم)۔

کی خواہش کرتا ہے۔ ہمزہ استفہام کا اصلی حرف ہے اور اسی وجہ سے وہ کئی امور کے ساتھ مخصوص ہے:

(۱) اس کا حذف جائز ہے اس کا تذکرہ چھتیسویں نوع میں آئے گا۔

(۲) یہ تصور اور تصدیق دونوں کی طلب کے لئے آتا ہے بخلاف ہَل کے کہ وہ محض طلب تصدیق کے لئے مخصوص ہے اور باقی تمام حروف استفہام صرف طلب تصور کے ساتھ خاص ہیں۔

(۳) ہمزہ کا دخول اثبات (اقراری) اور نفی (انکاری) دونوں طرح کے کلمات پر ہوتا ہے۔ مثبت الفاظ پر آنے کی مثالیں یہ ہیں: "أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا" اور "آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ" اور منفی کلمات پر داخل ہونے کی مثال ہے "أَلَمْ نَشْرَحْ" اور ایسے موقع پر وہ (ہمزۂ استفہام) دو معنوں کا فائدہ دیتا ہے۔

اوّل یاد دہانی اور تنبیہ کا جیسا کہ مذکورۂ بالا مثال میں ہے یا جیسے قولہ تعالیٰ "أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ" میں آیا ہے۔

اور دوم کسی بڑے کام پر اظہار تعجب کے لئے آتا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ" میں۔

اور ان دونوں حالتوں میں یہ ہمزہ ایک طرح کی تحذیر (ڈرانے) سے مشابہ ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ"۔

(۴) ہمزہ حرف عطف پر اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے پہلے لایا جاتا ہے کہ صدر کلام میں آنے کے واسطے اصلی حرف یہی ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا" — "أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ" اور "أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ"۔

ہمزہ کے دیگر تمام اخوات (ہم معنی کلمات یعنی حروف استفہام) حرف عطف کے بعد واقع ہوتے ہیں جیسا کہ اجزائے جملۂ معطوفہ کا یہی قاعدہ ہے۔ مثال کے طور پر قولہ تعالیٰ "وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ"، "فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ"، "فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ"، "فَهَلْ يُهْلَكُ"، "فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ" اور "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ" کی حالتوں پر غور کرو۔

(۵) ہمزہ کے ساتھ ہر وقت استفہام نہیں کیا جاتا ہے حتیٰ کہ سوال کرنے والے کے دل میں دریافت کی جانے والی چیز کے ثبات کا خیال نہ ہو، مگر ہَل اس کے برعکس ہے یعنی آپ

[illegible] استفہام [illegible] جب [illegible]
میں سے ایک امر کی بھی ترجیح نہ ہو [illegible] اسی مثال کو [illegible]
گیا ہے۔

(۲) ہمزہ [illegible] داخل ہوتا ہے اور [illegible] کے سوا دوسرے حروف استفہام [illegible]
آتے مثلاً [illegible] اور [illegible] ہیں اور
اس حالت میں وہ ہمزہ استفہام حقیقی کے معنی سے خارج ہو کر اپنے معنوں کے واسطے آتا
ہے جن کا بیان [illegible] نوع میں کیا جائے گا۔

فائدہ

جب ہمزہ استفہام [illegible] پر داخل ہوتا ہے تو [illegible]
یا دل سے دیکھنے کے معنی ہیں [illegible] ہوتا ہے اور اس کے معنی [illegible]
کے ہوتے ہیں۔

کبھی اس ہمزہ کو [illegible] کے ساتھ بدل دیتے ہیں [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] پڑھا گیا ہے۔

اور کبھی ہمزہ استفہام [illegible]
[illegible] دونوں کے ساتھ [illegible]

ہمزہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ قریب والے شخص کو ندا کے لئے [illegible]
[illegible]
[illegible] اس کے معنی [illegible]

ابن [illegible] کا بیان [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اس مثال [illegible] ہمزہ استفہام [illegible]

[illegible]
[illegible] ہمزہ استفہام [illegible]

[illegible] بعض آیات ربک لا ینفع [illegible]

[illegible] پر تمام شہادت کیا گیا [illegible] ہے [illegible] کا قول ہے قولہ تعالیٰ "قُل

[illegible] اس صورت میں دو چیزیں حذف کی گئی ہیں ایک معادل

[illegible] اور دوسرا خبر [illegible]

احد

ابو حاتم نے کتاب الزینہ میں بیان کیا ہے کہ :

[illegible] کی بہ نسبت بہت زیادہ کمال [illegible] ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کہا جائے "فلاں [illegible] واحد" تو اس سے یہ وہم نہیں آتا کہ اس کی تعظیم کو کوئی پا [illegible] زیادہ [illegible] ایسا ہوتا یا نظر آتا ہے [illegible] برعکس اگر [illegible] تو اس سے [illegible] زائد اشخاص سب کے قیام کی نفی ہو جاتی ہے۔

[illegible] دو خصوصیتیں ہیں جو واحد میں ہرگز نہیں، مثلاً اگر کہا جائے [illegible] تو اس سے آدمی، چوپایہ، پرندے وغیرہ میں سے کسی ایک کا گھر [illegible]

[illegible] وغیرہ سب کے [illegible] ہے اور احد [illegible] "لیس فی الدار احد" کہنے [illegible] مفہوم ہوگا کہ گھر میں آدمی کوئی نہیں ہے۔

[illegible] دونوں معنوں میں آتا ہے اور اثبات اور نفی دونوں [illegible] استعمال کیا جاتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" [illegible] اور قولہ تعالیٰ "فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ"

[illegible] اس سے "واحد" اور "اول" [illegible] دوسرے معنی [illegible] مثلاً [illegible] "مَا جَاءَنِیْ مِنْ اَحَدٍ" اور اسی قبیل سے [illegible] "فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اَحَدٍ" - "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ" لیکن لفظ واحد اثبات و نفی دونوں میں بےکسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے۔

اور احد میں مذکر و مؤنث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" بخلاف واحد کہ اس میں "كَوَاحِدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" نہیں کہا جا سکتا بلکہ "كَوَاحِدَةٍ" کہنا ضروری ہے اور احد کا استعمال افراد اور جمع دونوں صورتوں میں درست ہے۔

میں کہتا ہوں "اسی لئے قولہ تعالیٰ "فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ" میں احد کی صفت صیغہ جمع کے ساتھ آئی ہے بخلاف واحد کے۔"

اور "احد" کی جمع اس کے لفظ کے ساتھ یعنی "اَحَدُوْنَ" اور "آحَادٌ" آتی ہے مگر "واحد" کی جمع اس کے لفظ سے نہیں آتی یعنی وَاحِدُوْنَ کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ اثنان اور ثلاثۃ کہا جائے گا۔

نیز لفظ احد حساب میں نہیں آتا، اور نہ جمع، ضرب اور تقسیم یا کسی حالت میں اس کو نہیں لایا جاتا مگر واحد ان سب قاعدہ ہائے حساب میں بالاتفاق استعمال اور آتا ہے۔

ابوحاتم کے بیان کا خلاصہ تمام ہوا — ابوحاتم کے اس بیان سے احد اور واحد کے مابین سات امتیازی فرق نمایاں ہو گئے ہیں۔

اس کے علاوہ البارزی نے کتاب تفسیر اسرار التنزیل میں سُوْرَۃُ الْاِخْلَاص کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ:

"اگر یہ کہا جائے کہ کلام عرب میں اَحَدٌ کا نفی کے بعد اور وَاحِدٌ کا اثبات کے بعد استعمال بہت مشہور و متداول ہے، مگر یہاں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اثبات کے بعد استعمال ہوا ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ابوعبید نے اِن دونوں کا ایک ہی معنی میں استعمال ہونا مختار قرار دیا ہے اور اس صورت میں ان میں سے کسی ایک کو کوئی ایسی خصوصیت دینا جو دوسرے کو حاصل نہ ہو درست نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ استعمال کی رُو سے اَحَدٌ کا نفی میں آنا زیادہ پایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں) فواصل (آیات) کی رعایت کر کے غالب استعمال [illegible]

[illegible] (کیا) گیا ہو۔

امام راغب اپنی کتاب "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں:

"احد" کا استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے:

ایک صرف نفی میں اور دوسرے اثبات میں۔

پہلا استعمال (یعنی نفی میں استعمال کرنا) جنس ناطقین کے استغراق کے لئے ہوتا ہے اور قلیل وکثیر سب کو شامل ہوتا ہے، اسی لئے یہ کہنا درست ہے "ما من احدٍ فاضلین" جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ"۔

دوسرا استعمال تین صورتوں پر آتا ہے:

اول: (یہ) اکائیوں کے ساتھ (آتا) ہے، جیسے "احد عشر" اور "احد وعشرون"۔

دوم: (یہ) مضاف الیہ ہو کر اول کے معنی میں، جیسے قولہ تعالیٰ "أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا"۔

سوم: مطلق صفت ہو کر استعمال ہوتا ہے اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ"، اور اس کی اصل "وَحَدٌ" تھی مگر "وحد" کا استعمال غیر اللہ کی صفت میں (بھی) ہو جاتا ہے۔

اِذْ

اس کا استعمال کئی طرح سے ہوتا ہے۔

ایک: (یہ) ظرف زمانی کا ہوتا ہے اور یہی اس کا اکثر استعمال ہے۔

جمہور کا قول ہے کہ "اذ" ترکیب کلام میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ظرف ہو، مثلاً قولہ تعالیٰ "فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا" یا ظرف کی طرف مضاف ہو، مثلاً قولہ تعالیٰ "بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا"، "يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ"، "وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ"۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ (کبھی) مفعول بہ بھی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا" اور اسی طرح قصص کے اوائل میں جہاں لفظ "اذ" آیا ہے وہ مفعول بہ واقع ہوا ہے بتقدیر "اذکر" یعنی یاد کرو۔

یہ (کبھی) مفعول بہ سے بدل بھی واقع ہوتا ہے، مثلاً "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ" میں لفظ "اذ" لفظ "مریم" سے اسی طرح بدل اشتمال واقع ہوا ہے جس طرح

[illegible] جیسا کہ [illegible] اور [illegible]
[illegible] یعنی [illegible]
[illegible] اور یہ بدل [illegible]

سابق دونوں مثالوں میں [illegible] اس کی مثال [illegible]
[illegible] مفعول محذوف [illegible] کی طرف [illegible] اور مثال [illegible]
[illegible]
[illegible] اس بات کی [illegible]
[illegible]

[illegible] کا بیان [illegible] اس کی مثال [illegible]
[illegible]
اس مقام پر [illegible] جس طرح [illegible] قول [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] اور [illegible]
ذکر کیا ہے۔

[illegible] زمانہ گزشتہ سے زمانہ آئندہ کی طرف [illegible]
مثلاً قولہ تعالیٰ [illegible] اس بات کو نہیں [illegible] اور [illegible]
[illegible] یعنی مستقبل واجب [illegible]
[illegible] قول [illegible]
[illegible] قولہ تعالیٰ [illegible]
[illegible] اور [illegible] مستقبل کا [illegible]
[illegible]
بعض [illegible]
[illegible]

[illegible]

فائدہ:

ابن ابی حاتم نے السدی کے طریق پر ابو مالک سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا "قرآن میں جہاں کہیں "اِن" بکسرہ الف کے ساتھ آیا ہے اس کے معنی "لَم یَکُن" (نہیں تھا) اور جس مقام پر "اِذ" آیا ہے اس کے معنی "فَقَد کَانَ" (بے شک تھا) کے ہوں گے۔

(۲) دوسری وجہ "اِذ" کے استعمال کی یہ ہے کہ وہ تعلیلیہ (سببیہ) ہو جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَن یَنفَعَکُمُ الیَومَ اِذ ظَلَمتُم اَنَّکُم فِی العَذَابِ مُشتَرِکُونَ" (یعنی آج کے دن (قیامت کے دن) تم لوگوں کا عذاب میں شریک ہونا تمہیں اس واسطے کوئی نفع نہ دے گا کہ تم نے دنیا میں ظلم (گناہ) کئے تھے)۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حرف "اِذ" بمنزلہ لام سببیت کے حرف ہے یا ظرف وقتیہ ہے اور تعلیل کلام کے فحوے سے سمجھ میں آتی ہے نہ کہ لفظ سے؟ یہ دو قول ہیں ان میں سے پہلا قول یعنی "اِذ" کو لام علت کے قائم مقام ماننا سیبویہ کی طرف منسوب ہے اور دوسرے قول کی بنا پر آیت میں دو اشکال واقع ہوتے ہیں:

(۱) دونوں زمانوں کے مختلف ہونے کے باعث "اِذ" "الیَوم" سے بدل نہیں ہو سکتا۔

(۲) ظرف "یَنفَعَکُم" کا ظرف نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک فعل دو ظرفوں میں عمل نہیں کر سکتا۔ مشترکون کا ظرف بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ "اَنَّ" اور اس کے خواستہ کی خبر کا معمول اس پر مقدم نہیں ہوتا اور اس لئے بھی کہ صلہ کا معمول موصول پر مقدم نہیں ہوتا اور اس وجہ سے بھی کہ عذاب میں شرکت آخرت کے زمانہ میں ہوگی نہ کہ اسی زمانہ میں جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا۔ اور جن لوگوں نے پہلا "اِذ" کے تعلیلیہ ہونے پر اعتماد کیا ہے وہ ذیل کی مثالیں ہیں:

قولہ تعالیٰ "وَاِذ لَم یَهتَدُوا بِهِ فَسَیَقُولُونَ هٰذَا اِفکٌ قَدِیمٌ" اور "وَاِذِ اعتَزَلتُمُوهُم وَمَا یَعبُدُونَ اِلَّا اللّٰهَ فَأوُوا اِلَى الکَهفِ"

مگر جمہور نے اس قسم کے معنی کا ثابت ہونا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ جملہ کی تقدیر "بَعدَ اِذ ظَلَمتُم" ہے۔

ابن جنی نے کہا ہے "میں نے ابو علی سے بار بار قولہ تعالیٰ "وَلَن یَنفَعَکُمُ الیَومَ

کے بارے میں اَلْیَوْمَ سے اِذْ کا بدل قرار دینا مشکل نظر کرتے ہوئے اس بات کی تردید لازم کر رہا ہے تو آخر میں اُن کی گفتگو سے جو بات میری سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ دنیا اور آخرت دونوں زمانے باہم متصل ہیں اور خدا اللہ کے نزدیک دونوں کا حکم ایک ہی سا ہے۔ اس لحاظ سے اَلْیَوْمَ زمانی طور پر گزشتہ زمانہ ہوگا۔ اھ

(۳) تیسری وجہ استعمال اِذْ کی توکید ہے کیونکہ وہ زائد ہونے پر محمول ہوتی ہے۔ یہ قول ابو عبیدہ کا ہے اور اس بارے میں ابن قتیبہ نے اس کی پیروی کی ہے۔ اور دونوں نے کئی آیتوں کو اس پر محمول کیا ہے کہ منجملہ ان کے ایک قول تعالٰی "وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ" آیہ ہے۔

(۴) چوتھی وجہ تحقیق کے معنی میں آنے کی ہے جیسے "قَدْ" تحقیق کے لئے آتا ہے۔ اس قاعدہ پر آیت مذکورہ بالا کو بھی محمول کیا گیا ہے۔ نیز سہیلی نے قول تعالٰی "بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" کو اسی قبیل سے قرار دیا ہے۔ مگر ابن ہشام نے کہا ہے کہ یہ دونوں قول کچھ بھی نہیں ہیں۔ یعنی قابلِ تسلیم نہیں۔

مسئلہ

"اِذْ" کے لئے کسی جملہ کی طرف مضاف ہونا لازم ہے کہ جملہ اسمیہ ہو۔ مثلاً قول تعالٰی "وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ" یا ایسا جملہ فعلیہ ہو جس کا فعل لفظاً اور معنی دونوں طرح پر ماضی ہو۔ جیسے قول تعالٰی "وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ" اور "وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ" یا اس جملہ فعلیہ کا فعل صرف معنی فعل ماضی ہو نہ کہ لفظاً۔ جیسے قول تعالٰی "وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ" اور یہ تینوں شکلیں ایک ساتھ قول تعالٰی "اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ" میں جمع ہیں۔

اور کبھی "اِذْ" کا مضاف الیہ ایک جملہ ہوتا ہے جو اس وجہ سے کہ اس کا علم حاصل ہوتا ہے حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ پر جملہ کے بدلہ میں تنوین لاتے ہیں اور ذال کو دو ساکن حرفوں کے یکجا ہونے کے باعث کسرہ دیتے ہیں۔ جیسے قول تعالٰی "وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ" اور "وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ" میں آیا ہے۔

اخفش نے اس مقام پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان مثالوں میں "اِذْ" معرب واقع ہے۔

اس لئے کہ اُس کو جُملہ کے مضاف الیہ بننے کی ضرورت باقی نہ رہی تو "یَوْمَئِذٍ" اور "حِیْنَئِذٍ" کے لفظ اس کی جانب مضاف ہوگئے اور اس نے مضاف الیہ بن کر کسرہ کا اعراب قبول کرلیا۔

اخفش کا یہ قول اس طرح پر رَدّ کیا گیا ہے کہ "اِذْ" کا مبنی ہونا اس کے دو حرفوں پر وضع کرنے کی وجہ سے ہے اور اس کو لفظاً جملہ کی حاجت نہیں رہی تو معنًی بہرحال باقی ہے جیسے کہ موصول کا صلہ لفظاً حذف کر دیا جاتا ہے مگر وہ اس سے معنًی مستغنی نہیں ہوتا۔

اِذَا

دو طریقوں پر مستعمل ہے:

(۱) مفاجات (ناگہانی) کے لئے۔ اس حالت میں جملہ ہائے اسمیہ کے ساتھ مختص ہوتا اور جواب کا محتاج نہیں رہتا۔

اِذَا فجائیہ ابتدائے کلام میں واقع نہیں ہوتا اور اس کے معنی حال کے ہوتے ہیں نہ کہ استقبال کے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى" اور "فَلَمَّا اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ" اور "وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا" میں ہے۔

ابن الحاجب کا بیان ہے کہ "مفاجات" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شئے تمہارے ساتھ تمہارے کسی فعلی وصف میں موجود اور حاضر ہو۔ مثلاً تم کہو "خَرَجْتُ فَاِذَا الْاَسَدُ بِالْبَابِ"[1] اس قول کے معنی یہ ہیں کہ جب تم فعلِ خروج کے وصف سے موصوف ہوئے اُسی وقت شیر تمہارے ساتھ آموجود ہوا۔ یا تمہارے نکلنے کے مقام میں، وہ تمہارا ساتھی ہو گیا۔ مگر اس کا تمہارے نکلنے کے مقام پر تمہارے ساتھ آموجود ہونا زیادہ دل کو لگتی بات ہے بہ نسبت اس کے کہ تمہارے نکلنے کے وقت وہ تمہارے ساتھ آموجود ہو۔ کیونکہ نکلنے کے وقت میں اس کا تمہارے ساتھ موجود ہونا اس قدر قوی نہیں جتنی کہ اس آموجودگی کو جگہ میں خصوصیت حاصل ہے اور ہر ایک ظرف یا وصف جو موصوف اور مظروف کے ساتھ قریب تر ہو سکتا ہے اسی میں مفاجاۃ زیادہ قوی ہوتی ہے۔

(۲) اِذَا کے بارے میں اختلاف ہے:

ایک قول یہ ہے کہ یہ حرف ہے۔ اخفش کا یہی قول ہے اور اسی کو ابن مالک نے

[1] میں نکلا تو ناگہاں شیر دروازہ پر تھا۔ ۱۲

ترجیح دی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ظرفِ مکان ہے۔ یہ مبرد کا قول ہے اور اسی کو ابن عصفور نے ترجیح دی ہے۔

تیسرا قول ظرفِ زمان ہونے کا ہے۔ زجاج کا یہی قول ہے اور زمخشری نے بھی اسی کو اختیار کر کے اور کہا ہے کہ اس کا عامل وہ فعل مقدر ہے جو لفظ مفاجاۃ سے مشتق ہوتا ہے۔ زمخشری نے اس آیت کی تقدیر اس طرح قرار دی ہے "ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ فَاجَأْتُمُ الْخُرُوْجَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ"[1]

ابن ہشام کا بیان ہے کہ "یہ بات زمخشری کے سوا کسی اور نحوی سے ثابت نہیں [illegible] نحویوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ "اِذَا" کی خبر مذکور یا مقدر نصب دیا کرتی ہے"۔ ابن [illegible] نے کہا ہے کہ [illegible] قرآن [illegible] جگہ خبر اس کی تصریح کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔

(۲) دوسری وجہ اِذَا کے غیر فجائیہ ہونے کی ہے۔

اس صورت میں اکثر وبیشتر وہ ظرفِ مستقبل کا ظرف متضمن معنی شرط ہوتا ہے اور فعلیہ جملہ پر داخل ہونے کے لئے مخصوص جواب کا مقتضی ہوتا ہے اور بخلاف اِذَا فجائیہ کے ابتدائے کلام میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح سے کہ اس کے بعد آنے والا فعل ظاہر ہو جیسے "اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ" یا فعل مقدر ہو مثلاً "اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ"[2]۔ اور اِذَا کا جواب یا تو فعل ہوگا مثلاً "فَاِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ" یا جملہ اسمیہ حرف فا سے مقرون جیسے "فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ" اور "فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ"۔ یا جواب جملہ فعلیہ طلبیہ ہوگا۔ وہ بھی اسی طرح مقرون بالفاء ہوگا۔ جیسے "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" یا اس کا جواب ایسا جملہ اسمیہ ہوگا جس کو اِذَا فجائیہ کے ساتھ مقرون (شامل) بنایا گیا ہو۔ مثلاً "اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ" اور "فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ" ہے۔

اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ "اِذَا" کا جواب [illegible] کہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہو یا مقام دلالت اس کے ذکر کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے۔ مقدر ہوا کرتا ہے۔ [illegible] ذکر [illegible] کی انواع [illegible] ہوگا۔

---

[1] یعنی جب کہ اس نے تم کو بلایا [illegible] تم اس وقت نکلنے میں مشغول ہو گئے۔

[2] تقدیر عبارت "اِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ" ہے۔

اور کبھی یہ "إذا" ظرفیت سے خارج ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: حَتّٰی إِذَا جَاءُوْهَا [illegible] کا مجرور ہے اس میں حتی نے "إذا" کو جر دیا ہے۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ" [illegible] پڑھتے ہیں کہ [illegible] "خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ" کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، وہ پہلے "إذا" کو مبتدا اور دوسرے "إذا" کو خبر بناتے ہیں اور ان دونوں منصوبہ کلموں کو حال کہتے ہیں۔

اسی طرح "لیس" اور اس کے معمولات کا جملہ بھی ہے اور اس کے معنی ہیں کہ واقعہ کے واقع ہونے کا وقت ایک گروہ کو پست اور دوسرے گروہ کو بلند کرنے کا [illegible] وقت [illegible] ہے۔

مگر جمہور نے "إذا" کا ظرفیت سے خارج ہونا تسلیم نہیں کیا ہے اور وہ پہلی آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ حتی ابتدا کا حرف اور پورے جملہ پر داخل ہے مگر وہ کوئی عمل نہیں کرتا اور دوسرے جملہ کے بارے میں یہ کہا ہے کہ دوسرا "إذا" پہلے "إذا" سے بدل ہے اور پہلا "إذا" ظرف ہے جس کا جواب [illegible] محذوف ہے اور [illegible] طوالت [illegible] اور جواب کی تقدیر دوسرے "إذا" کے بعد اس طرح ہے کہ [illegible]

اور کبھی وہ [illegible] سے خارج ہوکر حال کے معنی میں آتا ہے جیسے [illegible] "إِذَا يَغْشٰى" [illegible] رات کی قسم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

هُمْ يَغْفِرُوْنَ "، "وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ "، کہ اِن دونوں آیتوں میں "إِذَا" اپنے بعد والے مبتدا "هُمْ" کی خبر کا ظرف ہے ورنہ اگر یہ شرطیہ ہوتا تو جملۂ اسمیہ اس کا جواب ہونے کی وجہ سے حرفِ "فَا" کے ساتھ مقرون ہوتا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیۃ مذکورہ بالا کی تقدیر پر "إِذَا" کا ظرفیہ ہونا قابلِ تردید بات ہے کیونکہ حرف "فَا" کا حذف کرنا کسی ضرورت کے بغیر جائز نہیں ہوتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر "هُمْ" تاکید کے لئے آئی ہے نہ کہ وہ مبتدا ہو اور اس کے مابعد کا جواب "إِذَا" ہونا فضول سی بات ہے۔

پھر تیسرا قول یہ ہے کہ "إِذَا" کا جواب محذوف ہے جس پر اس کے بعد کا جملہ دلالت کرتا ہے۔ مگر یہ بھی سراسر تکلف اور غیر ضروری بات ہے۔

تنبیہات

(اوّل) محققین کی رائے ہے کہ "إِذَا" کو اس کی شرط نصب دیا کرتی ہے اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ "إِذَا" کے جواب میں کوئی فعل یا مشابہ بفعل نہیں آیا کرتا۔

(دوم) کبھی ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا استمرار ادا کرنے اور دوام جتانے کے واسطے "إِذَا" کا اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح اسی مقصد کے لئے افعالِ مضارع کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں یہ ہیں: قولہ تعالےٰ "وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ"۔ یعنی ان کی ہمیشہ یہی حالت رہتی ہے۔ اور قولہ تعالےٰ "وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى" (یعنی جب کبھی وہ نماز کے لئے آمادہ ہوتے ہیں تو سستی ہی کرکے اٹھتے ہیں)۔

(سوم) ابن ہشام نے کتاب مغنی میں "إِذْمَا" کا ذکر کیا ہے مگر "حَيْثُمَا" کو بیان نہیں کیا، لیکن شیخ بہاؤ الدین السبکی نے کتاب عروس الافراح میں "إِذْمَا" کو بیان حروفِ شرط کے ضمن میں کیا ہے۔

"إِذْمَا" قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں آیا۔ اس کے بارے میں سیبویہ کا قول یہ ہے کہ یہ ایک حرف ہے۔ اور مبرد وغیرہ ائمۂ فن نحو کہتے ہیں کہ نہیں وہ ظرفیت پر باقی ہے۔

اب رہا "حَيْثُمَا" تو یہ قرآن میں قولہ تعالےٰ "وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ" اور "إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ" میں آیا ہے اور میں نے اس بات میں کوئی اعتراض نہیں دیکھا کہ اس کو

ظرفیت پر باقی رہنے دیا جائے یا حرفیت کی طرف راجع رہے۔ اور اس امر کا بھی خیال رہے کہ "إذما" میں دونوں قول جاری کیے جاسکیں گے یعنی احتمال ہے کہ اس کو ظرفیت پر باقی رکھا جائے کیونکہ وہ "إذا" کے خلاف مرکب ہونے سے بہت دور ہے۔

(چہارم) "إذا"، "إن شرطیہ" کے خلاف یقینی، مظنون، اور کثیر الوقوع بالتو بالخصوصیت سے داخل ہوا کرتا ہے۔ اور "إن" بالخصوص مشکوک، موہوم اور نادر ہونے پر آتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ" اور پھر ارشاد ہے "وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا" ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وضو کے بارے میں جو بار بار کرنا ہوتا ہے، لفظ "إذا" کو لیا۔ اور غسل جنابت کے واسطے جس کا وقوع نادر ہے حرف "إن" کو استعمال کیا کیونکہ جنابت حدث کی نسبت کم ہوا کرتی ہے۔ یا مثلاً ارشاد ہے "فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا" اور فرمایا "وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ" ان دونوں مثالوں میں ہر دو جگہ نیکی کے بارے میں "إذا" کو لایا گیا کیونکہ خدا کی نعمتیں بکثرت اور یقینی ہیں اور بدی کی بابت "إن" وارد ہوا ہے اس لئے کہ بدی کم واقع ہوتی ہے اور مشکوک چیز ہے۔

ہاں، اس قاعدہ پر دو آیتوں سے اشکال بھی پیدا ہوتا ہے:

پہلی مثال قولہ تعالیٰ "وَلَئِن مُّتُّمْ" اور "أَفَإِن مَّاتَ" ہے کہ ان میں باوجود موت کے یقینی واقع ہونے والی شے ہونے کے "إن" وارد کیا ہے۔

اور دوسری مثال قولہ تعالیٰ "وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا" کہ یہاں دونوں طرف "إذا" کو لایا گیا ہے۔

پہلی مثال کے اشکال کو زمخشری نے یہ کہہ کر رفع کیا ہے کہ "موت کا وقت چونکہ معلوم نہیں ہے اس لئے اس کو غیر یقینی شے کے قائم مقام بنایا۔"

اور دوسری مثال کے اشکال کو سکاکی نے یوں رفع کیا ہے کہ "اس مقام میں ملامت کرنے اور خوف دلانے کے ارادے سے اللہ تعالیٰ نے "إذا" کو استعمال فرمایا ہے

إِذَن :

سیبویہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی جواب اور جزا کے ہیں۔
شلوبین نے کہا ہے کہ [illegible] فارسی کا قول ہے
کہ [illegible] اکثر [illegible] اور اکثر [illegible] جواب
[illegible] خواہ وہ دونوں ظاہر ہوں یا مقدر۔

[illegible] کا قول ہے کہ [illegible] آگے [illegible] قبل
[illegible] کی شرط پر [illegible]
[illegible] کے معنی [illegible] کے ہوں اور
[illegible]

[illegible] دونوں [illegible] اور [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]

ابن [illegible] کا قول ہے کہ [illegible] جب [illegible] کوئی [illegible] جزا [illegible]
[illegible] جائے گا۔ تو [illegible] جواب [illegible] کیا جائے گا
[illegible] اس وقت [illegible] اور
[illegible] کی تقدیر دونوں [illegible] اور [illegible] صورت
[illegible] دونوں [illegible] جب کہ اس سے پہلے
کوئی ایسا مبتدا آئے جس کی خبر فعل مرفوع ہو تو اگر "إِذَن" کا [illegible]
[illegible] دونوں [illegible]

[illegible] کا قول ہے کہ "إِذَن" کی دو قسمیں ہیں :
(١) اول یہ کہ [illegible] اور [illegible] کے [illegible] جس حیثیت سے
کہ اس کے [illegible]

[illegible]

[illegible] "اِذَن [illegible]" اپنے معمول پر "اِذَن" عامل ہے اور وہ فعل جملوں پر [illegible]
[illegible] آنے کی صورت میں مضارع مستقبل متصل کو نصب دے گا۔

(۳) دوم یہ کہ کسی ایسے جواب کی تاکید کرے جس کا ارتباط مقدم جملوں میں سے کسی [illegible] شے کے ساتھ ہو، یا کسی ایسے مسبب کی اطلاع دے جو فی الحال واقع ہوا ہو۔ ان صورتوں میں "اِذَن" عامل نہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ تو کیدات قابل اعتماد نہیں جانتے اور ان صورتوں میں عامل ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، مثلاً "اِن تَاتِنِی اِذَن آتِکَ" اور "[illegible] اِذَن لَاَفعَلُ" کیونکہ ان صورتوں میں سے اگر "اِذَن" گر جائے تو بھی ان جملوں کا [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] اس طرح کا [illegible] "اِذَن" جملۂ اسمیہ پر داخل ہوا کرتا ہے، جیسے کہو "اِذَن [illegible]" اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو جملہ کے درمیان [illegible] ہیں [illegible] "[illegible]" [illegible] سے جواب [illegible] ہوتی ہے اور [illegible] ہو جاتا ہے۔

تنبیہات

تنبیہ [illegible] شیخ [illegible] کا قول [illegible] "[illegible]" [illegible] "اِنَّکُم اِذاً [illegible]" کے بارے میں یہ کہتے ہوئے [illegible] ہے کہ اس [illegible] "اِذاً" سے یہ معہود لفظ "اِذَن" نہیں بلکہ "اِذ" شرطیہ ہے اور جو جملہ اس کی جانب مضاف ہوتا تھا وہ حذف کر کے اس کی جگہ تنوین لائی گئی ہے جیسا کہ "یَومَئِذٍ" میں ہے۔

میں شیخ کے اس بیان کو نہایت عمدہ خیال کرتا اور مجھے گمان تھا کہ یہ بات انھوں نے سب سے پہلے نکالی ہے مگر جب میں نے [illegible] کی کتاب "البرہان" دیکھی تو [illegible] ہوا کہ [illegible] کر [illegible] موصوف نے "اِذَن" کے دونوں مذکورہ بالا معنوں کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ "بعض متاخرین علماء نے "اِذَن" کے ایک تیسرے معنی بھی بیان کیے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ "اِذاً" کا لفظ "اِذ" کے ہمراہ ظرف زمان ماضی اور اس کے بعد آنے والے [illegible]

ؔلہ تب میں تمہاری عزت کروں گا۔

ؔلہ "اِذَن" [illegible] واقع ہونے والے مستقبل [illegible]۔

ؔلہ [illegible] [illegible]۔

ؔلہ [illegible]۔

تقدیری جملے سے مرکب ہے مگر وہ جملہ تخفیف کے خیال سے حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے عوض میں "حِیْنَئِذٍ" کی طرح تنوین لائی گئی۔ غرض کہ یہ "اِذًا" فعل مضارع کو نصب دینے والا عامل ہرگز نہیں، کیونکہ "اِذَن" ناصبہ فعل مضارع کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ مضارع میں عمل کرتا ہے کیونکہ عمل کرنا مخصوص عامل ہی کا کام ہے لیکن یہ اِذًا مضارع پر آنے کے لئے مخصوص نہیں بلکہ فعل ماضی پر بھی آ جاتا ہے، جیسے قولہ تعالے "اِذًا لَاَمْسَکْتُمْ" "اِذًا لَاَتَّبَعُوْکَ" اور "اِذًا لَاَذَقْنٰکَ" اور یہ اسم پر بھی آ جاتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالے "وَاِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ"۔

زرکشی نے مذہب کو ان معنوں کو ... نحو کے بیان نہیں کیا ہے، مگر یہ ان کے اس بیان کا قرینہ ہے ... مخصوص ہے ... کے بارے میں کہا ہے۔

ابو حیان کی کتاب "تذکرہ" میں ہے کہ "علم الدین القمنی نے بیان کیا ہے کہ قاضی تقی الدین بن رزین کی رائے تھی کہ "اِذًا" ایک محذوف شدہ جملہ کے عوض میں آتا ہے اور یہ کسی نحوی عالم کا قول نہیں"۔

خویی کا قول ہے کہ "میرے خیال میں جو شخص "اَنَا اٰتِیْکَ" کہے، اس کے جواب میں "اِذًا اُکْرِمُکَ" رفع کے ساتھ کہنا جائز ہے۔ یعنی اس معنی میں کہ "اِذًا اَتَیْتَنِیْ اُکْرِمُکَ" مگر یہاں سے "اَتَیْتَنِیْ" جملہ فعلیہ حذف کر کے اس کے عوض میں حرف تنوین لے آئے اور الف دو ساکن حرفوں کے یکجا ہونے کی وجہ سے گر گیا"۔

خویی کا بیان ہے کہ "اس بارے میں علمائے نحو پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان کا اس مثال میں فعل کے "اِذَن" ناصبہ کے ساتھ منصوب ہونے پر اتفاق رائے ہے کیونکہ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ ایسا وہیں ہو سکتا ہے جہاں "اِذَن" فعل مضارع کو نصب دینے والا حرف ناصبہ ہو۔ اور اگر اِذَا کو ظرف زمان اور تنوین کو اس کے بعد والے جملہ کے عوض میں تصور کریں تو اس مذکورہ بالا امر سے "اِذَن" کے بعد فعل کو رفع دینے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ آخر بہت سے نحویوں نے "متی" کے بعد کو شرطیہ ہو کر جزم اور بہ صورت استفہام کی صورت میں بھی رفع دیا ہے۔

مذکورہ بالا علما کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مرکز توجہ بھی وہی امر ہے جو شیخ کا فیجی کا مرکز توجہ رہا ہے اور سب کا مقصد قریب قریب ایک ہی ہے۔ لیکن ان ...

ایک [illegible] نہیں [illegible] نحو کی [illegible] اور [illegible] ثبوت [illegible] کہ کوئی قواعد [illegible]
میں اس کا قول [illegible] پایا جائے۔

[illegible] بعض نحوی [illegible] ہیں کہ [illegible] ناصبہ کی اصل اسم [illegible] اور [illegible]
[illegible] کی تقدیر [illegible] کہ [illegible] کو [illegible]
[illegible] تنوین آگیا اور [illegible] کو مضمر قرار دیا گیا۔ لیکن بعض [illegible]
[illegible] ایک مرکب لفظ ہے جو [illegible] اور [illegible]
دونوں قول [illegible] کتاب [illegible] میں بیان کئے ہیں۔

تنبیہ دوم

جمہور علما کہتے ہیں کہ [illegible] تبدیل شدہ [illegible]
پایا ہے اور اس بات پر قاریوں کا بھی [illegible] ہے۔
ایک [illegible] اور [illegible] قرآن [illegible]
پر حرف [illegible] کے [illegible] قرار دیتے [illegible] کی طرح [illegible]
اس [illegible] وقف کی [illegible] پر اس کی کتابت [illegible] اختلاف ہے [illegible]
وقف کے [illegible] الف [illegible] اِذًا [illegible]
ہے۔ اور [illegible] حالت کے اعتبار سے حرف نون کے ساتھ [illegible]
[illegible]

میں کہتا ہوں کہ قرآن میں اس پر وقف کرنے اور اس کی کتابت کی [illegible]
کے [illegible] ہونے پر [illegible] ہے۔ اور [illegible] الف کے ساتھ [illegible]
دلیل ہے [illegible] منون ہے اور ایسا حرف نہیں جس کے آخر میں نون آتا ہو [illegible]
[illegible] کہ قرآن میں [illegible] ناصبہ [illegible] نہیں [illegible]
اور [illegible] یہی ہے کہ یہ معنی اس کے لئے ثابت کئے جائیں جیسا کہ [illegible]
کا [illegible] جیسا کہ اس کے پیشتر [illegible] قول بیان کیا گیا ہے۔

إِذْ :-

یہ ایک کلمہ ہے جو کبھی [illegible] چیز [illegible] وقت [illegible] آتا ہے

[illegible]

أو الینا [illegible]

[illegible] [illegible]

(دوم) یہ کہ فعل [illegible]

(سوم) یہ کہ [illegible] فعل مضارع [illegible]

[illegible]

[illegible] عبد اللہ [illegible] سورۃ الانبیاء میں [illegible] سورۃ [illegible] میں جو پہلے گزر چکا ہے [illegible] اور اس [illegible] دونوں لفظوں کے معنی میں یکساں ہوتا ہے۔

العزیزی نے اپنی کتاب "غریب القرآن" میں بیان کیا ہے کہ [illegible] یعنی [illegible] ہیں۔

[illegible] کتاب [illegible] کیا ہے [illegible] میں [illegible] کہتے ہیں کہ [illegible] اور [illegible] کے معنی ہیں۔

[illegible] کے متعلق [illegible] اس طرح پڑھی گئی [illegible] کسرہ اور تنوین دونوں کے ساتھ) اور [illegible] ضمہ کے ساتھ [illegible] تنوین اور [illegible] دونوں طرح پڑھتے) کے [illegible] (تخفیف کے ساتھ) [illegible] کے معنی میں [illegible] یعنی ان [illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

بُو مالک سے اس کے معنی بُری بات کہنا[1] مروی ہیں۔

اَلْ :-

اس کا استعمال تین[2] طریقہ پر ہوتا ہے :

(۱) یہ کہ اَلَّذِیْ یا اس کے فروع[3] کے معنی میں اسم موصول ہے اور یہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالےٰ "اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ آیۃ" اور "اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الآیۃ" کہا جاتا ہے کہ ایسے موقع پر یہ حرفِ تعریف[4] ہوتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ یہ موصولِ حرفی ہے۔

(۲) یہ کہ الف لام حرفِ تعریف[5] ہو۔

اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں :

عہد کا، اور جنس کا۔

اور پھر یہ دونوں قسمیں بھی تین تین فروعی اقسام پر منقسم ہوتی ہیں۔

چنانچہ الف لام تعریف جو عہد کے لئے آتا ہے یا تو اس کے ساتھ کوئی معہود مذکور ہوگا جیسے قولہ تعالےٰ "کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ" اور "فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ" کی مثالوں میں ہے۔ اور اس قسم کے الف لام کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ضمیر اپنے ساتھ والے لفظ کے ساتھ اس کی جگہ پر قائم کی جائے گی۔

یا معہود ذہنی اس کے ساتھ ہوگا، جیسا قولہ تعالےٰ "اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ" اور "اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" کی مثالوں میں ہے۔

اور یا معہود حضوری[6] ہوگا، مثلاً قولہ تعالےٰ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" اور "اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ" میں۔

ابن عصفور کا قول ہے کہ اسی طرح ہر ایک اس لام تعریف کی بھی یہی حالت ہے جو کہ اسم اشارہ، "اَیُّ ندائیہ" یا "اِذَا فجائیہ" کے بعد یا اسم زمانِ حاضر میں واقع ہو، مثلاً

---

[1] "ھُجر" ای من الکلام ۔ [2] یعنی شانوں ۔

[3] الف لام تعریفی ۔ [4] معرفہ بنانے والا ۱۲

[5] موجود فی الخارج ۱۲ ۔

دوسری قسم:

لام جنسیت جو استغراق افراد کے لئے آتا ہے، اور یہ وہ الف لام ہے جس کی جگہ لفظ کل حقیقۃً مستعمل ہوتا ہے اور یہ الف لام قولہ تعالیٰ "وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا" اور "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" کی مثالوں میں مذکور ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس پر وہ داخل ہوا ہے اس میں سے کسی چیز کا استثنا جائز ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا" میں ہے۔ اور دوسری یہ دلیل ہے کہ اس کی صفت جمع کے صیغے کے ساتھ آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ "أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا" کی مثال میں ہے۔

یا وہ خصائص کا استغراق کرنے کے واسطے آئے گا اور ایسے الف لام کی جگہ لفظ کل کے ساتھ مجازاً ہوتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ" میں یعنی وہ کتاب جو ہر پہلو سے کامل ہے اور تمام نازل شدہ کتابوں کی صفتوں اور خصوصیتوں کی جامع ہے۔

یا وہ الف لام ماہیت، حقیقت اور جنس کی تعریف کے لئے آئے گا۔ اس قسم کے الف لام کی جگہ پر لفظ کل کو حقیقۃً یا مجازاً کسی طرح بھی مستعمل نہیں کیا جا سکتا جیسے قولہ تعالیٰ "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" اور "أُولٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ" کی مثالوں میں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس قسم کے الف لام کے ساتھ معرفہ ہونے والے اسم اور اسم جنس نکرہ کے درمیان وہی فرق ہے جو فرق مقید اور مطلق کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ معرف باللام جنس حقیقت پر دلالت کرتا ہے اس کو حاضر فی الذہن ہونے کی قید سے مقید کر دیتا ہے اور اسم جنس نکرہ مطلق حقیقت پر دلالت کرتا ہے کسی قید کے اعتبار سے دلالت نہیں کرتا۔

الف لام کی تیسری قسم زائدہ ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) لازم، یہ اس قول کے مشابہ ہے کہ "موصولات کی تعریف صلہ کے ذریعے سے ہوتی ہے" موصولات میں پایا جاتا ہے، یا جیسے کہ "اللات" "العزی" میں پایا جاتا ہے کہ وہ لیکن

لے یعنی الف لام استغراق کرنے کے لئے۔

افتعل کی وجہ سے الف لام کے ساتھ لازم ہوتے ہیں جیسے "اللّات و العُزّٰی" اور یا شبہ استعمال کی وجہ سے ان ناموں کے ساتھ الف لام لازم آتا ہے مثلاً کشتی کے لئے "الجِنّ" اور [illegible] کے لئے [illegible] اور ثریا کے لئے "النَّجم" ستاروں کی خصوصیت اور یہ الف لام اصل میں عہد کا الف لام ہے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے قولہ تعالیٰ "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى" کے معنی میں روایت کی ہے کہ مجاہد نے کہا "النَّجم سے ثُرَیّا مراد ہے۔"

(۲) الف لام زائدہ غیر لازم ہوتا ہے اور اس قسم کا الف لام صیغہ حال پر داخل ہوتا ہے جیسا کہ بعض قاریوں کی قراءت قولہ تعالیٰ "لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ" میں "الاذل" کے ساتھ [illegible] ہے۔ [illegible] یعنی عزت والا [illegible] ذلیل ہو کر نکل جائے گا۔ لیکن چونکہ حال کا معرفہ ہونا [illegible] ہے لہٰذا یہ قراءت فصیح نہیں ہے تو پھر اس کو [illegible] حذف مضاف کی تقدیر پر کی جائے، یعنی حال کی تقدیر "خروج الاذل" قرار دی جائے جس میں سے مضاف "خروج" کو حذف کر کے "الاذل" [illegible] زمخشری نے بھی [illegible] یونہی مقدر مانا ہے۔

مسئلہ

اسم "اللہ" میں جو الف لام ہے اس کی بابت مختلف اقوال منقول ہیں:

سیبویہ نے کہا ہے کہ یہ الف لام محذوف شدہ ہمزہ کے عوض میں اس بنا پر آیا ہے کیونکہ "اللّٰہ" کی اصل "اِلٰہ" تھی، اس پر الف لام داخل کیا تو ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ما قبل یعنی لام کو دی اور لام کو لام میں مدغم کر دیا۔

الفارسی کا قول ہے کہ اس بات پر (جو سیبویہ نے کہی) "یا اللہ" کے ہمزہ کا قطعی اور [illegible] ہونا بھی دلالت کرتا ہے۔

بعض دیگر علماء کا بیان ہے کہ یہ الف لام تفخیم اور تعظیم کی غرض سے داخل کیا گیا ہے جس سے مقصد تعریف میں مبالغہ کرنا ہے کیونکہ "اِلٰہ" کی اصل "اِلاہ" تھی۔

علماء کی ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الف لام زائدہ غیر لازم ہے، تعریف کے لئے نہیں ہے۔

لہ ایک معنی سے دوسرے معنی میں مستعمل ہو جانا ۱۲

بعض [illegible] کہ [illegible] کی اصل [illegible] اس پر [illegible] کیا گیا
[illegible] ہو گیا پھر تخفیف کے لحاظ سے [illegible] پر الف لام کا اضافہ کیا [illegible] کے لئے [illegible]
[illegible]) کی [illegible] ہو گیا۔

حنبلی نحوی اور بہت سے [illegible] کا خیال ہے کہ [illegible]
[illegible] مشتق ہے۔

[illegible]

[illegible] اور بعض [illegible] کے [illegible] جائز کہا ہے [illegible] مثال پیش کیا ہے۔ اور [illegible] کے قائل نہیں ہو سکتے ہیں کہ یہاں [illegible] مقدر ہے۔

زمخشری [illegible] کی مثال میں [illegible] پیش کیا ہے [illegible] میں [illegible]

[illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible]

یہ قرآن شریف [illegible] سورتوں میں [illegible] دلالت کرتا ہے۔

زمخشری کا بیان ہے کہ [illegible] میں [illegible]
[illegible]

[illegible]

کتاب [illegible] حروف [illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ نفی پر داخل ہوتا ہے تو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے کہ قولہ تعالیٰ "أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ" میں پایا جاتا ہے (یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے)۔

اور وجوہِ دوم و سوم تحضیض اور عرض ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے معنی کسی چیز کو طلب کرنے کے ہیں مگر ان میں باہمی فرق یہ ہے کہ تحضیض کسی قدر برانگیختہ کر کے طلب کرنے کا نام ہے اور عرض میں نرمی اور فروتنی کے ساتھ طلب ظاہر ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں حرفِ "أَلَا" جملۂ فعلیہ ہی پر آتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا"، "قَوْمَ فِرْعَوْنَ"، "أَلَا يَتَّقُونَ"، "أَلَا تَأْكُلُونَ"، "أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ" کی مثالوں میں ہے۔

أَلَّا:

(فتح اور تشدید کے ساتھ) یہ تحضیض[1] کا حرف ہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے یہ حرف قرآن میں تحضیض کے معنی میں کہیں نہیں آیا مگر ہاں میں اس بات کو جائز سمجھتا ہوں کہ قولہ تعالیٰ "أَلَّا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ" کو اسی اصول کے تحت داخل کیا جائے۔ اور رہا قولہ تعالیٰ "أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ" تو اس میں حرف "أَلَّا" تحضیض کے معنوں میں نہیں آیا ہے بلکہ وہ دو کلموں یعنی "أَنْ" ناصبِ فعل مضارع اور "لَا نافیہ" سے مرکب ہے یا "أَنْ مفسرہ" اور "لَا" سے جو نہی کے لئے آتا ہے اس کی ترکیب عمل میں آئی ہے۔

إِلَّا:

(کسرہ اور تشدید کے ساتھ) یہ کئی وجہوں پر مستعمل ہوتا ہے۔

اوّل۔ استثناء کے لئے، خواہ وہ متصل ہو جیسے قولہ تعالیٰ "فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا" اور "مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ" یا منفصل ہو، جیسے قولہ تعالیٰ "قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا" اور "وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ" میں ہے۔

دوم۔ غیر کے معنوں میں آتا ہے۔ اس حالت میں تو اس کے ساتھ اور نیز اس کے بعد آنے والے جملہ کے ساتھ ایک جمعِ منکّر کی توصیف ہوتی ہے، یا ایسے لفظ کی جو جمعِ منکّر

---

[1] برانگیختہ کرنا۔

کے مشابہ ہو اور یہ "اِلَّا" بمعنی غیر اپنے بعد واقع ہونے والے اسم کو وہی اعراب دیتا ہے جو لفظ غیر، بعد ما بعد کو دیا کرتا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا"، کیونکہ اس آیت میں "اِلَّا" کا استثناء کے لئے آنا جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ اٰلِهَةٌ جمع منکر حالتِ اثبات میں ہے اور اس کا عموم پایا نہیں جاتا پھر اس سے استثناء کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ اور اگر استثناء کیا جائے تو آیت کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ "لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ لَیْسَ فِیْهِمُ اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" اور یہ معنیٰ اپنے مفہوم کے اعتبار سے باطل ہیں۔

سوم: یہ کہ "اِلَّا عاطفہ" ترسیل میں بجائے واؤ عطف کے آئے" یہ بات اخفش، فرّاء اور ابو عبیدہ نے بیان کی ہے۔ اور اس کی مثالوں میں قولہ تعالیٰ "لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ" اور "لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ" کو پیش کیا ہے یعنی "وَلَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا" (اور نہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا) اور "وَلَا مَنْ ظَلَمَ" (اور نہ وہ جس نے ظلم کیا ہو) جمہور نے اس کی تاویل استثنائے منقطع کے ساتھ کی ہے۔

چہارم: یہ "بَلْ" کے معنوں میں آتا ہے۔ اس بات کو بعض علماء نے بیان کیا ہے اور اس کی مثال یہ دی ہے:

قولہ تعالیٰ "مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی اِلَّا تَذْکِرَةً" یعنی "بَلْ تَذْکِرَةً"[2]

پنجم: "بدل" کے معنوں میں آنا۔ اس بات کو ابن الصائغ نے بیان کیا ہے اور اس کی مثال میں "اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ" کو پیش کیا ہے یعنی مثال مذکور میں "اِلَّا اللّٰهُ" کے معنی "بَدَلَ اللّٰهِ" اور "عِوَضَ اللّٰهِ" ہیں۔ اس بات کے اختیار کرنے سے وہ مذکورہ بالا اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے جو کہ از روئے مفہوم اس مثال میں استثنائے منقطع یا اِلَّا کے ساتھ وصف دینے کی صورت میں پیش آتا تھا۔

---

[1] اگر زمین و آسمان دونوں میں بہت سے اپنے معبود ہوتے جن میں خدا نہیں ہے تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا ۱۲

[2] بلکہ یہ ایک تذکرہ (یاددہانی) ہے ۱۲

ابن ہشام نے مغنی میں قولہ تعالیٰ "إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ" کو بھی اسی قسم یعنی حرفِ استثناء کی قسم میں شمار کیا ہے۔ مگر اس مثال میں جو "إلّا" آیا ہے وہ "إن" حرفِ شرط اور "لا" حرفِ نفی سے مرکب لفظ ہے۔

فائدہ

الرمانی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "إلّا" کے وہ معنی جو استثناء میں ہیں یہ ہیں کہ جس شے کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے دوسری چیزوں کو چھوڑ کر اسی کا اختصاص ہوتا ہے مثلاً اگر تم کہو "جَاءَنِي الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا" تو اس کلام میں تم نے زید کو نہ آنے کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اگر یہ کہو کہ "مَا جَاءَنِي إِلَّا زَيْدٌ" تو اس مثال میں زید ہی آنے کے لئے خاص ہو گیا اور اگر یہ کہو کہ "مَا جَاءَنِي زَيْدٌ إِلَّا رَاكِبًا" تو اس صورت میں زید کو حالتِ رکوب (سواری) کے ساتھ ہی خصوصیت دیدی گئی کہ اب وہ دوسری حالتوں مثلاً پیدل چلنے یا دوڑنے وغیرہ سے بالکل بے تعلق ہو گیا۔

الآن:

یہ زمانہ حاضر کا اسم ہے اور کبھی اس کے علاوہ دیگر زمانوں میں بھی از روئے مجاز مستعمل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ دونوں زمانوں کی حد ہے یعنی اس کا ایک کنارہ زمانہ ماضی سے اور دوسرا کنارہ زمانہ مستقبل سے متصل ہے اور کبھی اس کے ذریعہ سے دونوں زمانوں میں سے قریب تر زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔

ابن مالک کا قول ہے کہ "الآن" زمانہ حال کا اسم ہے جو تمام موجود ہو جیسے (لفظ) کی حالت میں فعل انشاء کا وقت کہ اس کو زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہی جو وہ لفظ پورا ہوا تو اس کا کچھ حصہ منقضی ہو گیا اور اس کا زمانہ موجود رہا۔ جیسے قولہ تعالیٰ "الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ" اور "فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا" اور ابن مالک کا بیان ہے کہ اس کی ظرفیت غالب ہے لازمی نہیں۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ "الآن" پر ال کس طرح کا ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ وہ تعریفِ حضوری کا ہے اور بعض لوگوں نے اسے زائدہ قرار دیا ہے۔

إلى:

یہ حرف جر ہے اور بہت سے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس کے مشہور معنی

انتہائے غایت کے لئے آتا ہے خواہ زمانہ کے لحاظ سے ہو جیسے قولہ تعالیٰ "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" یا مکان کے اعتبار سے ہو مثلاً قولہ تعالیٰ "إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى" یا زمان و مکان کے سوا دوسری چیزوں کی انتہائے غایت مراد لی گئی ہو تو بھی اس کے لئے بھی "اِلیٰ" لایا جاتا ہے مثلاً "وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ" یعنی "مُنْتَهٍ إِلَيْكِ"۔

اکثر علماء نے "اِلیٰ" کے صرف یہی ایک معنی بیان کرنے پر اکتفا کی ہے مگر ابن مالک وغیرہ علمائے نحو نے کوفیوں کی پیروی کرتے ہوئے اس کے اور بھی متعدد معنی بیان کئے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک معنی معیت کے بھی ہیں اور یہ معنی ایسے موقع پر ہوتے ہیں جب کہ ایک شئے کو محکوم یا محکوم علیہ بنا کر اسے کسی دوسری شئے کے ساتھ شامل کر دیا جائے یا تعلق پیدا کرنے کی غرض سے ہی ایسا کیا جاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ" "وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ" اور "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ" میں ہے۔

ازہری کا قول ہے کہ "تحقیق یہ ہے کہ ان مثالوں میں بھی "اِلیٰ" انتہاء ہی کے واسطے آیا ہے یعنی وہ انتہاء جو "المرافق" اور "اموالکم" کی جانب مضاف (منسوب) ہے۔"

کسی اور نحوی کا قول ہے کہ "اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ عامل کی تضمین کر دی جاتی ہے یا اس کو اس کی اصل ہی پر باقی رکھا جاتا ہے چنانچہ اس لحاظ سے پہلی آیت میں یہ معنی بنیں گے کہ "مَنْ يُضِيفُ نُصْرَتَهُ إِلَى نُصْرَةِ اللَّهِ" اور "مَنْ يَنْصُرُنِي فِي حَالِ كَوْنِي ذَاهِبًا إِلَى اللَّهِ"۔

منجملہ انہی معانی کے ایک اور معنی ظرفیت کے ہیں یعنی "اِلیٰ" بھی "فِي" کی طرح ظرف کے معنوں میں آتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" یعنی قیامت کے دن میں اور "هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَزَكَّى" یعنی "فِي أَنْ"۔

منجملہ ان کے تیسرے معنی لام کے مترادف ہونے کے ہیں۔ اس کی مثال "وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ"

لہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بیان کی گئی ہے یعنی "اَلْاَمْرُ لَکَ" اور پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ مثال انتہائے غایت کی ہے۔"

چوتھے معنی تَبْیِیْن (بیان کرنے کے ہیں)۔ ابن مالک کا بیان ہے کہ "اِلیٰ" تبیین کے واسطے آتا ہے۔ وہ حبّ (محبت)، بغض (نفرت) یا اسم تفضیل کا فائدہ دینے کے بعد اپنے مجرور کی فاعلیت کو بیان کرتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ" میں ہے۔

پانچویں تاکید کے معنی دیتا ہے اور اسی کو زائدہ بھی کہنا چاہئے، جیسے قولہ تعالیٰ "اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ" (فتحہ واؤ کے ساتھ) بعض قراء کی قرأت میں "تَهْوَی" ہے اور "اِلیٰ" زائد تاکید کے لئے آیا ہے۔ یہ بات فرّاء نے بیان کی ہے۔

کسی اور نحوی کا قول ہے کہ یہاں پر "اِلیٰ" دراصل "تَهْوِیْ" کی تضمین کے اعتبار سے آیا ہے اور "تَمِیْلُ" (میلان کرتے ہیں) کے معنی دیتا ہے۔

تنبیہ

ابن عصفور نے "ابیات الایضاح" کی شرح میں ابن الانباری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اِلیٰ" اسم کے طور پر بھی مستعمل ہے اور جیسے "غَدَوْتُ مِنْ عَلَیْهِ" کہا جاتا ہے اسی طور پر "اِنْصَرَفْتُ مِنْ اِلَیْکَ" بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس کی نظیر میں قرآن سے قولہ تعالیٰ "وَهُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ" کو پیش کیا ہے۔

اس بیان سے وہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے جس کو ابو حیان نے اس آیت میں پیدا کیا کہ مشہور قاعدہ کی رو سے فعل اس ضمیر کی جانب متعدی نہیں ہو سکتا جو بذاتہ اس کے ساتھ متصل ہو یا کسی حرف کے ذریعہ سے تعلق رکھتی ہو مگر یہاں پر فعل نے ضمیر متصل کو رفع کر دیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں باب ظنّ کے سوا دیگر باب میں مدلول کے لئے آتے ہیں۔"

اَللّٰهُمَّ:

اس کے معنی مشہور قول کے اعتبار سے "یَا اَللّٰهُ" ہیں، مگر "یَا" حرف ندا کو حذف کر کے اس کے بدلے میں اسم "اَللّٰهُ" کے آخر میں میم مشدّد کا اضافہ کر دیا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی اصل "یَا اَللّٰهُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ" تھی پھر یہ حیثیت کلمات مرکب امتزاجی بنا لیا گیا۔

---

[1] ان کی خواہش کرتے ہیں ۱۲

ابو رجاء العطاردی کا قول ہے کہ "اَللّٰھُمَّ" میں جو میم ہے اُس میں اسمائے باری تعالےٰ کے ننانوے نام جمع ہیں"

ابن ظفر کا قول ہے کہ "اِس کو اسم اعظم کہا گیا ہے" اور اس کے استدلال میں یہ بات پیش کی ہے کہ "اَللّٰہُ" ذاتِ واجب پر اور حرفِ میم ننانوے صفاتِ واجب پر دلالت کرتا ہے۔ اسی سے ابوالحسن بصری نے کہا ہے کہ "اَللّٰھُمَّ تَجْمَعُ"

نضر بن شمیل کا قول ہے کہ جس شخص نے "اَللّٰھُمَّ" کہا اُس نے گویا "اللہ" کو اُس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکار لیا"

اَمْ:

یہ حرفِ عطف ہے اور اِس کی ۲ دو قسمیں ہیں:۔

اوّل۔ متصل اِس کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ جس کے پہلے ہمزۂ تسویہ (سَوَاءٌ کا ہمزہ) آتا ہے، جیسے قولہ تعالےٰ "سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ"، "سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا"، "سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَھُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ"۔

(۲) وہ کہ اس سے قبل ایک ایسا ہمزہ آئے جس کو "اَمْ" کے ساتھ طلبِ تعیین مطلوب ہو جیسے قولہ تعالےٰ "آٰلذَّکَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ"۔

ان دونوں قسموں میں "اَمْ" کو متصل ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اُس کا ماقبل اور اُس کا مابعد دونوں ایک دوسرے سے الگ ہونے میں بجائے خود مستغنی نہیں ہوتے۔ اِس "اَمْ" کو "معادلہ" بھی کہتے ہیں اِس لئے کہ یہ قسم اوّل میں تسویہ (برابری) کا فائدہ دینے میں ہمزہ کا معادل ہے اور قسم دوم میں استفہام کا فائدہ دینے میں ہمزۂ استفہام کا ساتھی ہے۔

پھر ان دونوں قسموں میں چار طرح سے باہم فرق نمایاں ہوتا ہے۔

(۱ و ۲) جو "اَم" ہمزۂ تسویہ کے بعد واقع ہوتا ہے وہ مستحقِ جواب نہیں ہوتا اس لئے کہ ہمزۂ تسویہ کے ساتھ معنی میں استفہام کا اعتبار نہیں ہوتا اور اسی صورت میں کلام خبر ہونے کی وجہ سے تصدیق اور تکذیب کے قابل ہوتا ہے مگر ہمزۂ استفہام کے ساتھ آنے میں اُس کی یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ اس حالت میں استفہام اپنی حقیقت پر رہتا ہے۔

(۳ و ۴) وہ "اَم" جو ہمزۂ تسویہ کے بعد واقع ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں کے بیچ میں

آتا ہے، جب وہ دونوں جملہ اس کے بعد آکر صرف دو مفردوں کی تاویل میں ہو جاتے ہیں اور یہ دونوں جملے یا تو فعلیہ ہوتے ہیں یا اسمیہ، یا دونوں مختلف ہوتے ہیں یعنی ایک فعلیہ اور دوسرا اسمیہ یا اس کے برعکس، مثلاً «سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ» اور دوسرا اَم (جو ہمزۂ استفہام کے بعد آتا ہے) دو مفردوں کے درمیان آتا ہے، یہ اس کا اکثر استعمال ہے، مثلاً «أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ» اور یہ دو جملوں کے بیچ بھی آتا ہے مگر یہ جملے تاویل مفرد میں نہیں ہوتے۔

(۲) «اَم» کی دوسری نوع منقطع ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

ایک وہ «اَم» جس کے ماقبل محض خبر وارد ہوئی ہو، مثلاً «تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ»

دوسرے وہ «اَم» جس کے ماقبل میں ہمزہ تو آئے مگر استفہام کا ہمزہ نہ آئے جیسے قولہ تعالیٰ «أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا» کیونکہ یہ ہمزہ استفہام انکاری ہے جو بمنزلہ نفی کے تصور کیا جاتا ہے اور «اَم» متصلہ نفی، ہمزۂ انکار کے بعد نہیں آتا ہے۔

تیسرے وہ «اَم» جس کے ماقبل میں ہمزہ کے سوا کوئی دوسرا کلمۂ استفہام آتا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ «هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ»

اَم منقطعہ کے وہ معنی جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے «اضراب»[1] ہیں۔ کبھی وہ صرف اسی معنی کے واسطے آتا ہے اور کبھی اس معنی کے ساتھ ساتھ استفہام انکاری کے معنی کو بھی شامل ہوتا ہے۔ پہلے معنی یعنی «اضراب» کی مثال قولہ تعالیٰ «أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ» ہے کیونکہ استفہام پر استفہام کبھی نہیں آسکتا۔ اور دوسرے معنی یعنی «اضراب» کے ساتھ انکاری استفہام بھی شامل ہونے کی مثال ہے قولہ تعالیٰ «أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ» کہ اس کی عبارت کی تقدیر «بَلْ أَلَهُ الْبَنَاتُ» ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کو اضراب محض ہی کے لئے مقدر کیا جائے تو لزوم محال کی خرابی پیش آتی ہے۔

تنبیہ اوّل

کبھی «اَم» ایسے انداز سے بھی واقع ہوتا ہے کہ اس میں اتصال اور انقطاع دونوں باتوں کا احتمال ہو سکتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ «قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا» [illegible]

---

[1] ایک بات سے [illegible]

جیسے قولہ تعالیٰ "أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ" میں ہے۔

ابن الشجری نے کہا ہے کہ یہاں پر "ام" میں جائز ہے کہ بہ سبیل تقریر وہ "اتخذناہم" کے ہمزہ کے معنی سے معادل ہو کیونکہ اس سے ایک امر کے ہونے کا علم تو حاصل ہوتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ "ام" منقطعہ ہو۔

تنبیہ دوم

[illegible] نے ذکر کیا ہے کہ "ام" زائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اَمْ اَنَا خَيْرٌ" پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ [illegible] اس کی تقدیر یوں ہے "اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اَنَا خَيْرٌ" (کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں بہتر ہوں)۔

اَمَّا : زبر اور تشدید کے ساتھ۔

یہ حرف شرط ہے اور تفصیل اور تاکید کا حرف بھی ہے۔

اس کے حرف شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد حرف "فا" کا آنا لازم ہے جیسے قولہ تعالیٰ "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ" میں دیکھا جاتا ہے۔ لیکن قولہ تعالیٰ "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ" میں اس کے بعد حرف "فا" کے نہ آنے کی وجہ قول کا مقدر ہونا ہے یعنی اصل میں "فَيُقَالُ لَهُمْ اَكَفَرْتُمْ" ہونا چاہیے۔ مگر قول حذف ہو گیا اس قول نے مقتضی کو بتا دیا۔ لہٰذا جب قول حذف ہو گیا اور "فا" بھی اس کے ساتھ حذف ہو گئی۔ اور یہی حالت قولہ تعالیٰ "وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ" کی بھی ہے۔

اس کے حرف تفصیل ہونا اس لئے قرار پایا ہے کہ اکثر و بیشتر حالتوں میں وہ اسی معنی کے موافق پر وارد ہوتا ہے جہاں اس کے ذریعہ سے تفصیل مطلوب ہوتی ہے جیسا کہ مثال میں گزر چکا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ" "وَاَمَّا الْغُلٰمُ" "وَاَمَّا الْجِدَارُ" اور ایسی ہی دوسری آیتوں میں استعمال ہوا ہے۔

کبھی [illegible] تفصیل ترک کر دی جاتی ہے کہ دو [illegible] میں سے ایک ہی قسم ذکر [illegible] یہاں [illegible] کی [illegible]۔

ل1 [illegible] ایک امر کے ہونے والا ہے۔

ل2 [illegible] بات [illegible]۔

اب "امّا" کا تاکید کے لئے آنا۔ اس کی بابت زمخشری نے کہا ہے کہ "کلمہ امّا" کا فائدہ یہ ہے کہ یا تو وہ کلام کو تاکید کی نسبت عطا کرتا ہے، جیسے تم کہو "زَیْدٌ ذَاهِبٌ" اور پھر اس بات کی تاکید کرنا چاہو یا کہنا چاہو کہ زید بہرحال جانے والا ہے اور وہ چلنے کی فکر میں ہے، اور یہ کہ اس نے چلنے کا عزم کر لیا ہے تو ایسی حالت میں تم کہو گے: "اَمَّا زَیْدٌ فَذَاهِبٌ" اسی لئے سیبویہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ "مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ ذَاهِبٌ"

اور "امّا" اور حرف "ف" کے بیچ یا تو مبتدا کو فاصل قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورۂ بالا آیات میں گزر چکا ہے، یا خبر کے ذریعہ سے ان کے درمیان جدائی پیدا کی جاتی ہے جیسے "اَمَّا فِي الدَّارِ فَزَيْدٌ" یا جملہ شرطیہ کے ساتھ فصل ہوگا جیسے قولہ تعالیٰ "فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ" الآیات میں پایا جاتا ہے یا اس اسم کے ذریعہ سے جو کہ جواب کے اعتبار سے منصوب ہو یہ فصل کریں گے مثلاً قولہ تعالیٰ "فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ" یا اس معمول کے اسم سے جو کسی محذوف کا معمول ہو اور مابعد "فا" کی تفسیر کرتا ہو، جیسے قولہ تعالیٰ "وَأَمَّا ثَمُودَ فَهَدَيْنَاهُمْ" ہے جو بعض قاریوں کی قرأت میں نصب کے ساتھ ہے۔

تنبیہ

قولہ تعالیٰ "أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" میں جو لفظ "أَمَّا" ہے وہ اس "امّا" کی قسم سے نہیں بلکہ وہ دو کلموں سے مرکب لفظ ہے، ایک "امِ" منقطعہ ہے اور دوسرا "ما" استفہامیہ ہے۔

إمّا: (کسرہ اور تشدید کے ساتھ)۔

یہ کئی معنوں کے لئے آتا ہے۔

(۱) ابہام، مثلاً قولہ تعالیٰ "وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ"

(۲) تخییر، جیسے قولہ تعالیٰ "إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا" "إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى" "فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً"

(۳) تفصیل کے معنی میں آتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا"

۱؎ یعنی جو کہ زید جانے کا ارادہ۔ ۲؎ کار سازی بات کہنا۔

۳؎ انحب، دینا۔

ہیں ہے۔

تنبیہات

تنبیہ اوّل:

مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی قسم (یعنی ابہام) کے معنی میں جو "اِمّا" آیا ہے وہ بجز کسی شبہ کے غیر عاطفہ ہے مگر دوسری قسم کی مثالوں میں جو "اِمّا" آیا ہے اس کی بابت اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس کو عاطفہ قرار دیتے ہیں اور بعض نے اس سے انکار کیا ہے جن میں ابن مالک بھی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات "اِمّا" ذو عاطفہ کے ساتھ بطور لزوم کے آتا ہے یعنی واو عاطفہ اس کا ساتھ دینے والی چیز بنا رہتا ہے۔

ابن عصفور نے "اِمّا" کے عاطفہ نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے عطف کے باب میں بیان کرنے کی وجہ اس کا حروفِ عطف کے ساتھ مصاحبت سے رہنا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ "اِمّا" یہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر عطف کرتا ہے اور واو نے ایک "اِمّا" کو دوسرے "اِمّا" پر عطف کیا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب خیال ہے۔

تنبیہ دوم:

آگے چل کر بیان ہوگا کہ یہ معانی "او" میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے اور "اِمّا" کے مابین فرق یہ ہے کہ "اِمّا" کے ساتھ جس امر کے لئے وہ آیا ہے اسی کے مطابق کلام شروع ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کی تکرار واجب ہے مگر حرف "او" کے ساتھ کلام کا آغاز یقین اور وثوق سے ہوکر بعد میں کلام پر ابہام یا شک کی بات طاری ہوتی ہے اسی لئے اس کی تکرار نہیں ہوتی۔

تنبیہ سوم:

قولہ تعالیٰ "فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا" میں جو "اِمّا" آیا ہے وہ اس "اِمّا" کی قسم سے نہیں ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں بلکہ وہ دو کلموں سے مرکب شدہ ہے یعنی "اِن" شرطیہ اور "ما" زائدہ سے۔

اِنَّ (کسرہ اور تشدیدِ نون کے ساتھ):

یہ دو وجوہ اور متعدد طریقہ پر استعمال ہوتا ہے:

وجہ اوّل: یہ کہ شرطیہ ہو، مثلاً قولہ تعالیٰ "اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ"، اور جب یہ "اِنْ" "لَمْ" پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت یہ جزم دینے کا عمل "لَمْ" کیا کرتا ہے اور اس کا عمل بے کار ہو جاتا ہے، جیسے قولہ "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا" یا جب یہ حرف "لَا" پر داخل ہو تو اس حالت میں ما بعد کو "اِنْ" جزم دے گا اور "لَا" جزم نہ دے گا، مثلاً قولہ تعالیٰ "وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ" اور "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ"۔ ان مثالوں کا باہمی فرق یہ ہے کہ "لَمْ" عامل ہے اس لئے وہ لازمی طور پر اپنے بعد کسی معمول کو چاہتا ہے اور "لَمْ" اور اس کے معمول کے مابین کبھی بھی جدائی نہیں کی جاتی۔ اور "اِنْ" اور اس کے معمول کے مابین معمول "لَمْ" سے فصل کیا جا سکتا ہے اور "لَا" نافیہ ہونے کی حالت میں عامل جازم نہیں ہوتا، اس لئے اس کے آنے کی صورت میں عمل کی نسبت "اِنْ" کی طرف کی گئی۔

وجہ دوم: یہ کہ نافیہ ہو، یہ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ" اور "اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ" اور "اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى" اور "اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا"۔

بعض کہتے ہیں کہ "اِنْ" نافیہ ہمیشہ اسی طرح واقع ہوتا ہے کہ اس کے بعد "اِلَّا" ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں گزر چکا ہے یا "لَمَّا" مشددہ آئے، جیسے قولہ تعالیٰ "اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" (لَمَّا کو تشدید کے ساتھ قراءت کرنے کی صورت میں) مگر یہ قول ارشاد باری تعالیٰ "اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَآ" اور "وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ" کی مثالوں سے رد بھی ہو جاتا ہے۔

اور جو "اِنْ" نافیہ ہونے پر محمول ہوئے ہیں، ان میں سے قولہ تعالیٰ "اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ" اور "قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ" بھی ہیں۔ اور اس قبیل سے یہ بھی ... کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح قولہ تعالیٰ "وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ" میں بھی "اِنْ" نافیہ ہے، اَيْ فِي الَّذِيْ مَا مَكَّنَّاكُمْ فِيْهِ (یعنی ہم نے ان کو ایسی حالت میں قدرت دی جو تم کو قدرت نہیں دی)۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ "اِن" زائدہ ہے مگر قول اوّل ہی صحیح ہے کیونکہ نافیہ ہونے کی تائید باری تعالیٰ کے ارشاد "مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ" سے ہوتی ہے۔ یہاں پر نفی کے لئے لفظ "ما" استعمال کرنے سے "اِن" سے احتراز کیا تاکہ "ما" کی تکرار سے لفظاً ثقل پیدا نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: "اِن" کا نفی کے لئے ہونا ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، جیسا کہ "غریب القرآن" کی نوع میں ابن ابی طلحہ کے طریق سے بیان ہو چکا ہے۔

اور قولہ تعالیٰ "وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ" میں "اِن شرطیہ" اور "اِن نافیہ" دونوں اکٹھے ہو گئے ہیں۔

اور جب "اِن نافیہ" جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو جمہور کے نزدیک وہ کوئی عمل نہیں کرتا لیکن کسائی اور مبرد نے اس کو "لیس" کا عمل دیا ہے اور اس کی مثال میں سعید بن جبیر کی قرأت "إِنِ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ عِبَادًا أَمْثَالَكُمْ" پیش کی ہے۔

فائدہ

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ مجاہد نے کہا "قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی "اِن" آیا ہے وہ نفی کے لئے آیا ہے"[1]۔

سوم یہ ہے کہ "اِن" ثقیلہ سے مخفف کر کے "اِن" کر لیا گیا ہو۔ اس حالت میں وہ دونوں جملوں پر داخل ہوتا ہے۔

جب وہ جملہ اسمیہ پر داخل ہو تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل نہیں کرتا جیسے قولہ تعالیٰ "وَإِنْ كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" "إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" اور "إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ" حفص اور ابن کثیر کی قرأت میں۔

اور کبھی وہ عمل بھی کرتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَإِنْ كُلًّا لَمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ" دونوں کی قرأت میں۔

اور جب "اِن" فعل پر داخل ہوتا ہے تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ فعل ماضی ناسخ پر آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً" "وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ" اور "وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ" آیا ہے۔

---

[1] [illegible]

اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ اس کا مدخول فعل ماضی ناقص ہو۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ" اور "وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ"

اور جب "إن" کے بعد نام منصوب پایا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ "إن خفیفہ" ہے جو "إنّ ثقیلہ" سے تخفیف کرکے اس طرح کر لیا گیا ہے

وجہ چہارم یہ ہے کہ "إن" زائد وارد ہوتا ہے اور اس وجہ کی مثال قولہ تعالےٰ "فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ"

وجہ پنجم: "إن" کا تعلیل (سبب ظاہر کرنے) کے لئے آنا ہے۔ کوفیوں کا یہی قول ہے اور اس کی مثال میں انھوں نے قولہ تعالےٰ "وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ" اور "وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" کو پیش کیا ہے۔ اور اسی طرح کی اور آیتوں کو بھی جن میں فعل کا واقع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جمہور علماء نے آیت مشیت (یعنی لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ) کی بابت یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں بندوں کو ایسے واقع پر کلام کرنے کا طریقہ تعلیم کیا گیا ہے جب کہ وہ کسی آئندہ بات کی خبر دینے والے ہوں[1]۔ اور یہ کہ اس کلمہ کی اصل شرط ہونا ہے مگر یہ تبرک کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ یا آیت کے معنی ہیں "لَتَدْخُلُنَّ جَمِيعًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ" یعنی البتہ تم سب کے سب اگر خدا تعالے کو منظور ہوا تو مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اور تم میں سے کوئی شخص اس میں داخل ہونے سے قبل مرے گا نہیں۔ اور باقی تمام آیتوں کی بابت یہ جواب دیا ہے کہ اُن سب میں بھی "إن" کلمہ شرط ہے اور جوش اور شوق دلانے کے لئے آیا ہے جیسے تم اپنے بیٹے سے کہو "إِنْ كُنْتَ ابْنِي فَأَطِعْنِي" (اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری بات مان)۔

وجہ ششم اس کا "قَدْ" کے معنی میں آنا ہے۔ اس بات کا ذکر قطرب نحوی نے کیا ہے اور اس کی مثال میں قولہ تعالے "فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ" کو پیش کیا ہے جس سے "قَدْ نَفَعَتْ" مراد ہے اور اس مثال میں شرط کے معنی کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتے [illegible]

[1] یعنی خدا نے ان کو بتایا ہے کہ زمانہ مستقبل سے تعلق رکھنے والی کوئی بات کہنی ہو تو "إن شاء الله" کہہ کر کہا کرو۔ ۱۲ [illegible] فائدہ دیا۔

کی آیت میں یہاں مامور بالتذکیر ہیں۔

... اور نحوی کا قول ہے کہ "یہاں پر "اِنْ" شرطیہ ہے اور اس کے معنی اُن لوگوں کی ... (قرشیں) مذمت ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ ان کو وعظ و تذکیر کا نفع ہونا ایک بعید امر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر تقدیر عبارت "اِنْ نَفَعَتْ" ہے[2] جیسے کہ قولہ تعالیٰ "سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ" ... ہے۔

فائدہ

بعض علماء کا بیان ہے کہ قرآن میں چھ جگہوں پر "اِنْ" بصورتِ شرط واقع ہوا ہے مگر وہاں شرط مراد نہیں۔ وہ مقامات یہ ہیں:[3]

(۱) وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔

(۲) وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔

(۳) وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ۔

(۴) إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى۔

(۵) أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ۔

(۶) وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا۔

أَنْ: (فتحہ اور تخفیف کے ساتھ)۔

یہ کئی وجوہ پر استعمال ہوتا ہے:

اوّل یہ کہ ... حرفِ مصدری[4] ہوتا ہے اور یہ فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اور دو جگہ پر واقع ہوا ہے ایک تو ابتداء میں جہاں وہ محلِ رفع میں آتا ہے اور ... ہوتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ" اور "وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى" اور دوسرے ... کے بعد واقع ہوتا ہے جو یقین کے سوا دوسرے معنی پر دلالت کرتے ہیں اور ...

---

[1] [illegible]

[2] [illegible] ۱۲

[3] [illegible]

[4] فعل کو مصدر بنانے والا حرف۔

کبھی یہ محلِ رفع میں اور نصب میں مضارع ہوتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ" اور "وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا" میں ہے۔ اور یہ محلِ نصب میں بھی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ" اور "وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ" اور "فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا" میں ہے۔ اور محلِ خفض میں بھی یہ واقع ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا" اور "مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ"۔

یہ "أَنْ" موصول حرفی ہے[1] اس کا وصل فعل متصرف کے ساتھ کیا جاتا ہے خواہ وہ مضارع ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں گزرا، یا ماضی ہو جیسے قولہ تعالیٰ "لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا" اور "وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ" میں آیا ہے۔

"أَنْ" کے بعد مضارع کو رفع بھی دیدیا جاتا ہے اس حیثیت سے کہ "أَنْ" کو اُس کی اُخت (ہم معنی) حرف[2] "مَا" پر محمول کر کے عمل نہیں دیا جاتا۔ اس کی مثال ابن محیصن کی قرأت قولہ تعالیٰ "لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمُّ الرَّضَاعَةَ" ہے۔

دوسری وجہ اس کے استعمال کی "أَنَّ ثقیلہ" سے تخفیف کر کے "أَنْ" بنا دینا ہے۔ اس حالت میں وہ فعل یقین یا اس کے کسی قائم مقام (ہم معنی) لفظ کے بعد واقع ہوا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا" اور "عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ" اور "وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونُ" قرأت رفع کی حالت میں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ "أَنْ" تفسیر کے لئے ہو "أَيْ" کے معنی میں، جیسے قولہ تعالیٰ "فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا" اور "وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ"۔

اس کی شرط یہ ہے کہ ایک جملہ اس سے قبل آئے، اسی لئے جس شخص نے قولہ تعالیٰ "وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" کو اس طرح کے "أَنْ مفسرہ" کے تحت داخل کیا ہے اس نے سخت غلطی کی ہے کیونکہ یہاں "أَنْ" سے پہلے پورا جملہ نہیں ہے۔

"أَنْ مفسرہ" کی یہ شرط بھی ہے کہ اس کے بعد بھی ایک جملہ آنا چاہئے اور نیز جملہ سابقہ میں قول کے معنی ہونے چاہئیں۔ اس کی مثال قولہ تعالیٰ "وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا" ہے۔

---

[1] یعنی اپنی جگہ پر مصدر۔

[2] یعنی وہ حرف جو اپنے ما بعد سے مل کر جملہ کو تاویل مفرد میں کر دے، مصدری معنی دیتا ہے۔ مترجم

[3] یعنی حرف "ما" مصدریہ۔

اس لئے کہ یہاں [illegible] سے [illegible] مراد نہیں بلکہ اس کو [illegible] اُن کی زبان کا چلنا مقصود ہے جیسا کہ "اِمْشُوا" سے بھی معمولی طور پر قدم قدم چلنا مقصود نہیں بلکہ استمرار کی منسوب ہے۔

زمخشری نے قولہ تعالیٰ "اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا" میں جو "اَنْ" آیا ہے اُس کو مفسرہ بیان کیا ہے اور اس کی وجہ اس "اَنْ" سے پہلے قولہ تعالیٰ "وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ" کا وارد ہونا قرار دی ہے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ وحی اس مقام پر باتفاق سب کے نزدیک الہام کے معنی میں آئی ہے اور الہام میں قول کے معنی ہرگز نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا بہ کسی مزید بحث کے اس جگہ "اَنْ" مصدریہ ہوگا اور اس کے معنی "بِاتِّخَاذِ الْجِبَالِ" پہاڑوں کو مکان کے لئے اختیار کرنے کے ہوں گے۔

"اَنْ مفسرہ" کی ایک یہ بھی شرط ہے کہ اس سے پہلے آنے والے جملہ میں قول کے حروف نہ ہوں۔ لیکن زمخشری نے قولہ تعالیٰ "مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ" کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس میں "اَنْ" کا مفسرہ ہونا بھی جائز ہے کہ قول کی تاویل اَمَرْتُ کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ یعنی آیت کا مفہوم ہے "مَا اَمَرْتُهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ"۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ "یہ نکتہ بہت پیاری ہے اور اس لحاظ سے قاعدہ مذکورہ بالا میں اتنی قید اور بڑھا دی جانی چاہئے کہ اس میں قول کے حروف (صیغے) نہ ہوں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ قول کی تاویل کسی دوسرے لفظ سے کر دی گئی ہو، کیونکہ اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

مگر یہ کچھ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ شرط تو یہ لگاتے ہیں کہ "اَنْ مفسرہ" سے پہلے آنے والے جملہ میں مصدر قول کا کوئی صیغہ نہ ہو اور جب اس کا صریح صیغہ آ جائے تو اس کی تاویل ایسے لفظ سے کرتے ہیں جو قول کا ہم معنی ہے اور یہ بات بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ [illegible] "اَلْآنَ" کے [illegible] کیا ہے کہ وہ اس [illegible] کی "اَلْآنَ" [illegible] خود [illegible] معنی [illegible] اور یہ لہ

۱؎ [illegible]

اس پر حرفِ جر داخل نہیں ہوتا۔

چوتھی وجہ استعمالِ "اَنْ" کی یہ ہے کہ وہ زائد ہو۔ اس حالت میں وہ اکثر "لَمَّا"[1] کے بعد آتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَمَّا اَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا" میں "اَنْ" زائد ہے۔

اخفش نے کہا ہے کہ "اَنْ" زائد ہونے کی حالت میں فعل مضارع کو نصب دیکر ... ہے اور اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "وَمَا لَنَا اَنْ لَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کو پیش ... اور قولہ تعالیٰ "وَمَا لَنَا اَنْ لَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ" کو بھی، اور کہا ہے کہ ان مثالوں میں "اَنْ" کے زائد ہونے کی دلیل قولہ تعالیٰ "وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ" ہے[2]۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ "اِنْ مکسورہ" کی طرح "اَنْ مفتوحہ" بھی شرطیہ ہو ... اہل کوفہ قائل ہیں اور اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا"، "اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اور "صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ" کو پیش کرتے ہیں۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ میرے نزدیک بھی اُن دونوں (اَنْ) کا ایک ہی محل پر ... اس بات کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ (کسی قاعدہ کی) اصل توافق ہی ہوا کرتی ہے ... کی قرأت اِن ذکر شدہ آیتوں میں دونوں صورتوں پر کی گئی ہے (یعنی ...) پھر اس کے علاوہ قولہ تعالیٰ "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا" کے بعد اُس کے قول "فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى" میں حرف "فا" کے داخل ہونے سے بھی "اَنْ" کے شرطیہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

چھٹی وجہ استعمال "اَنْ" کی اُس کا نافیہ ہونا ہے۔ چنانچہ بعض علمائے نحو نے قولہ تعالیٰ "اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ" میں یہی مانا ہے۔ یعنی کہ یہاں "مَا" نفی مُراد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس مقام پر "اَنْ" مصدریہ ہے اور اس کے معنی "وَلَا تُؤْمِنُوْا اَنْ يُّؤْتٰى، اَىْ بِاِيْتَاءِ اَحَدٍ" ہیں (یعنی کسی کے اِس کہنے پر یقین نہ لاؤ کہ دوسرے کو بھی تمہاری جیسی ہدایت کی نعمت دی گئی ہے)[3]۔

---

[1] جو وقت معین کرنے کے لئے آتا ہے ۱۲

[2] کیونکہ "اَنْ" زائد نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس جگہ بھی مذکور ہو۔ ۱۲

[3] نہیں دیا گیا۔ ۱۲

نویں وجہ استعمال "اَنْ" کی یہ ہے کہ وہ تعلیل (سبب ظاہر کرنے) کے لئے آتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے قولہ تعالےٰ "بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ" اور "یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا" کے بارے میں کہا ہے۔ مگر درست یہ ہے کہ ان مقامات پر "اَنْ" مصدریہ ہے اور اس سے قبل لام علّت مقدر ہے۔

دسویں وجہ "اَنْ" کا "لِئَلَّا" کے معنی میں آنا ہے۔ یہ بعض علماء کا قول ہے اور اس کی مثال انہوں نے قولہ تعالےٰ "یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا" کو پیش کیا ہے۔ مگر درست یہ ہے کہ یہاں بھی "اَنْ" مصدریہ ہے۔ اور عبارت میں "کَرَاھَۃَ" کا لفظ مقدر ہے یعنی اصل عبارت "کَرَاھَۃَ اَنْ تَضِلُّوْا" تھی۔

اِنَّ (کسرہ اور تشدید کے ساتھ):

یہ کئی وجوہ اور کئی طریقوں پر استعمال ہوتا ہے۔

منجملہ ان کے وجہ اوّل تاکید اور تحقیق کے معنی میں جو بیشتر آتے ہیں۔ مثلاً قولہ تعالےٰ "اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" اور "اِنَّآ اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ"

عبدالقاہر جرجانی نے کہا ہے کہ "اِنَّ" کے ساتھ تاکید کرنا لام تاکید کی نسبت بہت زیادہ قوی ہے اور استقراء (جستجو اور غور) سے بعد ظاہر ہوا کہ "اِنَّ" کے موقعوں میں اکثر مواقع ایسے ملتے ہیں جہاں یہ کسی ایسے مقدر سوال کا جواب ہوتا ہے جس میں سائل کو تردد (شبہ) ہوا کرتا ہے۔

وجہ دوم تعلیل ہے اس کو ابن جنی اور اہل معانی و بیان نے ثابت کیا ہے اور اس کی مثال میں قولہ تعالےٰ "وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" اور "وَصَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ" اور "وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ" کو پیش کیا ہے اور یہ تاکید کی ایک قسم ہے۔

وجہ سوم یہ ہے کہ "اِنَّ" "نَعَمْ" (ہاں) کے معنی دیتا ہے۔ یہ بات بھی اکثر علماء نے بیان کی ہے اور اس کی مثال میں بہت سے اشعار ہیں جن میں سے ایک مبرد بھی ہے قولہ "اِنَّ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" کو پیش کیا ہے۔

اَنَّ (فتحہ اور تشدید کے ساتھ):

لہ ہمارے نزدیک یہ توجیہ [illegible]

یہ دو طرح پر آتا ہے۔

اوّل حرف تاکید ہو کر اور صحیح تر امر یہ ہے کہ وہ "اِنَّ مکسورہ" کی شاخ اور موصول حرفی ہے جو اپنے اسم و خبر دونوں کے ساتھ مل کر بتاویلِ مفرد مصدر ہوتا ہے۔ پھر اگر اس کی خبر اسمِ مشتق ہوگی تو مصدر مؤول[1] اسی خبر کے لفظ سے آئے گا۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" یعنی "قُدْرَتَہٗ"[2] اور اگر خبر اسم جامد ہو تو ایسی حالت میں کون سے مقدر مانا جائے گا۔

"اَنَّ" کے تاکید کے لئے آنے میں یہ اشکال بھی پیش آتا ہے کہ اگر تم اس کی خبر سے بنائے ہوئے مصدر کی تصریح کر دو تو پھر وہ تاکید کا فائدہ ہرگز نہ دے گا۔

لیکن اس اشکال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ تاکید مصدر منحل کے لحاظ سے[3] ہے اور تو اس میں اور "اِنَّ مکسورہ" میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ "اِنَّ مکسورہ" میں تاکید اسناد کی ہوتی ہے اور اس میں (اَنَّ مفتوحہ میں) احد الطرفین کی تاکید مطلوب ہوتی ہے۔

دوسری وجہ استعمال "اَنَّ" کی یہ ہے کہ وہ لَعَلَّ کے معنی میں استعمال ہونے والی لغت (لغۃ او ضعیفۃ) ہے اور اس اعتبار سے اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ" کو پیش کیا گیا ہے۔

مگر یہ فتح کے ساتھ (اَنَّهَا) قرأت کرنے کی صورت میں ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی "لَعَلَّهَا" کے لئے گئے ہیں اور (اِنَّهَا) مکسورہ کی قرأت میں یہ معنی نہیں لئے جاتے۔

اَنّٰی:

یہ استفہام اور شرط کے درمیان ایک مشترک اسم ہے۔

استفہام میں یہ بمعنی کَیْفَ کے آتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "اَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" (كَيْفَ يُحْيِي) "فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ" (كَيْفَ يُؤْفَكُونَ)

"اَنّٰی" مِنْ اَيْنَ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "اَنّٰى لَكِ هٰذَا" یعنی "مِنْ اَيْنَ" کہاں سے۔ اور "قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا" یعنی "مِنْ اَيْنَ جَاءَ هٰذَا" (یہ کہاں سے آیا)

۱؎ جس کے ساتھ مصدر کی تاویل کی جاتی ہے وہ مصدر مؤول ہے۔

۲؎ اس کی قدرت ہر چیز پر ہے۔

۳؎ یعنی اس مصدر کے لئے خبر کا انحلال ہو گیا ہو اس طرح کہ اس کی نسبت منقطع کر دی جائے۔

آتا ہے)۔

کتاب عروس الافراح میں ہے کہ "اَیْنَ" اور "مِنْ اَیْنَ" کے مابین فرق اتنا ہے کہ اَیْنَ کے ذریعہ وہ جگہ پوچھی جاتی ہے جس میں کوئی چیز قرار پذیر ہو۔ اور مِنْ اَیْنَ کے ذریعہ وہ جگہ دریافت کی جاتی ہے جو شے کے نکلنے اور ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ اسی معنی کی مثال قولہ تعالیٰ "اَنّٰی [illegible]" کی شاذ قرأت قرار دی گئی ہے۔

مَتٰی، حَیْثُ کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ "فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ" میں ان تینوں معانی میں سے پہلے معنی کو ابن جریر نے بطریق ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور دوسرے معنی کو ربیع بن انس سے روایت کر کے اسی کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور تیسرے معنی کی روایت ضحاک سے کی ہے۔ پھر ان کے علاوہ ابن عمرؓ وغیرہ سے ایک چوتھا قول بھی روایت کیا ہے کہ "اَنّٰی" "حَیْثُ شِئْتُمْ"[1] کے معنی میں آتا ہے۔

ابو حیان اور دیگر علماء نے آیت مذکورہ بالا میں "اَنّٰی" کو شرطیہ ہونا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا جواب اس لئے حذف کر دیا گیا کہ ماقبل "اَنّٰی" جواب پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ اگر وہ استفہامیہ ہوتا تو ضرور تھا کہ صرف اپنے مابعد پر اکتفا کرتا جیسا کہ استفہامیہ کلمات کی عام حالت ہے کہ وہ اپنے بعد پر اکتفا کیا کرتے ہیں یعنی اگر وہ بعد اسم یا فعل ہو تو ایسا کلام بن جاتا ہے جس پر سکوت کرنا اچھا ہو۔

اَوْ:

یہ حرف عطف ہے اور کئی معنوں کے لئے آتا ہے:

(۱) شک کے لئے، متکلم کی جانب سے، مثلاً قولہ تعالیٰ "لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ"۔

(۲) سننے والے (مخاطب) کی طرف ابہام (دریافت طلب بات) کے معنی میں آتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"۔

(۳) تخییر یا معلق ہونے والی باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرنے کا موقع دینے کے لئے بھی آتا ہے جبکہ ان دونوں کا جمع ہونا ممتنع ہو، اس کی مثال قولہ تعالیٰ "فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" ہے۔ اور قولہ تعالیٰ "فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ

[1] یعنی جس طرح چاہو۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ" بھی ہے۔

(۴) جب کہ دو باہم عطف ہونے والی باتوں میں جمع ممتنع نہ ہو بلکہ ممکن ہو تو ان میں سے ہر دو کی اباحت اور جواز کے لئے آتا ہے۔ اس کی مثال ہے قولہ تعالےٰ "وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ۔ الآیۃ"۔

اوّل الذکر شکل یعنی امتناعِ جمع کی دونوں آیتوں[1] میں یہ اشکال پیدا کیا گیا ہے کہ ان پر جمع کرنا ممتنع نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص سب باتوں کو پورا کر دے)۔

ابن ہشام نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ "نہیں ان میں جمع ہونا کفارہ یا فدیہ کے واقع ہونے کے لحاظ سے بیشک محال ہے کیونکہ کفارہ یا فدیہ کے لئے جن باتوں کی تعیین کی گئی ہے اگر کوئی شخص ان سب کو ایک ساتھ پورا کر دے تو ان میں سے صرف ایک ہی چیز کفارہ یا فدیہ بنے گی اور باقی چیزیں علیحدہ اور بجائے خود قربتِ الٰہی اور حصولِ ثواب کا باعث بنیں گی جو کفارہ اور فدیہ ہونے سے خارج ہیں لہٰذا وہ سب اکٹھا نہ ہو سکیں گی۔

میں کہتا ہوں کہ ان سب مثالوں سے بڑھ کر واضح اور صادق مثال قولہ تعالےٰ "اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا۔ الآیۃ" ہے کیونکہ جس شخص نے گردن مارنے یا سُولی دینے کی سزاؤں میں سے کسی ایک سزا کے دینے کا اختیار امام کے حق میں تسلیم کیا ہے۔ وہ امام پر ان دونوں باتوں کو ایک ساتھ جمع کرنا ممتنع قرار دیتا ہے کیونکہ امام دونوں باتیں ایک ساتھ کبھی نہیں کر سکتا اور نہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک ہی اَمر پر قائم رہے جو اس کے اجتہاد میں مناسب معلوم ہو۔

(۵) یہ حرف (اَوْ) اجمال کے بعد تفصیل کے لئے بھی آتا ہے، مثلاً قولہ تعالےٰ "وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا" اور "قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ" یعنی بعض لوگوں نے کہا اور بعضوں نے کہا۔

(۶) "بَلْ" کی طرح اِضراب کے معنی میں آتا ہے یعنی جیسے "بَلْ" اضراب کے معنی دیتا ہے اسی طرح "اَوْ" بھی یہ معنی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالےٰ "وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ" (بَلْ يَزِيْدُوْنَ) اور قولہ تعالےٰ "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" (بَلْ اَدْنٰى) اور نیز بعض علماء کی قراءت قولہ تعالےٰ "[illegible]"

---

[1] یعنی قولہ تعالےٰ "فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" اور قولہ تعالےٰ "[illegible] اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ۔ الآیۃ" میں۔

سکوں دو کے ساتھ۔

(۷) مطلق جمع ابین المعاوفین کے لئے بھی آتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ «لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ» (وَيَخْشَىٰ)، «لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا» (وَيُحْدِثُ)۔

(۸) تقریب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس بات کو حریری اور ابوالبقاء نے کہا ہے اور اس کی مثال قولہ تعالیٰ «وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ» بتائی ہے مگر اس قول کی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ یہاں پر تقریب کا استفادہ «أو» سے نہیں بلکہ اس کے سوا کسی اور شے سے ہوتا ہے۔

(۹ و ۱۰) استثناء کے لئے «اِلّا» کے معنی میں اور «اِلیٰ ظرفیہ» کے معنی میں بھی «أو» کا استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں وجوہ کے ساتھ آنے والا «أو» اپنے بعد «أن» مخفی ہونے کی وجہ سے مضارع کو نصب دیتا ہے۔ اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ «لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً»

اس مثال میں «تَفْرِضُوا» کو منصوب کہا جاتا ہے اور «تَمَسُّوا» پر عطف ہونے کی وجہ سے اس کو مجزوم (یعنی ...) نہیں قرار دیا گیا کیونکہ اس کے یہ معنی ہو جاتے ہیں کہ تم ان عورتوں کو ان دونوں امور میں سے کسی ایک کے موجود نہ ہونے کے عرصے میں طلاق دے دو تو تم پر دونوں کے مہروں سے تعلق رکھنے والے معاملے میں کوئی خرابی لازم نہ آئے گی حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، یعنی اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا ہو اور خاوند مس (جماع) سے پہلے طلاق دیدے تو مہر مثل ادا کرنا ضروری ہے اور اگر مہر تو مقرر کر لیا ہے مگر مس (جماع) نہیں کیا، تو اس صورت میں طلاق دینے والے کو مقررہ مہر کا نصف ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا جب یہ صورت ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ دونوں امور میں سے کسی ایک کے موجود نہ ہونے کے عرصہ میں طلاق دینے پر مہر کے معاملے میں کوئی حرج واقع نہ ہونا صحیح ہو سکے۔ اور اس لئے بھی کہ مہر مقرر کی گئی مطلقہ غیر ممسوسہ عورت کا قولہ تعالیٰ «وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ» آیۃ میں دوسری مرتبہ ذکر ہوا ہے اور وہاں مطلقات کا ذکر پہلے بیان شدہ عموم کے خیال سے ترک کر دیا جاتا ورنہ اگر تخریج [illegible] مجزوم ہوتا تو ممسوس کی گئی (ممسوسہ) عورتوں اور مہر پانے والی [illegible]

ے یعنی [illegible] مہر مقرر کرنے سے پہلے [illegible] (مترجم)

ے یعنی مس کی ہوئی عورتوں کو۔

ممسوسہ، عورتوں کا ذکر ایک ہی طریقہ سے آنا چاہئے تھا۔ حالانکہ یہاں ان کے ذکر میں تفریق کی گئی ہے۔

اگر "اَوْ" بمعنی "اِلَّا" قرار دیا جائے تو "مَفْرُوْضٌ لَهُنَّ" (وہ عورتیں جن کا مہر بندھا گیا ہے) ممسوس عورتوں کے ساتھ ذکر میں شریک ہونے سے خارج ہو جائیں گی۔ اور اسی طرح اگر "اَوْ" بمعنی "اِلٰی" کے فرض کریں، اور اس کی غایت (حد، جناح (حرج) کی نفی قرار دیں، نہ کہ مَس (جماع) کی نفی تو بھی یہی صورت ہوگی۔

ابن حاجب نے پہلی بات کا یہ جواب دیا ہے کہ "یہاں دو باتوں میں سے کسی ایک بات کی مدت کی نفی (موجود نہ ہونا) مراد نہیں بلکہ وہ مدت مراد ہے جس میں ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ ہو، کیونکہ دونوں امور کا ایک ساتھ انکار کر دیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر لفظ "جُناح" نکرہ (اسم عام) ہے اور ایسا نکرہ ہے جو نفی صریح کے سیاق میں واقع ہوا ہے"۔

دوسری بات کا جواب کسی نے یہ دیا ہے کہ "مہر مقرر کی گئی عورتوں کا ذکر دوبارہ اس لئے کیا گیا کہ ان کے واسطے نصف مہر مقررہ کی تعیین مقصود تھی اور صرف اس بات پر اکتفا کرنا منظور نہ تھا کہ ان کو فی الجملہ دستور کے مطابق کوئی چیز دینے کا حکم دیا جائے۔

اس طرح کے "اَوْ" بمعنی "اِلَّا اَنْ" یا "اِلٰی اَنْ" کی مثالوں میں سے اُبی بن کعب کی قرأت کے مطابق قولہ تعالیٰ "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ" بھی ہے۔

تنبیہات

تنبیہ اوّل:

متقدمین نے "اَوْ" کے یہ مذکورہ بالا معانی بیان نہیں کئے ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق صرف اسی قدر کہا ہے کہ "اَوْ" دو یا کئی ایک چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے ثبوت ہی کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام کا بیان ہے کہ "محقق بات وہی ہے جس کو متقدمین نے بیان کیا ہے اور دوسرے جس قدر معانی بیان ہوئے ہیں یہ سب مختلف قرائن سے مستفاد ہیں۔

تنبیہ دوم

ابو البقاء نے کہا ہے کہ "اَوْ" جو کہ نہی میں آتا ہے، وہ اس "وَاو" کی نقیض اور ضد

ہوتا ہے جو کہ اباحت کے متعلق آتا ہے لہٰذا نہی (ممانعت) میں جن دو امروں کے مابین حرفِ "اَوْ" کے ساتھ عطف آئے گا وہاں یہ مراد کبھی نہ ہوگی کہ ان میں سے ایک ہی امر کا اجتناب لازم ہے بلکہ دونوں امور سے بچنا ضروری ہوگا، جیسے قول تعالےٰ "وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا" میں ہے کہ اس کے معنٰی ہیں "ان میں سے ایک کی بھی اطاعت نہ کر" کیونکہ ان میں سے ایک کا فعل بھی جائز نہیں اور اگر ان دونوں امور کو باہم جمع کر دیا جائے تو ایسا ہوگا کہ گویا ایک منع کئے گئے کام کو دوبارہ کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک امر ایک فعل منہی عنہ[1] ہے۔

کسی ... نحوی کا قول ہے کہ اس مثال میں "اَوْ" بمعنی واو (حرفِ واو) جمع کا فائدہ دیتا ہے یعنی دونوں شخصوں کی اطاعت سے یکساں ممانعت ہے۔

طیبی نے کہا ہے کہ "یوں کہنا بہتر ہے کہ یہاں بھی "اَوْ" اپنے خاص معنی تخییر[2] ہی کے لئے آیا ہے۔ البتہ اس نہی (ممانعت) کی وجہ سے جو نفی کے معنی میں آئی ہے یہاں "اَوْ" کے معنی میں تعمیم پیدا ہوگئی کیونکہ نکرہ سیاق نفی میں واقع ہو تو وہ عام ہو جاتا ہے لہٰذا اس موقع پر نہی سے پہلے یہ معنٰی تھے "تُطِيعُ آثِمًا أَوْ كَفُورًا" (تو آثم (گنہگار) یا کفور (سخت ناشکرا) کی اطاعت کرتا ہے) پھر جب اس پر نہی آئی تو اس کا ورود اسی حالت پر ہوا جو کہ ثابت تھی یعنی "اَوْ" اپنے اصلی معنی دیتا تھا اور اب نہی آنے کے بعد اس کے معنی ہوئے "لَا تُطِعْ وَاحِدًا مِنْهُمَا"[3] گویا نہی کی جہت سے دونوں میں تعمیم ہوگئی۔ اور "اَوْ" بدستور اپنے معنی پر قائم رہا۔

تنبیہ

"اَوْ" بمعنی عدم ترتیب (باہم ترتیب نہ رکھنے) پر ہو تو تنبیہ بافراد (منفرد طور سے) صرف اس کی صراحت ہوتی ہے۔ اور وہ "واو" کے خلاف ہوتا ہے۔ بہرحال قولہ تعالےٰ "إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا" کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس میں "اَوْ" بمعنی "واو" بالذات کے آیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی "إِنْ يَكُنِ الْخَصْمَانِ غَنِيَّيْنِ أَوْ فَقِيرَيْنِ"[4] ہیں۔

---

[1] وہ فعل جس سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہو۔ [2] کسی ایک کو اختیار کرنا۔

[3] ان میں سے ایک کی بھی اطاعت نہ کر۔ ۱۲

[4] دونوں فریق مال دار ہوں یا غریب ہوں۔ ۲

فائدہ

ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "قرآن شریف میں جہاں کہیں "أو" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی تخییر ہی کے ہیں مگر اگر اس کے بعد "فمن لم یجد" ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ "الأول فالأول" (پہلا اور پھر پہلا) یعنی ابتدا سے لے کر ترتیب وار۔

بیہقی نے اپنے سنن میں ابن جریج سے روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں "أو" وارد ہوا ہے وہ تخییر ہی کے لئے ہے مگر قول تعالیٰ "أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا" اس قید سے بری ہے کہ اس میں "أو" تخییر کے لئے نہیں آیا ہے۔"

امام شافعی کہتے ہیں کہ "میرا بھی یہی قول ہے۔"

أَوْلٰى:

قولہ تعالیٰ "أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى" اور "فَأَوْلٰى لَهُمْ" کے متعلق جوہری بیان کرتا ہے کہ "اہل عرب کا قول "أَوْلٰى لَكَ" ایک دھمکانے اور خوف دلانے کا کلمہ ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ "فَأَوْلٰى لَكَ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ"

اصمعی نے کہا ہے کہ اس کے معنی "قَارَبَهُ مَا يُهْلِكُهُ" ہیں۔ یعنی اس پر ہلاک کرنے والی شئے نازل ہو آئی[1]۔

جوہری کا قول ہے کہ "اس بارے میں اصمعی سے بہتر کسی نے نہیں کہا۔"

بعض علماء کا بیان ہے کہ "أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى" میں "أولى" اسم فعل ہے بمعنی "وَلِيَكَ شَرٌّ بَعْدَ شَرٍّ"[2] اور "لَكَ" تبیین ہے۔

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وعید (دھمکی دینے) کا علم اور غیر منصرف ہے اسی وجہ سے اس پر تنوین نہیں دی گئی اور اس کا محل مبتدا ہونے کی بنا پر حالت رفع میں ہے۔ اور "لک" اس کی خبر ہے۔ اور اس اعتبار سے "أولى" کا وزن "فعلى" ہے اور اس کا الف الحاق کے لئے ہے نیز اس کا وزن "أفعل" بھی بتایا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی "الْوَيْلُ لَكَ" "تیری شامت آئے" ہیں۔ اور یہ مقلوب ہے۔ اس کی اصل "أَوْيَلُ" تھی پس حرف علت کو آخر میں کر دیا گیا۔

[1] ہلاک کرنے والی چیز اس کے قریب ہو جائے ۱۲۔

[2] تجھ پر آفت کے بعد آفت پے در پے آئے ۱۲۔

خنساء (شعر) کا قول اسی قبیل سے ہے۔

هممت بنفسي بعض الهموم   فأولى لنفسي أولى لها

(میری بات نے خود ہی کچھ رنج و خمول سے [illegible] میری جان کی خرابی ہو اس کی خرابی ہو) بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی "[illegible]"[1] ہیں۔ چونکہ یہ کلمہ کلام میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اس لئے مبتدا کو حذف کر دیا گیا ہے۔

[illegible] یہ ہے کہ اس کے معنی "[illegible] العذاب"[2] ہیں

[illegible] کہا ہے کہ "عرب کے کلام میں [illegible] کے معنی [illegible] نزدیک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] نے کہا ہے کہ [illegible] "أولى لك" اس معنی میں بولتے ہیں کہ [illegible] تو قریب [illegible] اور اس کی تقدیر (عبارت) یعنی "[illegible]" (تیری ہلاکت قریب آگئی)۔

آنی: [illegible] کے ساتھ۔

[illegible] اور [illegible] کے [illegible] استعمال ہوتا ہے۔

[illegible] کہ [illegible] آئے [illegible] نہیں آتا [illegible] ہوتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ

[illegible]

آئی: (فتحہ اور تشدید کے ساتھ)

یہ [illegible] طرح سے استعمال ہوتا ہے:

اول شرطیہ، جیسے قولہ تعالیٰ "[illegible]" اور قولہ تعالیٰ

[1] [illegible] کو ترک کر دیا جائے۔

[2] [illegible] کے لئے سزاوار تر اور مناسب تر ہے۔ ۱۲

[3] جیسا کہ ہلاکت سے نزدیک ہوا یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ ۱۲

"اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی" میں ہے۔

دوم استفہامیہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے "اَیُّکُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا" میں ہے۔ [illegible] صرف انہی باتوں کو دریافت کیا جاتا ہے جو کسی ایسے امر میں کہ ان میں دو چیزیں یا زیادہ ایک حال پر [illegible] ان میں سے ایک کو دوسرے سے ممتاز بنا دیتی ہے کیونکہ وہ امر دونوں [illegible] قولہ تعالیٰ "اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ [illegible]" یعنی ہم یا [illegible] اصحاب۔

سوم موصول۔ جیسے قولہ تعالیٰ "لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ" میں ہے۔

"اَیُّ" ان تینوں وجوہ میں معرب ہوتا ہے۔ اس وجہ سوم یعنی موصول ہونے کی حالت میں جب کہ اس کا صدر صلہ (ضمیر) محذوف کر کے اسے مضاف کر دیا جائے تو وہ مبنی علی الضم ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کی مثال میں ہے۔ مگر اخفش نے اس حالت میں بھی اسے معرب ہی قرار دیا ہے اس لئے بعض لوگوں کی قرأت میں اس آیت کا نصب کے ساتھ وارد کیا ہے (اَیَّهُمْ) اور ضمہ کے ساتھ جو قرأت ثابت ہے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ یہاں حکایت (قول کی نقل و روایت) کا اعتبار کیا گیا ہے۔

کسی اور عالم نے اس کے متعلق فعل ہونے کی تاویل پیش کی ہے۔

زمخشری نے یہ تاویل کی ہے کہ یہاں "اَیُّ" مبتدا ہے محذوف کی [illegible] "لَنَنْزِعَنَّ بَعْضَ کُلِّ شِیْعَةٍ"[1] پس گویا کہ سوال ہوا کہ وہ بعض کون ہیں؟ تو اس کا جواب یہ [illegible] "هُمُ الَّذِیْنَ اَیُّهُمْ اَشَدُّ"[2] پھر اس کے بعد ان دونوں مبتدا "هُمْ" کو [illegible] حذف کر دیئے گئے۔

ابن الطراوہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں لفظ "اَیُّ" [illegible] ہے اور "هُمْ اَشَدُّ" مبتدا اور خبر ہیں [illegible] ہو آیا ہے۔

اس کا قول ہے کہ اجماع کے لحاظ سے جب "اَیُّ" مضاف نہ ہو تو وہ معرب ہوتا ہے۔

چہارم یہ کہ "اَیُّ" اس معرفہ کی [illegible] جیسے "یٰۤاَیُّهَا [illegible]" اور "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ" میں ہے۔

---

[1] یعنی ہم ہر گروہ میں سے بعض کو کھینچ لیں گے۔

[2] وہ [illegible] سب سے زیادہ سخت ہے۔

کی یکساں مثال ہوتا ہے۔

پہلا قول یعنی [illegible] کے مشتق ہونے کا [illegible] قول ہے اور کتاب [illegible] کی [illegible] ہے کہ [illegible] کا استعمال صرف ان [illegible] استفہام میں ہوتا ہے [illegible] ہونے والا ہو۔

تفسیر کشاف میں ہے "کہا گیا ہے کہ «أَيَّانَ» لفظ «أَيّ» سے مشتق ہے [illegible] «فَعْلَانَ» ہے کیونکہ اس کے معنی «أَيَّ وَقْتٍ» اور «أَيُّ فِعْلٍ» [illegible] جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض [illegible] کی طرف [illegible] اور اس [illegible] بعید (از فہم) ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ اس کی اصل «أَيَّ أَوَانٍ» تھی [illegible] ہمزہ اور [illegible] دونوں کو حذف کر دیا [illegible] ساکن ہے [illegible] ادغام کر دیا [illegible] «أَيَّانَ» ہو گیا چنانچہ اس کی قرأت [illegible] کے ساتھ بھی آئی ہے۔

أَيْنَ :

یہ [illegible] استفہام ہے یعنی جگہ کی نسبت [illegible] سوال کیا جاتا ہے جیسے قول تعالیٰ «فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ» اور بعض جگہ یہ اسم شرط [illegible] ہے [illegible] اس سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے جیسے قول تعالیٰ «أَيْنَمَا [illegible]» [illegible] نہیں آتا۔

ب :

بائے مفردہ "حرف جر" ہے اور کئی معنوں کے لئے آتی ہے:

اول ان میں سب سے مشہور «الصاق» کے معنی ہیں [illegible] کہا گیا ہے کہ یہ معنی [illegible] حالت میں حرف "ب" [illegible] کتاب الاصول کی عبارت میں ہے کہ الصاق دو معنی ہیں سے ایک [illegible] یہ الصاق حقیقی ہوتا ہے جیسے قول تعالیٰ «وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ» یعنی مسح کا الصاق اپنے سروں سے کرو اور قول تعالیٰ [illegible]

[illegible] سوال کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔ مثلاً قولہ تعالےٰ "يسعى نورهم بين أيديهم وبأيمانهم" یعنی "وعن أيمانهم" اور قولہ تعالےٰ "ويوم تشقق السماء بالغمام" یعنی "عن الغمام"۔

نہم تبعیض کے لئے "من" کی طرح مثلاً قولہ تعالےٰ "عينا يشرب بها عباد [illegible]" یعنی "منها"۔

دہم غایت کے لئے "الی" کے معنی میں، جیسے قولہ تعالےٰ "وقد أحسن بي" یعنی "إليّ"۔

یازدہم بمعنی مقابلہ اور یہ وہ "ب" ہے جو کہ عوض (بدلہ) [illegible] والی چیزوں پر داخل ہوتی ہے۔ مثلاً قولہ تعالےٰ "ادخلوا الجنة بما كنتم [illegible]" [illegible] سببیہ [illegible] کی طرح [illegible] اس لئے کہ [illegible] چیز معاوضہ میں دیا کرتی ہے وہ کبھی مفت بھی دے دی جاتی ہے لیکن مسبب کا بدوں سبب کے پایا جانا غیر ممکن ہے۔

دوازدہم تاکید کے لئے [illegible] زائدہ کہی جاتی ہے چنانچہ یہ فاعل کے [illegible] فعل پر واجب ہوتی ہے اور [illegible] کا آنا جائز ہے [illegible] قولہ تعالےٰ "أسمع بهم وأبصر" [illegible] کی مثال قولہ تعالےٰ "وكفى بالله شهيدا" [illegible] "شهيدا" حال [illegible] [illegible] [illegible] کی طرح [illegible] ہے۔

ابن الشجری کا بیان ہے کہ [illegible] اللہ تعالےٰ کی طرف سے [illegible] کی طرف منسوب ہونے والی کفایت ویسی نہیں ہے جیسی کہ غیر اللہ کی کفایت ہوا کرتی ہے [illegible] اللہ تعالےٰ کی کفایت [illegible] [illegible] [illegible] زیادتی کی [illegible] اس مقام پر [illegible] [illegible]

---

(۱) [illegible] عوض جنت میں داخل ہو جاؤ۔

[illegible] کا قول ہے کہ [illegible] یعنی زجاج کا قول [illegible] آنکھ [illegible]
[illegible] قول یہ بھی ہے کہ [illegible] فاعل [illegible] عبارت کی تقدیر [illegible]
[illegible] حذف کر دیا گیا اور اس کا معمول اس پر دلالت کرنے کے لئے باقی رہ
گیا [illegible] فاعل میں حرف [illegible] زیادہ نہیں کیا
جاتا مثلاً قول [illegible] اور قول [illegible]
[illegible]

[illegible] فاعل میں حرف [illegible] بڑھایا جاتا ہے اسی طرح مفعول میں بھی
اس کا [illegible] کیا جاتا ہے جیسے قول [illegible]
[illegible]
[illegible]

اور [illegible] جیسے قول [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

چوتھا قول بمعنی استعانت قرار دینے کا ہے جو یہ بیان کرتے ہیں کہ [illegible] [illegible]
مقلوب ہے کیونکہ مسح کی الفاظ جس چیز سے وہ زائل کیا گیا ہو اس کی طرف بنفسہ متعدی ہوتا ہے [illegible]
کی جانے والی چیز کی طرف حرف "با" کے سا تھ متعدی ہوتا ہے چنانچہ اصل میں [illegible]
بالماء" تھا۔

بَل:

یہ حرف اضراب ہے، اگر صرف اسی صورت میں جب کہ اس کے بعد کوئی جملہ آئے [illegible]
کبھی اضراب سے اس کے ماقبل کا ابطال مراد ہوتا ہے، جیسے قول تعالیٰ [illegible]
[illegible] سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ [illegible]
أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ [illegible]

اور کبھی اضراب کے معنی ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہو جانے کے [illegible]
[illegible] وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ [illegible]
[illegible] کا ماقبل بھی اپنی حالت پر قائم ہے اور اسی طرح قول تعالیٰ [illegible]
[illegible] بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا [illegible] ہی کی ہے۔

ابن مالک نے [illegible] کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ بل [illegible]
طرح پر آیا ہے اور کسی دوسری وجہ پر نہیں آیا۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ ابن مالک [illegible] کیا ہے۔

ابن مالک سے پہلے [illegible] کے مؤلف نے بھی یہی بات بیان کی ہے [illegible]
انہی کے ہم خیال ہیں پھر ابن حاجب نے کتاب مفصل کی شرح میں [illegible]
کہ اگر جملہ ثانی اس [illegible] ثابت کے ایجاب آتا ہے تو اس کے [illegible]
ثابت کرتا اور جملہ اولیٰ کا ابطال کر دیتا [illegible]
جیسا کہ "بل" کے بعد کوئی مفرد آیا ہے تو اس [illegible]
قرآن شریف میں [illegible] حرف عطف [illegible] ہوا ہے۔

تنبیہ:

[illegible] بل کی ایک قسم ہے [illegible] حرف [illegible] بل [illegible]

[illegible]

[illegible] گیا ہے۔

بلیٰ

[illegible] کہ اس کے ابطال ہو جانے کی دلیل اس کا ثابت کرنا مخصوص ہو [illegible] ہے۔

بلیٰ کے استعمال کے دو موقع ہوتے ہیں:

موقع اول یہ کہ وہ اپنے قبل واقع ہونے والی نفی کی تردید کے لئے ہو۔ جیسے قولہ تعالیٰ "مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَىٰ" یعنی [illegible] سوء۔ اور قولہ تعالیٰ [illegible] یعنی [illegible]۔ اور قولہ تعالیٰ "زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ"۔ اور قولہ تعالیٰ "قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ" پھر فرمایا [illegible] سبیل)۔ اور قولہ تعالیٰ "وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً" پھر فرمایا "بلیٰ [illegible]"۔ اور قولہ تعالیٰ "وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ" پھر ارشاد فرمایا "بَلَىٰ [illegible]"۔

موقع دوم یہ ہے کہ بلیٰ [illegible] استفہام کے جواب میں واقع ہو جس کی نفی پر داخل [illegible] جیسے [illegible] اس نفی کے ابطال کا فائدہ [illegible] ہو جیسے [illegible] اس کے جواب میں اگر [illegible] ہو [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ "أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ" اور قولہ تعالیٰ "أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَىٰ" [illegible] یا استفہام تقریری ہو جیسے قولہ تعالیٰ "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ" [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پائی جاتی ہو جیسے "بَيْنَ ذٰلِكَ" یا اس شے میں جس کی دو یا دو سے زیادہ تعداد ہو، جیسے "بَيْنَ يَدَيْهِ" اور "بَيْنَ أَخَوَيْهِ" اور جو چیز واحد ہو اُس کی طرف لفظ بین ظرفیہ کی اضافت مگر اسی صورت میں ہوگی جب کہ وہ مکرر لایا جائے، جیسے قولہ تعالیٰ "وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ" اور "فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا" میں ہے۔

اور قولہ تعالیٰ "لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ" کی قرأت نصب کے ساتھ اس لحاظ سے کی گئی ہے کہ "بَيْنَ" یہاں پر ظرف ہے اور اسی کو رفع کے ساتھ اس لئے پڑھا گیا ہے کہ وہ اس مقام پر اسم مستعمل ہے بمعنی وصل۔

اور اسی طرح قولہ تعالیٰ "ذَاتَ بَيْنِكُمْ" اور قولہ تعالیٰ "فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا" یعنی [illegible] ان کی جدائی کے مقام) میں بھی دونوں امور کا احتمال ہے۔

التاء (ت):

یہ حرف جر بمعنی قسم ہے جو صیغۂ تعجب اور اسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

کشاف میں قولہ تعالیٰ "وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ" کی تفسیر کے تحت کہا ہے کہ باء (ب) اصل حرف قسم ہے، اور واو (و) اس کا بدل ہے اور تاء (ت) واو کا بدل ہے اور تاء میں معنی تعجب کی زیادتی ہے گویا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کو بتوں کے ساتھ برسلوکی کرنے کی آمادگی نا سہل ہوتے اور باوجود نمرود کی سرکشی اور سخت گیری کے اپنا کام کر گزرنے پر تعجب دلایا فرمایا ہے۔

تَبَارَكَ:

یہ ایک ایسا فعل ہے جو صرف زمانۂ ماضی کے صیغہ میں استعمال ہوتا اور صرف ذات الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی گردان نہیں ہوتی، چنانچہ اسی وجہ سے اس کو اسم فعل بھی کہا گیا ہے۔

ثُمَّ:

یہ حرف ہے اور تین امور کا مقتضی ہے۔

(۱) حکم میں دوسرے کی شرکت یعنی تشریک فی الحکم،

(۲) ترتیب (۳) مہلت۔

---

(۱) [illegible]

اور ان میں سے ہر ایک امر میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے چنانچہ اہلِ کوفہ اور اخفش نے کہا ہے کہ کبھی "ثُمَّ" خلافِ معمول زائد ہوا کرتا ہے اور اس صورت میں وہ عاطفہ ہرگز نہیں رہتا۔ اس کی مثال میں انھوں نے قولہ تعالیٰ "حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ" کو پیش کیا ہے کہ اس میں "ثُمَّ" حرفِ تشریک کے لئے نہیں آیا ہے۔

لیکن ان کے قول کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس مثال میں جواب مقدر ہے یعنی "فَتَابُوْا" (پس انھوں نے توبہ کی)۔

(ب) ترتیب اور مہلت تو اس کے متعلق بھی ایک جماعت کا اختلاف ہے وہ کہتی ہے کہ "ثُمَّ" ان امور کا مقتضی نہیں ہے اور شاید انھوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ "خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا" اور "بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ" الخ "وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى" حالانکہ "اِهْتِدَاء" (ہدایت پانا) اس بات سے مقدم ہے[1]۔ اور قولہ تعالیٰ "ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ" کہ ان آیات میں "ثُمَّ" ترتیب و مہلت کے لئے نہیں آیا ہے۔

لیکن اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ان آیات میں "ثُمَّ" ترتیب اخبار (خبر دہی) کے لئے آیا ہے نہ کہ ترتیبِ حکم کی غرض سے۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ "اس جواب سے تو دوسرا جواب بہتر ہے، کیونکہ یہ جواب (محض) ترتیب کی صحت واضح کرتا ہے اور مہلت کے صحیح ہونے کا کچھ بھی پتا نہیں دیتا اس لئے کہ دونوں خبروں کے مابین کوئی تراخی (ڈھیل، مہلت) نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ ترتیب و مہلت دونوں باتوں کو صحیح قرار دینے والا جواب وہ ہے جو کہ پہلی مثال کے بارے میں دیا گیا کہ وہاں ایک مقدر جملہ پر عطف ہو رہا ہے یعنی "مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اَنْشَاَهَا ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا"[2] اور دوسری مثال کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ "سَوّٰىهُ" کا عطف جملہ (بَدَاَ خَلْقَ) ...

[1] یعنی اس "اِهْتَدٰى" پر جو "تَابَ" کے بعد مذکور ہے کیونکہ ہدایت پالینے کے بعد ہی اس نے توبہ کی، ایمان لایا اور نیک کام کئے۔ (مترجم)

[2] ایک اکیلی ذات سے جس کو پیدا کیا اور پھر اسی ذات سے اس کا جوڑا بنایا۔

مِنْ طِيْنٍ) پر ہے نہ کہ دوسرے جملہ (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ) پر۔ اور تیسری مثال کے بارے میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ "ثُمَّ اهْتَدٰى" سے یہ مراد ہے کہ "ثُمَّ دَامَ عَلَى الْهِدَايَةِ" (پھر وہ ہدایت پر قائم و دائم رہا)۔

فائدہ

کوفیوں نے "ثُمَّ" کو فعل شرط کے بعد اس کے ساتھ قرین بنائے ہوئے فعل مضارع کے نصب کے جواز میں "واؤ" اور "فا" کا قائم مقام بنایا ہے اور اسی قاعدہ کے اعتبار سے حسنؒ کی قرأت "وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكَهُ الْمَوْتُ" (یُدرک کے نصب کے ساتھ) روایت کی ہے۔

ثَمَّ: (فتحہ کے ساتھ)۔

یہ مکان بعید کی طرف اشارہ کے لئے بطور اسم مستعمل ہے۔ جیسے قولہ تعالےٰ "وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ"[1]۔

یہ ظرف بھی ہے۔ اس کی تصریف (گردان) نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس لحاظ سے جس شخص نے قولہ تعالےٰ "وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ" میں اس کو "رَاَيْتَ" کے مفعول کا اعراب دیا ہے اس نے غلطی کی ہے۔

اور قرأت کی گئی ہے "فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثَمَّ اللّٰهُ (یعنی هُنَالِكَ اللّٰهُ) شَهِيْدٌ" جس کی دلیل قولہ "هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ" ہے۔

طبری نے قولہ تعالےٰ "اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ" کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی "هُنَالِكَ" ہیں اور یہ "ثُمَّ" عاطفہ نہیں ہے۔ مگر یہ طبری کا وہم ہے طبری کو یہ مشتبہ ہو گیا کہ یہاں "ثُمَّ" مضمومہ نہیں بلکہ "ثَمَّ" مفتوحہ ہے۔

خطابی کی کتاب "توشیح" میں ہے کہ "ثَمَّ" ظرف ہے اور اس میں "حَيْثُ" کی طرف اشارہ کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ معنی میں ایسا ہی ہے۔

جَعَلَ:

امام راغب کا بیان ہے کہ یہ تمام افعال میں ایک عام لفظ ہے اور اس میں فعل، صنع اور اس کے دیگر ہم معنی افعال سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال پانچ طریقہ پر

---

[1] اور اسی جگہ ہم دوسروں کو نزدیک لے آئے۔

جَعَلَ:

(اوّل) یہ صَارَ اور طَفِقَ کا قائم مقام ہوتا ہے اور متعدی نہیں ہوتا، مثلاً "جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا"۔

(دوم) بجائے "اَوْجَدَ" کے آتا ہے، ایسے موقع پر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ"۔

(سوم) ایک چیز سے دوسری چیز کو پیدا کرنے اور وجود میں لانے کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا" اور "وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا"۔

(چہارم) ایک شے کو ایک خاص حالت سے دوسری حالت میں کر دینے کے معنی پر آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا" اور قولہ "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْہِنَّ نُوْرًا"۔

(پنجم) ایک شے سے[1] اس شے پر حکم لگانے کا فائدہ دیتا ہے، خواہ بحیثیت حق ہو جیسے قولہ تعالیٰ "وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ"[2] میں ہے یا بہ باطل جیسے قولہ تعالیٰ "وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنَاتِ"[3] اور قولہ تعالیٰ "اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ"[4] میں ہے۔

حَاشَا:

یہ تنزیہ کے معنی میں قولہ تعالیٰ "حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ" اور "حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا" میں اسم ہے، فعل و حرف نہیں ہے اور اس کی دلیل بعض لوگوں کا اس کو "حَاشًا لِلّٰہِ" تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے، جیسا کہ "بَرَاءَۃً لِلّٰہِ" کہا جاتا ہے نیز حضرت ابن مسعودؓ نے "مَعَاذَ اللّٰہِ" اور "سُبْحَانَ اللّٰہِ" کی طرح اس کو اضافت کے ساتھ "حَاشَ اللّٰہِ" پڑھا ہے۔ پھر قراءت سبعہ میں اس پر لام جارہ کا داخل ہونا بھی اس کے اسم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر یہ حرف جر ہوتا تو حرف جر پر دوسرے جر کے داخل ہونے کی کیا وجہ تھی؟ جو ایک ناجائز امر ہے۔

---

[1] الحکم بالشیء علی شیء ۱۲

[2] اور اس کو پیغمبر بنا دیں گے۔

[3] یہ لوگ خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ۱۲

[4] جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ۱۲

قراءِ سبعہ کی قراءتوں میں اس کو تنوین دینا اس لئے ترک کر دیا گیا کہ یہ لفظاً حرفِ حاشا کے مشابہ ہے جو کہ حرف ہے۔

کچھ لوگوں کی ایک جماعت اس کے بیچ میں بول اٹھی ہے کہ وہ اسمِ فعل بتاتی ہے اور اس کے معنی "أَتَبَرَّأُ" اور "تَبَرَّأْتُ" ہیں، مگر بعض لوگوں نے اس کے مُعرب پائے جانے کی وجہ سے یہ قول رد کر دیا ہے۔

مبرّد اور ابن جنی کا قول ہے کہ یہ فعل ہے اور آیت مذکورہ بالا کے معنی یہ ہیں کہ "جَانَبَ یُوْسُفُ الْمَعْصِیَةَ لِأَجْلِ اللّٰہِ"[1] مگر یہ تاویل دوسری آیت میں نہیں چل سکتی۔

فارسی نے کہا ہے کہ "حاشا" فعل ہے اور "اَلْحَشَا" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ناحیہ (کنارہ) اور "حاشا" کے معنی یہ ہوئے کہ "صَارَ فِیْ حَشًا"[2] یعنی وہ اس چیز سے دور ہوا جس سے اس کو متہم کیا گیا تھا اور اس کام سے کنارہ کشی کی اور اس سے الگ ہو گیا۔

قرآن شریف میں "حاشا" حرفِ استثنائیہ واقع ہوا ہے۔

حَتّٰی :

یہ بھی انتہاءِ غایت کا حرفِ جر ہے "حتّٰی" اور "الٰی" بہت سی باتوں کے اندر باہم فرق رکھتے ہیں۔ "حتّٰی" "الٰی" سے ان باتوں میں منفرد ہے کہ وہ جس اسم پر جر دیتا ہے اور اس آخر جزو کو جو کہ کوئی اجزا رکھتا ہو اور اس کا جزو یا جزو آخر کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے قول تعالٰی "سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ" مگر اس مثال میں "حتّٰی" نے "مطلع" کو جر دیا ہے اور وہ رات کا آخری حصہ یعنی فجر سے ملا ہوا ہے اور وہ اپنے ماقبل فعل کے آہستہ آہستہ شروع ہونے کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے متاخر میں ابتداءِ غایت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اس کے بعد "اَنْ" مقدرہ کے باعث مضارع منصوب واقع ہوتا ہے اور اس صورت میں مضارع منصوب "اَنْ" مقدرہ کے ذریعہ سے مصدر کی تاویل میں ہوتے ہیں ایسے مواقع پر "حتّٰی" کے تین معانی آتے ہیں:
ابتدا یہ کہ وہ "الٰی" کا مترادف ہو جیسے قول تعالٰی "لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰکِفِیْنَ حَتّٰی"

---

[1] یوسف نے خدا کے لئے اس کے نہیں کیا گناہ کرنے سے پرہیز کی۔

[2] وہ ایک کنارہ پر ہو گیا۔

يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ" یعنی موسیٰ کے واپس آنے تک۔

دوسرے یہ کہ "کی تعلیلیہ" کا مرادف ہوتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ" اور "لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا" اور اسی کا احتمال قولہ تعالیٰ "فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ" میں بھی پایا جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ استثناء میں "إِلَّا" کا مرادف ہوتا ہے۔

ابن مالک وغیرہ نے اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ

کو پیش کیا ہے۔

مسئلہ

جب کوئی ایسی دلیل پائی جائے جس کے باعث "حتیٰ" اور "الیٰ" کا مابعد آنے والا غایت (حد) اس کے ماقبل کے حکم میں داخل ہو سکے یا نہ ہو سکے تو اس پر عمل کیا جائے گا امر ہے۔ چنانچہ مابعد "حتیٰ" اور "الیٰ" کے ماقبل کے حکم میں داخل ہونے کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ" اور "وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ" کیونکہ سنت رسول نے کہنیوں اور ٹخنوں کے داخل غسل ہونے پر دلالت کی ہے اور ان کے مابعد کے حکم ماقبل سے خارج ہونے کی نظیر قولہ تعالیٰ "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" ہے کیونکہ صوم وصال (روزہ) کی ممانعت روزہ میں سے رات کے خارج ہونے کی واضح دلیل ہے اور قولہ تعالیٰ "فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" بھی اس کی دوسری دلیل کی مثال ہے کیونکہ اگر یہاں غایت مغیا میں داخل ہو جائے تو فراغ وقت کی حالت میں بھی قرض خواہ کو قرضدار سے ادائے قرض کا انتظار کرنا پڑے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مطالبہ نہ کر سکنے کے باعث قرض خواہ کا حق فوت ہو جائے گا۔

لیکن اگر غایت کے مغیا میں داخل یا اس سے خارج ہونے کی صورت میں ایسی کوئی دلیل قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی بابت چار قول ہیں:

اول قول جو صحیح ترین ہے یہ ہے کہ "حتیٰ" کے ساتھ غایت کا دخول مغیا میں ہوگا اور "الیٰ" کے ساتھ نہ ہوگا۔ اس قول کی وجہ دونوں باتوں میں غالب کا اعتبار ہے کیونکہ قرینہ کے ہوتے ہوئے اکثر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ "حتیٰ" کے ساتھ کا مغیا میں دخول ہوتا ہے اور "الیٰ" کے ساتھ آنے میں ایسا نہیں ہوتا۔ لہٰذا تردد

وقت اسی کثرت استعمال پر عمل کرنا واجب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "حتیٰ" اور "الیٰ" دونوں میں غایت مغیّا میں داخل ہوگی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں داخل نہیں ہوگی۔

ان دونوں قولوں میں "حتیٰ" اور "الیٰ" کے یکساں ہونے پر قول الٰہی فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ سے استدلال کیا گیا ہے جس کی قراءت ابن مسعودؓ نے "حَتّٰی حِیْنٍ" کی ہے۔

تنبیہ

حتیٰ ابتدائیہ بھی ہوتا ہے یعنی ایسا حرف کہ اس کے بعد جملوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس حالت میں وہ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ کا فعل مضارع ہو یا ماضی دونوں کی حالت یکساں ہے۔ اس کی مثالیں یہ ہیں: قولہ تعالیٰ "حَتّٰی یَقُوْلُ الرَّسُوْلُ" (رفع کے ساتھ) "حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا" اور "حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ"۔

ابن مالک نے دعویٰ کیا ہے کہ آیات مذکورہ بالا میں "حتیٰ" حرف جر ہے اور "اِذَا" اور "اَنْ" کو جو ان دو آیتوں میں مضمر ہے مجرور قرار دیا ہے مگر اکثر علماء نے اس سے خلاف کیا ہے۔

"حتیٰ" عاطفہ بھی واقع ہوا کرتا ہے مگر ایسا "حتیٰ" (جو عاطفہ ہو) مجھے نہیں معلوم کہ کہیں قرآن شریف میں بھی استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ حتیٰ کے ساتھ عطف ہونا بہت کم مستعمل ہے اور اسی وجہ سے کوفی نحویوں نے اس کا انکار کیا ہے۔

فائدہ

"حتیٰ" کی "ح" کو "ع" کے ساتھ بدل دینا (یعنی عتّیٰ) ہذیل کی لغت ہے اور ابن مسعودؓ نے اسے یوں ہی پڑھا ہے۔

حَیْثُ:

یہ ظرف مکان ہے۔

اخفش نے کہا ہے کہ یہ ظرف زمان بھی واقع ہوتا ہے اور غایت سے مشابہت کی وجہ سے مبنی علی الضم ہوتا ہے کیونکہ جملوں کی طرف اضافت کرنا ایسا ہے جیسے کہ اضافت

ہوتی ہی نہیں۔ اسی لئے زجاج نے قول تعالیٰ "مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" کے بارے میں کہا ہے کہ "حَيْثُ" کا مابعد اس کا صلہ ہے۔ اس کی جانب مضاف نہیں یعنی یہ کہ حَيْثُ اپنے بعد والے جملہ کی طرف مضاف نہیں ہے لہٰذا وہ جملہ مابعد "حَيْثُ" کے لئے صلہ ہوگیا یعنی ایک زائد جملہ متعلقہ کے طور پر جو اس کا جزو نہیں ہے۔

فارسی نے زجاج کے بیان کا مطلب یہ سمجھا کہ اس نے "حَيْثُ" کو موصول قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس نے زجاج کی تردید پر کمر باندھی۔ حالانکہ [illegible] خود کہتے ہیں کہ اہل عرب میں سے بعض قبائل "حَيْثُ" کو معرب کہتے ہیں اور چند قبائل ایسے ہیں جو اسے التقائے ساکنین کے باعث کسرہ پر اور بغرض تخفیف فتحہ پر مبنی قرار دیتے ہیں اور ان دونوں امور کا احتمال ان قاریوں کی قراءت میں ہو سکتا ہے جنہوں نے "مِّنْ حَيْثِ لَا يَعْلَمُونَ" (کسرہ کے ساتھ) اور "فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثَ لَمْ يَحْتَسِبُوا" (فتحہ کے ساتھ) پڑھا ہے۔

مشہور بات یہ ہے کہ "حَيْثُ" کی تصریف (گردان) نہیں ہوتی۔

ایک جماعت نے اس کی آیت میں "حَيْثُ" کا ظرف ہونے سے ہٹ کر مفعول بہ ہونا جائز رکھا ہے اور کہا ہے کہ وہ ظرف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسے ظرف قرار دیا جائے تو اس سے ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مکان میں بہ نسبت دوسرے مکان کے زیادہ علم ہوتا ہے اور یہ بات صحیح نہیں ہے۔ علم الٰہی ہر جگہ یکساں اور کامل ہے۔ بلکہ درست بات یہ ہے کہ اس آیت کے معنی ہیں "اللہ تعالیٰ اس مکان کو جانتا ہے جو ظرف رسالت کا مستحق ہے" نہ یہ کہ صرف مکان میں کسی شے کو جانتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے "حَيْثُ" کو "يَعْلَمُ" فعل محذوف نے نصب دیا ہے اور اس بات کی دلیل کہ "حَيْثُ" کو نصب "يَعْلَمُ" فعل محذوف سے ہوا ہے اور خود "أَعْلَمُ" سے نہیں ہوا یہ ہے کہ "أَفْعَلُ" مفعول بہ کو بغیر اس کے کہ اس کی تاویل عالم (اسم فاعل) سے کی جائے مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔

ابو حیان کا بیان ہے کہ ظاہر بات یہ ہے کہ "حَيْثُ" کو مجازی طور پر مفعول بہ ہو اور "أَعْلَمُ" کو اس معنی کا متضمن مانا جائے کہ ظرف کی جانب متعدی ہو جاتا ہے اس [illegible] میں تقدیر عبارت یوں ہوگی "اللّٰهُ أَنْفَذُ عِلْمًا حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" یعنی خدا تعالیٰ اس

ہوتی ہیں لہٰذا معلوم ہوا اس کا نام اس پر دی ہے،

دُوْنَ :

یہ فوق اور بالا کی ضد ہے۔ لہٰذا مشہور قول کے مطابق اس کا فعل نہیں ہے[1] مگر ایک قول اس کے متصرف ہونے کی نسبت بھی منقول ہے۔ جیسا کہ قول لغات "دَانَ دَوْنَ" دُوْنَ کی ذات دونوں طرح ثابت ہے یعنی رفع اور نصب دونوں اعراب کے ساتھ۔

دُوْنَ، بمعنی غیر اسم بھی ہوتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "اِتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً"[2] یعنی بجز اس کے۔

پس مختصر یہ ہے کہ "دُوْنَ" کے معنی شے میں سے قریب ترین اور فروتر ین جگہ کے ہیں اور اس کا استعمال حالت تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے زَیْدٌ دُوْنَ عَمْرٍو یعنی زید بہ نسبت عمرو کے شرافت اور علم میں کم درجہ پر ہے۔ پھر اس میں وسعت پیدا کی گئی ہے گزر جانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ"[3] میں ہے یعنی کفار کی دوستی کو اہل ایمان کی دوستی سے تجاوز نہ کرو (مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی نہ پیدا کرو)۔

ذُوْ :

یہ اسم ہے جو صاحب کے معنی میں آتا ہے اور اس لئے وضع کیا گیا کہ ذاتوں کو اوصاف کے ساتھ متصف کیا جائے، جیسے الذی جملوں کے ساتھ اسمائے معرفہ کے اوصاف کو موصول کرنے کے واسطے وضع ہوا ہے۔

ذُوْ کا استعمال صرف اضافت کے ساتھ ہوتا ہے یعنی یہ مضاف ہوا کرتا ہے مگر ضمیر اور اسم مشتق کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ مشتق کی طرف اس کی اضافت ہو سکتی ہے جس کی مثال میں ابن مسعود کی قراءت "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عَالِمٍ عَلِيْمٌ" روایت کی ہے لیکن اکثر علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں "عالم" "الباقر" کی طرح مصدر ہے مشتق نہیں یا یہ کہ لفظ ذی زائد ہے۔

---

[1] یعنی یہ غیر متصرف ہے ۱۲

[2] [illegible] کو معبود بنا لیا۔

[3] یعنی دوستی میں کفار کو مسلمانوں پر ترجیح نہ دو ۱۲ (مص)

سہیلی کا قول ہے کہ "لفظ "صاحب" کے ساتھ وصف کرنے سے لفظ "ذُو" کے ساتھ وصف کرنا زیادہ بلیغ ہے اور اس کے ساتھ اضافت ازدیادِ شرف کی موجب ہوتی ہے کیونکہ "ذُو" تابع کی طرف مضاف ہے اور "صاحب" متبوع کی طرف۔ مثلاً کہا جاتا ہے "اَبُوْهُرَيْرَةَ صَاحِبُ النَّبِيِّ صلعم" مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ "اَلنَّبِيُّ صلعم صَاحِبُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ" مگر ذُو کی یہ حالت نہیں۔ اس میں تم کہتے ہو "ذُو الْمَالِ" اور "ذُو الْعَرْشِ" دیکھو یہاں پہلا اسم متبوع ہے تابع نہیں۔ چنانچہ اسی فرق کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اللہ نے "سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ" میں فرمایا "وَذَا النُّوْنِ" دیکھو یہاں خدا تعالیٰ نے ذُو کی اضافت "نُوْن" کی طرف کی ہے اور "نُوْن" کہتے ہیں مچھلی کو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ن میں فرمایا "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ"۔ سہیلی کہتا ہے کہ ان دونوں مقاموں پر معنی تو ایک ہی ہیں مگر دونوں حالتوں کی طرف اشارہ کی خوبی کو لحاظ کرتے ہوئے الفاظ کا تفاوت اتنا ہے کہ زمین و آسمان کا فرق کہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ذوالنون (حضرت یونس) کا ذکر ان کی تعریف کرنے کے موقع پر کیا تو وہاں "ذا" کے ساتھ بیان کیا کیونکہ "ذا" کے ساتھ اضافت اشرف تھی اور پھر نون (ماہی) کا لفظ وارد ہے جو بہ نسبت لفظ حوت (مچھلی) کے زیادہ وزن دار اور رفیع ہے اس لئے کہ وہ ایک سورت کا نام اور اس کے آغاز کا حرف ہے مگر "حوت" (مچھلی) کے لفظ کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ جس موقعہ پر ان کی (حضرت یونسؑ) پیروی سے منع فرمانا مطلوب تھا وہاں ان کو ذکر "صَاحِبِ الْحُوْتِ" کے الفاظ سے کیا۔"

رُوَيْدَ:

یہ اسم ہے اس کے ساتھ جب کبھی تکلم ہوتا ہے تو صیغہ تصغیر ہی استعمال میں آتا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے کو حکم دیا جاتا ہے۔

رُوَيْدَ لفظ "رَوْد" کی تصغیر ہے جس کے معنی چھوڑنے اور مہل (مہلت) دینے کے ہیں۔

رُبَّ:

یہ حرف ہے اور اس کے معنی میں آٹھ قول آئے ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ ہمیشہ تقلیل (کمی ظاہر کرنے) کے لئے آتا ہے اور اکثر علماء اسی بات پر زور دیتے ہیں۔

[illegible] تکثیر [illegible] آتا ہے [illegible] قرآن [illegible]
[illegible] مسلمان [illegible] کی آرزو ہے کثرت عیال ہوتی
[illegible] نہیں [illegible] عذاب کی سختیوں اور تکلیفوں میں ہے مشغول ہیں
[illegible] کے سوا [illegible] آرزو کرنے کے لیے [illegible] باتیں [illegible] القلیل کے معنے
[illegible] ہیں۔

[illegible] تفعیل [illegible] دونوں [illegible] کے لیے یکساں آتا ہے۔

[illegible] تکثیر تقلیل کے [illegible] ارشاد [illegible] تکثیر کے لیے آتا ہے اور یہی قول میرا
[illegible]

[illegible] اس کے برعکس [illegible] تکثیر [illegible] تقلیل کے لیے آتا ہے
[illegible] تقلیل یا تکثیر دونوں میں سے کسی معنی کے لیے [illegible] وضع نہیں کیا
[illegible] وہ [illegible] اثبات ہے [illegible] پر دلالت کرتا ہے اور نہ اس پر [illegible]
[illegible] الفاظ اور سیاق [illegible]
[illegible] مفہوم بیان کرتے ہیں۔

[illegible] مبالغہ [illegible] کرنے کے [illegible] تکثیر کے معنے
[illegible] تقلیل کے معنی [illegible] آتا ہے۔
[illegible] تقلیل و تکثیر آتا ہے۔

[illegible] کے عمل سے روک دیتا ہے اور اسے
[illegible] پر [illegible] اس کا دخول اپنے فعلیہ جملوں پر ہوتا ہے
[illegible] کے فعل مستقبل پر داخل ہونے کی
مثالوں [illegible] ایک مثال [illegible] بعض [illegible] آیت [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] اس کا دخول [illegible] اور جب [illegible]

[illegible] دونوں [illegible] آرزو [illegible] ہوتا [illegible]
[illegible]

داخل ہوتا ہے تو اس کو خالص مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے چونکہ وہ اس کے ایک جزو کے مانند ہے اس لئے یہ مضارع میں کوئی عمل نہیں کرتا۔

نحویانِ بصرہ اس طرف گئے ہیں کہ "سوف" کے ساتھ آنے کے معنی یہ ہیں کہ فعل مضارع "سین" کے ساتھ آئے تو اس میں بہ نسبت "سوف" کے مستقبل کی مدت زیادہ تنگ (کم وسیع) ہوتی ہے۔

بل اہلِ نحو اس کو حرفِ تنفیس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اس کے معنی توسیع (وسعت دینا) کے ہیں کیونکہ سین فعل مضارع کو ایک بہت تنگ زمانہ یعنی حال سے وسیع زمانہ یعنی مستقبل کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حرف سین استمرار کا فائدہ دینے کے لئے آتا ہے نہ کہ مستقبل کا فائدہ دینے کے لئے۔ جیسے قول تعالیٰ "ستجدون آخرین" آیۃ اور قول تعالیٰ "سیقول السفہاء" آیۃ میں ہے کیونکہ یہ آیت کفار و منافقین کے قول "ما ولاھم عن قبلتھم" آیۃ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا حرف سین استمرار کی خبر دینے کے لئے آیا ہے نہ کہ مستقبل کا فائدہ دینے کو۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ "نحوی اس بات سے واقف نہیں بلکہ یہاں پر استمرار کا فائدہ تو فعل مضارع سے حاصل ہوتا ہے (نہ کہ حرف سین سے) اور حرف سین مستقبل کے معنی پر تو قائم و باقی ہے اس لئے کہ استمرار کا وجود صرف زمانۂ مستقبل ہی میں ہوتا ہے۔"

ابن ہشام نے مزید کہا ہے کہ "زمخشری کا بیان ہے کہ جب حرف سین کسی محبوب یا مکروہ فعل پر داخل ہوتا ہے تو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ فعل لامحالہ واقع ہو کر رہے گا۔"

یہ وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ حرف سین فعل کے حاصل ہونے کے وعدہ کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا اس کا کسی ایسے کلام میں داخل ہونا جس سے وعدہ یا وعید کا فائدہ حاصل ہوتا ہو اس کلام کی تاکید کا موجب ہوگا اور اس کے معنی کو ثابت کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں ... کی بابت ایفاء فرماتے ہوئے کہا ہے "فسیکفیکھم اللہ" یہاں پر "سین" کے معنی یہ ہیں کہ یہ بات ضرور ہونے والی ہے اگرچہ کچھ عرصہ تک خبر واقع ہو جائے اور سورۃ البراءۃ میں بھی اس کی تصریح کی گئی ہے چنانچہ قول تعالیٰ "اولئک سیرحمھم اللہ" کے بارے میں کہ

ا؎ یعنی وہ مستقبل قریب من الحال ہے (مترجم)

کیا ہے کہ "سین" رحمت کے وجود میں آنے کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ جیسے ہمارا رب
قول "سَنُعَذِّبُهُمْ" میں "سین" کے ساتھ دھمکی کی تاکید ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی "سین"
وعدۂ رحمت کی تاکید کر رہا ہے۔

سَوْفَ:

سین کی طرح یہ بھی حرف ہے اور انہی معانی میں آتا ہے مگر بہ لحاظ بصریہ کے نزدیک اس کے الفاظ سے اس میں زائد وسعت پائی جاتی ہے کیونکہ حروف کی کثرت معانی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے لیکن غیر اہل بصرہ "سوف" کو معانی میں "سین" کا مترادف بتاتے ہیں۔

سوف بہ نسبت سین کے اس باب میں منفرد ہے کہ اس پر "لام" داخل ہوتا ہے جیسے قول تعالیٰ "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ" میں ہے۔

ابوحیان نے کہا ہے کہ "سین" پر لام داخل نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ انہوں نے پے در پے حرکات کا آنا مکروہ و معیوب سمجھا ہے جیسے "لَسَيَتَدَحْرَجُ" میں برابر چار حرفوں پر پے در پے فتحہ کی حرکت آتی ہے اور اگر لام داخل ہو تو ایک فتحہ اور بڑھ جائے گا اور اسی نمونہ پر باقی شکلوں کا اندازہ کرنا چاہئے۔

ابن بابشاذ کا قول ہے کہ "سوف" کا استعمال وعید اور تہدید میں بکثرت ہوتا ہے اور سین کا بیشتر استعمال وعدہ کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

سَوَاءٌ:

بمعنی مستوی آتا ہے لہذا کسرہ کے ساتھ قصر اور فتحہ کے ہمراہ مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ قصر کی مثال ہے قول تعالیٰ "مَكَانًا سُوًى" اور مد کی مثال ہے قول تعالیٰ "سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ"۔

یہ وسط کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس صورت میں بھی فتحہ کے ساتھ اس کو مد کر کے پڑھتے ہیں جیسے قول تعالیٰ "فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ" میں ہے۔

یہ بمعنی تام بھی آتا ہے قول تعالیٰ "فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً" یعنی تمام۔

---

۱ [illegible] آیا ہے (ص)

۲ برابر۔

اور اس صورت میں بھی اس کا مد ادا کیا جاتا ہے۔ پھر جو غرابت کہ یہ لفظ اس آیت میں رکھتا ہے وہ قولہ تعالیٰ ”وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ“

یہ لفظ سَوَاء قرآن شریف میں ”غَیْر“ (سوائے) کے معنی میں کہیں نہیں آیا ہے مگر ایک کمزور سا قول ہے کہ آیا ہے چنانچہ کتاب بُرہان میں اس معنی کی مثال قولہ تعالیٰ ”فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ“ دی گئی ہے مگر یہ صریح وہم ہے۔ اس سے کہیں بہتر قبی کا قول ہے جو قولہ تعالیٰ ”وَلَا أَنتَ مَكَانًا سُوًى“ کے بارے میں مروی ہے کہ یہاں ”سَوَاء“ کو غیر استثناء کے لئے آیا ہے اور مستثنیٰ محذوف ہے یعنی ”مَكَانًا سِوَىٰ هَٰذَا الْمَكَانِ“ یہ بات کرمانی نے اپنی کتاب ”عجائب القرآن“ میں ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بات بعید از فہم ہے کیونکہ ”سِوَىٰ“ کبھی بغیر اضافت کے استعمال نہیں ہوتا مگر یہاں اضافت غائب ہے۔

سَاءَ:

یہ فعل ذم ہے اور اس کی تصریف (گردان) نہیں ہوتی (غیر متصرف ہے)۔

سُبْحَانَ:

یہ مصدر ہے بمعنی تسبیح۔ اس کو نصب اور کسی اسم (اسم ظاہر) کی طرف مضاف ہونا لازم ہے خواہ وہ ظاہر ہو جیسے ”سُبْحَانَ اللهِ“ اور ”سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ“ یا مضمر ہو جیسے ”سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ“ اور ”سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا“ اور یہ مفعول مطلق ہے کہ اس کا فعل حذف کر کے اس کو اس کی جگہ قائم کر دیا گیا ہے۔

کرمانی نے اپنی کتاب ”عجائب“ میں لکھا ہے کہ عجیب و غریب قول یہ ہے کہ کتاب ”مفضل“ میں اس کو ”سبح“ کا مفعول مطلق (مصدر) بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں ذکر اور ذکر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرنا۔ اور اس کے ثبوت میں اس شعر کو پیش کیا ہے

قَبَّحَ الْإِلَٰهُ وُجُوهَ تَغْلِبَ كُلَّمَا
سَبَّحَ الْحَجِيجُ وَكَبَّرُوا تَكْبِيرَا

(خدا قبیلہ تغلب والوں کے منہ ایسے موقع پر کالے کرے جب کہ حج کرنے والے لوگ اپنے ساتھ اپنی آوازیں بلند کریں اور تکبیر و تہلیل کریں۔)

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا قولہ تعالیٰ

۱؎ مفعول مطلق، ص ۵۹ پر کی بیان کردہ۔

"سُبْحٰنَ اللّٰهِ" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالے اپنی ذات کو بُرائی سے منزّہ قرار دیتا ہے۔

ظَنّ :

اس کی اصل اعتقادِ راجح (غالب خیال) کا اظہار کرنے کے لئے ہے۔ جیسے قولہ تعالے "اِنْ ظَنَّا اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ"

کبھی یقین کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً قولہ تعالے "اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ"

ابن ابی حاتم اور دیگر راویوں نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ "قرآن شریف میں ہر ایک ظنّ کا لفظ یقین کے معنی میں آیا ہے۔"

لیکن یہ قول تسلیم کرنا مشکل ہے کیونکہ بہت سی آیتیں جن میں سے ایک مذکورہ بالا پہلی آیت ہے وہ اس کے متعلق اشکال پیدا کرتی ہیں کیونکہ ان میں لفظ ظن کا یقین کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

زرکشی نے اپنی کتاب البرہان میں کہا ہے کہ "ظنّ" بمعنی گمانِ غالب، اور "ظنّ" بمعنی یقین کے مابین قرآن شریف میں فرق کرنے کے لئے دو کلیہ قاعدے ہیں:

اوّل یہ کہ جس جگہ بھی ظنّ کو بغرض تعریف کے لایا گیا ہے اور قابلِ ثواب امر ظاہر کرتا ہے تو وہ یقین کے معنی میں ہے اور جس مقام پر ظنّ کو لفظ مذمت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس پر عذاب ہونے کی دھمکی دی گئی ہے وہاں اس سے شک کے معنی مقصود ہیں۔

قاعدہ دوم یہ ہے کہ ہر ایک لفظ ظنّ جس کے بعد "اَنْ خفیفہ" آیا ہے اس کے معنی شک کے ہیں، جیسے قولہ تعالے "بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ" اور ہر ایک لفظ "ظنّ" کہ اس سے "اَنَّ مشدّدہ" متصل ہے اس کے معنی ہیں یقین، مثلاً قولہ تعالے "اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ" اور قولہ تعالے "وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ" جس کی قراءت "وَاَیْقَنَ اَنَّهُ الْفِرَاقُ" بھی کی گئی ہے اور اس بات میں راز یہ ہے کہ "اَنَّ مشدّدہ" تاکید کے لئے ہے لہٰذا وہ یقین کے موقعوں پر آتا ہے، اور "اَنْ خفیفہ" اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے شک کے لئے آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلے یعنی "اَنّ مشدّدہ" کو علم میں داخل ہوا ہے، جیسے قولہ تعالے "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا" اور دوسرا یعنی "اَنْ خفیفہ"

لہ یعنی [illegible] لَا یَظُنُّوْنَ۔

حُسبان[1] میں داخل کیا گیا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "وَحَسِبُوْا اَنْ لَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ" اس بات کو امام راغب اصفہانی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس ضابطہ کی بنیاد پر قولہ تعالیٰ "وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ[2] مِنَ اللّٰهِ" کو مثال میں پیش کیا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یعنی امام راغب کی پیش کردہ مثال میں "اَنْ مُخَفَّفَہ" کا اتصال اسم کے ساتھ ہوا ہے اور سابقہ مثالوں میں اس کا اتصال فعل کے ساتھ ہوا تھا۔ زرکشی نے اس کو کتاب البرہان میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "اس ضابطہ کو بخوبی یاد رکھو کیونکہ یہ اسرار قرآن میں سے ہے۔"

ابن الانباری کا قول ہے کہ ثعلب نے کہا ہے کہ "اہل عرب لفظ "ظن" کو علم، شک اور کذب تینوں معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر علم کی واضح دلیلیں قائم ہوں اور وہ شک کی دلیلوں سے بڑھ کر زبردست ہوں تو ایسے موقع پر ظن یقین کے معنی میں آئے گا لیکن جب یقین اور شک دونوں باتوں کی دلیلیں مساوی و یکساں ہوں تو اس وقت "ظن" کو "شک" کے معنی میں لیا جائے گا اور اگر شک کی دلیلیں یقین کی دلیل سے زائد ہو جائیں تو وہاں اس کو کذب مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ" یعنی "يَكْذِبُوْنَ" (جھوٹ بولتے ہیں)۔"

عَلٰی:

یہ حرف جر ہے اور بہت سے معنوں میں آتا ہے:

(۱) ان میں سب سے مشہور معنی استعلاء کے ہیں۔ خواہ وہ حسی[3] ہو یا معنوی[4]۔ جیسے قولہ تعالیٰ "وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ"[5]، "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"، "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"[6] اور "وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ"۔

---

[1] اندازہ، خیال کرنا۔

[2] پناہ کی جگہ۔

[3] محسوس ہونے والا۔

[4] باطنی امور۔

[5] یہ استعلاء حسی کی مثال ہے۔

[6] یہ مثال استعلاء معنوی کی ہے۔

یحوف " کی طاف کرو

یہ قول اسی طرح پر منقول ہے مگر میرے نزدیک اس مثال میں "علی" بمعنی "با" استعانت "آیا ہے یعنی اس سے مدد چاہنے کے معنی مقصود ہیں۔

اور قولہ تعالیٰ "کَتَبَ اللّٰہُ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ" میں "عَلٰی" فضل و کرم کی تاکید کے لئے آیا ہے نہ کہ ایجاب[1] اور استحقاق کے معنی میں، اور اسی طرح قولہ تعالیٰ "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَہُمْ" میں "علی" تاکید مجازاۃ کی غرض سے آیا ہے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ جب "نعمت" کا ذکر "حمد" کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر "علی" کا استعمال نہیں ہوتا اور جب اظہار نعمت مقصود ہو تو اس وقت "علی" کو لاتے ہیں اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ جب آپ کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ" اور جب کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ"۔

تنبیہ

کلام میں کبھی ہوتا ہے جس کو ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت جبکہ مجرور اور اس کا متعلق کا فاعل دونوں ایک ہی شے کی دو ضمیریں ہوں جیسے قولہ تعالیٰ "وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ" میں ہے۔ اس کی علت کی حرف "الیٰ" کے بیان میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے نیز "علی" ... اسم ظرف کے طور پر بھی آتا ہے اور اس کی مثال قولہ تعالیٰ ... [illegible] فِی الْاَرْضِ ہے۔

عَنْ :

یہ حرف جر ہے اور بہت سے معنی کے لئے آتا ہے۔

ان میں سب سے مشہور معنی مجاوزت[2] کے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ "فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ" یعنی جو لوگ اس کے حکم سے تجاوز کرتے ہیں اور ... [illegible] بدل[3] کے معنی میں جیسے قولہ تعالیٰ "لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا"

---

[1] واجب ہونا، حق ... [illegible]

[2] ... تجاوز ... [illegible]

[3] کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہ دے سکے گا اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

جیسے قول تعالیٰ "قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ"۔

کسائی کا قول ہے کہ "قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی "عسیٰ" بطور خبر آیا ہے تو وہ صیغۂ واحد ہی کے ساتھ آیا ہے، جیسا کہ سابقہ آیت میں ہے۔ اور اس کی توجیہ "عَسَی الْاَمْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کَذَا"۱؎ کے معنے سے کی گئی ہے۔ اور جہاں کہیں "عسیٰ" کا وقوع استفہام (سوال) کے معنیٰ میں ہوا ہے وہاں اس کو جمع کے صیغہ میں لایا گیا ہے جیسے قول تعالیٰ "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ" میں ہے۔

ابوعبیدہ کا قول ہے کہ "اس کے معنیٰ ہیں کہ آیا تم نے اس بات کو جان لیا؟ اور آیا تم اس کو آزما چکے ہو؟

ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ "کُلُّ عَسٰی فِی الْقُرْآنِ فَهِیَ وَاجِبَةٌ" (قرآن میں جہاں کہیں بھی "عسیٰ" آیا ہے وہ واجب ہی کے معنیٰ میں ہے)۔

امام شافعی رح کا قول ہے "یُقَالُ عَسٰی مِنَ اللّٰهِ وَاجِبَةٌ" (کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے "عسیٰ" کہا جانا بمعنی امر واجب کے ہے)۔

ابن الانباری نے کہا ہے کہ "عسیٰ" قرآن شریف میں واجب ہی کے معنی میں ہے مگر دو جگہیں اس امر سے مستثنیٰ ہیں:

اوّل مقام یہ ہے قول تعالیٰ "عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ" یعنی بنو نضیر پر رحم کرے، لیکن خدا تعالیٰ نے ان پر رحم نہیں فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کر کے انھیں سزائیں دیں۔

اور مقام دوم یہ ہے قول تعالیٰ "عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا" کہ وہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

لیکن بعض علماء نے اس استثناء کو باطل قرار دے کر قاعدہ میں عمومیت وجوب کی باقی رکھی ہے کیونکہ مثال اوّل میں رحمت میں دائمی ہونے کے لئے ان لوگوں پر دوبارہ بدعہدی کی طرف عود نہ کرنے کی شرط لگا دی گئی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" اور اس میں شک نہیں کہ یہودیوں میں سے بنو نضیر نے دوبارہ شرارت

۱؎ قریب ہے کہ فلاں امر اس طرح ہو۔

مشروط کی اس لئے ان کو سزا دینا ضروری ہو گیا۔ اور دوسری مثال یہ ہے: بیویوں کی تبدیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلاق دینے سے مشروط تھی۔ مگر چونکہ آپ نے امہات المومنین کو طلاق نہیں دی لہٰذا تبدیلی واجب نہیں ہوئی۔

تفسیر کشاف میں سورۃ التحریم کی تفسیر میں مذکور ہے کہ "عسیٰ" کا لفظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں کو طمع دلانے کے واسطے استعمال کیا گیا ہے، اور اس میں دو وجہیں ہیں:

اوّل یہ کہ "عسیٰ" کا استعمال اسی انداز پر ہے جیسا کہ صاحبِ اختیار لوگ اور فرماں روا جواب دینے کے وقت "لعلّ" اور "عسیٰ" کے ساتھ قول کرتے ہیں اور یہ کلمات ان کی زبان سے بجائے قطعی اور حتمی وعدہ کے متصور ہوتے ہیں۔

وجہ دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "عسیٰ" کا لفظ اس واسطے استعمال کیا ہے تاکہ وہ بندوں کو خوف و رجاء کی حالتوں کے مابین رہنے کی تعلیم دے۔

کتاب البرہان میں ہے کہ "خدا تعالیٰ کی جانب سے "عسیٰ" اور "لعلّ" کے کلمات واجب ہونے کے معنی میں آتے ہیں اگرچہ وہ بندوں کے کلام میں رجاء اور طمع کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں کیونکہ شکوک اور گمانوں کا پیش آنا خلق ہی کا خاصہ ہے اور باری تعالیٰ اس بات سے منزہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام امور میں چونکہ خلق کو شک رہا کرتا ہے اور وہ ان امور کے ہو جانے کا قطعی یقین نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ صحیح طور پر جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی بات ہونے والی ہے اور کون نہیں، اسی لئے ایسے کلمات کی دو نسبتیں قرار پائیں۔ ایک "نسبت الی اللہ" اور اس کا نام نسبت قطع و یقین ہے۔ دوسری "نسبت بجانب خلق" جس کا نام نسبت شک و ظن ہے اور اسی وجہ سے یہ الفاظ کبھی تو اس اعتبار سے کہ ان کے واسطے عنداللہ حاصل ہے تحقیق کے معنی میں آتے ہیں۔ جیسے قول تعالیٰ "فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ" اور کبھی اس اعتبار سے کہ ان الفاظ کو مخلوق کی نسبت سے [illegible] شک کے معنی میں ہوتا ہے۔ مثلاً قول تعالیٰ "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" [illegible]

[illegible]

[illegible]

سے کام ... ہوتی ہے کہ اس وقت وہ ... ہے۔

ابن مالک نے کہا ہے کہ میرے نزدیک وہ ہمیشہ مستقبل ہی رہتا ہے۔ اور اگر تم اس کو [illegible] کرو تو وہ دو جزوں کا قائم مقام ہوگا جیسا کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا میں ہے۔

عِنْدَ :

یہ ظرف مکان ہے حضور یا موجودگی اور قرب کے معنوں پر استعمال کیا جاتا ہے عام ازیں کہ یہ دونوں امر حسی ہوں جیسے قول اللہ تعالیٰ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ اور عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى میں ہے یا معنوی ہوں جیسے قولہ تعالیٰ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اور وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ اور فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ اور رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ میں ہے چنانچہ ان آیات میں بزرگی کی قربت اور بلندی مرتبت مراد ہے۔

عند کا استعمال بجز اس کے اور کسی طرح نہیں ہوتا کہ وہ ظرف ہو یا اس پر حرف مِنْ کے ساتھ جر ہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ فَمِنْ عِنْدِكَ اور وَلَمَّا جَاۤءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں ہے۔ عند کے قائم مقام لَدٰى اور لَدُنْ بھی آیا کرتے ہیں جیسے قولہ لَدَى الْحَنَاجِرِ اور لَدَى الْبَابِ اور وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ میں ہے۔

اور قولہ تعالیٰ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا میں یہ دونوں (عند و لدن) باہم جمع ہو گئے ہیں۔ اور اگر اوپر کی دو آیتوں میں "عند" اور "لدن" کو [illegible] لایا جاتا تو بھی صحیح تھا مگر تکرار کی وجہ سے اُسے ترک کر دیا اور آیت وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ میں لدی کی تکرار اس وجہ سے اچھی معلوم ہوئی کہ ان دونوں قصوں کے مابین بہت دوری ہے۔

عند، لدی اور لدن کا باہمی فرق چند طرح پر آتا ہے:

(۱) "عند" اور "لدی" میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ابتدائے غایت کے محل میں اور دیگر مواقع پر برابر آسکتے ہیں مگر لدن صرف ابتدائے غایت کے موقع پر آنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دیگر مقامات پر نہیں آسکتا۔

اوّل ترتیب [illegible] موسیٰ [illegible]

[illegible] (ذکری) [illegible] اور ترتیب ذکری [illegible] کا [illegible] جیسے

قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] اور [illegible] وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ [illegible]

[illegible] ترتیب کا انکار کیا ہے، چنانچہ قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] جواب یہ دیا ہے کہ یہاں [illegible]

[illegible] (یعنی اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا)۔

دوم تعقیب اور وہ [illegible]

اور یہی [illegible] تعقیب کو تراخی (مہلت) سے جدا کرتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

سوم [illegible] وقت [illegible]

قال [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور کبھی یہ ف صرف ترتیب کا فائدہ دیتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۲) یہ کہ ف [illegible] سببیت [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس صورت میں جزا پر ف نہیں آیا کرتی۔

(۳) جب کبھی جملہ شرطیہ [illegible] پائی جاتی ہو [illegible])

جواب شرط جملہ اسمیہ [illegible] آئے [illegible] پر ف داخل ہوگی جیسے قولہ تعالیٰ "وان يمسسك بخير فهو على كل شيء قدير" [illegible]

[illegible] جیسا ان مثالوں میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ: "ان ترن انا اقل منك مالا وولدا فعسى ربي ان يؤتين" [illegible] "ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء" [illegible] "ان تبدوا الصدقات فنعما هي" "ومن يكن الشيطان له قرينا فساء قرينا"

[illegible] اشتقاق [illegible] ان مثالوں میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ: "[illegible] فاتبعوني يحببكم الله" [illegible]

[illegible]

[illegible] فعل [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ "ان يسرق فقد سرق اخ له من قبل" اور یا اس فعل پر حرف مستقبل [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ "من يرتد منكم عن دينه فسوف يأتي الله بقوم" اور "وما تفعلوا من خير فلن تكفروه" [illegible] اور جس طرح کہ جواب کا ربط [illegible] شرط کے ساتھ [illegible] اس [illegible] جواب [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ "ان الذين يكفرون بآيات الله [illegible] فبشرهم [illegible]" (۳: ۲۰)۔

(۴) [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] کیا گیا ہے [illegible] مبتدا و خبر کے درمیان کوئی حائل (رکاوٹ) واقع نہیں ہے۔

(۵) [illegible] "ولما جاءهم كتاب من عند الله [illegible]" الآية [illegible]

[illegible] کی مثال میں [illegible]

لے یہاں فعل [illegible] نہیں ہوتی۔

"کُنْ فَیَکُونُ" (رفع کے ساتھ) روایت کیا ہے۔

فِی:

یہ حرف بہت سے اور بہت سے معنوں میں آتا ہے۔

(۱) سب سے مشہور معنی ظرفیت کے ہیں مکان کے لئے خواہ زمانہ کے لئے جیسے قولہ تعالیٰ "غُلِبَتِ الرُّومُ فِی أَدْنَی الْأَرْضِ[1] وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُونَ فِی بِضْعِ سِنِینَ[2]" خواہ یہ ظرفیت حقیقی ہو جیسے آیت مذکورہ میں ہے یا مجازی جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیَاةٌ"، "لَقَدْ کَانَ فِی یُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آیَاتٌ" اور "إِنَّا لَنَرَاکَ فِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ" میں ہے۔

(۲) مصاحبت کے معنی میں آتا ہے (مَعَ کی طرح) جیسے قولہ تعالیٰ "ادْخُلُوا فِی أُمَمٍ" یعنی مَعَهُمْ (ان کے ساتھ) اور "فِی تِسْعِ آیَاتٍ" (یعنی مَعَ تِسْعِ آیَاتٍ)۔

(۳) بمعنی تعلیل جیسے قولہ تعالیٰ "فَذَٰلِکُنَّ الَّذِی لُمْتُنَّنِی فِیهِ" یعنی لُمْتُنَّنِی بِسَبَبِهِ۔

(۴) بمعنی استعلاء جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَأُصَلِّبَنَّکُمْ فِی جُذُوعِ النَّخْلِ" یعنی عَلَیْهَا (ان پر)۔

(۵) حرف "ب" کے معنی میں آتا ہے جیسے "یَذْرَؤُکُمْ فِیهِ" یعنی بِسَبَبِهِ (اس کے سبب سے)۔

(۶) بمعنی "إِلَی" جیسے "فَرَدُّوا أَیْدِیَهُمْ فِی أَفْوَاهِهِمْ" یعنی إِلَی أَفْوَاهِهِمْ (اپنے مونہوں کی طرف)۔

(۷) بمعنی مِنْ جیسے "وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِی کُلِّ أُمَّةٍ شَهِیدًا" یعنی مِنْهُمْ (ان میں سے) کیونکہ اس کی دلیل دوسری آیت سے پائی جاتی ہے[3]۔

(۸) بمعنی عَنْ جیسے "فَهُوَ فِی الْآخِرَةِ أَعْمَیٰ" یعنی عَنْهَا وَعَنْ مَحَاسِنِهَا (اس سے اور اس کی خوبیوں کی طرف سے)۔

(۹) مقایست (موازنہ) کے معنی میں آتا ہے اور اس طرح کہ حرف "فی" ایک

---

[1] ظرف مکان کی مثال۔

[2] ظرف زمان کی مثال۔

[3] مذکورہ آیت سورۂ نحل کی ۸۴ویں آیت ہے اور دوسری آیت ۸۹ سے جو یوں ہے ... [illegible]

[illegible] فعل [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

(۱۰) [illegible] جیسے قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

قَد:

یہ ایک حرف ہے اور اس طرح کے فعل کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے جو کہ متصرف خبری و مثبت ہو اور کسی ناصب اور جازم [illegible] سے اور حرف تنفیس سے خالی ہو خواہ یہ فعل ماضی ہو خواہ مضارع۔

قد کے معنوں کے لئے آیات:

(۱) فعل ماضی کے ساتھ تحقیق کے معنی دیتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "قَدْ أَفْلَحَ [illegible]" [illegible] اور یہ [illegible] ہیں جو کہ [illegible] کے جواب میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قول تعالیٰ [illegible] اگر یہاں [illegible]

[illegible] جو کہ اہم خیال ہے اور اس کی [illegible] مشہور کی نفی ہے۔

[illegible] یہاں [illegible]

[illegible] اس کے [illegible]

[illegible] کا قول ہے کہ "کاف" اور [illegible]

کرنے کی وجہ [illegible] نفی کی تاکید کرنا ہے اور اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ [illegible]

[illegible] کا استعمال [illegible] اور [illegible] چنانچہ [illegible]

[illegible] کی [illegible] نفی کر دی گئی ہے۔

(۴) [illegible] کا قول ہے کہ "کاف" زائدہ ہرگز نہیں [illegible] آیت [illegible]

[illegible] اور جب کہ مثل کے مثل کی نفی کر دی [illegible]

کوئی مثل نہیں رہا"

شیخ عزالدین بن عبد السلام [illegible] کہتے ہیں کہ مثل [illegible] اور [illegible]

[illegible]

[illegible] جا سکتا ہے۔

وَلَمْ أَقُلْ مِثْلُكَ أَعْنِي بِهِ

سِوَاكَ يَا فَرْدًا بِلَا مُشْبِهِ

(اے [illegible] کوئی مشابہ نہیں ہے [illegible] مثلک سے مراد [illegible] نہیں لیا [illegible]

تیرے سوا کسی اور ذات کو [illegible])

خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَإِنْ آمَنُوا [illegible]

بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ [illegible] لِأَنَّ إِيمَانَهُمْ لَا مِثْلَ لَهُ (اس چیز پر [illegible]

جس پر تم ایمان لائے ہو [illegible] ان لوگوں کے ایمان کا مثل نہیں ہے)

[illegible] آیت میں تقدیر کلام [illegible] ہوگی [illegible]

[illegible] کوئی چیز نہیں)

[illegible]

۱؎ اس کے مثل [illegible] کوئی چیز نہیں

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (خدا کی صفت جیسی کوئی صفت ہی نہیں) اور اس سے یہ تنبیہ مقصود تھی کہ اگرچہ خدا کی ذات کو ایسی بہت سی صفتوں کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جن صفات سے انسان کو بھی متصف کیا جاتا ہے مگر یہ صفتیں جو خدا تعالیٰ کے لئے ہیں ان صفتوں کی مانند نہیں ہیں جو کہ انسانوں کے متعلق استعمال کی جاتی ہیں: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی[1]۔

تنبیہ

حرف کاف، مثل کے معنی میں بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے اور اسے مقدر پر وہ محلِ اعراب میں ہوتا ہے اور اسی کی طرف ضمیر پھیری جاتی ہے۔

زمخشری نے قولہ تعالیٰ "كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں جو ضمیر آئی ہے اس کا مرجع "كَهَيْئَةِ" کا حرف "کاف" ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ میں اس مثل (شکل) صورت میں پھونک دیتا ہوں تو وہ تمام دیگر چیزوں کی طرح ہو جاتی ہے۔

مسئلہ

ذٰلِكَ یعنی اسم اشارہ اور اس کی فروع یا اس کی مانند اور الفاظ میں "کاف" خطاب کا حرف ہے اور اس کے لئے کوئی محل اعراب کا نہیں ہے۔ اور لفظ "اِيَّاكَ" میں جو کاف ہے اس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ حرف ہے اور یہ قول بھی منقول ہے کہ نہیں وہ اسم ہے اور "اِيَّا" کا مضاف الیہ ہے۔ اور "اَرَاَيْتَكَ" میں جو "کاف" ہے اس کی بابت بھی مختلف اقوال آئے ہیں۔ کوئی حرف بتاتا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ وہ اسم ہے جو ایک قول کے لحاظ سے محلِ رفع میں ہے اور دوسرے قول کی بنا پر محلِ نصب میں واقع ہے۔ مگر ان دونوں اقوال میں سے پہلا قول راجح تر ہے۔

کَادَ

یہ فعل ناقص ہے اس سے صرف ماضی اور مضارع کے افعال (تصریف) آتے ہیں اس کا ایک اسم مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر میں فعل مضارع بجز "اَنْ" کے خالی ہو کر واقع ہوتا ہے اس کے معنی ہیں "قَارَبَ" (نزدیک ہوا) لہذا اگر اس کی نفی کی جائے گی تو گویا مقاربت (نزدیک ہونے) کی نفی ہوگی اور اس کا اثبات بمعنی مقاربت کے اثبات کے ہوگا۔

بہت سے لوگوں کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ اس کی نفی اثبات کے معنی میں اور

[1] خدا تعالیٰ کے لئے سب سے بڑھ کر عمدہ صفت ہے [illegible]

اس کا اثبات نفی کے معنی میں آتا ہے۔ لہٰذا اقول [illegible] تعالیٰ "وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ" کی دلیل سے یہ ہیں کہ انہوں نے نہیں کیا [illegible] اور "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" کے معنی قولہ تعالیٰ [illegible] کی دلیل سے [illegible] کئے گئے۔

ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق پر ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا قرآن میں جو ہر فعل "كَادَ"، "أَكَادُ" اور "يَكَادُ" کے ساتھ آیا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہرگز واقع نہ ہوگی (لَا يَكُونُ أَبَدًا)۔

بعض کہتے ہیں کہ "کاد" فعل کے بمشقت واقع ہونے پر دلالت کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے ماضی کی نفی اثبات آتی ہے جس کی دلیل قولہ تعالیٰ "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" ہے اور اس کے مضارع کی نفی قولہ تعالیٰ [illegible] کی دلیل سے نفی کے معنی میں واقع ہوا کرتی ہے کیونکہ [illegible] بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ [illegible] کی نسبت یہ خبر دی گئی ہے [illegible]

ان مذکورہ بالا اقوال میں سے صحیح قول [illegible] قول ہے یعنی یہ کہ دیگر افعال کی طرح "کاد" کی نفی بھی نفی ہے اور اس کا اثبات بھی اثبات ہے [illegible] ہوں گے [illegible] اس نے [illegible] کے قریب [illegible] نہیں کیا۔ لہٰذا مقاربت کی نفی سے عقلاً فعل ہی کی نفی لازم ہوتی ہے۔ اب رہی آیت "فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" تو وہ بنی اسرائیل کی ابتدائی حالت کی خبر ہے [illegible] کہ پہلے وہ لوگ گائے کو ذبح کرنے سے دور بھاگتے تھے اور [illegible] فعل کا اثبات ہے وہ دوسری دلیل سے سمجھا گیا ہے جو کہ قولہ تعالیٰ "فَذَبَحُوهَا" ہے [illegible] کر لیا۔ اور قولہ تعالیٰ "لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ" [illegible]

ﻟﮧ [illegible]

ﺗﮧ [illegible]

ﺗﮧ [illegible]

(۳) بمعنی حال۔ اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" اور قولہ تعالیٰ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا" ہے۔

(۴) مستقبل کے معنی میں اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا"

(۵) "صار" (ہو گیا) کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ"

میں کہتا ہوں کہ ابن ابی حاتم نے السدی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا "اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرماتا "اَنْتُمْ" (تم لوگ) اور اس وقت ہم سب لوگ ہی مراد ہوتے مگر اس نے "کُنْتُمْ" فرمایا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں ہے۔

اور "ینبغی" (سزاوار ہے) کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "مَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا" اور قولہ تعالیٰ "مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَھَا"

اور "حضر" اور "وجد" کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے "وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ" اور "اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً" اور "وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً" میں ہے۔

یہ تاکید کے لئے بھی آتا ہے اور یہی زائدہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہے "وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" یعنی "بِمَا یَعْمَلُوْنَ" (ان کے کاموں کا جو کہ وہ کرتے ہیں مجھ کو کوئی خبر نہیں)۔

کَاَنَّ (تشدید کے ساتھ)۔

یہ تشبیہ و تاکید کا حرف ہے کیونکہ اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ کاف تشبیہ اور "اِنَّ" مؤکدہ سے مرکب ہے۔ اور "کَاَنَّ زَیْدًا اَسَدٌ" کی اصل "اِنَّ زَیْدًا کَاَسَدٍ" ہے۔ حرف تشبیہ کو اس سے اہتمام ظاہر کرنے کی وجہ سے مقدم کر دیا۔ لہٰذا … "اِنَّ" کا ہمزہ مفتوح ہو گیا۔

---

۱ … ہو چکی ہے۔

۲ … فرض کی گئی ہے۔

۳ … ہوں گے۔

۴ … ہوگی۔

۵ … یہ بات … نہیں۔

۶ … موقع پر۔

حازم کا قول ہے کہ "کأنّ" کا استعمال اسی موقع پر ہوتا ہے جہاں مشابہت بہت قوی ہو یہاں تک کہ قریب سے دیکھنے والے کو بھی اس بارے میں شک ہو جائے کہ مشبہ خود ہی مشبہ بہ ہے یا اس کا غیر، اور اسی وجہ سے جب کہ حضرت سلیمانؑ نے بلقیس سے اُس کے تخت کی صورت مثالیہ دکھا کر دریافت کیا تھا کہ "کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟" تو بلقیس نے جواب دیا کہ "کَأَنَّهُ هُوَ" (جیسا کہ یہ وہی ہے)۔

اور "کأنّ" اس صورت میں ظن اور شک دونوں باتوں کے لئے بھی آتا ہے جب کہ اس کی خبر جامد نہ ہو۔ اور کبھی اس کی تخفیف بھی کر دی جاتی ہے (یعنی تشدید دور کر دی جاتی ہے) جیسا کہ قولہ تعالیٰ "کَأَنْ لَمْ یَدْعُنَا اِلٰی ضُرٍّ مَسَّهُ"۔

کَأَیِّنْ:

یہ اسم ہے جو کاف تشبیہ اور "ایّ" تنوین دار سے مرکب ہے اور تعداد میں زیادتی کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ "وَکَأَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ" میں ہے۔

اس میں کئی لغتیں آئی ہیں[1]

(۱) کَأَیِّنْ: اتباع کے وزن پر، یہی اصل ہے۔ ابن کثیر نے اسی طرح اس کی قرأت کی ہے۔

(۲) کَآئِنْ: بروزن کاعِب اور اسی کے مطابق قولہ تعالیٰ "وَکَآئِنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قُتِلَ" بھی آیا ہے۔

کَأَیِّنْ: چند باتوں میں "کم" کے مشابہ ہے، صدر کلام میں آنا لازم ہے جیسا کہ ابہام کے لئے صدر میں ہونا، مبنی ہونا ہے اور دیگر کا محتاج ہونا۔ اس کی تمیز بیشتر "مِن" کے ساتھ مجرور ہوتی ہے۔

ابن عصفور نے کہا ہے کہ اس کی تمیز لازمی طور پر مجرور بہ "مِن" ہی آتی ہے۔

کَذَا:

یہ قرآن میں اسم اشارہ کے لئے آیا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ "أَهٰکَذَا عَرْشُكِ" میں ہے۔

[1] کئی طرح پر اس کا تلفظ ہوا ہے۔

کُلّ:

یہ اسم ہے اور اس کے تمام افراد کے استغراق کے لئے موضوع ہے جس کی جانب وہ مضاف ہوتا ہے، جیسے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

اور اس معرف کے افراد کا بھی استغراق کرتا ہے جو صیغۂ جمع کے ساتھ وارد ہو مثلاً قولہ تعالیٰ "وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا" اور قولہ تعالیٰ "كُلُّ [illegible]" اور مفرد معرف کے اجزاء کے استغراق کے واسطے بھی آتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ" قلب کو متکبر کی طرف مضاف کرنے کے ساتھ یعنی اس کے تمام اجزاء پر، اور اس میں "قلب" تنوین کی قرأت افراد قلوب کے تعمیم کی غرض سے ہے۔

لفظ "کُل" اپنے ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

اوّل یہ کہ کسی اسم نکرہ یا معرفہ کی نعت (صفت) ہو، اس صورت میں وہ اپنے منعوت (موصوف) کے کمال پر دلالت کرتا ہے اور اس کی اضافت ایک ایسے اسم ظاہر کی جانب ہوتی ہے جو کہ لفظاً اور معناً دونوں طرح پر اس کا مماثل ہو، جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ" یعنی بسطاً کل البسط (ایسا کشادہ کرنا کہ پوری طرح کشادہ ہو جائے) اور "فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ"۔

دوم یہ کہ معرفہ کی تاکید کے لئے آئے، اس صورت میں اس کا فائدہ عموم ہوتا ہے اور اس کی اضافت مؤکد کی جانب پھرنے والی ضمیر کی طرف واجب ہوتی ہے، مثلاً "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ"۔

فرّاء اور زمخشری نے اس موقع پر [illegible] اس کی اضافت کا قطع کرنا جائز قرار دیا ہے جس کی مثال بعض قرّاء کی قرأت "إِنَّا كُلًّا فِيهَا" سے دی ہے۔

سوم یہ ہے کہ وہ تابع نہ ہو بلکہ عوامل کا تالی ہو [illegible] اور اس صورت میں وہ ظاہر کی طرف مضاف ہو کر بھی واقع ہوتا ہے اور غیر مضاف ہو کر بھی [illegible] مثلاً "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ" اور "وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ"۔

اور جس جگہ وہ کسی اسم منکر کی طرف مضاف ہوگا وہاں اس کی ضمیر [illegible] واجب ہوگی، مثلاً [illegible] "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ [illegible]"

ك منصوب بطور [illegible] مرفوع [illegible]

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اور وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔

اگر کسی اسم معرفہ کی طرف مضاف ہو تو مفرد اور مذکر دونوں میں اس کے لفظ کی اور اس کے معنی دونوں کی رعایت جائز ہوگی۔ چنانچہ قول تعالیٰ: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۔ میں یہ دونوں رعایتیں ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔

اور یہ اضافت قطع کر دی جائے گی تب بھی ایسا ہی ہوگا، مثلاً كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ اور فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ اور وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۔

اور جب وہ (کل) حیز (مقام) نفی میں واقع ہوگا یعنی اس طرح کہ حرف نفی اس پر مقدم ہو یا فعل منفی اس سے قبل آئے تو اس صورت میں نفی مخصوص فرد کو شامل ہوگی اور [illegible] سے ہر فرد کے لئے ثبوت فعل کا فائدہ دے گا اور اگر نفی اس کے حیز (مقام) میں ہوگی تو وہ ہر ایک فرد کی طرف متوجہ ہوگی۔

علمائے البیان نے اس کو اسی طرح ذکر کیا ہے مگر اس قاعدہ پر قول تعالیٰ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ سے اشکال بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس شخص کے لئے جو ان دو وصفوں میں سے کوئی ایک وصف رکھتا ہو خدا کی محبت ثابت ہونے کا امکان پیدا ہو گیا لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مفہوم کی دلالت پر کسی معارض کے موجود نہ ہونے کی صورت میں عمل کیا جاتا ہے لیکن یہاں معارض موجود ہے کہ اترانے اور فخر کرنے کی حرمت پر [illegible] کی دلیل موجود ہے۔

مسئلہ

کُلّ [illegible] کے ساتھ متصل ہوتا ہے جیسے قول تعالیٰ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا [illegible] مصدریہ ہے مگر اس حالت میں [illegible] اسی طرح ظرف زمان کا نائب ہوتا ہے جس طرح مصدر [illegible] اس کا نائب ہوتا ہے اور [illegible] جب [illegible] وقت [illegible] ظرف [illegible] کی وجہ سے منصوب ہے [illegible] کی طرف مضاف [illegible]

[illegible]

جو ظرفیت کی قائم مقام ہے اور "کلّ" کا نصب وہ فعل ہے جو کہ معنی جواب واقع ہوا ہے۔

فقہاء اور علم اصول کے علماء نے بیان کیا ہے کہ "کلّما" تکرار کے واسطے آتا ہے۔ ابو حیان نے کہا ہے کہ یہ بات صرف لفظ "ما" کے عموم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ظرفیت سے عموم مراد ہوتا ہے۔ اور "کلّ" نے اس کی تاکید کر دی ہے۔

کِلَا اور کِلْتَا:

یہ دونوں اسم ہیں، لفظاً مفرد اور معنی کے لحاظ سے تثنیہ ہیں اور ہمیشہ لفظاً و معنیً دونوں طرح پر ایسے کلمہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں جو ایک ہی لفظ ہو، معرفہ ہو، اور تثنیہ پر دلالت کرتا ہو۔

امام راغب نے کہا ہے کہ یہ دونوں تثنیہ میں وہی خصوصیت رکھتے ہیں جو لفظ "کلّ" کو جمع میں حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ آتَتْ" یعنی ان دونوں میں کی ایک، نہ وہ دونوں۔

کَلَّا:

ثعلب کے نزدیک یہ کاف تشبیہ اور "لا" نافیہ سے مرکب ہے۔ اس کے معنی کی تقویت کی وجہ سے تشدید دی گئی ہے اور اس میں ترکیب کو دفع کرنا بھی مقصود ہے کہ دونوں کلموں کے معنے باقی ہیں۔

کسی اور عالم نے اس کو بسیط مفرد لفظ قرار دیا ہے۔

سیبویہ نے کہا ہے کہ "اکثر نحوی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ محض حرف ہے جس کے معنی "رَدَع" دھتکارنا اور باز رکھنا اور "ذم" یعنی مذمت کرنے کے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کے سوا "کلّا" کے کوئی اور معنی ہی نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ اس پر وقف کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے مابعد سے ابتدا کرنا روا بتاتے ہیں۔"

بعض نحویوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جس صورت میں تم "کلّا" کو سنو تو اس پر بلا تامل مکّی ہونے کا حکم لگا دو۔ اس لئے کہ "کلّا" میں دھمکی اور خوف دلانے کے معنی ہیں، اور تہدید اور وعید کا نزول اکثر مکہ ہی میں ہوتا ہے، جہاں سرکشی اور نافرمانی بڑھی ہوئی تھی۔

ابن ہشام نے کہا ہے مگر اس بات کے تسلیم کرنے میں ایک کام ہے، وہ یہ کہ قولہ تعالیٰ

... كَلَّا " ، " يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ كَلَّا " اور " ... إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ كَلَّا " میں اس کا زجر (لا) کی سرزنش کے لئے ہونا بعید نہیں ہے، اور ان بعد والی آیتوں کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے معنی میں " نَقْصُ تَرْكِيبِ الْإِنْسَانِ وَتَصْوِيرِهِ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ ... وَالْبَعْثِ ، وَالتَّوْبَةِ عَنِ الْعَجَلَةِ بِالْقُرْآنِ " تو اس طرح یہ ایسا ہونا [illegible] کہ انسان کی صورت خدا کی مرضی کے مطابق ہے، جیسے اس نے چاہی بنائی اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کو نہ مانے، اور قرآن کو جلد پڑھنے سے باز رہے، یہ [illegible] تکلف اور خواہ مخواہ کھینچ تان کر ایک معنی پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، [illegible] کیونکہ ان آیتوں میں خدا کی صورت گری اور قیامت کی دوبارہ زندگی سے انکار کرنا کسی ایک شخص نے بھی خطاب " كَلَّا " سے قبل بیان نہیں کیا ہے اور تیسری آیت میں قرآن [illegible] جلدی کرنے کی ممانعت [illegible] درست نہیں [illegible] کے ذکر اور " كَلَّا " کے درمیان میں فاصلہ ہے اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ سورۂ علق کی یہی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں، اور اس کے بعد میں " كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى " کا نزول ہوا اور اس لئے " كَلَّا " آغاز کلام میں آیا ہے۔

[illegible] نے جب دیکھا کہ ردع اور زجر کے معنی " كَلَّا " میں موزوں نہیں رہتے تو انہوں نے ایک معنی اور بھی پیدا کر لئے اور کہا کہ " كَلَّا " [illegible] ہے، اور اس کے بعد وقف کرنے [illegible] اس سے ابتدا کرنا صحیح ہوتا ہے مگر بعد میں ان کے درمیان اس دوسرے معنی کی تعیین کی بابت اختلاف ہو گیا اور ہر شخص الگ الگ رائے قائم کرنے لگا:

کسی نے کہا کہ " كَلَّا " یہاں پر بمعنی " حَقًّا " کے ہوگا۔

[illegible] نے اس کو استفتاحیہ (آغاز کلام میں آنے والا) بتایا ہے۔

[illegible] نے کہا ہے کہ " كَلَّا " کو حرف [illegible] کہتے ہیں [illegible] سے قبل کی [illegible] اس کے یہ معنی نہیں قرار دیئے تھے۔ [illegible] کی مثال ہے [illegible] ابو حاتم کی پیروی کی ہے۔

نضر بن شمیل نے اس کو بمنزلہ " اِیْ " اور " نَعَمْ " کے حرف ایجاب بتایا ہے [illegible] قول کیا ہے۔

فراء اور [illegible] سعدان نے اسے " سوف " کے معنی میں بتایا ہے۔ اس بات کو ابو حیان [illegible]

نے اسے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

علامہ مکی نے کہا ہے جب کہ "کَلَّا" ردع کے معنی پر آتا ہے تو وہ حرف ہے،

اور "کَلَّا سَیَکْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ" میں تنوین کے ساتھ [illegible] کی قرأت کی گئی ہے،

اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ "کَلًّا" بمعنی "اَعْیَا" (تھک گیا) کا مصدر ہے اور معنی یہ ہیں کہ

[illegible] دَعْوٰی شِرْکِہٖ و قَعَدَتْہُ اور وہ لوگ اپنے دعوے میں تھک گئے اور اس سے تھک کر بیٹھ رہے،

اس کا ماخذ لفظ "کَلٌّ" بمعنی "ثِقْلٌ" (گراں ہونا، بھاری پن) ہے اور مراد یہ ہے کہ

حَمَلُوْا کَلًّا" یعنی انہوں نے بارِ گراں کو برداشت کیا۔

زمخشری نے اس کا تنوین کے ساتھ حرفِ ردع ہونا جائز رکھا ہے جس کو [illegible]

کے طور پر تنوین دی گئی۔

مگر ابو حیان نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ [illegible] میں تنوین

آتی ہے وہ اسم ہے [illegible] کی اصل سے تنوین ہے لہٰذا وہ تنوین [illegible]

اپنے اصل کی طرف راجع ہو گیا۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ زمخشری نے اپنی توجیہ کو [illegible]

نہیں [illegible] تنوین [illegible]

جو کہ آیت [illegible]

جاتا ہے۔

کَمْ

یہ اسم مبنی ہے اور صدرِ کلام میں لازماً آتا ہے اور مبہم ہونے کی وجہ سے تمیز کا محتاج

ہے۔ یہ استفہامیہ بھی آتا ہے مگر قرآن شریف میں استفہامیہ نہیں آیا ہے۔

"کم" خبریہ کثیر کے معنی میں آتا ہے، یہ بیشتر فخر جتانے اور بڑائی ظاہر کرنے کے موقع

پر آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَکَمْ مِنْ مَلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ" "وَکَمْ قَصَمْنَا

مِنْ قَرْیَۃٍ" [illegible]

[illegible] کی اصل [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہونا چاہئے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

كَيْ:

یہ حرف ہے اور اس کے دو معنی ہیں:

اول: تعلیل، جیسے قول تعالیٰ: «كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ» میں ہے۔

دوم: اَنْ مصدریہ کے معنی میں آتا ہے، جیسے قول تعالیٰ: «لِكَيْلَا تَاْسَوْا» میں آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جگہ پر حرف اَنْ آ سکتا ہے ورنہ اگر وہ حرف تعلیل ہوتا تو اس پر دوسرا حرف تعلیل داخل کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

كَيْفَ:

یہ اسم ہے اور دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے:

پہلا شرط کے طور پر، اس کی مثال قول تعالیٰ: «يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ» اور «يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ» اور «فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ» ہے، اور ان سب آیتوں میں «كيف» کا جواب محذوف ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس جواب پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرے کی وجہ استفہام ہے، «كيف» کی استعمال یہی ہے اور اکثر یہی استعمال ہوتا ہے، «كيف» کے ذریعہ حالت کی [illegible] دریافت کی جاتی ہے کہ اس کی ذات [illegible]۔

اور بعض نے کہا ہے کہ «كيف» سے کسی چیز کے حال کا سوال کیا جاتا ہے جس کا [illegible] نہیں [illegible] ہو سکے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں «كيف» کے ذریعہ سوال کرنا درست نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے اوپر «كيف» کا اطلاق کیا ہے [illegible] وہ بطور تنبیہ اور توبیخ کے [illegible] طلب [illegible] جیسے «كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ» اور «كَيْفَ يَهْدِي» [illegible]

لَا:

یہ حرف ہے [illegible]

(۱) [illegible]

[illegible]

لامِ جارّہ اسمِ ظاہر کے ساتھ مکسور آتا ہے اور بعض قرار کی قراءت "الحمدُ لُلّٰہ" میں ضمہ بوجہ اتباع کے عارض ہو گیا ہے۔

ضمیر کے ساتھ لامِ جارّہ مفتوح آتا ہے مگر یائے متکلم کی ضمیر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اُس کے ساتھ ہمیشہ لام مکسور ہی آئے گا۔

لامِ جر کے بہت سے معانی ہیں:

اوّل استحقاق۔ یہ کسی شئے اور ایک ذات کے مابین واقع ہوا ہے۔ مثلاً "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"، "لِلّٰهِ الْاَمْرُ"، "وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ"، "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ" و "لِلْكَافِرِيْنَ [illegible]" (یعنی اُن کا عذاب)۔

دوم بمعنی اختصاص، جیسے "اِنَّ لَهُ اَبًا" اور "فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ"۔

سوم بمعنی ملک (مالک ہونے) مثلاً "لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ"۔

چہارم بمعنی تعلیل، جیسے "وَاِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" یعنی وہ مال کی محبت کی وجہ سے بخیل ہے۔ اور قولہ تعالیٰ "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ" الآیۃ۔ حمزہ کی قراءت میں (کسرۂ لام کے ساتھ) یعنی اس وجہ سے کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے واسطے اقرار لیا کہ جب وہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے آئیں تو تم لوگ ضرور اُن پر ایمان لانا۔

چنانچہ اس آیت میں "لِمَا" کا "ما" مصدریہ ہے اور لام تعلیلیہ۔ اور اسی طرح قولہ تعالیٰ "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ" میں بھی لام تعلیلیہ ہے اور اس کا تعلق "فَلْيَعْبُدُوْا" کے ساتھ ہے اور ایک قول میں آیا ہے کہ نہیں، بلکہ اس کا تعلق اس کے ماقبل یعنی "فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ" کے ساتھ ہے (یوں کہ "فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ") اور اسی قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سورۂ فیل اور قریش اُبی بن کعب کے مصحف میں دونوں ایک ہی سورت ہیں۔

پنجم اِلیٰ کی موافقت کے واسطے جیسا کہ اس کی مثالوں میں سے "بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا" "كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى"۔

ششم [illegible] کی موافقت کے لیے جیسے قولہ تعالیٰ [illegible] "وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ" "[illegible]" اور "[illegible]" [illegible]

کے معنی پر جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔

ہفتم "فی" کی موافقت کے لئے جیسے قولہ تعالیٰ "وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ" "لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ" اور "يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي" یعنی "فِي حَيَاتِي"۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں لام تعلیل کا ہے یعنی قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي کے معنی یہ ہیں "لِأَجْلِ حَيَاتِي فِي الْآخِرَةِ" (کاش میں نے آخرت کی زندگی کے لئے کوئی توشہ پہلے کر لیا ہوتا)۔

ہشتم "عند" کے معنی میں جیسے جحدری کی قرأت "بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لِمَا جَاءَهُمْ" (یعنی بوقت آنے حق کے جب کہ ان کے پاس آیا)۔

نہم "بعد" کے معنی میں جیسے قولہ تعالیٰ "أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ" کہا گیا ہے یعنی بعد دلوک الشمس (زوال آفتاب کے بعد سے)۔

دہم "عن" کی موافقت کے لئے مثلاً قولہ تعالیٰ "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ" یعنی "عَنْهُمْ وَفِي حَقِّهِمْ" (کافروں نے مسلمانوں کی بابت اور مسلمانوں کے حق میں کہا) نہ یہ کہ انہوں نے اپنے اس قول کا مخاطب مسلمانوں کو بنایا ہو ورنہ "مَا سَبَقْتُمُونَا" کی جگہ "مَا سَبَقُونَا" نہ کہا جاتا۔

یازدہم تبلیغ کے لئے اور یہ وہ لام ہے جو کسی قول کے سامع کے اسم یا اس چیز کو جر دیتا ہے جو کہ اس کے معنی میں ہو مثلاً "اَذِنَ" ، "فَسَّرَ" (بیان کی) کو۔

دوازدہم صیرورت کے لئے اور اسی کو لام عاقبت بھی کہتے ہیں۔ جیسے قولہ تعالیٰ "فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا" پس یہ بات (یعنی اس بچہ موسیٰ کا خاندان فرعون کے حق میں دشمن اور باعث تکلیف ہونا) ان کے (یعنی فرعون کے گھر والوں کے) اس بچہ کو دریا سے اٹھا لینے کا انجام تھا نہ کہ اس کی علت اور سبب کیونکہ بچہ کو دریا سے نکال لینے کی علت تو اسے متبنیٰ بنالینے کی غرض تھی۔

نحویوں کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ لام صیرورت کے لئے نہیں بلکہ یہ لام تعلیل کے واسطے ہے کیونکہ اس بچہ (موسیٰ) کا دشمن ہونا اگرچہ دریا سے نکالنے ہی کے ذریعہ سے ظہور میں آیا مگر اللہ تعالیٰ کی یہ غرض تھی کہ فرعون کا دشمن ظہور میں آئے۔ لہٰذا یہاں پر مجازاً علت (دریا سے نکالنے) کو غرض کی جگہ پر قائم کر دیا گیا ہے۔

ابو حیان نے کہا ہے کہ میرے خیال میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پر لام حقیقۃً

تعلیل کا ہے اور آل فرعون نے اس بچہ کو دریا میں سے نکالا تھا اس لئے تھا کہ وہ ان کا دشمن بنے اور یہ بات مضاف کو حذف کر دینے کی مثال پر مبنی ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ لِيَكُوْنَ (اس خوف سے کہ وہ ان کا دشمن ہو) تھی اور اسی کی نظیر قولہ تعالیٰ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ہے (یعنی كَرَاهَةَ اَنْ تَضِلُّوْا، نہ تو تمہاری گمراہی ناپسند ہے)۔

تیسرا: دہم بطور لام تاکید اور یہی زائدہ بھی ہوتا ہے یا ضعیف عامل کو قوت دینے والا کبھی جو بسبب فرع ہونے یا تاخیر کی وجہ سے عمل کرنے میں کمزور ہو، اس کی مثالیں یہ ہیں:

رَدِفَ لَكُمْ [illegible] يُرِيْدُ اللهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ [illegible] [illegible] [illegible] لِمَا يُرِيْدُ [illegible]

یہی دو قسم مفعول کی تبیین (بیان کرنے واضح کرنے) کے لئے بھی آتا ہے جیسے ان مثالوں میں ہے۔ [illegible]

لام ناصبہ وہ لام جو نصب دیتا ہے وہ [illegible] ہیں [illegible] کہ بعض نحویوں کو دھوکا ہوا ہے [illegible] یہی نصب دیتا ہے لیکن درست یہ ہے کہ نحویوں نے یہ کہا ہے کہ نہیں [illegible] ناصبہ [illegible] وہ مقدر حرف "اَنْ" ہے [illegible] کی وجہ سے فعل [illegible] رہتا ہے۔

جزم دینے والا لام لام امر ہے اور لام امر کی ذاتی حرکت [illegible] قبیلہ سلیم اس کو فتحہ دیتا ہے۔

لام طلب "واو" اور "فا" کے بعد متحرک ہونے کی بہ نسبت ساکن [illegible] زیادہ تر ساکن ہوتا ہے، جیسے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ۔

اور کبھی وہ "ثُمَّ" کے بعد بھی ساکن ہوتا ہے جیسے ثُمَّ لْيَقْضُوْا [illegible] کے لئے امر [illegible] ہونا یکساں ہے، دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسے [illegible] لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ [illegible] کی مثال [illegible] اور اسی طرح اگر وہ [illegible] خارج ہو یعنی [illegible] [illegible] [illegible] تہدید [illegible] [illegible] [illegible] جزم [illegible] [illegible]

(۱) نافیہ، اور اس کی کئی قسمیں ہیں:

اوّل وہ جو "اِنَّ" کا عمل کرے، اور یہ اس وقت جب کہ اس "لا" سے بطور تنصیص (حتمی اور بلا شبہ ہونے) کے تمام جنس کی نفی مراد ہو۔ اس حالت میں اس کو تبرئہ کا "لا" کہتے ہیں (یعنی شبہ اور آمیزش سے بری (الگ کر دینا) ایسے "لا" کا نصب (دینا) اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس کا اسم مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو ورنہ وہ "لا" اسی نصب کے ساتھ مرکب بنائی ہو جائے گا، جیسا کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" "لَا رَیْبَ فِیْهِ" کی شکل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر "لا" مکرر آئے (یعنی ایک ساتھ دو بار) تو اس صورت میں رفع اور ترکیب دونوں ہو سکتی ہیں اور یہ دونوں جائز ہوں گی۔

ترکیب کی مثال قولہ تعالیٰ "فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ" ہے اور رفع کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "لَا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ" اور "لَا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَأْثِیْمٌ"

دوم یہ "لا"، "لَیْسَ" کا عمل کرے، کی مثال قولہ تعالیٰ "لَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ"

سوم اور چہارم یہ کہ "لا" عاطفہ یا جوابیہ ہوگا اور یہ دونوں قسمیں قرآن میں واقع نہیں ہوتی ہیں۔

پنجم یہ کہ "لا" مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ کسی اور طرح پر آئے تو اس صورت میں اگر اس کا مابعد ایسا جملہ اسمیہ ہوگا جس کا صدر (پہلا کلمہ) معرفہ یا نکرہ ہو اور "لا" نے اس میں کوئی عمل نہ کیا ہو یا وہ صدر جملہ فعل ماضی لفظاً و تقدیراً دونوں میں سے کسی ایک طرح کا نفی ہو تو واجب ہوگا کہ "لا" کو مکرر لائیں جیسے "لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ" اور "لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" اور "فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی" میں ہے اور یا یہ کہ وہ صدر کلام فعل مضارع ہوگا تو اس حالت میں "لا" کی تکرار واجب نہیں جیسے قولہ تعالیٰ "لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ" اور "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا" میں ہے اور یہ "لا" [illegible] کے [illegible] آیا ہوتا ہے جیسے "[illegible]" میں ہے [illegible] بھی حائل ہوتا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "[illegible]" میں ہے۔

(٢) کہ "لا" طلب ترک کے لئے مستعمل ہو۔ اس حالت میں وہ فعل مضارع کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے اور اسے جزم دیتا اور فعل مستقبل ہا جانے کا مقتضی ہوتا ہے۔ اور اس امر میں "نہی" یا "دعا" دونوں کی یکساں حالت ہے۔

نہی کی مثال ہے "لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي"، "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ" اور "وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ"۔

دعا کی مثال ہے "لَا تُؤَاخِذْنَا"۔

(٣) تیسری وجہ "لا" کے استعمال کی اس کا تاکید کے لئے آنا ہے اور یہی "لا" زائدہ بھی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً "مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا أَلَّا تَتَّبِعَنِ"، "وَمَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ" اور "لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ" یعنی "لِيَعْلَمَ" (تاکہ وہ جانیں)۔

ابن جنی نے بیان کیا ہے کہ اس مقام پر "لا" مؤکدہ ہے اور اس بات کا قائم مقام کہ گویا کلام دوبارہ اعادہ کر لیا گیا۔

قولہ تعالیٰ "لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ" کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اس میں "لا" کس قسم کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ زائدہ ہے اور اس کا تاکید کے ساتھ آنے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ نفی جواب کی تمہید بن جاتا ہے۔ اور تقدیر کلام یہاں پر "لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ [illegible]" ہے [illegible] اس کی مثال ہے "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ" یہ اس بات کی [illegible] قرآن [illegible] کہا گیا ہے کہ اس جگہ "لا" نافیہ ہے۔ اور ایک گروہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] بعث (قیامت کے دوبارہ زندہ کئے جانے) کا انکار بیان ہو چکا ہے گویا کہ (لا) کہہ کے انکار بعث کے بعد ان سے کہا گیا کہ بات ایسی نہیں ہے جیسی کہ تم کہتے ہو۔ پھر قسم کا استئناف کیا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ بات اس لئے صحیح ہوئی کہ سارا قرآن (معنی کے لحاظ سے) ایک ہی سورت کی مانند ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک چیز کا ذکر ایک سورت میں آتا ہے تو اس کا جواب دوسری سورت میں جا کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ" ہے۔ پھر ایک اور سورت میں ارشاد ہوا "مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ" (کہ ان دونوں کے مابین بہت فاصلہ ہے)۔

اور یہ کہا گیا ہے کہ اس "لا" کا معنی نفی "اُقْسِمُ" ہے اس اعتبار سے کہ وہ اخبار

میں ہے موضع رفع میں واقع ہے اور کسی کے نزدیک اس میں "لا زائدہ" ہے اور "جَرَمَ" کے معنی ہیں "کَسَبَ" (یعنی یہ کہ) ان کے عمل نے ان (لوگوں) کے لئے ندامت (پشیمانی) کمائی۔ اور "اَنَّ" کے حیّز (مقام) میں واقع ہونے والا جملہ موضع نصب میں واقع ہے۔ اور کسی کی یہ رائے ہے کہ "لَا" اور "جَرَمَ" دونوں الگ الگ کلمے ہیں جو باہم ترکیب پا گئے اور اب اس کے معنی ہو گئے "حَقًّا"۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "لَاجَرَمَ" کے معنی ہیں "لَابُدَّ" اور اس کا مابعد حرفِ جر کے گر جانے کی وجہ سے موضع نصب میں واقع ہے۔

لٰكِنَّ (نون کی تشدید کے ساتھ):

یہ حرف ہے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے اور اس کے معنی میں استدراک جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اس کے مابعد کی جانب ایک ایسا حکم منسوب ہوتا ہے جو اس کے ماقبل کے حکم سے مخالف ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ "لٰكِنَّ" کے ماقبل کوئی ایسا کلام آئے جو اس کے مابعد سے مخالف یا مناقض ہو، اس کی مثال ہے قولہ تعالےٰ "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا"۔

اور کبھی وہ حرف تاکید کے لئے استدراک سے مجرد ہو کر آتا ہے۔ یہ قول کتاب البسیط کے مصنف کا ہے اور اُس نے استدراک کی تعریف یہ کی ہے کہ جس چیز کے ثبوت میں وہم واقع ہو اُس کو رفع کر دے، مثلاً "مَا زَيْدٌ شُجَاعٌ لٰكِنَّهُ كَرِيْمٌ" کہ شجاعت اور کرم دونوں باتیں قریب قریب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک بات کی نفی کرنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ دوسری بات کی نفی کر دی گئی ہے۔ اور تاکید کی مثال "لَوْ جَاءَنِيْ اَكْرَمْتُهٗ لٰكِنَّهٗ لَمْ يَجِئْ" ہے کہ یہاں پر "لٰكِنَّ" نے اس امر (امتناع) کی تاکید کر دی، جس کا فائدہ "لَوْ" سے حاصل ہوا تھا۔

ابن عصفور نے قولِ مختار یہ قرار دیا ہے کہ "لٰكِنَّ" ایک ساتھ دونوں معنوں (یعنی تاکید اور استدراک) کے لئے آتا ہے اور یہی بات پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ "كَاَنَّ" تشبیہ مؤکد کے لئے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ "لٰكِنَّ" دراصل "لٰكِنْ اِنَّ" دو کلموں سے مرکب ہے، ہمزہ تخفیف کے لئے گرا دیا گیا اور "لٰكِنْ" کا دوسرا نون دو ساکن حرفوں کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے گر گیا۔

لٰكِنْ (تخفیف کے ساتھ یعنی بغیر تشدید کے):

یہ دو طرح پر آتا ہے:

اوّل "لٰكِنْ" ثقیلہ (مشدّدہ) سے مخفف ہو کر یہ حرف ابتدا ہوتا ہے اور کچھ عمل نہیں کرتا بلکہ صرف استدراک کا فائدہ دیتا ہے اور عاطفہ بھی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ قولہ تعالیٰ "وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ" میں حرف عطف کے نزدیک آیا ہے (لہٰذا اگر یہ عاطفہ ہوتا تو یہاں "و" نہ آتا کیونکہ دو عطف کے حروف ایک جگہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے)۔

دوم عاطفہ ہوتا ہے مگر جب کہ اس کے بعد کوئی مفرد آئے، اور یہ "لٰكِنْ" بھی استدراک کے لئے آتا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ"، "لٰكِنِ الرَّسُوْلُ"، "لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ"۔

لَدَیٰ اور لَدُنْ:

ان دونوں کا بیان "عند" کے ضمن میں پہلے ہو چکا ہے۔

لَعَلَّ:

یہ حرف ناصب ہے، اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے اور بہت سے معانی کے لئے آتا ہے۔

ان میں سے مشہور تر معنی توقع یعنی محبوب شے کی آرزو کرنا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" اور ناپسندیدہ چیز سے ڈرنا، جیسے "لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ"۔

تنوخی نے ذکر کیا ہے کہ "لَعَلَّ" توقع کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔

دوم بمعنی تعلیل آتا ہے۔ اس کی مثال قولہ تعالیٰ "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" سے دی گئی ہے۔

سوم بمعنی استفہام، اور اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا"، اور "وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى"۔

چنانچہ استفہام ہی کی وجہ سے ان مثالوں میں "لعلّ" کا تعلق "تدری" (جاننا) سے ہوا ہے۔

کتاب برہان میں ہے کہ بغوی نے واقدی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا، قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی "لَعَلَّ" آیا ہے وہ تعلیل کے لئے ہے باستثناء قولہ تعالیٰ "لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ" کہ اس میں "لعلّ" تشبیہ کے معنی میں آیا ہے۔

مصنّف کتاب [illegible] نے کہا ہے کہ "لعلّ" کا تشبیہ کے لئے ہونا نادر ہے، اس کو نحویوں نے کہیں بیان نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں قولہ تعالیٰ "لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ" کی تفسیر میں آیا ہے کہ "لعلّ" تشبیہ کے لئے ہے۔

کسی نحوی نے ذکر کیا ہے کہ "لعلّ" [illegible] اور یہ انہی نحویوں کی طرف منسوب کر کے کہا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن ابی حاتم نے السدی کے طریق پر ابو مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "قرآن میں "لعلّ" بمعنی "کَیْ" آیا ہے بجز سورۃ الشعراء کی ایک آیت "لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ" کے یعنی "کَأَنَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ" (گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے)۔

قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "کسی قراءت میں یہ آیت "[illegible] کَأَنَّکُمْ خَالِدُوْنَ" تھی۔

لَمْ:

یہ حرف جزم ہے، مضارع کی نفی کے واسطے آتا ہے اور اس کو ماضی کے معنی میں بدل دیتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ"۔

"لم" کے ساتھ نصب دینا بھی ایک لغت ہے جس کو لحیانی نے بیان کیا ہے اور اسی کی رو سے "أَلَمْ نَشْرَحَ" کی قراءت بھی منقول ہے۔

لَمَّا:

یہ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے:

(۱) یہ کہ حرف جزم ہو، اس صورت میں فعل مضارع کے ساتھ مخصوص ہوگا [illegible] اور اُسے ماضی کے معنی میں بدل دیتا ہے جیسے کہ "لم" [illegible] "لمّا" اور "لم" کے مابین کئی باتوں کا فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ "لمّا" کسی حرف شرط کے ساتھ [illegible] نہیں آتا، اس کی نفی زمانہ حال تک استمرار چاہتی ہے اور اُس سے قریب [illegible] ثبوت کی متوقع رہتی ہے۔

ابن [illegible] نے قولہ تعالیٰ "[illegible] عَذَابِ" کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں "[illegible]" [illegible]

فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ"، "فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ"

بعض لوگوں نے جواب کو فعل مضارع بھی تجویز کیا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا"، مگر بعض نحویوں نے اس کی تاویل کی ہے کہ "جَادَلَنَا" جو فعل ماضی ہے۔

(۳) وجہ سوم یہ ہے کہ "لَمَّا" حرف استثنا ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے جس کا فعل ماضی ہو، مثلاً قولہ تعالیٰ "إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ"، (تشدید لمّا کے ساتھ) بمعنی "إِلَّا" اور قولہ تعالیٰ "وَإِنْ كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"

لَنْ:

یہ حرف نفی اور حرف نصب اور حرف استقبال ہے۔

"لا" کے ساتھ نفی کرنے سے اس کے ساتھ نفی کرنا زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ یہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے جیسا کہ زمخشری اور ابن الخباز نے بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس بات سے انکار کرنے کو کٹ حجتی کہا ہے غرض کہ "لَنْ" "إِنِّي أَفْعَلُ" کی نفی کے واسطے ہے نہ کہ "أَفْعَلُ" کی نفی کے واسطے جیسا کہ "لَمْ" اور "لَمَّا" میں ہے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ اہل عرب مظنون (گمان کی گئی بات) کی نفی "لَنْ" کے ساتھ اور مشکوک امر کی نفی "لا" کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

اس بات کو زملکانی نے اپنی کتاب "التبیان" میں نقل کیا ہے۔

زمخشری نے بھی یہی کہا ہے کہ "لَنْ" تابید (ہمیشگی) نفی کے لئے آتا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ "لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا" اور "وَلَنْ تَفْعَلُوا" میں ہے۔

ابن مالک نے کہا ہے کہ زمخشری نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ وہ "لَنْ تَرَانِي" کی بابت میں خدا تعالیٰ کے دیدار کے ناممکن ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا۔ مگر کسی نے زمخشری کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر "لَنْ" تابید نفی کا فائدہ دیتا تو "فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا" میں "لَنْ" کی نفی کو "الْيَوْمَ" کی قید سے مقید نہ بنایا گیا ہوتا، اور "لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ" میں وقت کی قید لگانا صحیح نہ ہوتا اور یہ کہ "وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا" میں "لَنْ" کے ساتھ "أَبَدًا" کا لانا بے وجہ تکرار ہوتا جو نہیں ہوا [illegible]

[illegible] تابید کا فائدہ بیرونی [illegible] قرائن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر ابن [illegible] نے "لن" کے تابیدِ نفی کا فائدہ دینے کی بابت زمخشری کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

ابن عطیہ نے قولہ تعالیٰ "لَنْ تَرَانِی" کے معانی میں بیان کیا ہے کہ "اگر ہم اِس کلام پر اس کے ظاہر کو باقی رکھیں تو یہ بات اس امر کو مستلزم ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اللہ کے دیدار سے مشرف ہی نہ ہوں گے تا آنکہ آخرت میں بھی اُن کو دیدارِ الٰہی حاصل نہ ہوگا لیکن متواتر حدیثوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔"

ابن زملکانی نے زمخشری کے قول کے خلاف اس طرح کہا ہے کہ "لن" اُس شے کی نفی کے واسطے آتا ہے جو قریب ہو اور عدمِ امتدادِ نفی کا فائدہ دیتا ہے اسی لئے اس کے ساتھ نفی کا امتداد نہیں ہوتا اور اس کا راز یہ ہے کہ الفاظ معنوں کے ہم شکل ہوا کرتے ہیں اسی واسطے "لا" جس کے آخر میں الف ہے (اس میں امتدادِ نفی کا امکان رہا) اس لئے کہ الف کے ساتھ آواز کی کشش ممکن ہے مگر "لن" کے آخر میں نون ہے جس کے ساتھ امتدادِ صوت (کشش آواز) ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہر ایک لفظ اپنے معنی کے مطابق ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں [illegible] کی دنیا میں نفی کرنا مقصود ہے [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] "لَنْ تَرَانِی" (یعنی تو دنیا میں مجھے ہرگز نہ دیکھے گا) [illegible] "لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ" [illegible] (دائمی طور پر) [illegible] کی نفی کر دی گئی ہے [illegible] اور وہ [illegible] دوسری چیز ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ "لن" [illegible] دعا کے لئے آتا ہے اور اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا" [illegible] آیت کو پیش کیا ہے۔

لمّا

[illegible] حرف [illegible] ہے [illegible] کی نفی [illegible] کے لئے [illegible] دیتا ہے۔

[illegible]

اُس کے اخراج کا فائدہ دیتا اور اُس کی کیفیت [illegible] میں اختلاف ہے اور [illegible] کئی مختلف قول آئے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی وجہ سے بھی امتناع کا فائدہ نہیں دیتا [illegible] [illegible] دونوں [illegible] [illegible] دلالت کرتا ہے [illegible] کرتا ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چیز کہ [illegible] اور [illegible] بات کا مقتضی ہے کہ اس کا مالی [illegible] امر کسی [illegible] کو لازم ہوتا ہے مگر [illegible] اور [illegible] کی نفی سے کوئی تعرض نہ کرے۔ مثلاً [illegible] قائم [illegible] مثال میں زید کے قیام پر مشتمل ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اور اس پر یہ بھی [illegible] کہ وہ اپنے ثبوت کے لئے [illegible] کسی قیام کے ثابت ہونے کو لازم ہے۔ [illegible] زید کا قیام [illegible] کہ آیا [illegible] کوئی ایسا قیام بھی واقع ہوا ہے جس کو زید کے [illegible] نہیں، یعنی اس [illegible] قیام نہیں کیا۔ ابن ہشام نے اس بیان کو [illegible]

[illegible]

[illegible] کہ [illegible] کہتے ہیں [illegible] انھوں نے کہا [illegible] جس جگہ [illegible] اس کے معنی [illegible] کبھی نہ ہوگی۔

(۱) [illegible] کیا ہے [illegible] ہوتا ہے اور [illegible]

[illegible]

[illegible] کہ جب [illegible] تو واجب ہے کہ [illegible] کی [illegible] فعل [illegible]

[illegible] جب [illegible] آیہ کریمہ [illegible]

[illegible] اس کی خبر [illegible] نہیں واقع ہوا [illegible] جب [illegible] جب کہ [illegible] کی خبر [illegible]

[illegible]

[illegible] کہ [illegible]

[illegible] اگر [illegible] نہیں ہے [illegible]

[illegible] آیت [illegible] جس [illegible] کی [illegible] اسی طرح [illegible] جس [illegible] اور [illegible] جب [illegible] مگر اس بات سے [illegible]

کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ آیت قولہ تعالیٰ "یَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ" ہے اور ایک آیت میں نے ایسی بھی پائی جس میں "اَنَّ" کی خبر ظرف واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ "لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ"۔

مگر زمخشری نے کتاب البرہان میں اور ابن دمامینی نے اس قول کی تردید یوں کر دی ہے کہ پہلی آیت میں "لَوْ" تمنّی (تمنا) کے لئے آیا ہے اور یہاں پر اس "لَوْ" کے بارے میں گفتگو رہی ہے جو امتناع کا فائدہ دیتا ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ زمخشری نے جو بات کہی ہے یہ بات سیرافی نے اس سے بہت پہلے بیان کر دی ہے۔ چنانچہ یہ استدراک اور جس چیز کا اس کے ساتھ استدراک ہوتا ہے دونوں ابن الخباز کی شرح "ایضاح" میں بہت پہلے منقول ہیں۔ البتہ ان کا یہ بیان اس کے منتظر (جائے گمان) کے غیر موقع میں ہوا ہے یعنی اس حذاقت "اِنَّ" اور اس کے اخوات (ہم معنی کلمات) کے باب میں بیان کیا ہے۔

سیرافی نے کہا ہے کہ تم "لَوْ أَنَّ زَيْدًا قَامَ لَأَكْرَمْتُهُ" کہہ سکتے ہو مگر "لَوْ أَنَّ زَيْدًا حَاضِرًا لَأَكْرَمْتُهُ" نہیں کہہ سکتے ہو کیونکہ جس جگہ تم نے "لَوْ" یا فعل زبان سے نہیں کہا وہ جگہ اس (مطلوب) فعل کا قائم مقام ہو سکے۔ یہ سیرافی کا کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ" کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے "اَنَّ" کی خبر صفت کو قرار دیا ہے مگر یوں تو اس جگہ یہ گنجائش ہے کہ یہ "لَوْ" تمنی کے معنی میں آیا ہے اسی واسطے اس کو "لیت" کہا تم مقام کیا گیا ہے اسی طرح "لَيْتَهُمْ بَادُونَ" کہا جاتا ہے اسی انداز پر اللہ تعالیٰ نے "لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ" فرمایا۔ "لَوْ" کا جواب یا تو فعل مضارع ہوتا ہے جس کی نفی "لَمْ" کے ساتھ کی گئی ہو یا فعل ماضی مثبت اور فعل ماضی منفی بـ "مَا" کے ساتھ اس کا جواب آتا ہے اور فعل ماضی مثبت "لَوْ" کے جواب میں غالباً (بیشتر) اس طرح پر آتا ہے کہ اس پر لام داخل ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا" اور اس کے بغیر لام کے آنے کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا" اور فعل ماضی منفی بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بغیر لام کے آیا کرتا ہے۔ مثلاً "وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ"۔

(۳) زمخشری کا قول ہے کہ تمہارے قول "لَوْ جَاءَنِي زَيْدٌ لَكَسَوْتُهُ"، "لَوْ زَيْدٌ جَاءَنِي لَكَسَوْتُهُ" اور "لَوْ أَنَّ زَيْدًا جَاءَنِي لَكَسَوْتُهُ" کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلے میں

صرف دونوں فعلوں کو باہم ربط دیدیا گیا ہے اور ایک فعل کو اُس کے ساتھی دوسرے فعل سے متعلق بنا دیا گیا ہے اور کسی ایسے دوسرے معنی سے غرض مطلوب نہیں جو کہ مطلق اور سادہ تعلیق پر زائد ہو۔ دوسرے جملہ میں اس تعلیق مذکورہ کے ساتھ دو حسب ذیل معنوں میں سے ایک معنی بھی شامل ہیں۔

اوّل یہ کہ شک اور شبہ کی نفی کر کے دکھایا جائے کہ جس کا نام لیا گیا ہے اُسے لامحالہ لباس پہنایا ہی جائیگا۔

دوسرے معنی یہ بیان کرنا ہیں کہ جس کا نام لیا گیا ہے لباس پہنایا جانے کے لئے وہی مخصوص ہے اور دوسرے کسی شخص سے اس کا تعلق نہیں۔ اس کی مثال قولہ تعالیٰ "لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ" ہے۔

تیسرے جملہ میں دوسرے جملہ کے تمام معانی پائے جانے کے ساتھ ہی "اَمَّا" کی علّت زدہ تاکید اور اس بات سے آگاہی موجود ہے کہ بےشک زید کو آنے کا حق حاصل تھا اور یہ کہ اس نے اس حق کو ترک کر کے اپنے حصّہ کو ضائع کر دیا ہے۔ اس مفہوم کی مثال قولہ تعالیٰ "وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا" یا ایسے ہی دو جملہ ہیں۔ بس اس قاعدہ کو خیال میں جما کر اسی انداز پر تمام قرآن شریف سے ان تینوں اقسام کی مثالیں تلاش کر سکتے ہو۔

تنبیہ

زمانہ مستقبل (آئندہ) میں "لَوْ" شرطیہ بھی آیا کرتا ہے اور یہ "لو" ایسا ہوتا ہے کہ اس کے معنی "اِنْ" شرطیہ کی مانند ہے جیسے قولہ تعالیٰ "وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" "وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ"۔

اور "لو" مصدریہ بھی ہوتا ہے یہ اس طرح کا "لو" ہوتا ہے جس کی جگہ پر "اَنْ" مفتوحہ بھی آسکے اور "لو" مصدریہ کا وقوع زیادہ تر لفظ "وَدَّ" یا ایسے ہی دیگر الفاظ کے بعد ہوا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ"، "یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ"، "یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ" یعنی ودّ (چاہا)، تعمیر (عمر پانا) اور افتداء (فدیہ دینا) والی دونوں،

اور "لو" تمنّی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس طرح کا "لو" ہے جس کی جگہ پر "لَیْتَ" بھی آسکتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ" اور اسی واسطے اس کے جواب میں فعل کو نصب دیا گیا ہے۔

[illegible]

لَوْلَا

یہ بھی کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے

(۱) یہ کہ کسی دوسری چیز کے [illegible]

اس کا جواب فعل مقرون بلام [illegible] فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ [illegible] تعالیٰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ [illegible] میں کوئی ضمیر آئے تو اس کو رفع کی ضمیر ہونا [illegible]

(۲) یہ کہ لَوْلَا بمعنی هَلَّا کے آتا ہے

یہ لَوْلَا فعل مضارع [illegible]

[illegible]

(۳) یہ کہ [illegible] کے لئے آتا ہے

[illegible]

(۴) یہ کہ نفی کے واسطے آتا ہے

[illegible]

لَوْمَا :

بمنزلہ "لَوْلَا" کے ہے جیسے قول اللہ تعالیٰ "لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ" [illegible] مالقی نے کہا ہے کہ "لَوْمَا" تخصیص ہی کے لئے آتا ہے۔

لَيْتَ :

یہ حرف ہے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے اور [illegible] تنوخی نے کہا ہے کہ "لَيْتَ" تاکید تمنی کا فائدہ دیتا ہے۔

لَيْسَ :

یہ فعل جامد ہے [illegible] [illegible] بعض کہتے ہیں کہ [illegible] [illegible] اور بھی تقویت پہنچاتی ہے کیونکہ اس آیت میں "لَيْسَ" کے ساتھ مستقبل کی نفی کی گئی ہے۔

ابن مالک نے کہا ہے کہ "لَيْسَ" عام طور پر [illegible] کی نفی مراد ہوتی ہے جس طرح تبرئہ کے "لا" سے نفی جنس مراد ہوتی ہے مگر [illegible] کو بہت کم [illegible] کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کی مثال قول اللہ [illegible] سے دی گئی ہے۔

مَا :

یہ اسمیہ اور حرفیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ اسمیہ موصولہ [illegible] جیسے قول اللہ "مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" میں ہے۔

"مَا" موصولہ میں مذکر، مؤنث، مفرد، مثنیٰ (تثنیہ) اور جمع سب کی [illegible] یکساں [illegible] اور اس کا استعمال بیشتر ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جو معلوم نہیں ہوتیں [illegible] کر لیا جاتا ہے۔ غیر معلوم کی مثال ہے [illegible] معلوم کی مثال [illegible] [illegible] (زنا کو)۔

"ما" اسمیہ موصولہ کی ضمیر میں لفظ اور معنیٰ کی [illegible] [illegible] کی رعایت کی جا سکتی ہے، مگر قولہ تعالیٰ [illegible]

"مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ" میں لفظ اور معنی دونوں کی رعایتیں ایک جگہ پر جمع کی گئی ہیں اور "ما" (موصول) بخلاف اپنے باقی اقسام کے مفرد ہوتا ہے۔

اور "ما" استفہامیہ کے لئے بھی آتا ہے بمعنی "اَیُّ شَیْءٍ" اور اس کے ساتھ غیر عاقل چیزوں کی ذوات (ذوات) اُن کے اجناس اور ان کی صفات، اور اسی طرح ذی عقل کے اجناس (انواع) اور صفات کی نسبت بھی اسی کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے، مثلاً "مَا هِيَ" "مَا لَوْنُهَا" "مَا وَلّٰهُمْ" "وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى" اور "وَمَا الرَّحْمٰنُ" ہے۔

لیکن "ما" استفہامیہ کے ذریعہ بخلاف اس شخص کے جس نے جواز کا خیال ظاہر کیا ہے۔ ذوی العلم کے اعیان کی بابت سوال نہیں کیا جاتا۔ رہا فرعون کا قول "وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" تو وہ [illegible] اس نے یہ بات اس نادانی کی وجہ سے کہی تھی اور اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں صفاتِ باری تعالیٰ بیان کی تھیں۔

"ما" استفہامیہ کا الف حالتِ جر میں گرا دینا واجب ہے، اور حرکتِ فتحہ باقی رکھی جاتی ہے تاکہ وہ الف کے حذف ہونے پر دلالت کرے اور "ما" استفہامیہ کو "ما" موصولہ سے ممتاز بنا سکے۔ مثلاً "عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ" "فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا" "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" "بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ"۔

"ما" (شرطیہ) شرط کے لئے بھی آتا ہے، اس کی مثالیں یہ ہیں: "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا" "وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ" "فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ"۔

"ما" شرطیہ اپنے بعد کے فعل کی وجہ سے منصوب ہوا کرتا ہے۔ اور ایک قسم "ما" تعجبیہ کی بھی ہے کہ وہ تعجب کے لئے آتا ہے اور "تعجبیہ" کہلاتا ہے جیسے "فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ" "قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ"۔

"ما" تعجبیہ کی ان دونوں مثالوں کے سوا قرآن میں کوئی تیسری مثال نہیں ہے مگر یہ کہ سعید بن جبیرؓ کی قرأت میں ایک مثال قولہ تعالیٰ "مَا اَغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ" اور آئی ہے۔

"ما" نکرہ [illegible] مبتدا کی حیثیت سے آتی ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہوتا ہے [illegible] وہ نکرہ تامہ اور نکرہ موصوفہ بھی ہوتا ہے۔ مثل قولہ تعالیٰ "بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا"۔

(مثال نکرہ تامہ)۔

اور قول تعالیٰ "نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ" یعنی "نِعْمَ شَيْئًا يَعِظُكُمْ بِهِ" (بہت ہی اچھی ہے وہ جس کے ساتھ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے)۔

نکرہ غیر موصوفہ بھی ہوتا ہے "فَنِعِمَّا هِيَ" یعنی "نِعْمَ شَيْئًا هِيَ" (یہ اچھی چیز ہے)۔

"مَا" حرفیہ بھی کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے:

(۱) مصدریہ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

مصدریہ زمانیہ، جیسے "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (یعنی اپنے امکان کی مدت تک خدا تعالیٰ سے ڈرو[۱])

اور مصدریہ غیر زمانیہ، مثلاً "فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ" یعنی اپنے نسیان (بھول) کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

(۲) نافیہ، یہ یا تو عاملہ ہوتا اور "لَيْسَ" کا عمل کرتا ہے، جیسے "مَا هٰذَا بَشَرًا"، "مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ"، "فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ" اور اس کی قرآن میں کوئی تیسری مثال نہیں ہے۔

اور "مَا" نافیہ غیر عاملہ ہوتا ہے، مثلاً "وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ"، "فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ"۔

ابن حاجب نے کہا ہے کہ "مَا" نافیہ زمانۂ حال کی نفی کے لئے آتا ہے۔

سیبویہ کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ "مَا" نافیہ میں تاکید کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ اس نے "مَا" کو نفی میں اثبات کی حالت میں "قَدْ" کا جواب قرار دیا ہے، یعنی جس طرح اثبات میں "قَدْ" تحقیق و تاکید کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح نفی میں "مَا" تاکید کے لئے آتا ہے۔

(۳) "مَا" زائدہ تاکید کے لئے بھی آتا ہے جو یا تو کافہ ہوتا ہے یعنی کسی حرف عامل کے بعد واقع ہو کر اُسے عمل سے روک دیتا ہے، جیسے "إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ"، "كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ"، "رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا"۔

اور یا غیر کافہ ہوتا ہے یعنی حرف عامل کے عمل میں رکاوٹ نہیں ڈالتا جیسا کہ ذیل کی مثالوں میں ہے: "فَإِمَّا تَرَيِنَّ"، "أَيًّا مَا تَدْعُوا"، "أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ"، "فَبِمَا رَحْمَةٍ"

[۱] یعنی جس قدر طاقت و ممکن ہو اس سے ڈرتے رہو۔ ۱۲

"فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ"، "فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ"

فارسی نے کہا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی "اِمَّا" کے بعد کوئی شرط واقع ہوئی ہے وہ نون تاکید کے ساتھ ضرور مؤکد کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "ما" کے داخل ہونے سے فعل مشابہ ذی تاکید مثلاً ہو جاتا ہے۔ جو فعل قسم میں لام کے داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح قسم میں لام تاکید کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح شرطوں میں "ما" سے تاکید ہوتی ہے۔"

ابوالبقاء کا قول ہے کہ "ما" کی زیادتی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہاں تاکید کی شدت درست ہے۔

فائدہ

جن مقامات پر "ما" کے بعد "لیس" یا "لم" یا "لا" ہو یا اس سے پہلے "الا" واقع ہو تو وہ "ما" موصولہ ہوگا جیسے "مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ"، "مَا لَمْ تَعْلَمُوا"، "مَا لَا يَعْلَمُونَ"، "إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا"۔

اور جہاں پر "ما" کا وقوع کاف تشبیہ کے بعد ہو اس جگہ "ما" مصدریہ ہوگا۔ اور جہاں باء کے بعد "ما" واقع ہو تو دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی اس کے موصولہ اور مصدریہ دونوں ہونے کا احتمال درست ہے، جیسے "بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ" میں ہے۔ اور جن مقام پر "ما" دو اسم فعلوں کے مابین واقع ہو جن میں سے سابق (پہلا) کو درایت یا علم کے باب سے ہو، ایسی صورت میں "ما" کی نسبت موصولہ اور استفہامیہ دونوں ہونے کا احتمال ہوگا، مثلاً "وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ"، "مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ"، "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ"۔

اور جس موقع پر قرآن میں "ما" "الا" کے قبل آیا ہے وہ بالعموم نافیہ ہے۔ مگر یہ چند ذیل مقامات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا۔

(۲) فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ۔

(۳) بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ۔

(۴) مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔

(۵) وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔

(۶) وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا۔

(۷) وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔

(۸) خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ۔ (سورۂ ہود آیت ۱۰۷)

(۹) خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ۔ (سورۂ ہود آیت ۱۰۸)۔

(۱۰) فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ۔

(۱۱) مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ۔

(۱۲) وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ۔

(۱۳) وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔

مَاذَا:

یہ کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے:

(۱) یہ کہ "مَا" استفہام کا اور "ذَا" موصول ہو اور یہی ان تمام وجوہ (استعمال) میں راجح ترین وجہ ہے، قولہ تعالیٰ "وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوُ" میں جبکہ رفع کے ساتھ "الْعَفْوُ" کی قراءت کی جائے یعنی وہ چیز جس کو وہ خرچ کرتے ہیں "عفو" ہے کیونکہ اس بارے میں اصلی قاعدہ یہ ہے کہ جملۂ اسمیہ کا جواب جملۂ اسمیہ سے اور جملۂ فعلیہ کا جملۂ فعلیہ سے دیا جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ "مَا" استفہامیہ ہو اور "ذَا" اسم اشارہ۔

(۳) یہ کہ "مَاذَا" پورا مرکب ہو کر ایک لفظ استفہام بنے اور یہی بات قولہ "مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ" کو نصب کے ساتھ پڑھنے میں دونوں مذکورہ وجہوں کی بہ نسبت راجح تر ہے یعنی يُنْفِقُونَ الْعَفْوَ۔

(۴) یہ کہ "مَاذَا" پورا کلمہ اسم جنس بمعنی "شَيْء" یا موصول بمعنی "الَّذِي" ہے۔

(۵) یہ کہ "مَا" زائدہ اور "ذَا" اشارہ کے لئے ہے۔

(۶) یہ کہ "مَا" استفہامیہ ہو اور "ذَا" زائدہ۔ اس قاعدہ پر بھی مثال مذکورہ بالا کو منطبق بنانا جائز ہے۔

مَتیٰ :

استفہام زمانہ کے لیے آتا ہے جیسے "متیٰ نصر اللہ" اور شرطیہ بھی ہوتا ہے۔

مَعَ :

بعض قراء کی قرأت "ھٰذا ذِکرُ مَن مَعِیَ" میں "مَعَ" کا مجرور ہونا اس کی دلیل ہے یہ اسم ہے اور اس آیت میں "مَعَ" بمعنی "عِندَ" کے آیا ہے۔

"مَعَ" کی اصل اجتماع دو چیزوں کے مکان یا وقت کے لئے ہے، مثلاً "وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجنَ فَتَیٰنِ"، "اَرسِلہُ مَعَنَا غَدًا یَرتَع وَیَلعَب"، "لَن اُرسِلَہُ مَعَکُم"۔

اور "مَعَ" سے صرف اجتماع اور اشتراک مراد لیا جاتا ہے اور مکان یا زمان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ جیسے کہ قول تعالیٰ "وَکُونُوا مَعَ الصّٰدِقِینَ"، "وَارکَعُوا مَعَ الرّٰکِعِینَ" میں ہے۔

رہی یہ بات کہ "اِنَّنِی مَعَکُمَا"، "اِنَّ اللہَ مَعَ الَّذِینَ اتَّقَوا"، "وَھُوَ مَعَکُم اَینَمَا کُنتُم"، "اِنَّ مَعِیَ رَبِّی سَیَھدِینِ" کی مثالوں میں "مَعَ" کے معنی اجتماع اور اشتراک کس طرح کیے جا سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم و جہت سے منزہ ہے، وہ مکان و زمان کی قید میں آ کر مقید ہو سکتا ہے جس کے بغیر اجتماع ممکن نہیں، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہاں پر مجاز اور استعارہ سے کام لیا گیا ہے (یعنی) معونت اور حفظ مراد ہے۔

امام راغب نے کہا ہے کہ "جس لفظ کی طرف "مَعَ" مضاف ہوتا ہے وہ منصور ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیتوں میں ہے۔"

مِن :

یہ حرف جر ہے اور بہت سے معنی کے لئے آتا ہے :

(۱) سب سے زیادہ مشہور معنی ابتدائے غایت کے ہیں، خواہ مکان کے لحاظ سے ہو یا زمان وغیرہ کے اعتبار سے، مثلاً "مِنَ المَسجِدِ الحَرَامِ"، "مِن اَوَّلِ یَومٍ"، "اِنَّہُ مِن سُلَیمٰنَ"۔

(۲) تبعیض کے معنی میں اس طرح کہ اس کی جگہ پر لفظ "بعض" کو بالتکلف رکھ سکیں، مثلاً "حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ"، جس کی قرأت ابن مسعود نے "بَعضَ مَا تُحِبُّونَ" کی ہے۔

(۳) تبیین کے معنی میں اور اکثر اس معنی میں "مِن" کا وقوع "مَا" اور "مَھمَا"

کے بعد ہوتا ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ "مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ"، "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ"، "مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ" اور "مِنْ" کے دونوں مذکورہ بالا لفظوں کے علاوہ دوسرے لفظ کے بعد واقع ہونے کی مثالیں یہ ہیں "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" اور "اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ"۔

(۴) تعلیل کے معنی میں مثلاً قولہ تعالیٰ "مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا"، "يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ"۔

(۵) فصل بالمہملہ کے لئے اور یہ "مِنْ" دو متضاد امور میں سے دوسرے امر پر داخل ہوتا ہے جیسے "يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ"، "لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ"۔

(۶) بدل کے واسطے مثلاً "اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ" یعنی آخرت کے بدلہ میں اور "لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ" یعنی تمہارے بدلہ میں۔

(۷) عموم کی تصریح اور تنصیص کے واسطے آتا ہے، مثلاً "وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ"۔ کشاف میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ "مِنْ" استغراق کے معنی کا فائدہ دیتا ہے اور وہی مرتبہ رکھتا ہے جو کہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں بناء (مبنی علی الفتح ہونے) سے حاصل ہوا ہے۔

(۸) حرف "با" کے معنی میں جیسے "يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ" یعنی "بِطَرْفٍ"۔

(۹) بمعنی "عَلٰی" جیسے قولہ "وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ" یعنی "عَلَى الْقَوْمِ"۔

(۱۰) بمعنی "فِیْ" مثلاً "اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ" یعنی "فِیْهِ" (جمعہ کے دن میں)۔

کتاب شامل میں امام شافعی سے مروی ہے کہ قولہ تعالیٰ "فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ" میں "مِنْ" بمعنی "فِیْ" ہے جس کی دلیل قولہ تعالیٰ "وَهُوَ مُؤْمِنٌ" سے ملتی ہے۔

(۱۱) بمعنی "عَنْ" جیسے "قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا" یعنی "عَنْ هٰذَا"۔

(۱۲) بمعنی "عِنْدَ" مثلاً "لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا" یعنی "عِنْدَ اللّٰهِ"۔

(۱۳) تاکید کے لئے آتا ہے اور یہی زائدہ کہلاتا ہے۔ یہ "مِنْ" زائدہ نفی یا نہی یا شرط کے بعد آتا ہے جیسے "وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا"، "مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ"۔ ایک جماعت نے "مِنْ" زائدہ کا اثبات میں آنا بھی جائز رکھا ہے اور اسی کی بناء پر قولہ تعالیٰ "وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی

متمسکین، "یُحَلَّوْنَ فِیْہَا مِنْ اَسَاوِرَ"، "مِنْ جِبَالٍ فِیْہَا مِنْ بَرَدٍ"، اور "یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ" کو مثال میں پیش کیا ہے۔

فائدہ

ابن ابی حاتم نے السدی کے طریق پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا "اگر ابراہیم نے "اِجْعَلْ اَفْئِدَۃَ النَّاسِ تَہْوِیْ اِلَیْہِمْ" کہا ہوتا تو اس میں شک نہ تھا کہ یہود و نصاریٰ بھی اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کی زیارت کے مشتاق بنتے لیکن وہاں تو ابراہیم علیہ السلام نے "اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ" کہہ کر تخصیص کردی اور یہ بات محض مؤمنین کے لئے چاہی۔"

مجاہد سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "اگر کہیں حضرت ابراہیم ع نے "فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃَ النَّاسِ تَہْوِیْ اِلَیْہِمْ" کہا ہوتا تو اس میں شک نہ تھا کہ روم اور فارس کے لوگ بھی خانہ کعبہ پر اکٹھے ہونے میں تمہارے مزاحم ہوتے۔"

یہ روایت صحابہ اور تابعین کے "مِنْ" سے تبعیض کے معنی سمجھنے کے متعلق صریح دلیل ہے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ "جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے "یَغْفِرْ لَکُمْ" فرمایا ہے وہاں مغفرت کے ساتھ "مِنْ" کا لفظ نہیں آیا ہے۔ مثلاً وہ سورۂ "احزاب" میں فرماتا ہے "یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ"، اور سورۂ "صف" میں ارشاد ہے: "یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ" تا قولہ "یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ"۔ مگر جن مقامات پر کفار کو خطاب کیا ہے وہاں مغفرت کے وعدے کے ساتھ "مِنْ" کو لایا گیا ہے، جیسے سورۂ "نوح" میں "یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ"۔

اور اسی طرح سورۂ "ابراہیم" اور سورۂ "احقاف" میں بھی کہا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دونوں خطابوں کے مابین فرق ہو جائے تاکہ دونوں فریقوں کے لئے یکساں وعدہ نہ ہونے پائے۔ یہ قول "کشاف" میں مذکور ہے۔

مَنْ:

یہ فقط اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور موصولہ ہوتا ہے جیسے "وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ"۔

یہ شرطیہ بھی آتا ہے مثلاً مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ۔

اور استفہامیہ بھی ہوتا ہے، مثلاً مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا میں ہے۔

اور نکرہ موصوفہ بھی ہوتا ہے، مثلاً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ یعنی "فَرِیْقٌ" (ایک فریق) کہتا ہے۔

"مَنْ" کی حالت مذکر و مؤنث اور مفرد وغیرہ میں یکساں ہونے کی حیثیت سے "مَا" کی طرح ہے لیکن "مَنْ" کا استعمال بسا اوقات ذی علم اور ذوی العقول چیزوں کے متعلق ہوتا ہے مگر "مَا" کی حالت اس کے برعکس ہے یعنی وہ غیر ذوی العقول پر بیشتر استعمال ہوتا ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ "مَا" بہ نسبت "مَنْ" کے کلام میں زائد واقع ہوا کرتا ہے اور غیر ذوی العقول کی تعداد عاقل مخلوق کی نسبت بہت زیادہ ہے لہٰذا جس چیز کے مواقع زیادہ تھے اس کو کثیر کا اور جس کے مواقع کم تھے اس کو قلیل کے حوالہ کر دیا گیا کیونکہ یہاں دونوں کی اجزا اپنے استعمال کے مواقع سے مشاکلت پائی جاتی ہے۔

ابن الانباری نے کہا ہے کہ مَنْ کا ذی علم کے ساتھ اور "مَا" کا غیر ذی علم کے ساتھ مختص ہونا صرف ان دونوں کے موصولہ ہونے کی صورت میں ہے نہ کہ شرطیہ "مَا" اور "مَنْ" میں بھی کی وجہ یہ ہے کہ شرطیہ بعض پر داخل ہوتی ہے، تم پر نہیں آتی۔

مَهْمَا:

یہ کلمہ اس کی طرف ضمیر رجوع ہوتی ہے لہٰذا یہ اسم ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ۔

زمخشری نے کہا ہے کہ اس مثال میں "مَهْمَا" پر "بِهٖ" کی ضمیر اور "بِهَا" کی ضمیر دونوں بہ لحاظ لفظ و معنی عائد ہوتی ہے اور "مَهْمَا" بغیر از زمانہ ما لا یعقل کی شرط ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور اس میں تاکید کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس کی اصل "مَا" شرطیہ اور "مَا" زائدہ کا اجتماع ہے، پہلے "مَا" کی الف کو تکرار دور کرنے کے لئے "ہا" سے بدل دیا گیا ہے۔

نُوْن:

یہ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے:

(۱) اسم ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ عورتوں کی ضمیر ہے، مثلاً قولہ تعالیٰ ... وَقَرْنَ ... میں ہے۔

(۲) حرف ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(ت) نونِ تاکید: جو خفیفہ بھی ہوتا ہے اور ثقیلہ بھی۔ مثلاً «لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا» اور «لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ» کہ ان مثالوں میں نونِ تاکید خفیفہ ہے اور سارے قرآن شریف میں یہ حرف انہی دو مثالوں میں پایا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک شاذ قرأت میں قرآن کے اندر نونِ تاکید خفیفہ کے آنے کی تیسری مثال بھی ملتی ہے جو یہ ہے ارشادِ باری تعالیٰ «فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُنْ وُجُوهَكُمْ» اور چوتھی مثال حسن کی قرأت میں «أَلْقِيَنْ فِي جَهَنَّمَ» ہے۔ اس کو ابن جنی نے اپنی کتاب «المحتسب» میں ذکر کیا ہے۔

(ث) نونِ وقایہ ہے جو کسی ایسی یائے متکلم کے ساتھ ملحق ہوتا ہے جس کو کسی فعل نے نصب دی ہو۔ مثلاً «فَاعْبُدْنِي»، «لَيَحْزُنُنِي» یا کوئی حرف اس یائے متکلم کا ناصب ہو تب بھی اُس پر نونِ وقایہ داخل ہوگا۔ مثلاً قولہ تعالیٰ «يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ» اور اُس یائے متکلم پر بھی جو «لَدُنْ» کے آنے کے باعث مجرور ہوئی ہو، نونِ وقایہ داخل ہوتا ہے، اور اسی طرح «مِنْ» اور «عَنْ» کے ساتھ مجرور ہونے والی یائے متکلم پر بھی۔

مجرور بہ لدن کی مثال قولہ تعالیٰ «مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا» ہے اور مجرور بہ «مِنْ» و «عَنْ» کی مثال ہے قولہ تعالیٰ «[illegible]» اور «وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي»۔

تنوین:

یہ ایک نون ہے جو تلفظ میں تو آتا ہے مگر کتابت میں نہیں آتا۔ اس کے اقسام بہت سے ہیں:

(۱) تنوینِ تمکین: یہ معرب اسموں پر آتی ہے۔ مثلاً «هُدًى وَرَحْمَةٌ» اور «وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا» اور «إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا» میں ہے۔

(۲) تنوینِ تنکیر: یہ اسمائے افعال [illegible] کے ساتھ ملحق ہوتی ہے تاکہ ان کے معرفہ اور نکرہ کے مابین فرق کرے۔ مثلاً جس شخص نے «أُفٍّ» کو تنوین کے ساتھ قرأت کیا ہے اس کے نزدیک «أُفٍّ» اس لفظ میں ملحق ہوئی ہے وہ تنوینِ تنکیر ہے۔

اور جس شخص نے «هَيْهَاتٍ» کو تنوین کے ساتھ «هَيْهَاتٍ» پڑھا ہے اس کے نزدیک بھی یہ تنوینِ تنکیر ہے۔

(۳) تنوینِ مقابلہ: یہ تنوین جمع مؤنث سالم کے ساتھ ملحق ہوتی ہے مثلاً «مُسْلِمَاتٍ قَانِتَاتٍ»

تنوینِ ترنّم [illegible] مذکور ہے۔

(۴) تنوینِ عوض۔ یہ ہو کسی حرف کے بدلے میں آتی ہے جیسے جمع بعض کے آخر میں آتی ہے جیسے "وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ" اور "وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ" میں ہے، یا کسی کلمہ کے عوض میں آتی ہے جو "کُلّ" اور "بَعْض" اور "اَیّ" کا مضاف الیہ ہو۔ مثلاً قولہ تعالیٰ "کُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ" "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ" "اَيًّا مَّا تَدْعُوا" یہ مضاف الیہ [illegible] مثلاً "وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ" یعنی "وَيَوْمَ اِذْ غَلَبَتِ الرُّوْمُ" [illegible] اس جملہ کے عوض میں آئی، اور یہ "اِذَا" کے بدلے میں بھی آتی ہے جیسا کہ پہلے "اِذًا" [illegible] ہمارے شیخ اور ان کے پیروؤں کا اصول بیان ہو چکا ہے۔ مثلاً [illegible] "اِذْ غَضِبْتُمْ" (جب کہ تم غصہ ہوگے)۔

(۵) تنوینِ المقابلہ جو قرآن کے سوا اور کتابوں یا کلموں میں تنوینِ [illegible] حرفِ الحاق کے بدل میں آتی ہے، یہ تنوین اسم، فعل اور حرف کے تینوں کلموں میں آتی ہے جیسا زمخشری اور دیگر علما نے اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ "قَوَارِيرَا" (مثالِ اسم) "[illegible] اِذَا يَسْرِ" (مثالِ فعل) اور "كَلَّا سَيَكْفُرُونَ" (مثالِ حرف) ذکر کیا ہے اور [illegible] ساتھ پڑھی ہے۔

نَعَمْ:

یہ جواب کا حرف ہے جو خبر دینے والے کی تصدیق کرتا ہے، طلب کرنے والے کو وعدہ دیتا ہے [illegible] کرنے والے کو آگاہ کرتا ہے۔

[illegible] کو عین کا مقطع بنانا، کئی لغتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

نِعْمَ:

یہ فعل ہے اور انشاء [illegible] مدح [illegible] آتا ہے [illegible]

لا:

یہ [illegible]

[illegible]

یہ [illegible]

[illegible]

[illegible] اور اس نوع کی آیتوں کے آخر میں جیسا کہ بیان ہو چکا ہو [illegible]

[illegible]

[illegible] کی صفت پر آتا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

قولہ تعالیٰ "فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ" یعنی انتہوا (باز آؤ) کیونکہ اس میں حکم کے طور پر انتہا بہ ہے۔

"هَلْ" "قَدْ" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ "هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ" کی تفسیر اسی کے ساتھ کی گئی ہے۔

یہ نفی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ"۔

اِن کے علاوہ یہ اور کئی معنوں میں آتا ہے جن کا ذکر استفہام کے بیان میں کیا جائے گا۔

هَلُمَّ:

یہ کسی شے کی طرف بلانے کا کلمہ ہے اور اس کے بارے میں دو قول آئے ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ اِس کی اصل "ھَا" اور "لُمَّ" تھی اور اِس کا ماخذ "لَمَّ اللّٰهُ شَعَثَهُ" ہے۔ یعنی جب تم کسی چیز کو درست کر دیتے ہو تو کہتے ہو کہ "لَمَّ" اس کو اکٹھا کر دیا یعنی یکجا کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ پھر اس کا الف حذف کر دیا گیا اور دونوں کلموں کو باہم ترکیب دے دی گئی۔

دوسرا قول یہ ہے اس کی اصل "هَلْ أُمَّ" تھی یعنی یہ "هَلْ لَكَ فِي كَذَا أُمَّهُ" سے لیا گیا ہے (کیا تجھ کو فلاں بات کا شوق ہے تو اس کا ارادہ کر) اور ان دونوں کلموں کو باہم مرکب کر لیا گیا۔

حجاز کی لغت یہ ہے کہ اس کلمہ کو تثنیہ اور جمع کی حالتوں میں بھی اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں اور قرآن میں بھی اسی قاعدہ پر آیا ہے مگر تمیم کی زبان میں اس کے ساتھ تثنیہ اور جمع کی علامتیں بھی لاحق کرتے ہیں۔

هُنَا:

یہ مکان قریب (نزدیک کی جگہ) کے لئے اسم اشارہ ہے جیسے "إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ"۔ اِس پر لام اور کاف داخل ہو تو یہ مکان بعید کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہو جاتا ہے: "هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ"۔

اور چونکہ ظروف میں وسعت ہوتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ زمانہ کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے جیسے کہ "هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ" اور "هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ"۔

کی مثالوں میں ہے۔

ھَیْتَ :

یہ اسم فعل ہے بمعنی "اسرع و بادر" یہ بات کتاب المحتسب میں ہے۔
اس کے بارے میں کئی لغتیں ہیں، جن میں سے کسی میں "ھَیْتَ" "ھا" اور "تا" دونوں کو فتحہ دے کر، بعض میں "ھِیْتَ" (کسرۂ ھا اور فتحۂ تا کے ساتھ) کسی میں "ھَیْتِ" (فتحۂ ھا اور کسرۂ تا کے ساتھ) اور بعض میں "ھَیْتُ" (فتحۂ ھا اور ضمۂ تا کے ساتھ) اس کی قرأت کی گئی ہے
اور اس کو "ھِئْتُ" بروزن "جِئْتُ" بھی پڑھا گیا ہے۔
یہ فعل ہے جس کے معنی ہیں "تَھَیَّأْتُ" (میں آمادہ و تیار ہو گیا)
اور ایک قرأت "ھَیِّئْتُ" بھی ہے جو فعل ہے بمعنی "اَصْلَحْتُ" (میں نے درست کر لیا)

ھَیْھَاتَ :

یہ اسم فعل ہے بمعنی "بَعُدَ"۔ قال اللہ تعالیٰ "ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ"۔
زجاج نے اس کے معنی میں کہا ہے "اَلْبُعْدُ لِمَا تُوْعَدُوْنَ" (جس چیز کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے اس کی دوری ہے) مگر کہا گیا ہے کہ زجاج کا یہ قول غلط ہے، اور زجاج نے یہ غلطی لام پر نظر آنے کی وجہ سے کی ہے، ورنہ اس کا مطلب "بَعُدَ الْاَمْرُ لِمَا تُوْعَدُوْنَ" (اَیْ لِاَجْلِہٖ یعنی بوجہ اس وعید کے جو تم کو سنائی جاتی تھی معاملہ دور جا پڑا) لیکن اس توجیہ سے بہتر یہ ہے کہ اس آیت میں لام تبیین فاعل کا مانا جائے۔
"ھَیْھَاتَ" کے بارے میں کئی لغتیں ہیں زبر، زیر اور پیش کے ساتھ یہ تینوں اعرابوں کے ساتھ تنوین دے کر اور بغیر تنوین کے بھی اس کی قرأت کی گئی ہے۔

واو :

یہ حرف جار ہے جو جر اور نصب دیتا ہے، اور غیر عامل بھی ہوتا ہے۔
واو جارہ قسم کا واو ہے، مثلاً "وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ"۔
ناصبہ واو بمعنی "مَعَ" ہے جو بعض کوفیوں کی رائے میں مفعول معہ کو نصب دیتا ہے جیسے "فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَاءَکُمْ" اور قرآن میں اس کے لئے دوسری مثال نہیں ہے۔

واو بمعنی "معیت" اہل کوفہ کے نزدیک نفی یا طلب کا جواب ہو کر فعل مضارع کو نصب دیتا ہے جیسے "وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ" اور "يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ"

کوفیوں ہی کے نزدیک "واو الصرف" مستعمل ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ فعل ایک اعراب کا مقتضی تھا مگر اس واو نے اس کو اس اعراب کی طرف سے پھیر کر نصب کی طرف مائل کر دیا مثلاً قولہ تعالیٰ "اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكَ الدِّمَآءَ" میں نصب کی قراءت پر۔

واو غیر عاملہ کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) واو عطف یہ مطلق جمع (اکٹھا کرنے) کے لئے آتا ہے اور ایک شے کو اس کے ساتھ والی چیز پر عطف کر دیتا ہے جیسے "فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ"

یہی واو عاطفہ ایک شے کو اس سے پہلے والی چیز پر عطف کرتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ" میں ہے۔

اور یہ واو (سابق) اس کے بعد والی پر بھی عطف کرتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ "يُوْحِيْۤ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ"

واو دوسرے تمام حروف سے یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہ "اِمّا" کے ساتھ، نفی کے بعد "لا" کے ساتھ مقرون ہو کر اور "لٰکن" کے ساتھ مقترن ہو کر بھی آیا ہے، جیسے قولہ تعالیٰ "اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" یہاں "اِمّا" کے ساتھ مقترن ہو کر آیا ہے۔

"وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ" میں یہ نفی کے بعد واقع ہو کر "لا" کے ساتھ مقترن ہو کر آیا ہے۔

اور "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ" میں یہ "لٰکن" کے ساتھ آیا ہے۔

اس کے علاوہ وہ اکائیوں (ایک سے نو تک) کو دہائیوں (دس سے نوے تک) پر اور عام کو خاص پر اور اس کے برعکس بھی عطف کیا کرتا ہے جس کی مثالیں یہ ہیں:

"وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ"، "رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

لہ [illegible] (۱۲ ش)

اس کا جواب یہ ہے کہ معنی (...) پر کوئی عطف [illegible] جیسے [illegible] "إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي"۔

اور [illegible] بھی عطف [illegible] جیسے [illegible] "وَثَامِنُهُمْ" [illegible] کی وجہ اس کا "خبر" کے قریب واقع ہونا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ واو عاطفہ "او" کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ [illegible] نے قولہ تعالیٰ "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ" آیت کو اسی پر محمول کیا ہے۔

اور یہ واو تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے جس کے ساتھ خوارزمی نے افعال منصوبہ پر داخل ہونے والی واو کو واو تعلیل کہا ہے۔

(۲) واو استیناف (آغاز کلام) جیسے "ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ"، "لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ"، "وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ"، "مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ" (رفع کے ساتھ) اس لئے کہ اگر یہ واو عاطفہ ہوتا تو "نُقِرَّ" کو نصب دیا جاتا اور اس کا مابعد مجزوم ہوتا۔

(۳) واو حال جو کہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے "وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ"، "يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ"، "لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" میں ہے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ "واو" [illegible] پر داخل ہوتا ہے جو کہ صفت واقع ہوا ہو اور اس کے اس پر داخل ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ موصوف کے ساتھ ثبوت صفت کی تاکید کرے اور صفت کا موصوف سے متعلق ہونا [illegible] جس طرح [illegible] جملہ حالیہ پر آتا ہے اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ"۔

(۴) واو ثمانیہ [illegible] ذکر کیا ہے [illegible] کہ عرب شمار کرتے وقت ستۃ سبعۃ کے بعد واو کو لاتے ہیں اور اس سے یہ امر مقصود ہوتا ہے کہ سبعۃ عدد تام ہے اور اس کے بعد جو عدد آتا ہے وہ مستانف ہے [illegible] اس کی مثال قولہ تعالیٰ "سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ" الی قولہ "سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ" اور قولہ تعالیٰ "التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ" الی قولہ تعالیٰ "وَالنَّاهُونَ عَنِ"

"الْمُنْكَرِ" قرار دی ہے کیونکہ ان میں آخری جملہ آٹھواں وصف ہے اور اسی طرح قولہ تعالیٰ "مُسْلِمَاتٍ الی قولہ وَأَبْكَارًا" میں بھی آخری جملہ کا واو "واو ثمانیہ" ہے۔ مگر "واو ثمانیہ" [illegible] درست ہے اور ان سب مثالوں میں واو عاطفہ ہی ٹھیک ہے۔

(۵) واو زائدہ۔ اس کی صرف ایک مثال قولہ تعالیٰ "وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ" سے پیش کی گئی ہے کہ اس میں "وَنَادَيْنَاهُ" کا واو زائد ہے۔

(۶) اسم یا فعل میں ضمیر مذکر کا واو۔ مثلاً "الْمُؤْمِنُونَ"، "وَإِذَا سَمِعُوا" اور "قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا"۔

(۷) جمع مذکر کی علامت کا واو۔ طی کی لغت میں اس کی مثال ہے "وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا"، "ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ"۔

(۸) وہ واو جو ہمزۂ استفہام مضموم ما قبل سے بدل کر آیا ہو۔ اس کی مثال قنبل کی قرأت "وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ وَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" و "قَالَ فِرْعَوْنُ وَآمَنْتُمْ بِهِ"[۲] [illegible]

وَيْ كَأَنَّ:

کسائی کا قول ہے کہ یہ "تندم" (ندامت ہونے) اور تعجب کا کلمہ ہے۔ اس کی اصل "وَيْلَكَ" ہے جس میں کاف ضمیر مجرور ہے۔

اخفش کا بیان ہے کہ "وَيْ" اسم فعل بمعنی "أَعْجَبُ" ہے۔ اور کاف حرف خطاب ہے اور "أَنَّ" لام کے مضمر ہونے کی وجہ سے آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں "أَعْجَبُ لِأَنَّ اللهَ" (میں تعجب کرتا ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ)۔

خلیل کا قول ہے کہ "وَيْ" تنہا اور "كَأَنَّ" ایک مستقل کلمہ تحقیق کے لئے ہے نہ کہ تشبیہ کے واسطے۔

ابن الانباری کا قول ہے کہ "وَيْ كَأَنَّ" تین وجوہ کا احتمال رکھتا ہے:

(۱) یہ کہ "وَيْكَ" ایک حرف اور "أَنَّ" دوسرا حرف ہو اور اس کے معنی ہوں "أَلَمْ تَرَ" (کیا تم نے نہیں دیکھا)۔

۱؎ مترجم قرأت میں "[illegible]" [illegible]۔

۲؎ مترجم قرأت میں "قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ" ہے [illegible]۔

تنبیہ

جو حروف قرآن میں آئے ہیں اب میں مفید اور مختصر طور پر ان کی شرح بیان کر چکا ہوں اور اس بیان سے ان کا مقصود حاصل ہو سکتا ہے، زیادہ بسط و تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ فن عربیت (زبان دانی) اور نحو کی کتابوں میں مل جائے گی۔ اس کتاب کا موضوع یہ ہے مختصر قواعد اور اصول کا بیان کافی ہے نہ کہ جملہ فروع اور جزئیات کی تفصیل بیان کرنا جو طوالت چاہتا ہے۔

اکتالیسویں نوع

اعراب قرآن

علماء کی ایک جماعت نے اس عنوان پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ منجملہ ان کے مکیؒ کی کتاب کا موضوع اس کا مشکل قرآن ہے یعنی اعراب قرآن یا حرکات قرآن۔

حوفی کی کتاب بہ نسبت دیگر تصانیف کے اپنے موضوع پر نہایت واضح ہے۔ ابو البقاء عکبری کی تصنیف نے اس موضوع پر خوب شہرت پائی ہے۔ سمین کی کتاب بے مثال آپ ہی ہے۔ اور ان سب تصنیفوں سے بڑھی ہوئی ہے اس میں کمی بیشی ہے۔ لیکن سفاقسی نے اس کا خلاصہ کر کے اسے زیادہ درست اور پاک کر دیا ہے۔ ابو حیان کی تفسیر بھی اعراب قرآن کے بیان سے پر ہے۔

اس فن کا فائدہ معنی کی شناخت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب ہی معانی کو متمیز کرتا ہے اور کلام کرنے والوں کی اغراض سے آگاہی بخشتا ہے۔

ابو عبید نے اپنی کتاب "فضائل" میں عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا "تم لوگ جس طرح قرآن کو سیکھتے ہو اسی طرح لحن، فرائض اور سنن کو بھی سیکھو" (لحن سے مراد صحت تلفظ ہے)۔

یحییٰ بن عتیق سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حسن سے کہا "ابو سعید کیا ایک شخص عربی زبان کی تعلیم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اپنا لب و لہجہ عمدہ بنائے اور اپنے قرآن کو درست کرے؟" حسن نے جواب دیا "ہاں اے برادر زادے، تم اس کو ضرور سیکھو کیونکہ ایک شخص کسی آیت کو پڑھتا ہو اور اس کی وجہ نہ معلوم ہونے سے عاجز رہتا ہے اور اس کے لحاظ میں ہلاک ہو جاتا ہے۔"

جو شخص کتاب اللہ کے اعراب کو معلوم کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ وہ مفرد کے صیغہ اور اس کے محل پر بھی غور کرے یعنی دیکھے کہ مبتدا ہے یا خبر، فاعل

ہے یا مفعول اور مبادی کلام (کلام کے ابتدائی حصوں) میں سے ہے دیا گیا ساتھ کلام کے [illegible] جب اور اسی طرح کی دوسری باتوں کو معلوم کرلینے کی سعی کرے۔ اور اس لئے ہم ان پر چند مسائل ذیل اُمور کی رعایت واجب ہے:

اوّل۔ یہ کہ پہلے اعراب سے پہلے جس کلام کو وہ مفرد یا مرکب قرار دے کر اعراب دینا چاہتا ہے اس کے معنی سمجھ لے کیونکہ اعراب معنی کی شاخ ہے اور اسی واسطے سورتوں کے فواتح (شروع کے حروف مقطعات) پر اعراب دینا جائز نہیں کیونکہ ان کے معنی معلوم نہیں اور متشابہ ہیں جیسا کہ [illegible] یہ [illegible] ہیں [illegible] ان [illegible]

[illegible]

قول الٰہی [illegible] "کَلٰلَةً" کو نصب دینے کی وجہ [illegible] ہونے پر نصب [illegible] اور اگر "کَلٰلَةً" میت کا نام [illegible] حال [illegible] ہو تو اور "یُوْرَثُ" کی خبر یا "رجل" کی صفت ہے اور اگر "کَلٰلَةً" [illegible] اس کی خبر ہے اور یہ ہوگا "کَلٰلَةً" میت کی [illegible] وارث ہوں کو سمجھا جائے تو اس حالت میں وہ مضاف کی تقدیر پر [illegible] ہوگی یعنی "ذَا کَلٰلَةٍ" اس کی اصل عبارت یہ ہوگی کہ مضاف محذوف کر کے مضاف الیہ کو منصوب بنا کر قائم کر دیا اور یہ بھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حال یا خبر [illegible] لفظ "کَلٰلَةً" قرابت کا نام ہو تو اس صورت میں وہ [illegible] سے مفعول واقع ہوگا۔

اور قول تعالےٰ "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" میں اگر "مثانی" سے قرآن مراد ہے تو "مِن" تبعیض کے لئے ہے اور اگر اس سے سورۂ فاتحہ مقصود ہو تو "مِن" بیان جنس کے واسطے آیا ہے۔

قول تعالےٰ "اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً" اگر "تُقٰىةً" [illegible] مصدر [illegible] معنی ہے [illegible] ہے تو اس حالت میں مفعول مطلق ہو اور یہ "تَقِيَّة" کی طرح جمع ہے تو اس صورت میں وہ حال واقع ہوگا۔

قول تعالےٰ "غُثَآءً اَحْوٰی" میں "اَحْوٰی" سے اگر خشکی اور سیاہی کے باعث [illegible]

لے [illegible] کے [illegible] کی [illegible] مترجم [illegible]

جب مُراد ہے تو یہ "مُحتاجو" کی صفت واقع ہے یا ہمزہ کی شدت سے [illegible] یعنی [illegible]
[illegible] مراد ہے تو "المُوسیٰ" کا مجاز ہے۔

ابن ہشام نے کہا ہے [illegible] اعراب دینے والے [illegible] کو غرض یہ ہوتی ہے جنھوں نے اعراب دیئے ہیں [illegible] کی رعایت کی [illegible] نہیں کیا۔ اس کی مثال ہے قولِ تعالیٰ "أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ" کہ اس آیت کے الفاظ [illegible] پہلے [illegible] منتقل ہوتا ہے کہ "أَنْ نَفْعَلَ" کا عطف "أَنْ نَتْرُكَ" پر [illegible] ہے کیونکہ [illegible] شعیب نے ان لوگوں کو ہرگز یہ ہدایت نہیں دی [illegible] ان کی مرضی میں آئے کریں [illegible] وہ "نَتْرُكَ" کا معمول ہے اور ترک کے معنی ہیں [illegible] بات کو ترک کر دیں کہ اپنے مال کو جس طرح دل چاہے صرف کریں۔

[illegible] پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ اعراب دینے والا [illegible] اور اُن کے [illegible] پڑ جاتا ہے۔

دوم۔ صناعت کی رعایت نہیں کی جاتی [illegible] صناعت کی صحت پر غور نہیں کرتا اور اس طرح وہ غلطی کر بیٹھتا ہے [illegible] میں ہے قولِ تعالیٰ "وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَى" کہ بعض لوگوں نے "ثمود" کو [illegible] بات [illegible] ہے کہ "مَا" نافیہ صدرِ کلام کے لئے مخصوص ہے لہٰذا اس کا مابعد اس سے قبل [illegible] عمل نہیں کرتا بلکہ یہاں "ثمود" کے منصوب ہونے کی وجہ اس کا [illegible] پر معطوف ہونا ہے یا [illegible] فعل کی تقدیر ہے۔ [illegible] "ثمود" [illegible] فعل [illegible] جس کی وجہ قرینہ کو [illegible]

[illegible]

اس مقام پر حرف ایک محذوف کے واسطے ہے۔

جوفی کا قول کہ قولہ تعالیٰ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ میں حرف با [illegible]
[illegible] سے متعلق ہے تو وہ اس وجہ سے باطل ہے کہ استفہام کلام کے شروع میں آتا ہے اور
اس واسطے یہاں بہتر یہ ہے کہ تعلق اس کے مابعد سے ہوگا۔

اسی طرح کسی دوسرے شخص کا قول آیہ کریمہ مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ [illegible]
[illegible] کے معمول [illegible] اس وجہ سے
[illegible] کے شروع میں آتا ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں [illegible]
ذکر (محذوف ہونے) کے منسوب ہے۔

[illegible] عربی زبان میں مستعمل ہوتا کہ حذف [illegible] کوئی بات نہ ہو
ثبوت زبان اور لغت سے نہ ملے [illegible] ابوعبیدہ کا قول آیہ کریمہ [illegible]
[illegible] میں کاف [illegible] کے معنی میں آیا ہے [illegible] بات کو علماء [illegible]
بھی سکوت کرکے رہ گیا (یعنی اس کی کوئی تردید وغیرہ نہیں کی) اسی واسطے [illegible]
[illegible] کو خوب [illegible] مقبول لیا ہے اور اس نے سکوت کرکے نقل کیا ہے۔

ابوعبیدہ کے قول کا بطلان اس بات سے ہوتا ہے کہ کاف واو قسم کے معنی میں [illegible]
نہیں ہے اور [illegible] اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہوئے [illegible]
کاف میں سے [illegible] ربط دینا بطریقہ نظم (شعر) میں مستعمل ہے۔[1]

اور اس آیت کے بارے میں سب سے بہتر اور قریب ابو عبیدہ [illegible] بات [illegible]
جو [illegible] کہ ایک مبتدا محذوف کی خبر ہے اور وہ مبتدا یہ ہے [illegible]
[illegible] روایت کی کہ [illegible]
[illegible] میں خوش [illegible]
[illegible] کی یہ خوشی بالکل ویسی ہی ہے جیسی خوشی اس وقت تھی جب کہ ان کو جنگ کے لئے [illegible]
گھروں سے باہر [illegible] تھے اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے جیسا کہ [illegible]
[illegible] حرف کی تشدید کے ساتھ قرأت کرنے کی صورت میں [illegible]

---

[1] واضح ہو [illegible]
[illegible] منظر۔

[illegible] حرف کے ان میں زائد آیا کرتا ہے۔ مگر ان دونوں کو کوئی نسبت نہیں ہے بلکہ اصل قرأت [illegible] تشابہت [illegible] وحدت کے ساتھ [illegible] وحدت "تشابہت" کی [illegible] گئی اور اس طرح یہ [illegible] دونوں کلموں کے [illegible] تجنیس حروف میں ہو۔

پانچویں: غریب کو دور [illegible] اور [illegible] وجوں اور شاذ قولوں سے دُور رہنا [illegible] ہے اور اسے چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اعراب کا اخراج قریب کے قوی اور فصیح وجہ کے [illegible] غریب کہ ان اعراب میں [illegible] وجہ کے سوا کوئی اور بات ظاہر ہی نہ ہو تو [illegible] اور اگر [illegible] وجوں [illegible] سے [illegible] غریب [illegible] مشکل ہے اور [illegible] وجہ [illegible] بیان کرے اور [illegible] سے [illegible] یہ بات آتی ہے کہ غیر قرآن کے الفاظ میں [illegible] (قرآن) کو [illegible] وجہ کا [illegible] غالب [illegible] سے پایا جاتا [illegible] کی وجہ پر روایت کرنا [illegible] نہیں [illegible] وجہ [illegible] غالب [illegible] نہ ہو [illegible] بیان کرنا [illegible] اور [illegible] وجوہ کو ذکر کرے۔ چنانچہ [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] جو [illegible] کی صورت [illegible] میں [illegible] صفت سادات کے لفظ [illegible] اس [illegible] وجہ [illegible] دونوں کے [illegible] بہت دُور [illegible] یہ قول غلط قرار دیا گیا ہے کیونکہ درست [illegible] منصوب [illegible] متعدد [illegible] مشغول [illegible] ہے۔

[illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] کے بارے میں کہا ہے [illegible] وَلٰكِنَّ [illegible] ہے وہ [illegible] میں [illegible] اس [illegible] درست [illegible] حرف [illegible] ہے۔

[illegible] قولہ تعالیٰ "صٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ" کے بارے میں کہا ہے کہ اس کا جواب "اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ" ہے [illegible] اور درست [illegible] اس کا جواب [illegible] "[illegible]" [illegible] ایک [illegible] کا جواب ہے۔

[illegible] جس شخص نے قولہ تعالیٰ "[illegible]" میں [illegible] حرف [illegible] دونوں [illegible] اس [illegible] کی [illegible] ہے۔

[illegible]

اس کے برعکس قولہ تعالیٰ "[illegible]" کے بارے میں ایک کہتے ہیں کہ یہ بات اچھی ہوئی جس کی وجہ [illegible] اعراب کا [illegible] ہوتا ہے۔

قولہ تعالیٰ "لِيَذْهَبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" [illegible] کہ اس میں [illegible] کے اختصاص کے لحاظ سے نصب آیا ہے کیونکہ ضمیر مخاطب کے بعد اختصاص کلام [illegible] اور اس مقام پر درست ہے کہ [illegible]

قولہ تعالیٰ "[illegible] أَحْسَنَ" [illegible] کی اصلی [illegible] اور اس لئے [illegible] کیا ہے [illegible] سمجھا گیا ہے اور [illegible] یہ بات [illegible] یہ بھی غلط ہے صحیح یہ ہے کہ [illegible] رفع [illegible] مبتدا کی تقدیر پر ہے [illegible] اصل [illegible] أَحْسَنُ [illegible]

قولہ تعالیٰ "[illegible]" [illegible] متعلق [illegible] کہ [illegible] شعری میں آتا ہے یہ بھی غلطی ہے درست یہ ہے کہ [illegible] کی [illegible] گیا [illegible]

[illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] کیونکہ خبر [illegible] ہیں جن کو خبر [illegible] درست یہ ہے [illegible] ہے اور اس کا [illegible]

ابن ہشام [illegible] ہے کہ [illegible] اخراج [illegible] مرجع [illegible] ہوتا [illegible] حالت میں اس کے [illegible] کرنے والے [illegible] ہے [illegible] قولہ تعالیٰ "[illegible]" کی قرأت [illegible] کے بارے میں [illegible] آتے ہیں۔

[illegible] ضمیر کو فاعل [illegible] مقام [illegible] قرار دیتا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی طرف [illegible] ہونے کی صورت میں [illegible] نہ ہوتی تھی۔

اور قول تعالیٰ [illegible] کے بارے میں یہ بات [illegible] نہیں کہ [illegible]

مجرور سے اور خبر ہونے کی وجہ سے اس مقام پر موضع رفع میں ہے کیونکہ درست یہ ہے کہ [illegible]

[illegible] موضع نصب میں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف میں جتنی خبریں حرف

[illegible] کے ساتھ تنہا آئی ہیں وہ سب ہی استثناء کے منصوب ہیں۔

اور قول تعالیٰ [illegible] کے بارے میں جس شخص

نے یہ کہا کہ اس میں [illegible] مبتدا ہے وہ غلطی کرتا ہے درست یہ ہے کہ یہاں [illegible]

[illegible] ہے اور اس کی دلیل ہے قول تعالیٰ [illegible]

تنبیہ اول

[illegible]

تنبیہ دوم

[illegible]

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

ششم۔ رسم الخط کی رعایت بھی کرنی چاہئیے۔

یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے [illegible] پر وقف کر کے [illegible] کے معنی [illegible] ذُرِّيَّةً مُوصَدَةً [illegible] ایسا راستہ دریافت کر کے [illegible] مرتب قرار دیا [illegible] واقع [illegible] لکھی ہیں [illegible] جاتا۔

اور جس شخص نے قولہ تعالیٰ إِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ یہ دراصل "إِنَّ" ہے اور [illegible] اس کا اسم [illegible] إِنَّ [illegible] "لَسَاحِرَانِ" اس کی خبر [illegible] "إِنَّ" کی خبر واقع ہے۔

بعض [illegible] غلطی [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] قول درست [illegible] ثابت [illegible]

اسی طرح جس شخص نے قولہ تعالیٰ [illegible] کے بعد [illegible] آیت [illegible] اس کے بعد [illegible] گیا ہے۔

"أَيُّهُمْ أَشَدُّ" [illegible] کو مبتدا اور خبر کہا اور [illegible] خبر [illegible] اسی [illegible] ہیں [illegible] گیا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ کی بابت یہ [illegible] اس میں ضمیر مرفوع [illegible] قول اس واسطے باطل ہے کہ رسم [illegible] جگہوں [illegible] لہٰذا درست یہ ہے کہ [illegible] ضمیر منصوب ہے۔

ہفتم۔ یہ کہ مشتبہ [illegible] وقت [illegible] اور تامل [illegible] چنانچہ [illegible] شخص نے قولہ تعالیٰ [illegible] کے بارہ میں کہا ہے کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دہم یہ کہ کوئی ایسی خبر کسی مشتق (یا صفت) واحد کی ہو جس کو بجائے خود نہ روایت کرنا بھی درست ہو کیونکہ ... لا ذی ... کے بارے میں کہا ہے کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس میں ... ایک ... کی صفت واقع ہے یعنی تقدیر عبارت ... ہے ... وجہ یہ ہے کہ وہ کاف واو جمع کا حال واقع ہوا ہے یعنی اس کے معنی ہیں ... اس شخص کے مشابہ ہو کر اپنے قول کو ... وجہ ... نہیں ہے

یازدہم یہ کہ معنی اور زائد حروف کی وجہ تحقیق و تفتیش کرے ... قول ... الا ... نظر ... سکتا ہے کہ ... کا واو جمع کی ضمیر ہے اور اس حالت میں نون کو ثابت رہنا ... نظر آنے لگتا ہے ... یعنی یہ کہ یعفون ... اور نون ضمیر مونث کا ہے جس کے ساتھ فعل مبنی ہو گیا ہے اور اس کا وزن ... بخلاف ان ... کے کہ اس میں واو ضمیر جمع ہے اور فعل کلمہ کا حرف نہیں

دوازدہم۔ کتاب اللہ میں لفظ زائد کے اطلاق پر سخت پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ زائد لفظ سے بعض اوقات یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں حالانکہ کتاب اللہ اس بات سے منزہ اور پاک ہے کہ اس میں کوئی بے معنی لفظ آئے اسی واسطے بعض علماء نے قرآن شریف میں کسی حرف کو زائد کہنے سے بچنے کے لئے ایسے مواقع پر زائد کی بجائے تاکید صلہ اور ... کہا ہے۔

ابن الخشاب نے کہا ہے کہ اس بات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ قرآن شریف میں زائد کا اطلاق کرنا چاہئے یا نہیں۔ اکثر علماء اس بات کو مانتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اس خیال سے کہ قرآن شریف کا نزول اہل عرب کی زبان ... اور ان کے ... اور عربی کلام میں حروف کی زیادتی حذف کے مقابلہ میں ... اس لئے جس طرح حذف کا اختصار اور تخفیف کے خیال سے روا رکھتے ہیں ویسے ہی زیادتی کو تاکید اور توثیق کی غرض سے جائز ... ہیں اور بعض علماء زیادتی کے اطلاق سے انکار کرتے ... کہ جن الفاظ کو زائد ہونے پر محمول کیا گیا ہے وہ بھی کچھ معانی اور فوائد کے لئے آئے ہیں ...

زائد ہونے کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی حاجت مختلف [illegible]

لفظ جس کو ان لوگوں نے زائد شمار کیا ہے اس کی حاجت [illegible]

حاجت ہے جس پر [illegible] کی گئی ہے۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ نہیں [illegible] دونوں لفظوں کی [illegible]

واسطے فصاحت اور بلاغت کے مقتضی پر نظر کرنا ضرور ہے [illegible]

[illegible]

تنبیہات

تنبیہ اوّل

[illegible]

[illegible] جس امر سے استدلال کیا جائے گا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور ابن اشتہ نے بھی [illegible] روایت [illegible] طریق سے بیان کی ہے۔

[illegible] طریق پر سعید بن جبیر [illegible] روایت کی ہے کہ وہ [illegible]

[illegible]

ہونا بھی بعید از عقل ہے۔

تیسرے یہ [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible] کو درست [illegible] دوسرے لوگوں [illegible] مخالفت کی ہو [illegible] خرابی کو ٹھیک کر سکتے۔ اور خود [illegible] حضرت عثمان کے بعد [illegible] مصحف [illegible] نہیں کیا تھا بلکہ ایک مصحف [illegible] حضرت [illegible] واقع ہوتی تو [illegible] ہے کہ [illegible] پر اتفاق کر لیا ہوتا اور اگر [illegible] ایک مصحف [illegible] مصحف کی صحت کا اعتراف [illegible] کسی شخص نے بیان نہیں کی [illegible] نہیں کی مگر [illegible] ان [illegible] قراءت میں [illegible] اختلاف [illegible] نہیں [illegible] سب [illegible] قراءت کا اختلاف [illegible] ہے۔

(۳) [illegible] روایت [illegible] جواب دیا ہے کہ [illegible] قول [illegible] صحیح پڑھا [illegible] [illegible]

[illegible] روایت کی [illegible] سے کی گئی ہے [illegible] لَآ اُقْسِمُ [illegible] لَآ اَذْبَحَنَّهٗ [illegible] دونوں کے ساتھ اور [illegible] وقت [illegible] کتابت [illegible] نہیں کہ یہ غلطی ہوگی۔

[illegible] جواب [illegible] پر [illegible] کیا ہے۔

[illegible] ان کے [illegible] ہونے [illegible] اس بات [illegible] نہیں [illegible] مسلمانوں کے [illegible] کی اصلاح [illegible]

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ واللہ ان کی نسبت کوئی صاحب شعور شخص [illegible]
ایسا وہم بھی نہیں کر سکتا کہ انھوں نے اس طرح کا تساہل روا رکھا ہوگا اور نہ کوئی ان کے
متعلق یہ خیال کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ انھوں نے اس غلطی کی صحت اپنے بعد آنے والوں
کے لئے چھوڑ دی۔ کیوں کہ بعد میں آنے والے لوگ تو وہی ہیں جنھوں نے [illegible]
کے رسم الخط پر کتابت قرآن کا دار و مدار رکھا اور [illegible]
اور جس شخص کا قول ہے کہ حضرت عثمان رض نے اپنے قول [illegible]
دیکھتا ہوں" سے یہ مراد لی کہ [illegible] مصحف کی کتابت میں [illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible]
اس کتابت کی غلطی کو اپنی زبان سے ادا کرتے وقت سمجھ لیں گے تو وہ غلطی [illegible]
طرح کی مفسد اور منحرف نہ ہوگی۔ جس قدر الفاظ کے پھیر و بدل سے [illegible]
اعراب کی خرابی سے ضرر پہنچتا ہے۔ بے شک اس بات کا قائل [illegible]
کوئی درست بات نہیں کہی اس لئے کہ خط کی بنیاد ہے تلفظ [illegible]
غلطی کرے گا وہ ضرور ہے کہ تلفظ میں بھی غلطی کرتا ہوگا۔

مگر حضرت عثمان رض ایسے شخص کے انسان نہیں تھے کہ وہ قرآن میں [illegible]
کتابت اور تلفظ میں باقی رہنے دیتے اور اس کی درستی میں [illegible]
کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت عثمان رض برابر قرآن کا درس دیا کرتے تھے [illegible]
بہت خوبی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اچھی قرأت [illegible]
[illegible] انھوں نے ملک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں [illegible]
کی تائید ابو عبید کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ابو عبید نے کہا کہ "ہم سے عبد اللہ نے بواسطہ [illegible]
[illegible] نے بیان کیا ہے [illegible] حضرت عثمان رض [illegible]
[illegible] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible]
[illegible] کے پاس بھیجا [illegible]
[illegible] حضرت ابی بن کعب [illegible]
[illegible]
[illegible] کر دی۔

سلیمان بن اشعث نے خبر دی، اس نے کہا ہمیں احمد بن مسعود نے خبر دی [illegible] نے خبر دی اور کہا مجھے ابو راشد بن عبد الرحمٰن نے بو [illegible] عبد اللہ [illegible] خبر دی کہ عبد اللہ نے کہا "جب مصحف کی تیاری سے فراغت ہو گئی تو وہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس پر نظر ڈالی اور کہا: اَحْسَنْتُمْ وَاَجْمَلْتُمْ (تم نے بہت اچھا اور نہایت عمدہ کام کیا) میں اس میں کچھ غلطی دیکھتا ہوں جس کو [illegible] کے ساتھ درست کر لیں گے۔"

پس اس قول میں کوئی اشکال نہیں۔ اور اس سے سابقہ بیان پر نہایت [illegible] پڑتی ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ گویا مصحف کی کتابت مکمل ہو چکنے کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کے سامنے لایا گیا تو انھوں نے دیکھا کہ اس میں کچھ الفاظ قریش کی زبان کے [illegible] زبانوں کے بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً جس طرح لکھنے والوں سے [illegible] میں فروگزاشت ہو گئی تھی۔ پس حضرت عثمانؓ نے [illegible] کہ وہ [illegible] قریش کی بول چال کے مطابق درست کر دیں گے [illegible] مقابلہ [illegible] کے [illegible] بھی کر دیا اور اس میں کوئی بات نہیں چھوڑی۔

شاید جس شخص نے سابق کے آثار نقل کئے [illegible] حضرت عثمانؓ [illegible] نے الفاظ میں رد و بدل کر ڈالا ہے اور وہ الفاظ [illegible] طرح [illegible] عثمان رضؓ کی زبان سے ادا ہوئے تھے [illegible] وجہ سے [illegible] اشکال [illegible] شکر ہے کہ یہ بات سابقہ اعتراض کا نہایت قوی جواب ہے۔

[illegible] کے بعد یہ کہنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے [illegible] کی حدیث میں کوئی اصلاح نہیں کی تضعیف کے [illegible] اس کے اسناد جیسا کہ تم دیکھتے ہو صحیح ہیں اور [illegible] اس کی [illegible] اس واسطے ٹھیک نہیں [illegible] حروف کی بابت [illegible] [illegible] نہیں [illegible] جیسا [illegible] کی شرح میں ابن [illegible] ہو چکی ہے۔

حضرت [illegible] کا قول [illegible] لوگوں کے [illegible] [illegible]

[illegible]

کی خبر ہے جس کی تقدیر "لهما ساحران" ہے۔

(۴) یہ کہ "ان" اس مقام پر "نعم" کے معنی میں ہے۔

(۵) یہ کہ "ها" جو قصہ کی ضمیر ہے "ان" کا اسم ہے، اور "هذان لساحران" [illegible] خبر ہیں مگر اس وجہ کی تردید نحویوں کی باتوں سے "ان" کا [illegible] کو جملہ کے ساتھ کتابت میں متصل کرنا اس قول کی صحت تسلیم کرنے سے مانع ہے۔

میں کہتا ہوں "مجھے ایک اور توجیہ بھی سوجھی ہے اور وہ یہ ہے کہ "هذان" [illegible] "ساحران یریدان" کی مناسبت سے [illegible] اور "من سبا" کو "بنبا" کی مناسبت سے تنوین دی گئی ہے۔

قولہ تعالے "والمقیمین الصلوة" میں کئی ایک حسب ذیل اعراب کی وجہیں [illegible]

(۱) یہ کہ وہ مقطوع الی المدح ہے [illegible] کی تقدیر پر [illegible] یہ وجہ بہترین ہے۔

(۲) یہ کہ وہ "یؤمنون بما انزل الیک" میں کا مجرور ہے اس پر معطوف ہے [illegible] کی تقدیر "ویؤمنون بالمقیمین الصلوة" ہے جو کہ [illegible] ملائکہ (فرشتے) ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عبارت کی تقدیر [illegible] ہے اس سے تمام مسلمان مراد ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ [illegible] کی تقدیر [illegible] المقیمین ہے۔

(۳) یہ کہ وہ "قبل" پر معطوف ہے یعنی تقدیر عبارت "ومن قبل المقیمین" [illegible] لفظ "قبل" مضاف کو حذف کر دیا اور مضاف الیہ اس کا قائم مقام [illegible] بنزع خافض ہے)۔

(۴) یہ کہ وہ "قبلک" میں جو خطاب کا کاف ہے اس پر معطوف ہے۔

(۵) یہ کہ وہ "الیک" کے کاف پر معطوف ہے۔

(۶) یہ کہ وہ "منهم" میں جو ضمیر ہے اس پر معطوف ہے۔

ان تمام وجوہ کو ابو البقاء نے بیان کیا ہے۔

قولہ تعالے "والصابئون" میں کئی وجہیں آئی ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ مبتدا ہے جس کی خبر حذف کر دی گئی [illegible]

تھا۔

(۴) یہ کہ وہ "ان" [illegible] کے ساتھ [illegible] کے اول پر محذوف ہے، چونکہ "ان" [illegible] اور
اس کے بعد دونوں کا محل رفع بابتدا ہے۔

(۵) یہ کہ وہ [illegible] (ضمیر) شان ہے اس پر معطوف ہے۔

(۶) یہ کہ "ان" [illegible] "نعم" کے معنی میں آیا ہے [illegible] "الذین امنوا" اور اس کا جملہ
موضع رفع میں ہے اور اس پر "والصابئون" کا عطف ہوا ہے۔

(۷) یہ کہ [illegible] کا صیغہ ہے [illegible] مقدم بنا دیا گیا ہے اور
[illegible] حروف اعراب [illegible]
[illegible] بیان کیا ہے۔

قول ثانی:

حضرت عائشہؓ کی جو روایت پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے قریب قریب امام احمد کی
[illegible] بیان کیا ہے۔ [illegible] ابن اشتہ نے بھی کتاب المصاحف میں اس کو درج کیا ہے۔ یہ روایت [illegible] کے طریق پر [illegible] کے مولیٰ ابو خلف سے منقول ہے کہ ابو خلف ایک بار عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبید نے [illegible] کہا: میں آپ کے پاس کتاب اللہ کی ایک آیت کی بابت یہ دریافت کرنے کو حاضر ہوا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ ام المومنین نے کہا کونسی آیت؟ عبید نے عرض کیا [illegible] فرمایا [illegible] دونوں قراءتوں میں سے [illegible] زیادہ پسند کرتے ہو؟ [illegible] جواب دیا [illegible] قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان دونوں قراءتوں میں سے ایک قراءت [illegible] ام المومنین نے فرمایا دونوں میں سے [illegible] اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور [illegible] ہجاء میں حرف [illegible]
[illegible]

[illegible] کہتے ہیں [illegible] ابن جریر [illegible]

سند میں سعید بن جبیر کے طریق پر حضرت ابن عباس [illegible]
قول تعالیٰ "حتیٰ تستانسوا و تسلموا" کے بارے میں [illegible]
درست "حتیٰ تستاذنوا و تسلموا" [illegible]
[illegible] خیال ہے کہ [illegible]
کو ہے۔

اسی طرح ابن [illegible] نے عکرمہ کے طریق پر ابن عباس [illegible]
پڑھا "[illegible]" [illegible]
قرأت کو منکر ابن عباس سے کہا کہ یہ آیت [illegible]
ابن عباس نے جواب دیا میرا گمان ہے کہ کاتب نے جب یہ آیت [illegible]
رہا تھا۔

سعید بن منصور نے سعید بن جبیر کے طریق پر ابن عباس [illegible]
"ووصی ربک" پڑھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ دراصل [illegible]
کے ساتھ چسپاں ہو گیا۔

اسی قرأت کو ابن اشتہ نے "[illegible]" [illegible]
پر قتادہ کے لفظوں سے بیان کیا ہے (یعنی [illegible]
لیا اس واسطے واو صاد سے مل گیا)۔

اسی روایت کو ضحاک کے طریق پر ابن عباس [illegible]
"ووصی ربک" پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اصل میں وہ واو [illegible]
ساتھ چسپاں ہو گیا۔

پھر اسی روایت کو دوسرے طریق پر ضحاک [illegible]
بن منصور سے [illegible] ضحاک سے دریافت کیا کہ تم یہ حرف کس طرح پڑھتے ہو [illegible]
"ووقضی ربک" ضحاک نے کہا [illegible] ابن عباس [illegible]
پڑھا کرتے تھے "ووصی ربک" اور اسی طرح [illegible]
تمہارے کاتب نے قلم میں روشنائی لی تو قلم سے روشنائی کی [illegible]
صاد میں چسپاں ہو گیا۔

حروف سبعہ میں سے بہترین ہجا کے سوا تھے اور اسی طرح ابن عباس کے قول [illegible] (کاتب) اونگھ رہا تھا" سے یہ مفہوم ذہن نشین ہوتا ہے کہ کاتب نے اس [illegible] نہیں کیا جو بہ نسبت دوسری وجہ کے اولیٰ تھی۔ اور اسی طرح دوسری مثالوں کو بھی [illegible] چاہیے۔

لیکن ابن الانباری نے صرف ان روایتوں کو کمزور ٹھہرایا اور ابن عباس [illegible] سے [illegible] کی ایسی روایتیں جو ان حروف کی قرأت ثابت کرتی ہیں ان کے مقابلہ [illegible] کی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ان اعتراضات کا پہلا جواب ان کے ضعیف ہونے [illegible] ہے۔

اس کے بعد ابن اشتہ نے یہ کہا ہے کہ ہمیں ابو [illegible] نے خبر دی [illegible] کہا کہ ہم کو ابو داؤد نے خبر دی، اس نے کہا ہم کو ابن [illegible] نے خبر دی [illegible] عبد الرحمٰن بن ابی الزناد [illegible] کہ عبد الرحمٰن نے اپنے باپ [illegible] سے [illegible] خارجہ بن زید سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے زید سے دریافت کیا [illegible] یہ آیت ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ [illegible] وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ [illegible] اثْنَيْنِ ہر ایک میں بہ تکرار اثنین آتا ہے؟ زید نے جواب دیا [illegible] اس واسطے ہوا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ لہٰذا وہ دونوں ذو جوڑ ہیں [illegible] ایک جوڑا [illegible]

ابن اشتہ نے اس روایت کو بیان کر کے کہا ہے کہ [illegible] کہ لوگ [illegible] مصحف میں لکھنے کے واسطے اچھے حروف [illegible] لیا کرتے تھے [illegible] کے جمع کر لینے میں سب سے بڑھ کر [illegible] زیادہ [illegible] قریب [illegible] اہل عرب کے نزدیک [illegible] سمجھے جاتے تھے [illegible] بھی [illegible] ان [illegible]

تنبیہ

(۲) میں ان حروف کا بیان ہو چکا جن کی وجوہ سے قرأت کے [illegible]

[illegible]

[illegible] اس موضوع پر مطالعہ کی [illegible]

[illegible] حروف قرآن [illegible]

[illegible]

کی رسم ”مُقَيَّدُونَ“ کی صفت [illegible] رفع [illegible] کی صفت [illegible]
کی وجہ سے نصب کے [illegible] پڑھی گئی ہے۔

وَالْمُسْتَوْفِي اَبُو وَسِيْطَةٍ وَّ [illegible] میں [illegible]
[illegible] نصب جوار [illegible] جر اور خبر محذوف [illegible]
دلالت کرتا ہے [illegible] مبتدا [illegible] رفع [illegible] قرأت کی ہے۔

[illegible] مُشْتَرِيَةِ النَّعِيْمِ میں [illegible]
”جزاء“ کی صفت [illegible] رفع [illegible] مفعول [illegible] نصب [illegible]

وَالنَّجْمُ [illegible] میں [illegible] خبر [illegible]
نصب اور اسم اللہ اور ربہ دونوں کو مبتدا و خبر ہونے کی حیثیت سے [illegible]
کی گئی ہے۔

وَبُنِيَتْ وَالْبَنَّتِ میں [illegible] رفع نصب اور جر [illegible]
خیال سے قرأت کیا گیا ہے۔

فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ میں [illegible]
معروف [illegible] فعل [illegible] پڑھی [illegible]
مبتدا کی خبر محذوف [illegible] اور [illegible]
[illegible] کی وجہ سے جر دے کر قرأت کیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا میں [illegible]
[illegible] کے جر [illegible] نصب [illegible]
[illegible] خبر [illegible] رفع [illegible] ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہیں۔

كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ [illegible]

دیا گیا ہے۔

اوّل: ان میں سے جو سب سے زیادہ مشہور ہے: قولہ تعالیٰ "[illegible]" ہے (یعنی تم مع اپنے شریک ٹھہرائے ہوؤں کے اپنے معاملہ کو پختہ کر لو) [illegible] جو عنقریب بیان کیا گیا ہے۔

دوم: قولہ تعالیٰ "[illegible]" ہے۔

[illegible] کتاب [illegible] التفسیر [illegible] کہ [illegible] مفعول معہ [illegible]

[illegible] ہیں)۔

سوم: قولہ تعالیٰ "لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین" [illegible] کا قول ہے کہ "احتمال ہے کہ قولہ تعالیٰ "والمشرکین" [illegible] واو [illegible] کہ "کفروا" میں [illegible] مفعول معہ واقع ہو۔"

بیالیسویں نوع

مفسر کیلئے ضروری اور اہم قواعد

قاعدہ ضمیر کا بیان۔

ابن الانباری نے قرآن میں واقع ہونے والی ضمیروں کی بابت دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔

ضمیر کی اصل وضع اختصار کی غرض سے ہوئی ہے [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] پچیس کلموں کے قائم مقام ہے اگر انکو ظاہر کر کے لایا جاتا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہیں مگر ایک "علیہ" کی ضمیر کہ وہ آپ کے ساتھی کی جانب راجع ہے جیسا کہ سہیلی نے کہا ہے اور ... نے اس بات کو نقل کیا ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر تو ہر وقت سکینہ موجود رہتا تھا اور اسی آیت میں "جعل" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

بعض اوقات ضمیر کے مابین تنافر سے بچنے کے واسطے ان کو مختلف بھی کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ قول تعالیٰ "منها أربعة حرم" میں ضمیر "ها" (اثنا عشر) کی طرف ہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فلا تظلموا فيهن أنفسكم" اور اس میں جمع قلت کی ضمیر کے ساتھ مخاطب کر لایا کیونکہ یہ ضمیر "أربعة" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر الفصل:

یہ ایک ضمیر ہے اور مرفوع صیغہ سے ماقبل کے مطابق تکلم، خطاب اور غائب اور مفرد وغیرہ ہونے میں آتی ہے۔ ماقبل کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کا وقوع صرف مبتدا یا ایسے جملے کے بعد ہوتا ہے جس کی اصل مبتدا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس خبر کے بعد بھی جو مبتدا ... ہو جیسے قول تعالیٰ "وأولئك هم المفلحون" "وإنا لنحن الصافون" "كنت أنت الرقيب عليهم" "تجدوه عند الله هو خيرا" "إن ترن أنا أقل منك" "هؤلاء بناتي هن أطهر لكم"۔

اخفش نے ضمیر فصل کو حال اور ذوالحال کے مابین واقع ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اور اس کی مثال میں قول تعالیٰ "هن أطهر" نصب کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جرجانی نے فعل مضارع سے قبل اس کا آنا روا رکھا اور اس کی مثال قول تعالیٰ "إنه هو يبدئ ويعيد" سے دی ہے۔

ابو البقاء نے اسی قسم کی مثال قول تعالیٰ "ومكر أولئك هو يبور" کو بیان کیا ہے۔ ضمیر فصل کے لئے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوتا اور اس کے تین فائدے ہیں:

(۱) اس بات کی خبر دینا کہ اس کا مابعد خبر ہے نہ کہ تابع (یعنی صفت وغیرہ)

(۲) تاکید، اور اسی وجہ سے کوفیوں نے اس کا نام "دعامہ" قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ کلام کو اسی طرح تقویت دی جاتی ہے جس طرح ستون سے چھت کو سہارا دیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض علماء نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ ضمیر الفصل اور ضمیر متصل کے مابین یکجائی نہیں

نہ ہو سکتی۔ چنانچہ "زید نفسہ ہو الفاضل" کبھی نہیں کہا جائے گا۔

(۳) ضمیر فصل اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔ زمخشری نے بیان کیا ہے کہ قولہ تعالیٰ "وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" میں تینوں فائدے ایک ساتھ موجود ہیں۔

زمخشری کے بیان سے اول ضمیر الفصل کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے مابعد کے خبر ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس کو صفت نہیں ٹھہراتی۔ دوم یہ تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور تیسرے یہ بات کہ موجب ہے کہ مسند کا فائدہ خاص مسند الیہ ہی کے لئے ثابت ہے نہ کہ اس کے سوا اور کسی شے کے لئے۔

ضمیر شان وقصہ:

اس کو ضمیر مجہول بھی کہتے ہیں۔

ابن ہشام نے مغنی میں بیان کیا ہے کہ یہ ضمیر پانچ وجوہ سے قیاس کے خلاف ہے:

اول یہ کہ وہ اپنے مابعد کی طرف عائد ہوتی ہے، اس لئے کہ جو جملہ اس کی تفسیر کرنے والا ہوتا ہے، مثال "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی طرح اس پر مقدم ہونا جائز نہیں ہوتا۔

دوم یہ کہ اس کی تفسیر جملہ ہی سے ہوتی ہے اور کسی شے سے نہیں ہوتی۔

سوم یہ کہ اس کے بعد کوئی تابع نہیں آتا چنانچہ نہ اس کی تاکید ہوتی ہے، نہ اس پر عطف کیا جاتا ہے اور نہ اس کا بدل ٹھہرایا جاتا ہے۔

چہارم یہ کہ اس میں ابتداء یا اس کے ناسخ کے سوا اور کوئی چیز عمل ہی نہیں کرتی۔

پنجم یہ کہ وہ افراد (مفرد ہونے) کو لازم کرتی ہے اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" "فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ" اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ خبر عنہ (مسند الیہ) کی تعظیم اور بڑائی پر دلالت کرتی ہے۔ اس طرح کہ پہلے اس کو ذکر کرتے ہیں پھر اس کی تشریح کی جاتی ہے۔

تنبیہ

ابن ہشام نے کہا ہے کہ "جہاں تک ضمیر کا حمل ضمیر شان کے سوا کسی اور ضمیر پر ہو سکتا ہے تو کبھی اس کو ضمیر شان پر محمول نہ کرنا چاہئے اور اسی وجہ سے قولہ تعالیٰ "اِنَّهُ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ" کی بابت زمخشری کا یہ قول کہ "اِنَّ" کا اسم ضمیر شان ہے، کمزور قرار دیا گیا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس ضمیر کو (جو کہ قولہ تعالیٰ "اِنَّهُ يَرٰكُمْ" میں ہے) ضمیر شیطان کہا

[illegible]

منصوب کا، خلط نہیں ہوتا۔

فائدہ:

ذوی العقول کی جمع کی ضمیر [illegible]

[illegible]

فائدہ

جب ضمیر [illegible]

[illegible]

یعنی ضمیر کا رجوع معنی کے لحاظ سے ہے لفظ کی طرف نہیں ہوا ہے۔ اس آیت شریف میں [illegible] کیا ہے اور دوسرا قول تعالیٰ "وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ" [illegible] یعمل اور یدخلہ میں ضمیر واحد لائی گئی ہے پھر اس کے بعد قول تعالیٰ خالدین میں اس کو صیغۂ جمع کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد "قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا" میں پھر ضمیر کو صیغۂ واحد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی جمع کے بعد اس کو وحدت کی طرف [illegible] کیا گیا ہے۔

فصل: تذکیر و تانیث۔

تانیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حقیقی۔

(۲) غیر حقیقی۔

مؤنث حقیقی کے فعل سے اکثر علامت تانیث کو حذف نہیں کیا جاتا مگر اس صورت میں جب کہ کوئی فصل (علیحدگی) واقع ہو اور جس قدر فصل زیادہ ہوگا [illegible] حذف کرنا اچھا متصور ہوگا۔

مؤنث حقیقی کے ساتھ علامت تانیث کا ثابت رکھنا [illegible] مگر مؤنث غیر حقیقی میں فصل کے ساتھ علامت تانیث کو حذف کرنا بہتر ہے جیسے قول تعالیٰ "فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ" "قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ" [illegible] اور جس قدر فصل زیادہ ہو علامت تانیث کا حذف کرنا اتنا ہی زیادہ اچھا سمجھا جائے گا۔ مثلاً قول تعالیٰ "وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ" اس حالت میں اس کا ثابت رکھنا بھی مناسب ہے جیسے قول تعالیٰ "وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ" چنانچہ یہ دونوں طریقے سورہ ہود میں آ گئے ہیں (یعنی حذف اور اثبات علامت تانیث) مگر بعض نے [illegible] کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس بات پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دونوں باتوں کو جمع کیا ہے [illegible] حذف کی مثال [illegible] سے اس کی ترجیح [illegible] ہوتی ہے۔

(۲) جس مقام پر فعل مؤنث کا اسناد [illegible]

لہ یعنی آیت ۶۷ [illegible] دوسری [illegible] (۹۴)۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کر دیا ہو۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] جاتا ہے۔

[illegible]

[illegible] چنانچہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مثلاً [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) [illegible]

[illegible] ہوتا ہے۔

(۲) [illegible]

[illegible] مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ذات کی مثال قولہ تعالیٰ ۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ ۔ ہے، اس میں ابی لہب دوسرا لقب بھی ہے اور
چونکہ اس (ابی لہب) کے ساتھ اس شخص کے جہنمی ہونے کی طرف کنایہ بھی ہے۔

(۳) اشارہ کے ساتھ تعریف کرنا اور اس سے غرض یہ ہے کہ سامع کے ذہن میں بطریق کامل حضوری ذات کو متمیز کیا جائے۔ جیسے، ھٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ۔ اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ سامع کی غباوت (کند ذہنی) کی تعریض کی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ حسی اشارہ کے بغیر کسی چیز کی تمیز بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بات بھی مذکورہ بالا آیت سے عیاں ہے لہٰذا دوسری مثال کی ضرورت نہیں۔

اور تعریف باشارہ کا دوسرا فائدہ مشار الیہ کے نزدیک اور دور ہونے کی حالت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے حالت قرب کا اظہار کرنے کے واسطے "ھٰذا" کو لاتے ہیں اور حالت دوری کو نمایاں کرنے کے واسطے "ذٰلک" اور "اولٰئک" سے اشارہ کرتے ہیں۔ پھر قریب کے ذریعہ اس کی تحقیر کا قصد بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً کفار کا قول اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ ۔ اور اَھٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوْلًا ۔ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا ؟ یا جیسے خدا تعالیٰ کا ارشاد وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ ۔ اور اشارہ بعید سے اس کی تعظیم بھی مقصود ہوتی ہے، مثلاً ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۔ اس کے درجہ کی دوری اور بلندی کی طرف جاتا ہے۔ اور تعریف باشارہ کا یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ [illegible] کے چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ بتایا جاتا ہے کہ [illegible] وصف کی وجہ سے وہ مشار الیہ [illegible] کا بھی مستحق ہے جو اس کے بعد آتا ہے، مثلاً اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ میں ہے۔

(۴) موصول کے ساتھ تعریف کرنا جس کی وجہ یہ ہے کہ معرف کا ذکر اس کے نام کے ساتھ ناگوار خیال کیا جاتا ہے اور یہ بات اس کی پردہ داری کی غرض سے ہوتی ہے یا کسی اور وجہ سے۔ [illegible] وہ [illegible] فعل یا قول کے ساتھ جو اس سے صادر ہوا [illegible] موصول بنا کر [illegible] کی مثل وہ [illegible] موصول کے ساتھ لایا جاتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ ۔ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَآ ۔ اور وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا ۔

۱؎ ایک غلط [illegible] اس کے معنی [illegible] میں استعمال کرتے ہیں [illegible] سیاق [illegible] میں اشارہ [illegible] جس کے [illegible] نہیں ہوا ہے۔

[illegible] وہ ام [illegible] ہیں یا دو ایسے کلاموں میں مذکور ہو جن کے مابین باہم تا پ
[illegible] تو اصل کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کلاموں میں سے ایک کو
[illegible] دوسرے کے [illegible] تعلق ہو [illegible] دونوں کے مابین واقع
[illegible] ہو کہ وہ دونوں [illegible] کے بھی ہوں"

[illegible] بیان سے آیت قتال کو وہ اعتراض بھی دفع ہو گیا جو اس کی وجہ سے
[illegible] اس کی صورت یہ ہے کہ آیہ قتال [illegible] قتال۔ سائل کے قول سے نقل کیا
[illegible] دوسرے قتال کی [illegible] و تسلیم کے [illegible]
ہے

[illegible] افراد (واحد) و جمع۔
[illegible] الارض:

[illegible] سے ایک "[illegible] الارض" کا مفرد و جمع ہونا
ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں بھی "ارض" کا لفظ آیا ہے وہ مفرد ہی آیا ہے اس کی جمع کہیں
[illegible] کے "سموات" [illegible] کی جمع آئی ہے "ارضون" [illegible] جمع
[illegible] کی وجہ [illegible] نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کی جمع ہے "ارضون" [illegible]
[illegible] کو [illegible] واحد [illegible] الارض [illegible]
[illegible] جگہ صیغہ جمع کے ساتھ اور کسی [illegible] مفرد کے ساتھ [illegible]
[illegible] ان [illegible] اور [illegible] کی شرح
[illegible] یہ ہے کہ جب [illegible] تعدد [illegible] وہاں [illegible]
[illegible] کی وسعت اور کثرت پر دلالت کرتی ہے، مثلاً
[illegible] السموات [illegible] آسمانوں کے رہنے والے [illegible] کثرت کی وجہ سے
[illegible]
[illegible] پر ان سب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ہوتی ہے۔

ترجمہ (ہوا) یہ مفرد اور جمع دونوں صیغوں کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ جہاں یہ رحمت کے بیان میں مذکور ہے وہاں جمع ہے اور جس مقام پر عذاب کے سیاق میں ہے وہاں مفرد لائی گئی ہے۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں "ریاح" آیا ہے وہ رحمت کے لئے ہے اور جس جگہ "ریح" آیا ہے وہ عذاب کے لئے ہے۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے، [illegible] (یعنی اے خدا! تو اس (ہوا) کو ریاح بنا، ریح نہ بنا)

اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ رحمت کی ہواؤں کی مختلف صفات و خصوصیات (کیفیتیں) اور فائدے ہوتے ہیں، لہٰذا جب ان میں سے کوئی [illegible] ہے تو اس کے مقابلہ میں دوسری ہوا [illegible] دونوں ہواؤں سے [illegible] ایک [illegible] پیدا [illegible] دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا رحمت میں بہت سی ہوائیں [illegible] اور عذاب میں وہ (ہوا) صرف ایک ہی طرف سے آتی ہے جس کا کوئی معارض نہیں [illegible] دفع کرنے والا۔

مگر یونس کے "وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ" [illegible] اس لئے خارج ہو گیا ہے کہ [illegible] کو باوجود رحمت کے [illegible] مفرد لایا گیا ہے۔

ایک وجہ لفظی ہے اور وہ یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ "جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ" [illegible] اس کے مقابلہ میں واقع ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مستقل طور پر تو جائز نہیں ہوتیں مگر مقابلہ کی صورت میں ان کا جواز نکل آتا ہے۔ جیسے کہ قولہ تعالیٰ "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ" [illegible] کے مقابلہ میں [illegible] اور مقابلہ [illegible] دیکھا [illegible] خدا [illegible] دوسری معنوی وجہ یہ ہے کہ [illegible] مقام [illegible] رحمت کا [illegible]

وحدت ہی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس کے اختلاف سے کیونکہ جہاز صرف ایک ہی ہوا (باد) موافق سے چلتا ہے لہٰذا اگر اس کو مختلف ہواؤں کے جھونکے میں پڑنا پڑے تو وہ ہلاک اور غارت ہو جاتا ہے۔ غرضکہ اس جگہ ایک ہی قسم کی ہوا مطلوب ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت لفظ "طیبۃ" کے ساتھ بیان فرما کر اس معنی کی تاکید فرما دی۔

اسی اصول پر جس کو ہم بیان کر آئے ہیں، قولہ تعالیٰ "ان یشأ یسکن الریح — فیظللن رواکد" بھی آیا ہے۔ مگر ابن المنیر نے کہا ہے کہ "نہیں یہ آیت مذکورہ قاعدہ پر آئی ہے کیونکہ ہوا کا ساکن ہو جانا جہاز والوں پر عذاب و مصیبت ہوتا ہے"

نور اور ظلمت۔ "نور" کو ہمیشہ مفرد اور "ظلمات" کو ہمیشہ جمع لایا گیا ہے اور "سبیل الحق" کو مفرد اور "سبل الباطل" کو جمع ذکر کیا ہے۔ اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ "ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"

اس کی وجہ یہ ہے کہ حق کا راستہ ایک ہی ہے اور باطل کے راستے شاخ در شاخ اور متعدد ہیں اور "ظلمات" بہ منزلہ طرق باطل اور "نور" بہ منزلہ طریق حق ہے بلکہ وہ دونوں بالکل اپنے دونوں [illegible] میں یکساں ہیں اور [illegible] کے اعتبار سے "ولی الذین آمنوا" [illegible] کے دوست [illegible] کے دونوں [illegible] اس وجہ سے [illegible] کی تعداد [illegible] ارشاد [illegible] [illegible]

[illegible] "نار" جہاں کہیں بھی آیا ہے مفرد اور "جنت" جمع اور مفرد دونوں صیغوں کے ساتھ آیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ "جنت" [illegible] کی مختلف انواع ہیں اور اس حیثیت سے اس کو جمع کر دینا بہتر ہے۔ مگر "نار" [illegible] صرف ایک [illegible] اور [illegible] بیان [illegible] "جنت" [illegible] [illegible] [illegible] خیال کیا گیا ہے۔

[illegible]

ہے اور بصر۔ دونوں [illegible] مفرد ہیں [illegible] جن کی [illegible]
ہیں چنانچہ ان دونوں الفاظ کو [illegible] [illegible]
اشارہ کیا گیا ہے۔

"صدیق" مفرد آتا ہے اور "شافعین" کو جمع لایا گیا ہے۔ [illegible]
"فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ" اس آیت کی حکمت [illegible]
والوں (سفارش کرنے والوں) کی کثرت ہوتی ہے اور سچے دوست کی کمی۔

زمخشری نے کہا ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی شخص کسی [illegible]
ہوتا ہے تو اس کے بہت سے ہمدرد جن میں اکثر اس کے شناسا بھی نہیں ہوتے [illegible]
ہمدردی کی وجہ سے اس کی سفارش کے لئے [illegible] کثرت ہوتے ہیں، لیکن سچا دوست [illegible]
اور اونٹنی کا انڈہ یا بیل کا دودھ تلاش کرنے کے مترادف ہے۔

"الالباب" یہاں آیا ہے صیغہ جمع ہی آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس [illegible]
میں ثقیل ہوتا ہے۔

"مشرق" اور "مغرب" ہر دو مفرد، تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں کے ساتھ [illegible]
جہاں مفرد لائے گئے ہیں وہاں ان کی جہت (سمت) ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے [illegible]
پر ان کو بصیغہ تثنیہ لایا گیا ہے وہاں ان کو موسم صیف (گرما) اور موسم شتا (سرما) [illegible]
اور مغرب (طلوع اور غروب آفتاب کی جگہ) کا اعتبار کیا گیا ہے، جس جگہ ان کو [illegible]
ذکر کیا ہے وہاں سال کی دونوں فصلوں (جاڑے اور گرمی) میں تعدد [illegible]
کی جگہوں کے متعدد ہونے) کا اعتبار کیا ہے اور ان کے ہر ایک [illegible]
ہیں اسی طرح آنے کی وجہ اختصاص (خاص ہونے کی وجہ) یہ ہے کہ [illegible]
کا وقوع تثنیہ کے ساتھ ہوا ہے اس لئے کہ اس سورت کا سیاق [illegible]
ہے اللہ تعالیٰ نے ایجاد کی دو نوعیں بیان کی ہیں جو کہ تحقیق [illegible]
کے ذکر پر اول شمس اور قمر کا ذکر کیا ہے، ان کے بعد نباتات کی دو [illegible]
[illegible] کا ذکر فرمایا ہے اور یہ دونوں نجم اور شجر (بغیر تنے کی بوٹی اور درخت) ہیں [illegible]
آسمان اور زمین کی دو نوع [illegible] اور [illegible] کی دو قسمیں، بعد ازاں [illegible]
والی چیزوں کی دو نوع ہو کہ [illegible] اور سبزیاں ہیں ان کو بیان کیا اور [illegible]

[illegible]
[illegible]

دونوں نشان درجات کو بیان کیا اور اس کے بعد مشرق اور مغرب کی دو طرف کا ذکر کیا اور بعد ازاں گرمی اور سردی دونوں واسطے دونوں طرح کے درجوں کا تذکرہ فرمایا۔ لہٰذا اس صورت میں مشرق اور مغرب کو تثنیہ کے صیغہ میں آنا ہی زیادہ اچھا ہوا۔

اور قول تعالیٰ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ میں بھی اسی طرح سورج کے طلوع و غروب کی جگہوں کو بصیغہ جمع اس لئے لایا گیا ہے تاکہ وہ قدرت الٰہی اور اس کی عظمت پر دلالت کریں۔

فائدہ:

اس مقام پر لفظ "کُبَّر" بصیغہ جمع کشتیوں کی صفت میں وارد ہوا ہے وہاں "کُبَرٰء" کہا گیا ہے۔ اور جس جگہ وہ گائے کی صفت میں جمع کے ساتھ آیا ہے وہاں "بقرۃ" کہا گیا ہے۔ یہ بات امام راغب نے بیان کی ہے اور اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ وہ معنی "بقرۃ" اس واسطے زیادہ بہتر ہے کہ وہ لفظ "کُبَّر" کی جمع ہے اور "کبر" [illegible] سے زیادہ بہتر ہے کہ لفظ اول یعنی "اکبر" [illegible] کا مفرد ہے۔

اور کتب لغت کے ذکر میں [illegible]

[illegible]

[illegible] کے خلاف ہے۔

فائدہ:

[illegible] ایک [illegible] کتاب [illegible] موضوع پر [illegible] قرآن کے مفرد [illegible] جمع [illegible] مفرد [illegible] واحد [illegible] میں [illegible] جمع اور مفرد کے [illegible] دریافت کرنے میں [illegible] وقت پیش آسکتی ہے۔

[illegible] اس کا [illegible]	[illegible]	اس کا [illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
		اس کی جمع [illegible]	[illegible]
		اس کا واحد نہیں ہے۔	[illegible]
[illegible]	[illegible]	اس کی جمع اَحِصَّۃٌ آتی ہے۔	[illegible]
		[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	اس کا واحد زَلَمٌ اور بعض کہتے ہیں کہ زُلَمٌ [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	اس کی [illegible] ہے۔	[illegible]
[illegible]	[illegible]	اس کا واحد [illegible] اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	صُورَۃٌ کی جمع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

لام آتا ہے وہ اس حرف سے "تفعیل" کا تثنیہ اور جمع کا صیغہ بنا سکتے ہیں مگر یہ لفظ ابھی خبر [illegible] دونوں کلمات میں اس طرح سے ہے کہ ان پر بغیر الف ولام آئے کبھی ان کو تثنیہ اور جمع بنا لیا جاتا ہے اسی وجہ سے ان کا معدول ہونا قرین قیاس ہے)۔

کہ ان لوگوں نے آیت مذکورہ کے بارے میں کہا ہے اگرچہ اس مقام پر لفظ اُخر ایک نکرہ کا وصف واقع ہے لیکن محض اس وجہ سے اس کا الف لام یعنی "الآخر" سے معدول ہونا ممتنع نہیں اس لئے کہ اس میں ایک وجہ سے الف لام مقدر بھی ہے اور ایک وجہ سے نہیں بھی ہے۔

فائدہ

جمع کا مقابلہ دوسری جمع کے ساتھ کرنے کی حالت میں کبھی تو اس مقابلہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ایک جمع کے افراد میں سے ہر ایک فرد کا مقابلہ دوسری جمع کے ہر ایک فرد سے ہو جیسے "جعلوا اصابعہم [illegible] واستغشوا ثیابہم" یعنی ان لوگوں میں سے ہر ایک شخص نے اپنے اپنے کپڑے سے [illegible] طرح قول الٰہی [illegible] یعنی ہر ایک [illegible] "یوصیکم اللہ فی اولادکم" یعنی اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی اولاد کے بارے میں [illegible] [illegible] "یرضعن اولادہن" ہر ایک ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔

اور کبھی اس مقابلہ کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک [illegible] ہر ایک فرد کے [illegible] ثابت ہو جیسے قول تعالیٰ "فاجلدوہم ثمانین جلدۃ" یعنی [illegible] کو حکم دیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک شخص [illegible] اور [illegible] نے قول تعالیٰ "وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات ان لہم جنات" کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا ہے یعنی ہر ایک مومن اور نیکوکار کے لئے جنتوں کی بشارت ہے۔

اور کبھی اس مقابلہ سے مذکورہ دونوں امور کا احتمال ہوتا ہے [illegible] کسی دلیل کی حاجت پیش آتی ہے جو کہ دونوں میں سے ایک کو متعین کرے۔

لیکن اگر جمع کا مقابلہ مفرد سے ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں [illegible] لفظ مفرد کے عام بنانے کی خواہش نہیں کرتا مگر کبھی وہ مفرد کی تعمیم چاہتا ہے جیسے قول تعالیٰ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" یعنی ہے کہ اس کے [illegible] یوم ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔ اور قول تعالیٰ "والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ" [illegible]

[illegible]

[illegible] نہیں ہوتا۔

خوف، خشیت [illegible] فرق [illegible] خشیت [illegible] خوف سے بہت بڑھی ہوئی اور [illegible] خشیت [illegible] کہتے ہیں [illegible] اہل عرب کے قول [illegible] سے [illegible] ہوا [illegible] درخت کا سوکھ جانا بالکل فوت ہو جانے [illegible] بالکل فوت ہو [illegible] اسی وجہ سے خشیت کو [illegible] خشیت [illegible] اللہ [illegible] کی عظمت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس سے ڈر لگتا ہو [illegible] خوف [illegible] شخص [illegible] ہو [illegible] معمولی [illegible] نہ ہو۔

[illegible] خشیت [illegible] میں آیا [illegible] خشیت [illegible] خوف کا [illegible] اس سے [illegible]

دلالت کرتی ہے۔

غرضکہ خدا نے ان تمام دونوں کو [illegible] جمع کر دیا، اور انسانوں کے [illegible] اس بات کی تنبیہ اس لئے نہیں کی کہ انسان کی کمزوری ایک کھلی ہوئی بات تھی اور اس کے لئے کوئی حجت نہ تھی کہ زیادہ زور دے کر ثابت کیا جائے۔

شُحّ اور بُخل۔ شُحّ کے معنی سخت ترین بخل (کنجوسی) کے ہیں۔

امام راغب کا قول ہے کہ "شُحّ" اس بخل کا نام ہے جس کے ساتھ حرص [illegible] پائی جاتی ہے۔

عسکری نے بخل اور ضنّ کے مابین یہ فرق کیا ہے کہ ضنّ [illegible] کی عاریتی چیز کے واسطے ہے اور بخل ہبہ کر دی جانے والی اشیاء میں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے "ھُوَ ضَنِیْنٌ بِعِلْمِہٖ"[1] اور "بَخِیْلٌ" نہیں کہا جاتا، کیونکہ علم بہ نسبت ہبہ ہونے کے عاریت کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ اس طرح کہ اگر ہبہ کرنے والا شخص کسی چیز کو ہبہ کر دیتا ہے تو وہ شئے اس کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور عاریتہً شئے دے دینا اس کے خلاف ہے، جس میں عاریت دینے والے شخص کی ملکیت بحال رہتی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے "وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ"[2] یہاں "بخیل" نہیں فرمایا۔

سبیل اور طریق۔ ان میں سے ہر لفظ ہمیشہ ایک ہی معنی کے لئے آتا ہے [illegible] کے نام سے قریب قریب اس وقت تک سبیل کا ذکر نہیں ہوتا جب تک کہ [illegible] یا اضافت کے ساتھ [illegible] کر نہ آئے۔ اور وہ وصف یا اضافت اس قسم کی ہو جو کہ [illegible] کے معنی کے لئے خاص کر دے۔ مثلاً قول تعالیٰ "یَھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ"۔ امام راغب کا قول ہے کہ سبیل اس راستے کو کہتے ہیں جس میں کچھ آسانی ہو [illegible] وہ اخص (خاص تر) ہے۔

[illegible] اور آتی دونوں کے معنی ایک ہیں مگر ان کے استعمال میں فرق ہے۔ [illegible] جو [illegible] کے بارے میں [illegible] اور [illegible] کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اسی سبب سے [illegible]

[1] وہ اپنے علم پر بخیل ہے یعنی کسی کو بتلانے میں بخیلی کرتا ہے۔ مترجم

[2] اور وہ رسول غیب پر بخیل نہیں یعنی غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا۔ مترجم

[illegible] جو [illegible] حضور [illegible] ہیں وہ جسے [illegible]
[illegible] اور [illegible] سب [illegible] اور [illegible] چیزیں ہیں۔ مگر قولہ تعالیٰ [illegible] اور
[illegible] محضرون میں [illegible] آیا ہے کیونکہ [illegible] ایک حق ہے [illegible]۔

اور قولہ تعالیٰ [illegible] یعنی [illegible] کام آیا ہے [illegible]
ہیں جو مشاہدہ میں آنے والی چیزیں ہوتے کی ذات سے [illegible] کہہ سکتی ہیں۔

اسی طرح قولہ تعالیٰ [illegible] یعنی جب کسی کو اجل (موت) مشاہدہ میں آنے والی
شے کے اندر ہے اور کوئی شخص اس کے [illegible] انکار نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کا
قول [illegible] ہے اس کی تعبیر لفظ حضور (آمد) کے ساتھ کی گئی ہے۔

اور قولہ تعالیٰ [illegible] اور [illegible] اتیناک بالحق [illegible]
جس سے [illegible] فرق کیا گیا ہے کہ [illegible] عذاب کے واسطے سے اور عذاب [illegible]
[illegible] مشاہدہ میں آنے والی [illegible] آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیز ہے۔

[illegible] نے کہا ہے کہ [illegible] اور [illegible] کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں [illegible]
[illegible] اور [illegible] کے [illegible] ہیں جہاں [illegible]
[illegible]

[illegible] کا قول ہے [illegible] چیزوں کے [illegible]
[illegible]
[illegible] العذاب [illegible]

[illegible] چیز کے [illegible] ہیں [illegible] کی [illegible] نہیں
[illegible] کی چیز) [illegible]
[illegible] چیز کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے
اندر [illegible] کا ذکر [illegible] پانی کے [illegible] قولہ تعالیٰ
[illegible] کا قول [illegible]
[illegible] کہ اس کو وہ چیز [illegible]
اور [illegible] کہ وہ چیز [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]

فعل میں کے برخلاف ہے، مثلاً "کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ" "کَیْفَ فَعَلْنَا بِہِمْ" ان مثالوں میں فعل کا لفظ ہلاک کرنے کے واسطے استعمال ہوا ہے اور اس میں ذرا بھی دیر نہیں لگی یعنی یا تھ فوراً ہی عذاب بھیج دیا جانا مراد ہے۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ "وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" میں بھی یہی مراد ہے کہ فرشتوں کو جس کام کا حکم دیا جاتا ہے وہ اسی وقت اس کی تعمیل کر دیتے ہیں۔

عمل کا لفظ ایسے امور میں بولا جاتا ہے لیکن عمل کے ساتھ ان امور کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عرصہ دراز تک مسلسل جاری رہتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قول "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" میں فرماتا ہے کیونکہ اس جگہ نیک کاموں کے کرنے پر مداومت مقصود ہے نہ یہ کہ اسے جھٹ پٹ ایک دفعہ کر کے فراغت حاصل کر لیں اور عمل میں امتداد زمانہ کے معنی پائے جانے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے قول "یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ" اور "مِمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَا" سے بھی ملتی ہے اس لئے کہ چوپایوں، درختوں، پھلوں اور کھیتوں کا پیدا کرنا امتداد کے ساتھ ہوا ہے۔

قولہ تعالیٰ "وَافْعَلُوا الْخَیْرَ" میں لفظ فعل سے یہ مراد ہے کہ جلدی کرو جیسا کہ فرمایا ہے "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ" (یعنی نیکیوں کے حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرو) یا اسی طرح اپنے قول "وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ" میں یہ مراد لیا ہے کہ وہ لوگ بہت جلد اور بلا درنگ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں۔

قُعُوْد اور جُلُوْس۔ ان میں سے پہلا لفظ یعنی قعود اس بات کے لئے آتا ہے جس میں درنگ پایا جاتا ہو بخلاف دوسرے یعنی جلوس کے، چنانچہ اسی سبب سے "قَوَاعِدُ الْبَیْتِ" کہا جاتا ہے "جَوَالِسُ الْبَیْتِ" نہیں کہا جاتا اس لئے کہ قعود کے لفظ میں درنگ اور توقف کے معنی پائے جاتے ہیں اور جس مقام پر اس کی درنگ ہی کا لحاظ ہو [illegible] قعود کہا گیا ہے۔

اور "مَجْلِسُ الْعِلْمِ" کہتے ہیں اور "مَقْعَدُ الْعِلْمِ" نہیں کہتے کیونکہ مجلس علم میں کچھ وقت تک بیٹھنا اور تخفیف کرنا واجب ہے، چنانچہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قولہ تعالیٰ "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ" میں اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ مقصود مقام کو زوال نہیں، اور چونکہ جس جگہ کا مفہوم اس کے خلاف ہو اسی لئے "تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ" فرمایا۔

[illegible] کہ مجلسوں میں تھوڑی دیر بیٹھنے کا معمول ہے۔

[illegible] یہ دونوں لفظ معنی میں متفاوت ہیں [illegible] قول ہے [illegible]
[illegible] یہ دونوں [illegible] ہوتے ہیں [illegible]
[illegible] کے معنی میں [illegible] نقصان [illegible] کر دینا [illegible]
[illegible] کے پورے ہو جانے کے بعد ہو گی [illegible] نقصان [illegible]
[illegible] کامل [illegible] دینا۔ لہٰذا قول [illegible] اس بات سے [illegible]
[illegible]
[illegible] مقصود [illegible] صفات میں [illegible]
[illegible] ذہن میں [illegible]

[illegible] قول [illegible] سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شے تمام ہوئی [illegible] کوئی نقص موجود تھا مگر [illegible] سے اس بات کا شعور نہیں ہوتا۔
[illegible] کمال [illegible] وصف کمال کے ساتھ کیا جائے [illegible] اس چیز کا نام ہے جس سے [illegible] ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے [illegible] نہیں کہا جاتا۔ ہاں [illegible] یعنی سب کا سب [illegible] حیثیت سے [illegible]
[illegible] قول ہے کہ اہل زبان ان دونوں لفظوں کے معنی [illegible] دونوں لفظوں کے استعمال میں [illegible] فرق [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مصادر ہوتے ہیں تو ان کا مفعول [illegible]

معلوم نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

وہاں یہ مفعول [illegible]

[illegible]

اسی نسبت کو ادا کرتا [illegible]

اسی طرح قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] قرآن کی [illegible]

بے شک وہ [illegible] میدانِ حشر میں پانی پینے [illegible]

سیراب ہو کر آگے [illegible] اور جنت کے [illegible]

وجہ سے اس کی تعبیر لفظ [illegible] کے ساتھ کی گئی ہے [illegible] رسول اللہ [illegible]

بہت جلد [illegible]

[illegible] منتقل ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں گے)

اسی طرح قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible]

پر دلالت کرتی ہو جائیں گے [illegible] تفسیر شفقت کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ آیت بھی خشیت
پوری کر چکنے کے بعد دوسری جگہ منتقل ہو جانے کا نام ہے "اکنون" ہی کی نظیر ہے۔ اور قولہ
"یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" کی تفسیر ہی دلالت ہے کہ اس میں موجودات کے [illegible] کا وقوع
بار بار ہوتا ہے۔ پھر قولہ تعالیٰ "حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ" میں [illegible] کی قوت کی اس بات
پر اشارہ ہے کہ [illegible] کا دینا ان کے قبول کرنے پر موقوف ہے اور [illegible] جزیہ دیتے
ہیں وہ ان کو بخوشی تو دیتے نہیں بلکہ بمجبوری اور بددلی سے ادا کرتے ہیں۔

فائدہ

امام راغب نے کہا ہے کہ قرآن میں صدقہ (زکوٰۃ) کا ذکر لفظ ایتاء کے ساتھ
نہیں بیان ہوا ہے جیسے "وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ" اور [illegible]
امام راغب نے یہ کہا ہے کہ جس موقع پر کتاب [illegible] "آتَيْنَاهُمْ" کا صیغہ
آیا ہے وہ بہ نسبت [illegible] کے جہاں "أُوتُوا" [illegible] زیادہ بلیغ ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] اور "[illegible]" [illegible]
کتاب اللہ کو قبول کرتے ہیں۔

"السَّنَةُ" اور "الْعَامُ"۔ راغب کہتا ہے کہ "السَّنَةُ" کا زیادہ تر استعمال اس سال
[illegible] میں ہوتا ہے جس میں [illegible]
تعبیر کرتے ہیں۔ مگر "الْعَامُ" زیادہ تر اس سال کا [illegible] جس میں [illegible]
سرسبزی اور پیداوار کی زیادتی پائی جائے۔

اسی بیان کے قریب قولہ تعالیٰ "أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا" [illegible]
[illegible] ہوتی ہے کیونکہ [illegible]
لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ

سوال و جواب کا بیان۔

جواب کے [illegible] یہ ہے کہ جب سوال واجب ہو تو [illegible] سوال کے مطابق ہو
[illegible] کی اس بات پر [illegible] کی غرض ہے کہ سوال [illegible] جواب [illegible]

میں سوال کے اقتضاء سے [illegible]
ظاہر ہو اس کا جواب [illegible] سوال کا مناسب [illegible]
جواب صحیح [illegible] اور [illegible]

[illegible] جواب کا نام [illegible] حکیم [illegible]
بات کی ضرورت [illegible] اس کا جواب خود سوال سے [illegible]
آتا ہے اور کبھی [illegible] سوال کے [illegible]
یہ اس سوال کی مثال ہے [illegible] پوچھنے والوں [illegible]
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ [illegible]
چاند کی نسبت دریافت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] چاند کے [illegible]
[illegible] سوال کرنے والوں کو [illegible]
[illegible]

سکاکی اور اس کے پیرو کاروں کا قول یہی ہے [illegible]
آخر میں [illegible] اس طرح اس [illegible]
علم ہیئت کی باریکیوں کو [illegible]

[illegible] اس بات کے معلوم [illegible]
بنیاد [illegible]
[illegible]
[illegible] دریافت کی [illegible]
[illegible] اس بات [illegible]
اس میں پایا جاتا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

اور اُن کے ذہن میں جم سکتا، بالکل اسی طرح جیسے اُن لوگوں نے کہکشاں وغیرہ دوسری مخلوق اشیاء کی نسبت سوال کیا تو اس کا اُن کو تسلی بخش جواب دیدیا گیا۔

البتہ اس قسم کے جواب کی (جس میں سائل کے سوال کے خلاف اُسے اور کچھ جواب دیا گیا ہو) صحیح مثال وہ جواب ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دیا تھا۔ فرعون نے جس وقت اُن سے سوال کیا۔ "وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" تو موسیٰ نے کہا "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا" اس مقام پر سوال لفظ "مَا" کے ساتھ ہوا تھا اور یہ سوال ماہیت اور جنس کے متعلق تھا مگر چونکہ باری تعالیٰ جنس و نسل سے بری ہے اور اُس کی ذات کا ادراک محال ہے لہٰذا سائل کا سوال غلط تھا اور جواب میں درست امر کی طرف عدول کیا گیا یعنی ایسا وصف بیان کر دیا گیا جو معرفت باری تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسی وجہ سے فرعون نے اس جواب کے سوال سے مطابق نہ ہونے پر تعجب کرتے ہوئے اپنے درباری لوگوں سے کہا "اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ" یعنی کیا تم اس شخص کا جواب نہیں سنتے ہو دیکھو کیسا بے جوڑ اور سوال سے بیگانہ ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا "رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ" یہ جواب ان لوگوں کے فرعون کی ربوبیت کے اعتقاد کو باطل کرنے پر از روئے نص (صراحت) شامل تھا اگرچہ اُن کے پہلے جملہ میں ضمناً کسی قدر دلالت بھی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ یہ جواب سُن کر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تمسخر کیا اور جب موسیٰ نے یہ دیکھا کہ ان لوگوں نے ان کی بات اب تک نہیں سمجھی ہے تو انھوں نے دوبارہ زیادہ وضاحت کرنے کے طرز پر جواب دیا "اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ"۔

اور جواب میں سوال سے زیادتی کرنے کی مثال "یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ" ہے کیونکہ یہ قول "مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ" کے جواب میں کہا گیا ہے۔ اور موسیٰ کا قول "هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا" بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ اُن سے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ سوال کیا تھا۔ "وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى" (یعنی اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟) مگر موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کے سوال کرنے سے مسرور ہو کر جواب میں زیادتی کر دی۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب "نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ" اور اصل سوال "مَا تَعْبُدُوْنَ" سے زائد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن لوگوں نے بت پرستی کی

مسرت کا اظہار اور اس کے کرنے جانے پر ہمیشگی کرنے کا ذکر کر کے سائل کو جتلانے کی غرض سے جواب میں اس قدر اضافہ کر دیا۔

جواب میں سوال کی نسبت سے کمی ہونے کی مثال ہے قولہ تعالےٰ "قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ" اور یہ قول "ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ" کے جواب میں آیا ہے۔ چنانچہ اس قول میں صرف تبدیل کے سوال کا جواب دیا گیا اور اختراع (خود بخود قرآن بنا لینے) کا ذکر ہی نہیں کیا۔ زمخشری نے کہا ہے کہ یہ اس لئے کہ تبدیل کرنا تو انسان کے امکان میں ہے مگر اختراع کرنا اس کی قوت سے باہر ہے لہٰذا اس کا ذکر ہی گول کر دیا کیونکہ سائل اس کا جواب نہ پائے گا تو خود سمجھ جائے گا کہ یہ ایک ناممکن امر کی خواہش کی تھی۔ لہٰذا اس کا جواب نہیں ملا۔

سی اور … کا قول ہے کہ تبدیل بہ نسبت اختراع کے بہت ہی آسان ہے اور جب کہ تبدیل ہی کے ممکن ہونے کی نفی کر دی گئی تو اس صورت میں اختراع کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی۔

تنبیہ

بعض اوقات سوال کے جواب سے بالکل ہی عدول کر لیا جاتا ہے اور اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ سائل کی مراد اپنے سوال سے یہ ہو کہ جس شخص سے سوال کیا گیا ہے اُسے جواب دینے میں لغزش ہو اور وہ شبہ میں پڑ جائے تو پھر اس کا شکار ہو جائے، جیسے قولہ تعالیٰ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔

کتاب الافصاح کے مؤلف نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال محض اس خیال سے کیا تھا کہ آپ اس کے جواب دینے سے عاجز رہیں گے، اور اس طرح آپ کو لغزش کا شبہ لگ جائے گا۔ کیونکہ روح کا لفظ انسانی روح، قرآن کریم، حضرت عیسیٰ، جبرئیل … ایک دوسرے فرشتہ اور فرشتوں کی ایک صنف، ان سب معنوں پر مشترک طور سے بولا جاتا ہے چنانچہ یہودیوں کا اس سوال کے کرنے سے ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن معنی (چیز) کے ساتھ ان کے سوال کا جواب دیں گے اس کو وہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو اسے نہیں دریافت کیا تھا لہٰذا ان کو جواب مجمل ملا۔ اور یہ اجمال ان کے فریب دینے میں اس کی روک کرنے والی چال تھی جو وہ لوگ اپنانے کا ارادہ کر رہے تھے۔

فائدہ

بعض کہتے ہیں کہ جواب کے بارے میں اصل یہ ہے کہ نفس سوال کا اعادہ کیا جائے

[illegible] وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ [illegible]

[illegible]

[illegible] باوجود سوال کی مشاکلت فوت ہو جانے کے [illegible]

[illegible]

[illegible] یہ بات کہی ہے کہ جو شخص [illegible]

[illegible] اس کے جواب میں [illegible] کہا جاتا ہے تو اس

[illegible] کی تقریر ہے مقام [illegible] مگر [illegible] کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے [illegible] باوجود اس کے جواب کے شروع میں فعل [illegible]
[illegible] اس سوال کا جواب مقدر ہے اور اس پر [illegible]
[illegible] میں آنے کی حیثیت نہیں [illegible]
[illegible]

[illegible] جس جگہ سوال [illegible] زبان سے ادا کیا گیا [illegible] وہاں جواب [illegible] فعل کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اور تنہا [illegible] اس جگہ [illegible]

[illegible]

[illegible] سوال [illegible] کیا [illegible]

[illegible]

فائدہ:

[illegible] سوالات قرآن میں [illegible] کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ [illegible] یہ سوال سورۃ البقرہ میں حسب ذیل ہیں:

(۱) وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي [illegible]

(۲) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ

(۳) يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ [illegible]

(۴) يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

[illegible]

(٥) وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ [illegible]

(٦) يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ [illegible]

(٧) [illegible] فِي [illegible]

(٨) [illegible] عَنِ [illegible]

اور [illegible] سوال يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ الآية [illegible] سورة المائدة

میں۔

(١) [illegible] سورۃ انفال میں يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ

(٢) [illegible] عَنِ [illegible]

(٣) [illegible] عَنِ [illegible]

(٤) [illegible] سوال وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ

(١٢) اور [illegible] سوال وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ہے۔

ان [illegible] روح اور ذی القرنین کی بابت مشرکین [illegible] سوالات کئے تھے [illegible] سوالات نہیں کئے تھے اور [illegible] کی بابت [illegible] روایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

(١) يَسْـَٔلُونَكَ [illegible]

(٢) يَسْـَٔلُونَكَ [illegible]

(٣) يَسْـَٔلُونَكَ [illegible]

(٤) يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ [illegible]

(٥) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سوالات [illegible]

[illegible] اسی طرح ان تمام ... صفات ... [illegible]

ہوا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ... رحمہ اللہ ... [illegible]

میں واقع ہوا ہے اور ... نہیں ... [illegible] زمانہ ماضی [illegible]

قبل تھا ہی نہیں کیونکہ زمانہ ماضی میں ... [illegible]

(ہمیشہ ...) ہو کیونکہ وہ اس زمانہ کے قبل اور اس کے بعد ... [illegible]

... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ... کا قول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ کہ اس میں خلق ... [illegible]

[illegible]

ہیں۔

تنبیہ دوم

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ... [illegible]

... کہا ہے کہ ... اللہ کا ... [illegible]

... نے کہا سلاماً ... ابراہیم نے کہا سلام ... [illegible]

... یعنی تقدیر عبارت ... [illegible]

... حدوث ... [illegible]

... بخلاف ابراہیم ... [illegible]

... [illegible]

... ابراہیم نے یہ ارادہ کیا کہ ... [illegible]

... سلام کریں۔

تنبیہ سوم

... اسم کی دلالت ثبوت پر اور فعل کی دلالت ... [illegible]

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۶۶۱) [illegible]

[illegible]

جو کچھ بیان کیا ہے اہل بیان کے نزدیک ایک مشہور امر ہے مگر ابن الزملکانی کی کتاب التبیان پر واقعی بات [illegible] کے نام سے جو ایک رسالہ ابو المطرف بن عمیرہ [illegible] ہیں وہ اس بات سے انکار کرتا ہے [illegible] کہتا ہے کہ یہ قول غریب (اوکھا) ہے اور اس کی کوئی سند نہیں کیونکہ [illegible] اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے [illegible] کسی شے کے لئے کوئی معنی ثابت کرے [illegible] جیسا کہ اس کی مثال میں یہ آیتیں قرآن میں ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۔ اور قولہ تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۔

ابن منیر نے کہا ہے کہ [illegible] (حرف زائد) کا لانا [illegible] کہ [illegible] اور [illegible] اور علماء کے بیان کے مطابق اس میں ایک [illegible] دربارہ [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی وجہ سے [illegible] [illegible] [illegible] اور کوئی شے [illegible] منافقوں کے بارہ میں [illegible] [illegible]

[illegible]

فائدہ: [illegible] (مصدر کا نیابت)

[illegible] نے کہا ہے کہ [illegible] مصدر (واجب ہے) [illegible] کا طریقہ یہ ہے کہ [illegible] میں مصدر [illegible] اور [illegible] باتوں کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے مصدر کو منصوب [illegible] [illegible] مصدر [illegible] آنے کی مثالیں یہ ہیں، قولہ تعالیٰ [illegible] بِإِحْسَانٍ [illegible] مصدر [illegible] کی مثال ہے قولہ تعالیٰ [illegible] [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible] [illegible] [illegible] اس بارے میں [illegible] [illegible] ہے۔

ابو حیان نے کہا ہے کہ [illegible] قولہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] کی حفاظت [illegible]

بعض علماء نے [illegible] کی [illegible] میں یہ کہا ہے کہ [illegible]

[illegible]

[illegible] کی قرأت [illegible]

کے بارے میں کہا گیا ہے کہ [illegible] کے معنی [illegible]

کی خبر [illegible] کے ساتھ [illegible] متصل [illegible] ہوا کرتی ہے۔

اور قولہ تعالیٰ [illegible]

میں کہا گیا ہے کہ [illegible]

تنبیہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کر لیا [illegible]

معنی ہی پر عطف کر دیا اور اس عطف میں [illegible]

[illegible]

مسئلہ

اس بارے میں اختلاف [illegible] کی خبر [illegible]

[illegible]

لوگوں سے [illegible]

مگر [illegible]

جو سورۃ البقرہ [illegible] اور قولہ تعالیٰ [illegible]

آیا ہے استدلال [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔ تعجب ہے جیسا کہ [illegible] نہیں [illegible] جملہ کا [illegible]
[illegible] اور دوسری مثال کے [illegible] ہے کہ اس [illegible]
[illegible] کے [illegible] ہیں ۔

[illegible] نزدیک [illegible] کی ہے کہ " [illegible] مِنُوْنَ " کے معنے اہل ایمان [illegible]
[illegible] تفسیر [illegible] القصوٰی [illegible] ہیں ۔

[illegible] نزدیک کی ہے کہ " [illegible] مِنُوْنَ " یہ [illegible] کہ وہ بر [illegible]
[illegible] کے [illegible] طلب (یعنی فعل امر) ہے ۔
[illegible] ہے کہ یہ دونوں صیغہ امر (بشر) لفظ [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] قول کا [illegible] ثابت [illegible] ہوتا ہے ۔

مسئلہ

[illegible] بسم [illegible] پڑھنا بھول جائے یا اس کے ترک کی صورت کے جواز کی
[illegible] اس کا [illegible] ہیں اور بعض علما اس سے منع کرتے ہیں ۔
[illegible] تفسیر [illegible] اس بات پر [illegible] نسائی کی ہے اور اس سے
[illegible] بسم اللہ [illegible] ذبح کے گئے جانور کے گوشت کا احرام [illegible]
[illegible] وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۚ
[illegible] کہا جائے کہ یہ آیت کریمہ "ولا تأکلوا" [illegible]
[illegible] جانور کا گوشت [illegible] حرمت پر نص نہیں بلکہ اس کے [illegible]
[illegible] اس آیت میں دونوں جملوں کے [illegible] اور [illegible]
[illegible] واو عاطفہ نہیں ہے اور نہ یہ واو حرف استیناف ہے کیونکہ واو
کا [illegible] کہ وہ اپنے [illegible] کا اپنے ماقبل کے ساتھ ربط [illegible] اور [illegible]
صورت نہیں پائی جاتی لہذا اب یہی امر باقی رہا کہ واو حالیہ ہو اور یہ جملہ [illegible]
[illegible] یہ [illegible] کہ یہ حالت [illegible] التسمیہ کے
[illegible] کا گوشت نہ کھاؤ ۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ فسق نہ ہو تو ایسا
[illegible] اور فسق [illegible] اللہ تعالیٰ کا یہ قول " اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ "
[illegible] ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس پر (ذبح کرتے وقت) غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو

تو اپنے جانور کا گوشت نہ کھاؤ، پھر اس کا مفہوم بہ نظر غور دیکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ جب تم ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت اُس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس کا گوشت بے تکلف کھاؤ۔

ابن ہشام کا قول ہے کہ اگر دو جُملوں کا انتشار اور نہ بین مختلف ہونا [illegible] بے شک یہ بات درست ہوئی۔

مسئلہ

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا دو مختلف معمولوں کے معمول پر عطف کرنا جائز ہے یا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ سے اس کی ممانعت کا قول مشہور ہے، اور المبرد، ابن السراج اور ہشام بھی اسی کے قائل ہیں۔

مگر اخفش، کسائی، فراء اور زجاج نے اسے عطف کو جائز کہا ہے چنانچہ [illegible] بنا پر انھوں نے قولہ تعالےٰ "اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○" کو اس قرأت کی صورت پیش کیا ہے [illegible] اختلاف یعنی "آیات" [illegible] قرأت کیا گیا ہے۔

مسئلہ

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

چنانچہ قولہ تعالےٰ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا علم [illegible] [illegible] مگر [illegible] کے [illegible] کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ابوحیان نے مزید کہا ہے کہ "جس بات کو ہم مختار قرار دیتے ہیں وہ ایسے عطف کا جواز ہے کیونکہ یہ کلامِ عرب میں خواہ وہ نظم ہو یا نثر دونوں میں بہ کثرت وارد ہوتا ہے، اور ہم جمہور اہلِ بصرہ کی پیروی کو عبادت نہیں سمجھتے، بلکہ ہمارا طریقہ دلیل کی پیروی کرنا ہے۔"

حصہ اول تمام ہوا

لغات الحدیث

مؤلفہ علامہ وحید الزمانؒ

اس کتاب کا اصل نام "اسرار اللغۃ معہ انوار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات" تھا جو اب "لغات الحدیث" کے مختصر نام کے ساتھ اصح المطابع کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے۔

اردو زبان میں عربی لغات کے ترجمہ و تشریح سے متعلق آجتک اس درجہ کی کوئی جامع لغات شائع نہیں ہوئی۔ "لغات الحدیث" کی تالیف میں النہایۃ لابن الاثیر، مجمع بحار الانوار، القاموس المحیط، الصحاح للجوھری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الفائق للزمخشری، المغرب، شرح النہج العجیب اور لسان العرب جیسی معروف کتب سے مدد لی گئی ہے۔

اس عظیم الشان کتاب کی مدد سے عربی زبان کے تمام الفاظ کی دریافت کے ساتھ ساتھ احادیث اہلِ سنت و امامیہ اور آثار صحابہ پر بھی بخوبی عبور حاصل کیا جاسکتا ہے۔

الفاظ کے تحت احادیث و آثار مع ترجمہ و شرح مندرج ہیں۔ شائقین علمِ حدیث اور ہر مذاق کے علماء و طلبہ کے لئے ایک قابلِ قدر تحفہ ہے ——— یہ کتاب ۲۴ حصوں یا چھ جلدوں میں مکمل ہے

قیمت - جلد اول الف تا ح -/۱۳ ، جلد دوم خ تا ز -/۱۳ ، جلد سوم س تا ض -/۱۳

جلد چہارم ط تا ف -/۱۳ ، جلد پنجم ق تا م -/۱۲ ، جلد ششم ن تا ی -/۸

۶ جلدوں کی مجموعی قیمت مجلد -/۷۲ روپے

شائقین کی آسانی کے لئے الگ الگ حصص کی فروخت کا بھی انتظام ہے۔

الف	۲/-	ح	۴/-	ز	۲/-	ض	۲/-	ف	۳/۸	م	۳/-
ب	۲/۸	خ	۴/-	س	۴/-	ط ظ	۲/۸	ق	۴/-	ن	۴/-
ت ث	۲/-	د ذ	۳/۸	ش	۳/۸	ع	۵/۸	ک	۲/-	و	۲/-
ج	۳/-	ر	۴/-	ص	۳/۸	غ	۲/۸	ل	۲/-	ھ ی	۲/-

قابلِ قدر دینی و علمی کتابیں

صحیح لغات القرآن -/۴
تفسیر ابن کثیر اردو کامل ۵ جلد -/۵۵
لغات الحدیث کامل ۶ جلد -/۷۲
صحیح بخاری شریف اردو ۳ جلد -/۲۴
موطا امام مالک عربی مع اردو -/۱۲
مشارق الانوار مترجم عربی مع اردو -/۱۴
مشکوٰۃ شریف اردو ۲ جلد -/۱۶
صحیح ترمذی شریف اردو ۲ جلد -/۱۶
شمائل ترمذی -/۸
بلوغ المرام عربی مع اردو -/۸
حصن حصین عربی مع اردو -/۸
[illegible] -/۱۰
[illegible] -/۲۰
تحفہ اثنا عشریہ اردو -/۱۲
بستان المحدثین اردو -/۵

ابن ماجہ اور علم حدیث اردو -/۸
[illegible] اردو -/۳
سیرت پاک ۱/۸
مختصر خصائل نبوی -/۱
مختصر شعب الایمان -/۱
نقد الحدیث -/۱
کتاب التوحید عربی مع اردو -/۳
تقویۃ الایمان -/۸
کتاب الصلوٰۃ ۱/۸
اسباب زوال امت ۱/۸
علامات قیامت -/۱
[illegible] -/۵
مقدمہ تاریخ ابن خلدون -/۱۵
حیات حمید الزمان -/۴
فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

نور محمد، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی